علومِ مصطفیٰ پر مشتمل ایک لاجواب کتاب

إنباء الحی أن کلامہ المصون تبیانٌ لکلِ شیئ

کا اُردو ترجمہ بنام

قرآن ہر شے کا بیان

تصنیف

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: حضرت علامہ مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری

مکتبہ اعلیٰ حضرت

علوم مصطفیٰ پر مشتمل ایک لاجواب کتاب

إنباء الحي أن كلامه المصون تبيان لكل شيء



تصنیف

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ الرضوان

ترجمہ

حضرت علامہ مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری

مکتبہ اعلیٰ حضرت
داتا دربار مارکیٹ، لاہور
042-37247301
0300-8842540

موضوع ---------- علم غیب مصطفیٰ ﷺ

زبان ---------- عربی

تصنیف ---------- اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان

نام اردو ترجمہ ---------- قرآن ہر شے کا بیان

ترجمہ ---------- حضرت مولانا محمد حسنی نوری قادری

صفحات ---------- 696

سن اشاعت ---------- ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ / بمطابق مارچ 2012ء

قیمت ----------



فہرست مشمولات

●●●

الله جل جلاله

الحمد للمتوحد	بجلاله المتفرد
وصلاة مولانا على	خير الأنام محمد
والآل أمطار الندى	والصحب سحب عوائد
لا هم قد هجم العدى	من كل شاو أنضد
لكن عبدك آمن	إذ من دعاك يؤيد
لا أختشي من بأسهم	يد ناصري أقوى يد
يا رب يا رباه يا	كنز الفقير الفاقد
بك التجي بك أدفع	في نحر كل مهدد
أنت القوي فقوني	أنت القدير فأيد
فبأي العظيم توسلي	بكتابه وبأحمد
وأدم صلاتك والسلا	م على الحبيب الأجود
واجعل بها أحمد رضا	عبدا بجهز السيد

(للإمام أحمد رضا القادري قدس سره)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیوانے افراد میں ایک عظیم فرد جو جذبہ جستجو اور ترویج مسلک اعلیٰ حضرت کے ہتھیار سے لیس ہے وہ دنیائے سنیت و رضویت میں مفکر اسلام، صاحب تصانیف کثیرہ، حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج یوپی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ پرجوش آرمی (Army) اپنے جذبہ خلوص اور ایثار وللہیت سے مسلح ہو کر فکر رضا کی تحقیق واشاعت میں سینہ سپر اور صف آرا ہیں۔ ان کے پیکر سراپا کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی سچی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈالے ہوئے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ واستحکام کی خاطر سوئے منزل خراماں خراماں چلتے نظر آتے ہیں۔

مجھے حیرت ہے کہ ان کا قلم برق رفتار ہے یا صاعقہ صفت، کہ انتہائی قلیل و مختصر مدت میں شبستان رضا سے خوشہ چینی کر کے وہ ایک ضخیم کتاب تیار کر لیتے اور امام احمد رضا سے عشق ووارفتگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح سے ان کے قلم اور انگلیوں کا کمال ضرور ہے مگر میری نظر میں یہ سب فیض یزدانی اور فیضان اعلیٰ حضرت کی جلوہ سامانیاں اور رضائے مصطفےٰ کی کرم نوازیاں ہیں ارباب علم وفن جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے اب تک تصنیف وتالیف کی شکل میں جتنا کام کیا ہے وہ ان کی عمر سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہ تو کوئی پروموشن (Promotion) نہ ایوارڈ (Award) کی فکر میں رہے نہ سرمایہ سمیٹنے کا خیال دامنگیر رہا۔ اگر ان کی کوئی خواہش رہی تو بس یہی کہ رضا کا جھنڈا ایشیا سے یورپ اور سارے عرب وعجم میں لہراتا رہے اور ایوان باطل لرزہ براندام ہو یہی خواہش ان کے لئے ایوارڈ (Award) اور انعام (Gift) ہے۔

عمدۃ المحققین، حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری ایک متدین عالم

دین، فاضل علوم اسلامیہ اور درس نظامی کے معتبر و باصلاحیت مدرس ہونے کے ساتھ یقین محکم اور عمل پیہم کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ وہ عزم و حوصلہ سے آگے بڑھنے اور جہد مسلسل کے قائل ہیں۔ میری معلومات میں وہ چھوٹی بڑی کئی کتابوں کے مولف و مرتب ہیں۔ ان کے منشور تحقیق اور ان کے لکھنے کا محور و مرکز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اور ان کی تصانیف ہیں جو پوری دنیائے سنیت کے مرکز عقیدت اور محققین کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ حضرت مفتی صاحب موصوف کی جنبش قلم سے اب تک یہ علمی شاہکار وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں۔

۱۔ امام احمد رضا اور علم حدیث (۵ جلدیں) ایوارڈ یافتہ
۲۔ سیرت مصطفےٰ جان رحمت (۴ جلدیں) انعام یافتہ
۳۔ تعارف تصانیف امام احمد رضا (۲ جلدیں) ایوارڈ یافتہ
۴۔ فیضان اعلیٰ حضرت
۵۔ فرمودات اعلیٰ حضرت
۶۔ قرطاس و قلم
۷۔ امام احمد رضا اور مسائل نکاح
۸۔ امام احمد رضا اور مسئلہ خضاب
۹۔ علوم القرآن
۱۰۔ امام احمد رضا اور معارف تصوف
۱۱۔ امام اعظم ابوحنیفہ اعلیٰ حضرت کی نظر میں
۱۲۔ عظمت قرآن
۱۳۔ تخریج و وضاحت الملفوظ
۱۴۔ تخریج و وضاحت تمہید ایمان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی "حاشیہ الدولۃ المکیۃ" درحقیقت پرمغز معلومات پر مشتمل ایسا انمول خزانہ ہے جس سے پڑھنے والے کا دل راہ حق کا متلاشی بنتا ہے۔ اور یہ ایسی معرکۃ الآراد

عظیم الشان کتاب ہے جو تاریک دلوں کو روشنی، پژمردہ روح کو تازگی اور فکر و نظر کو بالیدگی بخشنے کے ساتھ اہل ایمان کے لئے سامان فرحت و انبساط اور انجلائے قلب و روح کی سوغات ہے۔ اس میں امام احمد رضا بریلوی نے علوم قرآن سے متعلق جن عنوانات و مضامین کو محور قلم بنایا ہے ان کے ہر گوشے اور ان سے شاخ در شاخ نکلنے والے مختلف الانواع، ابحاث و مسائل کو کتاب و سنت اقوال صحابہ و تابعین، ارشادات ائمہ و اسلاف سے اس طرح مرصع و مدلل فرمایا ہے کہ اس کی کوئی جہت تشنہ نظر نہیں آتی۔ مگر کتاب عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام لوگ اس سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ ضرورت تھی کہ اسے ترجمہ و تسہیل سے عام فہم بنایا جائے۔ اسی ضرورت کا خیال کرتے ہوئے حساس دل و دماغ رکھنے والے مصلح قوم و ملت حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب رضوی نے ''انباء الحی'' کا اردو میں ترجمہ کیا اور اسے ''علوم القرآن'' کے نام سے موسوم فرمایا۔

یہ امر مسلم ہے کہ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بہت ہی کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اس کا احساس و اندازہ صرف ان لوگوں کو ہے جو کام کرنے والے اور اس راہ کے مسافر ہیں۔ ایسے معتبر اور ذمہ دارانہ کام کے لئے ایک ایسے صاحب قلم کو آگے آنے کی ضرورت تھی جو اپنے سینے میں صالح و دردمند دل رکھتا ہو اور جسے قرطاس و قلم کا طویل تجربہ بھی ہو۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اس اعتبار سے حضرت علامہ موصوف بہت موزوں ثابت ہوئے۔ عربی زبان کو اردو کے قالب میں ڈھالنا اگرچہ مشکل امر ہے مگر اسے فاضل مترجم نے جس خوش اسلوبی سے حل فرمایا وہ ان کی ذہانت و فطانت کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے اور اس صعوبت انگیز منزل کو انہوں نے اس شان سے طے کیا کہ اس راہ میں وہ کسی طرح کی لغزش و بے اعتدالی اور آبلہ پائی کے شکار نہ ہوئے مگر اس منزل میں انہیں جتنی محنت شاقہ اور عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی وہ ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔

زیر مطالعہ کتاب ''علوم القرآن'' کی حیثیت اگرچہ ترجمہ کی ہے مگر میرے تجربے میں اس کے مطالعہ سے اس پر اصل اور مستقل کتاب کا گمان ہونے لگتا ہے اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ فکر رضا کا ترجمان بھی ہے۔ اس کے غائر مطالعہ کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اس ترجمے میں فاضل مترجم کا

خون جگر، نالہ شب، آہ سحر گاہی اور تسلسل و روانی کا وہ عنصر موجود ہے جو مخلص مطالعہ کنندگان کو حریم قدس تک پہنچانے کے لئے مچل رہا ہے۔

حاصل یہ کہ علوم القرآن سے متعلق اس کتاب میں مختلف ابحاث پر جس نقطہ نظر سے گفتگو کی گئی ہے وہ امام احمد رضا بریلوی کے قلم کا خاص حصہ ہے۔ اس میں دلائل و براہین سے یہی ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مقدس میں ہر شئی کا بیان و تفصیل ہے اور اس کے جملہ علوم و معارف حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی حاصل ہیں۔ اسی بات کو ثابت کرنے کے لئے عقلی و نقلی طور پر ڈھیروں دلائل و شواہد پیش کئے گئے ہیں جس سے یہ حاشیہ ایک مستقل اور ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

آخر میں ہم یہ کہہ کر گزر جانا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت تو ہمارے محسن و ممدوح ہیں ہی ساتھ میں فاضل مترجم بھی قابل مبارک باد اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس قیمتی سرمایہ کو ترجمہ و تسہیل کی منزل سے گزار کر قوم کی میز پر سجا دیا۔ میری نظر میں یہ کتاب ظاہری و معنوی ہر طرح کی علمی و ادبی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہے اس کے حسن اور بانکپن کو نکھارنے میں فاضل مترجم نے جو کاوش کی ہے اس کے لئے وہ مزید صد تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔

مولائے کریم تمام ناظرین و مخلصین کو اس سے نفع تام حاصل کرنے کی توفیق رفیق عنایت فرمائے اور حضرت مترجم علامہ موصوف کو اس کے صلہ میں دنیا و آخرت دونوں میں اجر جزیل و ثواب جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

رفیع احمد منانی
ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی
بہار یونیورسٹی مظفر پور بہار
۱۴ر ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
۳ر نومبر ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

برصغیر میں مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی ذات عالیہ محتاج تعارف وتبصرہ نہیں، آج وہ عالم اسلام میں ایک عظیم محقق، بے مثل مفکر، جلیل القدر محدث وفقیہ اور عاشق رسول کی حیثیت سے متعارف ومشہور ہیں۔ دنیا بھر میں ان کی تحقیقات علمیہ اور خدمات دینیہ کا شہرہ وغلغلہ ہے، عالمی شہرت یافتہ دانشگاہوں اور معتمد تعلیم گاہوں میں ان کے علمی وتحقیقی اثاثے پر ریسرچ وتحقیق ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں علماء، محققین اور دانشوران قوم وملت نے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کی ہیں جوں جوں امام احمد رضا بریلوی پر تحقیق کی جستجو میں محققین نئی منزلوں کی جانب قدم بڑھاتے ہیں فکر ونظر کے اتنے ہی دروازے کھلتے جا رہے ہیں ہر سمت ایک نئی شان اور ہر طور نیا انداز ہے۔ وہ علوم وفنون کے بحر بیکراں اور ہمہ گیریت وآفاقیت کے حامل ہیں ان کی وسعت فکر ومعلومات پر زمانہ حیران وششدر ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ آسمان علم وفضل کے وہ تابندہ ودرخشندہ آفتاب ہیں جس کی چمک اور عنابی شعاعوں سے علم وادب کے ایسے بلند مینار تعمیر ہوئے جن کی ضیاء بار کرنوں سے انفس وآفاق میں اجالا پھیلا، قلوب واذہان منور وتابناک ہوئے، جہالت وبطالت کی ظلمت وتاریکی زائل وکافور ہوئی، ضلالت وگمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو راہ حق وہدایت کا نشان وسراغ ملا، طغیان وسرکشی کے بے آب وگیاہ صحرا میں پھرنے والے مسافروں کو ایقان وعرفان کی منزل ملی، امام احمد رضا بریلوی کے علمی قوس وقزح سے نہ جانے کتنی دنیا رنگین وضیاء بار ہوئی، کتنی منزلوں میں رنگ ونور کا سویرا ہوا اس کا پتہ لگانا ایک مستقل اور جداگانہ موضوع ہے۔

خالق کائنات نے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو ہمہ دانی و ہمہ گیریت عطا فرمائی ان کے ہمہ جہتی اور متنوع خدمات و کارناموں کو دیکھ کر حیرت واستعجاب سے آنکھیں پھیل جاتی ہیں، ذہن و دماغ کے دریچے کھل جاتے ہیں اور بے ساختہ زبان پر آتا ہے کہ وہ رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کثیرہ میں سے ایک عظیم معجزہ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ قد و قامت کے اعتبار سے ایک نحیف و نزار شخص نے بریلی کی مسند ارشاد و ہدایت پر بیٹھ کر وہ گراں قدر اور نمایاں دینی خدمات و کارنامے انجام دیئے جن سے دنیا ورطۂ حیرت میں ڈوب گئی، ان پر زمانے کی نگاہیں مرکوز و متوجہ ہوگئیں، آفاق کی وسعتوں میں ان کا شہرہ و چرچا ہوا، ان کے علمی ترانوں سے دلوں کی کائنات گونج گئی۔ وہ اپنے قبیلہ و خاندان اور جاگیردارانہ نظام کی بنیاد پر نہیں بلکہ دینی و علمی خدمات کی بنیاد پر ابدی شہرت و مقبولیت کے حامل ہوئے۔

سو سے زائد مختلف علوم و فنون پر امام احمد رضا بریلوی نے لگ بھگ ایک ہزار تصانیف کی عدیم النظیر سوغات قوم و ملت کو عطا کی جو قوم مسلم کے لئے نادر و نایاب لازوالی قیمتی سرمایہ ہے، ان کی ہر تصنیف میں خزانہ علمیہ موجود ہے، خواہ وہ تصنیف رسالے کی شکل میں ہو یا ضخیم کتاب کی صورت میں ہر کتاب بے مثل اور علوم و معارف کا گنج گراں مایہ اور عظیم علمی شاہکار ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کو تصنیف و تالیف کی صورت میں جو پاکیزہ ادب عطا فرمایا ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ جاوید اور یادگار رہے گا، آنے والی نسلوں کو اس سے قرینہ زندگی اور حیات ابدی کا سامان ملتا رہے گا۔ فرزندان توحید کے لئے وہ مشعل راہ اور نجات آخرت کا ذریعہ ہونے کے ساتھ محققین کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

امام احمد رضا بریلوی ایک عظیم مفکر تھے انہوں نے پندار و خیالات بدل دیئے، فکر و نظر میں انقلاب برپا کیا، قوم مسلم کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی، انہیں ان کے حسن معیشت کی تدابیر بتائیں، انہیں صلاح و فلاح کا راستہ دکھایا، انہوں نے مسلمانوں کی

خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کیا، جمود و تغافل کی بھٹی سے ملت کے جیالے فرزندوں کو نکالا، ان کے عزم و حوصلے میں مہمیز کی انہیں شعور و آگہی کی منزلوں سے ہمکنار کر دیا، ان کی پرواز فکر و تخیل کو فضائے بسیط کی وسعت بخشی، حقائق و معارف کے بلند آسمانوں میں انہیں اڑنا سکھایا، نغمہ لاہوتی اور لافانی نقوش کے ذریعہ ان کے لئے علمی و عملی راہیں متعین کیں، ان کے ایمان و عقیدے کی حفاظت و صیانت فرمائی، حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح و آشکارا کیا، حق و صداقت کی بالادستی قائم کی، فرقہائے باطلہ کے رد و ابطال میں علمی و عملی توانائی صرف کی، زندگی کی صبح و شام اور متاع عزیز کو فروغ دین و مذہب میں قربان کیا۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ علم و فن کے بحر بیکراں ہیں، فضل و کمال کے جبل شامخ ہیں۔ پندار و خیال کی بلندیوں کا نام ہے امام احمد رضا، فکر و نظر کے آسمان ہفتم کا نام ہے امام احمد رضا، ہمارے دل کی دھڑکنوں اور ہماری سانسوں کی حرارت و گرمی کا نام ہے امام احمد رضا، ان کے دو چار اوصاف و کمالات ہوں تو انہیں شمار کیا جائے، وہ تو ہر میدان کے شہسوار اعلیٰ اور ہر محاذ کے مجاہد عظیم و بطل جلیل ہیں، ان کے جس وصف پر خامہ فرسائی کی جائے وہی بحر ناپیدا کنار معلوم ہوتا ہے۔ میں صرف یہ کہہ کر گزر جانا چاہتا ہوں کہ ؎

شکار ماہ کہ تسخیر آفتاب کروں
میں کس کو چھوڑوں کس کا انتخاب کروں

علوم القرآن اور اس کا پس منظر

زیر نظر کتاب ''علوم القرآن'' امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''انباء الحی ان کلامه المصون تبيان لكل شئ'' ۱۳۲۶ھ کا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے جو ان کی مشہور زمانہ کتاب ''الدولة المكية بالمادة الغيبية'' ۱۳۲۳ھ کا عظیم و جلیل حاشیہ ہے جسے بالاستقلال کتابی شکل دی گئی الدولة المكية کے ساتھ جو حاشیہ مطبوع ہے وہ الگ ہے اس کا نام ''الفيوضات الملكية

لمحب الدولۃ المکیۃ''۱۳۲۳ھ ہے اور یہ حاشیہ الگ ہے اس کا نام ''انباء الحی'' ہے
امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ جب ۱۳۲۳ھ کو دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے ان کے علمی جاہ وجلال کے پیش نظر علمائے عرب نے ان کی پذیرائی کی اور ان کے علمی مقام ومرتبے سے مانوس وآگاہ ہوئے۔ پھر ہوا یہ کہ عرب کے چند مقتدر علماء نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق چند سوالات پیش کئے اور بعجلت جواب کے خواستگار وآرزومند ہوئے حالانکہ امام احمد رضا بریلوی کے پاس اس وقت نہ کتب خانہ تھا نہ حوالے کے لئے کتابیں تھیں اس کے باوجود انہوں نے ان سوالات کا ایسا مدلل ومفصل اور مسکت جواب تحریر فرمایا جس سے عرب وعجم کے علماء ومحققین انگشت بدنداں اور حیرت زدہ رہ گئے۔ سرعت فکر وتحریر کا عالم یہ ہے کہ صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں ایسا باوقار وباوزن جواب ارقام فرمایا جس کی دھمک عرب وعجم میں آج بھی محسوس کی جا رہی ہے وہ جواب علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کے لئے تازیانہ عبرت اور سامان ہدایت ہے اس کو دیکھ کر علمائے حرمین محترمین نے داد وتحسین اور مبارکباد پیش کی، کھلے دل سے اس کی تائید وتصدیق کی اور اس پر عظیم وجلیل تقریظات لکھیں۔ امام احمد رضا بریلوی کے علمی انوار وتابانیوں کو دیکھ کر علمائے حرمین مکرمین نے ان سے اجازت وخلافت اور سندیں حاصل کیں۔ یہ بات امام احمد رضا بریلوی کے لئے انتہائی عزت وکرامت کی بات ہے کہ ہندوستانی ہونے کے باوجود علمائے حرمین نے ان کی جو عزت افزائی اور قدر دانی کی اس کی مثال بمشکل ملے گی۔ حرمین شریفین میں ہندوستان اور دیگر ممالک سے نہ جانے کتنے علماء وافاضل پہنچتے ہیں مگر وہاں پر کوئی بات نہیں پوچھتا لیکن امام احمد رضا بریلوی کے علمی رعب وجلال کو دیکھ کر علمائے عرب ان کے معترف ومداح نظر آنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے کچھ علماء نے ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے کو اپنے لئے باعث فخر وکمال سمجھا، حرمین مکرمین کے زمانہ قیام میں وہاں کے بہت سارے علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا اور علمی رہنمائی حاصل

کی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

سفر حج وغیرہ سے فراغت کے بعد جب امام احمد رضا بریلوی اپنے وطن عزیز بریلی شریف ہندوستان تشریف لائے تو اقتضائے مقام اور ضرورت شدیدہ کی بنا پر "الدولۃ المکیۃ" کی "نظر خاص" کے تحت حاشیہ کی شکل میں کچھ ضروری ابحاث و مسائل کا اضافہ فرمایا مگر ان ابحاث کے طویل ہو جانے کی بنیاد پر اس حاشیہ کو مستقل اور جداگانہ کتاب کی صورت دی گئی اور اس کا نام "انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی ۱۳۲۶ھ" رکھا گیا۔ بڑے سائز میں یہ مطبوعہ کتاب ۴۷۲ صفحات پر مشتمل ہے یہ ایک خالص علمی بلند پایہ کتاب ہے اس میں علوم قرآنیہ اور تحقیقی ابحاث کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ اس کتاب میں جو بحث گردش کرتی ہے اور جو ثابت کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ قرآن عظیم میں ہر شئی کا بیان موجود ہے خواہ وہ وضاحت وصراحت کے ساتھ ہو یا اشارہ و کنایہ کے ساتھ، مگر ہر شئی کی تفصیل اور ہر خشک وتر کا بیان موجود ہے اور وہ جملہ علوم حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی نے یہ آیات قرآنیہ پیش کی ہیں۔

۱۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنز الایمان)

۲۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (کنز الایمان)

۳۔ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف، ۱۱۱)

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ (کنز الایمان)

۴۔ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۔ (القمر، ۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ (کنزالایمان)

۵۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔ (یٰس،۱۲)

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔ (کنزالایمان)

۶۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

(الانعام،۵۹)

اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (کنزالایمان)

ان آیات کریمہ میں جو بیان وتفصیل ہے اس میں عموم وتعمیم ہے کسی طرح کی کوئی تخصیص وخصوص نہیں ہے۔ بعض متاخرین ان نصوص میں تخصیص کے قائل ہیں کہ قرآن کریم مخصوص چیزوں کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان آیات کے بیان میں عموم نہیں بلکہ خصوص ہے جس کے لئے انہوں نے تاویل بے جا کی لاحاصل سعی وکوشش کی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے ان آیات مقدسہ کی تفاسیر اور دیگر احادیث وآثار، اقوال صحابہ وتابعین، ارشادات ائمہ واولیاء اور امثال ونظائر سے یہی ثابت فرمایا ہے کہ قرآن مقدس کے اندر ہر شئی کی تفصیل وتوضیح موجود ہے۔ ان نصوص میں عموم ہے وہ خصوص کے متقاضی نہیں ہیں۔ اور یہ کہ قرآن عظیم کے جملہ علوم و معارف رب ذوالجلال کی عطا وبخشش سے صاحب قرآن حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اس میں کسی طرح کی کوئی تعیین وتخصیص نہیں کہ بعض علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں اور بعض حاصل نہیں بلکہ حضور کو جملہ علوم قرآنیہ حاصل ہیں چونکہ حضور کا ذریعہ علم وحی الٰہی اور قرآن عظیم ہے اس لئے نزول قرآن کی تکمیل سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین وآخرین اور ما کان وما یکون کے جملہ علوم و معارف حاصل ہو گئے۔ اور اگر بظاہر کسی آیت یا حدیث سے حضور کے علم ومعلومات کی نفی ہوتی ہو تو وہاں یا تو حضور سے علم ذاتی کی نفی مقصود ہوگی، یا وہ بات نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی ہوگی۔ نزول قرآن کی تکمیل کے بعد کوئی شخص ایسا ایک واقعہ

یا ایک بات بھی ایسی نہیں دکھا سکتا جس کا علم حضور کو نہ دیا گیا۔ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل کا علم ذاتی اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم عطائی ہے، حضور کو جو اولین و آخرین کا علم دیا گیا وہ عطائے ربانی اور فیض یزدانی ہی کا حصہ ہے اسی لئے حضور کے لئے علم ذاتی ثابت کرنے والا بھی کافر ہے اور علم عطائی کا انکار کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہے۔

قرآن عظیم ایک زندہ جاوید معجزہ ہے اس کے ابتدائے نزول سے لے کر اب تک دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے اور آئندہ بھی استفادہ کیا جاتا رہے گا یہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ قرآن عظیم کے علوم و حقائق کا اندازہ ان اقوال و فرمودات سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من اراد علم الاولین والاخرین فلیثور القرآن۔

(بیہقی شعب الایمان، حدیث ۱۹۶۰)

جو اولین و آخرین کے علوم کو جاننا چاہے وہ قرآن عزیز کے معانی پر غور و خوض کرے۔

۲۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں

لو شئت ان اوقر سبعین بعیرا من تفسیر القرآن لفعلت۔

(الاتقان، بحث ۷۸)

اگر میں قرآن عظیم کی تفسیر سے ستر اونٹ گراں بار کرنا چاہوں تو کر دوں۔

۳۔ **لو تکلمت لکم فی تفسیر الفاتحۃ لحملت لکم سبعین وقرا۔**

(الاتقان، بحث ۷۸)

اگر میں سورہ فاتحہ کی تفسیر میں کلام کروں تو اس سے ستر اونٹ بھر دوں۔

۴۔ **لو طویت لی وسادۃ لقلت فی الباء من بسم اللہ سبعین جملا۔**

(شرح المواھب للزرقانی، خطبۃ الکتاب)

اگر میرا تکیہ لپیٹ دیا جائے تو میں بسم اللہ کی ب کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں۔

۵۔لو شئت لا وقرت لکم ثمانین بعیرا من علم النقطة التی تحت الباء
(میزان الشریعة الکبریٰ ۱، ص ۱۰۶ فصل فی امثلة مرتبتی المیزان)
اگر میں چاہوں تو بسم اللہ کے ب کے نیچے جو نقطہ ہے اس کی تفسیر و علم سے اسی اونٹ گراں بار کر دوں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن کریم بلکہ سورہ فاتحہ بلکہ بسم اللہ بلکہ بسم اللہ کے ب بلکہ ب کے نقطہ سے ستر اسی اونٹ بھر دینے کا سچا دعویٰ ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ رسالت کے پروردہ و تعلیم یافتہ اور شہر علم کے دروازہ ہیں ان کے علوم کی کثرت و شان یہ ہے، ان کے علاوہ ائمہ امت میں ایسی بیشمار جلیل القدر ہستیاں گزری ہیں جن کے علم و فضل کا اندازہ لگانا مشکل ہے انہوں نے قرآن کریم کی ایسی باوقار و مفصل تفاسیر لکھیں جنہیں دیکھ کر یقین و احساس ہوتا ہے کہ واقعی قرآن مقدس میں ہر چیز کے علوم و بیان موجود ہیں ورنہ یہ تفاسیر کیوں اور کیسے وجود میں آئیں، علوم قرآن پر مشتمل تفاسیر کی ہزاروں جلدیں ہیں مثلاً

- امام رازی کی ''تفسیر کبیر'' ۳۲ جلدوں میں
- امام حجۃ الاسلام کی ''یاقوت التاویل'' چالیس جلدوں میں
- ابن نقیب کی تفسیر سو جلدوں میں
- ادفوی کی تفسیر ایک سو بیس جلدوں میں
- ابو بکر بن عبد اللہ کی تفسیر صرف سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے شروع کی پچاس آیات کی تفسیر ایک سو چالیس جلدوں میں
- امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر چھ سو جلدوں میں

امام ابوالحسن کی یہ تفسیر امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کے زمانے تک مصر کے خزانہ علمیہ میں موجود تھی۔

- امام احمد رضا بریلوی نے سورہ والضحیٰ کی تفسیر اسی جزء میں لکھی
- امام احمد رضا کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں نے سورہ الم نشرح کی

تفسیر ایک ضخیم جلد میں لکھی۔

اس کے علاوہ اور بھی تفاسیر کی کتابیں کئی کئی جلدوں میں موجود و دستیاب ہیں، اس سب کے باوجود یہ مسلم ہے کہ علوم قرآن صرف انہیں تفاسیر پر محدود و منحصر نہیں جبکہ یہ قرآن کریم کے ظاہری علوم ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ جب ان ائمہ امت و علماء ملت کے علوم و معارف کا عالم یہ ہے تو پھر کیا خیال ہے مدینۃ العلم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و معارف کے بارے میں، جنہیں خالق کائنات نے تمام اولین و آخرین اور جملہ ما کان و ما یکون کے علوم و حقائق عطا فرمائے۔ رب ذوالجلال نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی روشن و واضح کتاب عطا فرمائی جس میں ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا بیان موجود ہے جسے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے اٹھالیا۔

اسی بات کے ثبوت و تحقیق میں امام احمد رضا بریلوی نے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء ارشادات ائمہ و اسلاف اور اکابر امت کے اقوال و آراء پیش فرمائے ہیں اور جن دلائل و براہین سے مسئلہ دائرہ کی توضیح و تنقیح کی گئی ہے وہ امام احمد رضا بریلوی کی ندرت تحقیق، حسین اسلوب بیان، جودت فکر اور شان تجدید کی روشن و واضح دلیل ہے جسے دیکھ کر شعور و وجدان جھوم جھوم اٹھتے ہیں اور دل کی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں، قلوب و اذہان میں رغبت و شوق اور تجسس و اشتیاق موجزن ہوتا ہے۔

رسالہ غایۃ المامول کی حقیقت اور اس کا رد

پیش نظر کتاب میں مختلف ابحاث اور متعدد مقامات پر رسالہ "غایۃ المامول" اور اس کے رد کا ذکر آیا ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی حقیقت پر قدرے گفتگو کی جائے تاکہ ناظرین کرام اس کی حیثیت واقعیہ اور اس کے مندرجات و مشمولات سے واقف و آگاہ ہو جائیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ علوم خمسہ کے بارے میں صاحب غایۃ المامول علامہ سید احمد برزنجی کا موقف و مدعا کیا ہے اور امام احمد رضا بریلوی نے ان کا رد کیوں فرمایا؟ واقعہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ۱۳۲۳ھ میں

جب حج بیت اللہ اور زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لئے گئے وہاں کے بعض مفتیان کرام نے علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق پانچ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء پیش فرمایا اور بعجلت جواب کے خواستگار ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے بخار کی حالت میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں ان سوالات کے ایسے مدلل جوابات تحریر فرمائے کہ علمائے حرمین طیبین حیرت زدہ رہ گئے پھر انہوں نے ان کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے دھوم دھام سے تقریظات لکھیں اور امام احمد رضا بریلوی کو تحسین وتبریک کا ڈھیروں خراج پیش کیا۔ اس مجموعہ کا تاریخی نام "الدولة المکیة بالمادة الغیبیة" ۱۳۲۳ھ رکھا گیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے اس کتاب میں دلائل و براہین سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا، حضور کا علم ہر چیز کو محیط ہے یہاں تک کہ غیوب خمسہ کو بھی، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق علم کے علاوہ کوئی چیز بھی آپ کے علم سے مستثنیٰ نہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے درمیان احاطہ مذکورہ میں صرف حدوث وقدم کا فرق ہے۔ اس پر آیت کریمہ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی، سے استدلال کیا گیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذریعہ علم چونکہ قرآن کریم ہے لہٰذا قرآن میں جو علوم ومعارف ہیں وہ سب کے سب بعطائے الٰہی حضور کو حاصل ہیں۔

"الدولة المکیة" پر حرمین طیبین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ساٹھ علماء وفضلاء نے تقریظات لکھیں اور اسے اپنی توثیق وتصدیق سے نوازا۔ مگر مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ علامہ سید احمد برزنجی نے صرف اس وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علوم خمسہ اور قیام قیامت کا علم ثابت کیا گیا تھا اور علامہ برزنجی اس سے متفق نہ تھے ان کا کہنا یہ تھا کہ تمام معلومات غیر متناہیہ کا احاطہ علمیہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، ائمہ دین میں سے کسی نے بھی غیر اللہ کے لئے غیر متناہی کے احاطہ علمیہ کا قول نہیں کیا۔ یہ اختلاف ایک عالمانہ اختلاف ہے جو

اپنے اندر پورا وقار اور سنجیدگی لئے ہوئے ہے۔ اس میں علامہ برزنجی نے امام احمد رضا بریلوی کے لئے قطعاً کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرح علمائے اسلام کی ایک جماعت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے علوم خمسہ کی قائل ہے۔ ان کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

ہندوستان سے آنے والے ایک سوال کے جواب میں میں نے ایک مختصر رسالہ لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ علمائے ہند میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں جھگڑا پڑ گیا ہے کہ آیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم مغیبات خمسہ (جن کا ذکر آیت کریمہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں ہے) سمیت تمام مغیبات کو محیط ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت پہلی شق کی قائل ہے اور دوسری، دوسری شق کی۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے اپنے اس رسالہ (غایۃ المامول فی تتمہ منہج الوصول فی تحقیق علم الرسول) میں بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محیط ہے اور آپ کا علم جمیع دینی امور کو محیط ہے، بلکہ دنیا اور آخرت کے تمام اہم امور کو محیط ہے، لیکن قرآن وسنت اور کلام سلف کے واضح دلائل کی بنا پر مغیبات خمسہ آپ کے علم شریف میں داخل نہیں۔

علامہ برزنجی کا امام احمد رضا بریلوی سے اختلاف صرف اتنا سا تھا کہ وہ حضور کے لئے علوم خمسہ اور علم قیامت کے قائل نہیں تھے، امام احمد رضا بریلوی حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے انہیں ثابت و حاصل مانتے تھے۔ علامہ برزنجی نے اپنے چند اوراق کے رسالہ "غایۃ المامول" میں اس مسئلے پر بحث و تمحیص کر کے یہی ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم شریف میں علم قیامت اور علوم خمسہ داخل نہیں ہیں اور لکھا کہ یہ بات حضور کے مقام کی برتری اور بلندی مرتبت میں ذرہ بھر قادح نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے "الدولۃ المکیہ" کی "نظر خامس" کی بحث پر "انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی" کے نام سے ایک عظیم حاشیہ تصنیف فرمایا جس میں

تمام اولین و آخرین اور قرآن عظیم کے جملہ علوم و معارف کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حاصل ہونا ثابت فرمایا اور جگہ جگہ علامہ برزنجی کے رسالہ "غایۃ المامول" کا رد بلیغ فرمایا۔ کاش علامہ برزنجی اس حاشیہ کو ملاحظہ فرماتے تو انہیں تسلیم و اقرار کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

علمائے دیوبند علامہ برزنجی کے اس اختلاف کو دیکھ کر جوش مسرت سے اچھل گئے ان کے رسالہ کو بڑے شد و مد کے ساتھ ترجمہ کر کے شائع کیا اور اس کے سرورق پر افترا کرتے ہوئے لکھا کہ "احمد رضا خاں کا گمراہ کن عقیدہ غیبیہ علمائے حجاز کی نظر میں" کاش وہ ٹھنڈے دل سے سوچتے اور غور کرتے تو اس کا سرورق اس طرح زیادہ موزوں اور مناسب ہوتا "علمائے دیوبند کی کفریہ عبارات پر علمائے حرمین کے فتوائے کفر کی توثیق" کیونکہ علامہ برزنجی نے "حسام الحرمین" کی تائید و تصدیق فرمائی ہے جس میں مرزائے قادیانی کے ساتھ کبرائے وہابیہ یعنی قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی وغیرہم کو توہین رسالت کی بنا پر کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔

علامہ برزنجی موصوف "غایۃ المامول" میں تحریر فرماتے ہیں

علمائے ہند میں ایک شخص جسے احمد رضا خاں کہا جاتا ہے مدینہ منورہ آیا، جب وہ مجھ سے ملے تو بتایا کہ ہندوستان میں کفر و ضلال میں سے کچھ لوگ ہیں جن میں سے ایک غلام احمد قادیانی ہے جو مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کے مماثل ہونے اور اپنے لئے وحی اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ انہیں میں سے ایک فرقہ امیریہ ہے، ایک نذیریہ ہے، ایک قاسمیہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی نبی فرض کر لیا جائے بلکہ اگر آپ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو جائے تب بھی آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا، انہیں میں سے ایک فرقہ وہابیہ ہے جو رشید احمد گنگوہی کا پیرو ہے جو اللہ تعالیٰ سے بالفعل کذب کے وقوع کا قول کرنے والے کو کافر قرار نہیں دیتا اور جو اس بات کا مدعی ہے کہ وسعت علم شیطان کے لئے ثابت ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت نہیں۔ انہیں میں سے ایک اشرف علی تھانوی ہے جو کہتا

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پر علم مغیبات کا حکم لگانا بقول زید صحیح ہو تو سوال یہ ہے کہ اس کی مراد بعض مغیبات ہیں یا سب؟ اگر بعض مراد ہیں تو اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا تخصیص؟ ایسا علم غیب تو زید عمر و بکر بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے۔

اور مولانا احمد رضا خاں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ان فرقوں کے رد اور ان کے اقوال کو باطل کرنے کے لئے ایک رسالہ "المعتمد المستند" کے نام سے لکھا ہے پھر انہوں نے مجھے اس رسالے کے خلاصہ (حسام الحرمین) پر مطلع کیا۔ اس میں صرف ان فرقوں کے اقوال مذکورہ کا بیان اور ان کا مختصر رد تھا، انہوں نے اس رسالہ پر مجھ سے تصدیق و تقریظ طلب کی ہم نے اس پر تصدیق و تقریظ لکھ دی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں سے یہ مقالات شنیعہ ثابت ہو جائیں تو یہ لوگ کافر و گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں اجماع امت کے خلاف ہیں اور اپنی تقریظ کے ضمن میں ہم نے ان کے اقوال کے ابطال کے لئے بعض دلائل کی طرف اشارہ بھی کیا۔

اب مخالفین نے آؤ دیکھا نہ تاؤ علوم خمسہ کی ایک شق کے بارے میں علامہ برزنجی کے عالمانہ اختلاف کو دیکھ کر اس قدر بے خود ہو گئے کہ انہیں یہ تک یاد نہ رہا کہ اپنی اس تحریر میں وہ حسام الحرمین والے فتویٰ کی دوبارہ شد و مد سے تائید کر رہے ہیں اور ان کی کفریہ عبارات کے قائلین پر فتوے کفر دے رہے ہیں۔ یہ تو علامہ برزنجی کی کمال دیانت تھی کہ جہاں انہیں معمولی سا اختلاف ہوا اسے انہوں نے انتہائی مہذب انداز میں بیان کر دیا اور ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ اس اختلاف سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب "حسام الحرمین" پر جو تصدیق و تقریظ لکھی وہ اس سے کالعدم ہو گئی، نہیں نہیں بلکہ وہ اپنی جگہ قائم ہے اور ان لوگوں کے لئے ہمارا فتویٰ آج بھی وہی ہے جو شروع میں تھا۔ (دعوت فکر)

مفتی شافعیہ علامہ سید احمد برزنجی نے حسام الحرمین پر جو تقریظ لکھی وہ مبسوط و مفصل اور مدلل تھی، امام احمد رضا بریلوی سے انہوں نے فرمایا کہ اس کتاب کی تائید

میں اسے ہمارا مستقل رسالہ کر کے شائع کیجئے گا لہٰذا ان کی خواہش کی تکمیل کی گئی اور ''الکلمة العلية لمفتي الشافعية'' کے تاریخی نام سے اسے بمبئی سے شائع کیا گیا۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر مفتی شافعیہ علامہ برزنجی کو امام احمد رضا بریلوی سے عقائد کے معاملے میں کچھ بھی اختلاف ہوتا تو وہ ''حسام الحرمین'' کی تصدیق نہ کرتے نہ اس پر زبردست تقریظ لکھ کر اسے شائع کرنے کی خواہش ظاہر کرتے۔ ان کے حزم واحتیاط کا عالم تو یہ ہے کہ علوم خمسہ کے مسئلے میں انہیں ذرا سا شبہ ہوا یا ان کی نظر وہاں تک نہ پہنچی جہاں امام احمد رضا بریلوی کی پہنچی تھی تو انہوں نے ''الدولۃ المکیۃ'' کی تصدیق نہ کی اور اس پر تقریظ لکھنے سے انکار کر دیا۔ مگر ساٹھ جلیل القدر علماء کے مقابلے میں ایک شخص کے انکار کو اس بات کی دستاویز بنا لینا کہ امام احمد رضا نے نادرست لکھا ہے سراسر جہالت اور کج فہمی ہے۔ اس مسئلے کے ثبوت و تحقیق میں امام احمد رضا بریلوی نے انباء الحی حاشیہ الدولۃ المکیۃ (پیش نظر کتاب علوم القرآن جس کا اردو ترجمہ ہے) میں جو دلائل و براہین پیش کئے ہیں ان سے ان کے وفور علم اور وسعت معلومات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ ان پر عنایت ازلی کا فیضان اور رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص عطیہ ہے۔

ترجمہ کا سبب

''سیرت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (۴ جلد) جو تصانیف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے ماخوذ و مستخرج مضامین سیرت کا حسین و جمیل مجموعہ ہے اس کی تالیف و ترتیب کے دوران میں جب زیر نظر کتاب ''انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی'' میری نگاہ سے گزری تو اس میں سیرت الرسول کے ان گنت و بے شمار مضامین نظر آئے مجھے خیال ہوا کہ پوری کتاب یا اس میں موجود منتخب مضامین سیرت کا ترجمہ کر کے ''سیرت مصطفیٰ جان رحمت'' میں شامل کر دیا جائے۔ اسی فکر و خیال میں جب میں نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا تو محسوس ہوا کہ یہ کتاب خالص علمی مباحث اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے اگر اسے سیرت کی کتاب میں شریک کیا جائے تو عوام و

خواص دونوں طبقے کے لئے یہ کتاب یکساں مفید نہ ہوگی، اس کے ابحاث زیادہ تر علمی ہونے کے سبب سے عوام اس سے کما حقہ استفادہ نہیں کرسکیں گے اس لئے اسے سیرت کی کتاب میں شامل نہ کر کے علیحدہ رکھا اور اب اس کے ترجمہ کو "علوم القرآن" کے نام سے پورے سو سال کے بعد پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا انتہائی صعوبت انگیز اور مشکل کام ہے، یہ پر خطر وادی ہے اس راہ سے گزرتے وقت مترجمین و محققین کو جن دشوار گزار اور سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اس سے وہ لوگ بخوبی واقف و آشنا ہیں جو اس راہ کے مسافر ہیں۔ مجھے بھی ان مراحل کا سامنا ہوا میں بھی ان حقائق سے دو چار ہوا اس کے باوجود بفضلہ تعالیٰ جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا، کسی قسم کی کوئی بے اعتدالی کا شکار نہ ہوا، آغاز سے اختتام تک اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ترجمہ اصل عبارت کے مطابق و موافق ہو اور ترجمہ کے سبب سے اصل مضمون مختل نہ ہو، اس کا نظام تحریر بگڑ نہ جائے، ترجمہ سے اصل عبارت کی روح متاثر نہ ہو، ان ساری پابندیوں کے ساتھ ترجمہ کو سلیس اور بامحاورہ بنانے کی حتی الامکان سعی و کوشش کی گئی ہے۔ اس راہ میں ہم کتنے کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ اہل علم اور قارئین ہی فرمائیں گے۔ ہم اس منزل کے ایک نئے اور اجنبی مسافر ہیں اس لئے اس میں فروگزاشتوں کا قوی امکان ہے اگر اس کی کسی خامی یا غلطی پر قارئین مطلع ہوں تو اس سے آگاہی و اطلاع پر ہم ان کے ممنون و مشکور ہوں گے۔

پہلے پہل یہ خیال ہوا تھا کہ " الدولۃ المکیۃ " کی طرح عبارات کے سامنے بالمقابل ترجمہ کیا جائے تاکہ ترجمہ کے ساتھ قاری کو اصل عبارات کی بھی زیارت ہو مگر یہ سوچ کر عربی عبارات کو ترجمہ کے ساتھ نہیں رکھا گیا کہ اس انداز کی کتاب میں رغبت و دلچسپی کم ہوتی ہے اور مطالعہ میں وہ شوق و شغف پیدا نہیں ہوتا جتنا خالص اردو یا عربی کی کتابوں کے مطالعہ میں ہوتا ہے، اسی لئے اس کو ایک الگ مستقل جداگانہ کتاب کی حیثیت دی گئی۔ پھر یہ کہ اگر عربی عبارات کو بھی ترجمہ کے ساتھ برقرار رکھا

جاتا تو کتاب اور زیادہ ضخیم ہو جاتی، آج کی اردو دنیا میں اردو کے ساتھ عربی عبارات کو باقی رکھنے کی چنداں حاجت بھی نہیں۔ عربی کے شائقین عربی نسخہ سے اکتساب و استفادہ کریں گے اور اردو داں طبقہ اردو نسخہ سے مستفید و مستفیض ہوگا۔

ترجمہ کرتے وقت ''انباء الحی'' کا جو نسخہ میرے پیش نظر رہا وہ برکات رضا پور بندر کا طبع شدہ انتہائی صاف ستھرا اور جدید نسخہ ہے اس میں جس حسن سلیقہ مندی اور نظیف کارکردگی کا مظاہرہ ہے وہ پاکستان کے چند مخلص و مقتدر علماء کی کدوکاوش اور ان کی محنت و جانفشانی کا نتیجہ و ثمرہ ہے ورنہ اس سے پہلے اس کتاب کے جو نسخے طبع ہوئے ان میں ہر طرح کی عبارات مسلسل تھیں ان میں کوئی رموز و علامات نہ تھیں۔ اس طرح کی مسلسل عبارات کو سمجھنے میں کافی دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کو دارین میں برکت و سعادت عطا فرمائے جن کی مساعی جمیلہ سے یہ مشکل سہل و آسان ہوگئی۔ مزید یہ کہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے جن کتابوں سے استفادہ فرمایا یا جن کے حوالے دیئے ہیں کتاب کے حاشیہ پر بڑی محنت و عرق ریزی سے ان کی تخریج بھی کی گئی ہے اور قرآن کریم کی آیات کو بھی سورۃ اور آیت نمبر کی تعیین سے مزین و آراستہ کر دیا گیا ہے۔ اصل کے مطابق اس کے ترجمہ میں بھی ہم نے ان تمام حوالوں کو درج کر دیا ہے تاکہ کتاب کی ثقاہت و استناد مسلم رہے اور آیات قرآنیہ کا ترجمہ کنزالایمان سے نقل کر کے آخر میں اس کا حوالہ دے دیا ہے۔ مصادر و مراجع کی حیثیت سے جن کتابوں سے اصل کتاب کی تالیف و ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے کتاب کے آخر میں ان کتابوں کی ایک فہرست بھی دے دی گئی ہے، اسماء کتب کے ساتھ ان کے مصنفین کے نام اور ہر ایک کا سن وفات ہجری بھی درج کر دیا گیا ہے۔ غرضیکہ کتاب کو ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اب اس کا فیصلہ اہل علم ہی فرمائیں گے کہ ہم اس راہ میں کتنے کامیاب ہوئے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے پیش نظر کتاب ''انباء الحی'' کے اندر بہت سارے مقامات پر لفظ ''اقول'' اور لفظ ''قلت'' کہہ کر کسی مسئلہ کا اثبات یا منکر کا رد

ترجمہ میں ہم نے دونوں لفظ کو اسی حال پر باقی رکھا ہے یعنی جہاں پر ''اقول'' یا ''قلت'' کہہ کر بات شروع کی گئی ہے اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ بذات خود یہ امام احمد رضا بریلوی کا قول ہے۔ یوں ہی مسائل وابحاث کی تفریع وتوضیح کرتے ہوئے انہوں نے لفظ ''اولاً، ثانیاً، ثالثاً وغیرہ کہیں پر الاول، الثانی، الثالث وغیرہ اور کسی جگہ پر ۱۔۲۔۳ وغیرہ رقوم کا استعمال فرمایا ہے، رقوم کی تعداد کسی مقام پر ۹۰ تک پہنچ گئی ہے، ہم نے اصل کے مطابق ترجمہ میں بھی وہی نہج اختیار کیا اور ان الفاظ ورقوم کو بعینہ اسی ترتیب سے برقرار رکھا ہے تاکہ مضامین ومسائل کا تسلسل قائم وباقی رہے اور اس کے نظام تحریر میں کوئی نقص وکمی واقع نہ ہو۔

کتاب ''انباء الحی'' کے آغاز میں ''الدولۃ المکیۃ'' کے دو تین صفحات کی عبارت من وعن نقل کی گئی ہے چونکہ ''الدولۃ المکیۃ'' کی اسی ''نظر خامس'' کی بحث کے پیش نظر ''انباء الحی'' وجود میں آئی۔ امام احمد رضا بریلوی کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں صاحب نے ''الدولۃ المکیۃ'' کا اردو ترجمہ فرمایا ہے اس منقولہ عبارت کا ترجمہ ہم نے یمن وبرکت کے لئے بعینہ اسی سے نقل کیا ہے۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل۔

تشکر وامتنان

اپنے مقدمہ کا اختتامیہ لکھنے سے پہلے ہم اپنے شفیق استاذ حضرت مولانا محمد صالح صاحب قادری بریلوی شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کی بارگاہ میں ہدیہ تبریک وتحسین پیش کررہے ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف کرکے میرے ترجمے پر نظر ثانی فرمائی اور جگہ جگہ مفید مشورے دیئے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

اور محبان گرامی حضرت حافظ وقاری اسرار الحق صاحب سعیدی وحضرت حافظ وقاری محمد نسیم احمد صاحب برکاتی مدرسین الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع

قنوج یوپی اور ولدی الاعز نور نظر حافظ وقاری محمد دانش رضا قادری میرے لئے صد شکریہ اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے پروف ریڈنگ میں میری معاونت فرمائی۔ مولا تعالیٰ انہیں دارین کی سعادت و برکت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

آخر میں ہم برادر طریقت مخیر قوم وملت الحاج محمد جیلانی صاحب رضوی اشرف نگر ناندیڑ مہاراشٹر کی خدمت میں ہدیہ تشکر وتحسین پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت کا بارگراں اٹھایا۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے میری کئی کتابیں منظر عام پر لانے میں مالی معاونت فرمائی اور نازک وقت میں میرا ساتھ دیا۔ خالق کائنات ان کی دینی حمیت و پاسداری، مذہبی جذبہ وشوق اور خلوص وللہیت کو تادیر سلامت و برقرار رکھے اور ان کے اس کار خیر کو سعادت دارین ونجات آخرت کا ذریعہ بنائے۔ مزید انہیں دینی کام کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد عیسیٰ رضوی قادری
خلیفہ حضور تاج الشریعۃ وخادم الحدیث
والافتا الجامعۃ الرضویہ
مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج (یوپی)

متوطن
کٹم پوسہ پوسٹ ڈمرولہ
وایا اسلامپور
ضلع اتر دیناجپور (بنگال)

۱۴ صفر ۱۴۲۶ھ ۲۶ مارچ ۲۰۰۵ء

موبائل: 09956027182

علوم القرآن

ترجمہ

انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی

۱۳۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (النحل،۸۹)
- مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام،۳۸)
- مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ (یوسف،۱۱۱)
- كُلُّ صَغِیْرٍ وَّكَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ (القمر،۵۳)
- وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (یٰس،۱۲)
- وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (الانعام،۵۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

قرآن روشن بیان ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ اپنی کتاب'' الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' کے ''نظر پنجم'' میں فرماتے ہیں: وانا اقول و باللہ التوفیق
یعنی'' اور میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ یہ ہے ہمارے رب کا کلام فیصلہ کن بات اور حاکم عادل فرماتا ہے اور اس کا فرمان حق ہے۔

● وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹)

ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا ہر چیز کا روشن بیان۔

● اور فرماتا ہے:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

(یوسف:۱۱۱)

قرآن بناوٹ کی بات نہیں بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شئی کی تفصیل۔

● اور فرماتا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام:۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

تو قرآن عظیم گواہ ہے اور اس کی گواہی کس قدر اعظم ہے کہ وہ ہر چیز کا تبیان ہے اور تبیان اس روشن اور واضح بیان[۱] کو کہتے ہیں جو اصلاً پوشیدگی باقی نہ رکھے کہ زیادت

---

[۱] بعض معاصرین (مصنف غایۃ المامول یعنی سید احمد برزنجی) نے کہا کہ'' مراد تبیان (روشن بیان) سے ذکر کیے ہوئے قضایا کی کثرت ہے تو مراد مبالغہ ہے باعتبار کمیت کے۔ نہ باعتبار کیفیت اور کہا کہ اس کی نظیر ان کا یہ قول ہے کہ'' فلاں اپنے غلام کے لیے ظالم ہے''۔ اور'' اپنے

لفظ زیادت معنی پر دلیل ہوتی ہے اور بیان کے لیے ایک تو بیان کرنے والا چاہیے وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے اور دوسرا وہ جس کے لیے بیان کیا جائے اور وہ وہ ہیں جن پر قرآن اترا ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور اہل سنت کے نزدیک شئی ہر موجود کو کہتے ہیں تو اس میں جملہ موجودات داخل

(بقیہ) غلاموں کے لیے ظلام ہے"۔ اور اسی پر محمول کیا بعض نے آیہ کریمہ وما ربک بظلام للعبید کو"

اقول، تیری جان کی قسم یہ تاویل نہیں بلکہ تحویل شدید ہے۔ قرآن عظیم کے معنی الٹ پلٹ کر دینا ہے اور ظلام للعبید پر قیاس مردود وبعید، کیونکہ تبیان کی اضافت ہر ہر فرد کی جانب ہے اگر چہ وہ احکام دینی ہی میں سے ہوں بر بنائے زعم تخصیص، تو وہ کثرت حاصل نہ کرے گا، متعلقات کی کثرت سے۔ جیسے ظلم نے ظلام للعبید میں حاصل کرلی کثیرین کے تعلق سے تو "ما نحن فیہ" ظلام للعبید جیسا نہیں بلکہ یوں کہے جانے کے مثل ہے کہ "ظلام لکل منھم "اور اس میں اس مزعوم کی گنجائش نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔

پھر جب بیان میں مبالغہ کا تعلق فرداً فرداً ہر ایک سے ہوا تو کم وکیف کا فرق مفید نہ ہوا اور کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ "ہر شئی" یا "ہر حکم دینی" جب اس سے بیانات کثیرہ کا تعلق ہو تو لازم کردے گا اس کے لیے نہایت ایضاح کو۔ اور یہی مقصود ہے۔

پھر علاوہ بریں ایک اور بات تھی جس کی طرف اس کا ذہن رسانہ ہوا اور نہ وہ اسے ہرگز پسند نہ کرتا۔ وہ یہ کہ اس صورت میں عیاذاً باللہ وہ یقیناً اللہ تعالیٰ پر افترا کی طرف رجوع کر جائے گا کہ "اس نے قرآن عظیم میں بار بار اس لیے بیان کیا تاکہ بیان کو کثرت کی عارض ہو جائے" اور یہ آنکھوں دیکھا صریح غلط۔

پھر یہ مراد باطل ہونے کے ساتھ کسی روایت میں اصلاً نہیں اور نہیں ہے اعتبار اس لغزش کا جو قریب میں پیدا ہوئی تو یوں حکم کرتا کہ اللہ کی یہی مراد ہے وہی تفسیر بالرائے اور وہی ہر حکم سے ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کی شہادت ہے کہ اس نے اس لفظ سے یہی معنی مراد لیے باوجودیکہ بطلان پر دلیل قائم ہے۔ کجا دلیل ظنی کا بھی اس کی صحت پر قائم نہ ہونا بجائے قیام دلیل قطعی کے تو اسے چاہیے کہ اسی مصداق قول امام ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سخت سے سخت تر بنائے۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے سب اپنوں کے لیے بخشش وعافیت کا۔

ہو گئے فرش سے عرش تک اور شرق سے غرب تک ذاتیں اور حالتیں اور حرکات اور سکنات اور پلک کی جنبش اور نگاہیں اور دلوں کے خطرے اور ارادے اور ان کے سوا جو کچھ ہے اور انہیں موجودات میں لوح محفوظ کی تحریر ہے تو ضرور ہے کہ قرآن عظیم میں ان تمام چیزوں کا بیان روشن اور تفصیل کامل ہو اور یہ بھی ہم اسی حکمت والے قرآن سے پوچھیں کہ لوح میں کیا کیا لکھا ہوا ہے۔

● اللہ عزوجل فرماتا ہے:

كُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ (القمر:۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

● اور فرماتا ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (یٰس:۱۲)

ہر چیز ہم نے ایک روشن پیشوا میں گن دی ہے۔

● اور فرماتا ہے:

وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

(الانعام:۵۹)

زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر و خشک مگر ایک روشن کتاب میں ہے۔

اور بیشک صحیح حدیثیں بیان فرما رہی ہیں کہ روز اول سے آخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب لوح محفوظ میں لکھا ہے بلکہ یہاں تک ہے کہ جنت و دوزخ والے اپنے اپنے ٹھکانے میں جائیں۔ اور وہ جو ایک حدیث میں فرمایا کہ ابد تک کا سب حال اس میں لکھا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اس لیے کہ کبھی ابد بولتے ہیں اور اس سے آئندہ کی مدت طویل مراد لیتے ہیں جیسا کہ بیضاوی میں ہے ورنہ غیر متناہی چیز کی تفصیلیں[1] متناہی چیز نہیں اٹھا سکتی۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور اسی کو ما کان وما یکون کہتے ہیں۔ اور

[1] دیکھو یہ صریح تصریح اور اس سے صحیح تر وہ کہ نظر اول میں گزر چکی کہ عرش و فرش دو گھیرنے والی حدیں ہیں اور پہلے دن سے پچھلے دن تک دو دوسری حدیں ہیں اور جو کچھ ہو دو گھیرنے والوں میں

بے شک علم اصول میں بیان کر دیا گیا کہ (۱) نکرہ مقام نفی میں عام[1] ہوتا ہے تو جائز نہیں کہ اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیان سے چھوڑ دی ہو اور کل کا لفظ تو عموم پر ہر نص سے بڑھ کر نص ہے تو روا نہیں کہ روشن بیان اور تفصیل سے کوئی چیز چھوٹ گئی ہو۔

(۲) اور یہ کہ عام، افادہ استغراق میں یقینی ہے اور یہ کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنا واجب ہے جب تک کوئی صحیح دلیل اس کو نہ پھیرے (۳) اور یہ کہ جب تک کوئی دلیل مجبور نہ کرے اس وقت تخصیص و تاویل، بات کا بدلنا اور پھیرنا ہے۔ ورنہ شرع جلیل سے امان اٹھ جائے (۴) اور یہ کہ حدیث آحاد اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ صحت پر ہو عموم قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی بلکہ اس کے سامنے مضمحل ہو جائے گی۔ پھر حدیث کے نیچے اور کسی قیل وقال کی کیا گنتی ہے (۵) اور یہ کہ جو تخصیص کلام سے جدا ہو وہ اس کا نسخ ہے۔ اور خبر قابل نسخ نہیں ہوتی (۶) اور یہ کہ تخصیص عقلی عام کو اس کی قطعیت سے نہیں اتارتی (۷) اور یہ کہ جو چیز تخصیص عقلی کے سبب عام کے کلیہ سے نکل جائے اسے سند بنا کر کسی ظنی دلیل سے تخصیص نہیں کر سکتے۔ تو اب بحمد اللہ تعالیٰ تحقیق کے عرش نے اس پر قرار پکڑا۔

(الدولۃ المکیہ کی یہ عبارت ختم ہوئی) (ترجمہ از الدولۃ المکیہ)

(بقیہ) وہ متناہی ہی ہوگا تو اگر تجھے تعجب ہو تو تعجب ان پر کر جنہوں نے اس پر دو وجہ سے یورش کی۔

● ایک یہ کہ "قرآن باعتبار الفاظ متناہی ہے، ہو نہیں سکتا کہ وہ غیر متناہی کو محیط ہو" الخ۔ اور تم خود دیکھ رہے ہو کہ یہ رد ہے ایک وہم کا جس کا انہوں نے تخیل کیا بلکہ اپنی گڑھی ہوئی خود ساختہ تصویر کا۔

● دوسرے زعم کیا کہ "قرآن مجید اگر غیر متناہی بالفعل پر تفصیلاً نص نہ فرماتا تو اس میں غیوب خمسہ یقینی طور پر داخل نہ ہوتے۔" الخ اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا مقصود ما کان و ما یکون کا احاطہ ہے جو تحریر ہے لوح محفوظ میں ہے وہ متناہی چیز ہے اور آیات نے دلالت کی اور پر محیط ہوتے بیان اور تفصیل کے واسطے ہر موجود کے نوعیت نزول اور وہ قطعاً اسی میں سے ہے تو کس لئے اس کا شمول غیر متناہی بالفعل کے شمول پر موقوف ہوگا وہ اپنے آپ بھی غیر متناہی ہے۔ یا آیات کی دلالت، اشیاء مبہمہ غیر معینہ پر ہے۔ غیر متناہی میں سے تو علم ان کے دخول کا نہ ہوگا جب تک غیر متناہی کا تفصیل وار بیان نہ ہو وے اور اپنی جان کی قسم یہ محتاج بیان نہ تھا۔ لیکن کم فہمی سے اللہ کی پناہ۔ ۱۲ منہ

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

فصل، عموم علم میں

حضرت علی کے فرمان کا مطلب

اس سے پہلے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گزرا کہ اگر وہ چاہیں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دیں۔ (الاتقان ۲، ص ۱۲۶ نوع ۶۵)

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ اس کا بیان یہ ہے کہ جب کسی

فصل، عموم علم کا ثبوت

اقول خلاف ہم پر مخفی نہیں لیکن جب اللہ کی نہر آئی تو نہر معقل باطل ہو گئی اور سخت قصور نظر ادعائے اتفاق ہے تخصیص پر۔ تو یہ اس کی بات ہے جس نے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی اس سے غائب ہو گئیں۔ امام جلیل القدر سمین نے اپنی تفسیر میں، پھر علامہ جمل نے فتوحات الٰہیہ میں زیر آیہ کریمہ ما فرطنا فی الکتاب من شئی، فرمایا جس کی عبارت یہ ہے "کتاب سے مراد میں مفسرین مختلف ہوئے، کسی نے لوح محفوظ کہا اور اس قول پر عموم ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ماکان و ما یکون (جو ہوا اور جو ہوگا) سب تحریر فرمایا۔ اور کسی نے قرآن کہا، تو کیا اس قول پر عموم باقی ہے بعض نے کہا ہاں اور بلاشبہ جمیع اشیاء قرآن کریم میں مکتوب ہیں یا صراحۃً یا اشارۃً۔ اور بعض نے کہا مراد خصوص ہے اور شئی سے مراد مکلفوں کو جس کی حاجت ہو۔" اھ

اور تفسیر خازن کے لفظ یہ ہیں کہ "مراد کتاب سے قرآن ہے یعنی یہ کہ قرآن عظیم جمیع احوال پر حاوی ہے" اھ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ (یونس، ۳۷)

نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو حمد کا معنی بیان کرنے کی ضرورت ہوگی، اسم جلالت اور جس سے وہ تنزیہ کا مستحق ہے اس کے معانی وحقائق بیان کرنے کی حاجت ہوگی پھر عالم اور اس کی کیفیت اس کے تمام اقسام وتعداد کا بیان ہوگا۔ چار سو عالم خشکی میں ہیں اور چھ سو دریا میں، پھر ان سب کے بیان کی ضرورت ہوگی۔

امام جلال الدین سیوطی نے پوری سورۂ فاتحہ کا ذکر اسی طرح کیا اور فرمایا کہ ایسے ہی طریقوں پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کا مطلب ہوگا۔

(الاتقان ۲ نوع ۷۸ فی معرفۃ شروط المفسر وآدابہ)

امام فخر الدین رازی نے بھی، مفاتیح الغیب، کے آغاز میں اسی طرح فرمایا بلکہ انہوں نے اپنی عادت وطرز کے مطابق امام جلال الدین سیوطی سے زیادہ اسے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اقول، یہ امام جلال الدین سیوطی و امام فخر الدین رازی کی لوگوں کے حسب مراتب باتیں ہیں ورنہ امیر المومنین کے فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے اگر یہ بات ہوتی تو

جلالین میں فرمایا کتاب کی تفصیل بیان روشن ہے اس کا جسے اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا احکام وغیرا احکام سے، جمل میں کہا قولہ بین ما کتب اللہ تعالیٰ، یعنی لوح محفوظ میں۔ اھ

اور روایت کیا ابن جریر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی یہ کتاب ہر شئی کا روشن بیان اور جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا اس میں سے ہمیں اتنے حصہ کا علم ہوا جس کا بیان فرمادیا پھر یہ آیت تلاوت کی
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف، عبد اللہ بن امام احمد اپنے باپ کی کتاب الزہد کے زوائد میں اور ابن ضریس نے فضائل القرآن اور ابن نصر مروزی نے اپنی کتاب فی کتاب اللہ میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا تو چاہے کہ تفتیش کرے قرآن سے کہ اس میں سب اگلے پچھلوں کے علم ہیں۔

اور ان کے ارشاد میں، فلیثور میں کیا ہی رد ہے ان اندھوں کا جو کہتے ہیں کہ ہم قرآن میں تھوڑے سے حروف ہی چند اوراق میں دیکھتے ہیں وہ کہاں ما کان وما یکون کے حامل ہونے

سورۂ فاتحہ اور قرآن کریم کی تفسیر اس سے زیادہ نہیں ہوتی جبکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہر کلام میں ہے اگر چہ وہ دس حرفوں کا ایک جملہ بھی نہ ہو جیسے (للہ الخلق) کا کلمہ، اس میں خالق اور اس کی مخلوق کا ذکر ہے لہٰذا یہاں ان تمام چیزوں کا بیان ضروری ہے جو ازل سے ابد تک موجود ہیں۔ اور ان معانی کو ہزاروں ہزار لوح محفوظ کے مثل بھی ہوں پھر بھی وہ کافی نہیں ہیں جبکہ لوح محفوظ میں تمام ما کان وما یکون کے علوم ہیں اس لئے کہ متناہی کتنی ہی عظیم وکثیر ہو وہ غیر متناہی کا مقام ورتبہ نہیں پاسکتی تو اس کے سامنے ستر اونٹ یا سات لاکھ اونٹ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

جب یہی بات ہے تو اس میں قرآن کریم کی کون سی مدح اور سورۂ فاتحہ کی کون سی تخصیص وتعیین ہے؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ بالذات سورۂ فاتحہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے یہ علوم ظاہر وباہر کر دیئے اگر علی انہیں تحریر وکتابت میں ظاہر کرنا چاہیں تو ان

کے قابل ہے اور اپنی جان کی قسم ان حد سے گزر جانے والے معترضوں کا کہنا ویسا ہی ہے جیسے ان سے پیشتر مشرکین کا کہنا کیف یسع العلمین الہ واحد۔ کیسے وسعت رکھے گا سارے جہان کی ایک خدا۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ میں نے اوہام دور کرنے اور جلد سمجھ میں آجانے کے لئے یہ بیان کر دیا ہے اپنے رسالہ "انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی "۱۳۲۶ھ میں۔ وہ تجھے بس ہے۔

● جو کہ علامہ علی قاری نے مرقاۃ میں نقل کیا کہا کہ بعض علماء نے فرمایا ہر آیت کے لئے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔

● حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے مروی ہے کہ اگر میں چاہوں کہ ستر اونٹ تفسیر قرآن کریم سے بھر دوں تو ایسا کر دوں۔ (مرقاۃ علی قاری کتاب العلم، حدیث ۲۳۸)

● علامہ ابراہیم بیجوری کی شرح بردہ کی ابتدا میں الفاظ یہ ہیں ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور جو مفاہیم باقی رہے وہ بہت زائد ہیں اور ان کے الفاظ اثر امیر المومنین میں یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تفسیر فاتحہ سے ستر اونٹ بھر دوں۔ اھ (شرح البردہ، ابراہیم بیجوری، ص ۶۳)

● الیواقیت والجواہر مولفہ سیدنا امام عبد الوہاب شعرانی میں امام اجل ابو تراب نخشی سے ہے کہاں ہیں منکرین قول مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اگر میں تم سے تفسیر فاتحہ بیان کروں تو تمہارے لئے ستر اونٹ بار آور کر دوں۔ اھ (الیواقیت والجواہر، فصل ۳ فی اقامۃ العذر)

علوم سے ستر اونٹ بھر دیں۔ سورۂ فاتحہ کے یہ علوم اس کی نظم و ترتیب میں شامل ہیں۔ یہ علوم بالذات اسی سورہ سے مستخرج و ماخوذ ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ خارج سے دوسرے علوم اس میں داخل کر دیئے گئے ہوں جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی اور امام فخر الدین رازی نے سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن عظیم دوسری کتابوں سے ممتاز و منفرد ہے۔

عجائب قرآن منتہی نہیں

دارمی و ترمذی کی حدیث میں یہی مفہوم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

کتاب اللہ میں تمہارے اگلوں کے احوال، تمہارے پچھلوں کی خبریں اور تمہارے درمیان حکم وفیصلہ کی باتیں ہیں (یہاں تک فرمایا) علماء اس سے سیراب و آسودہ نہیں ہوں

● عشاوی کی شرح صلاۃ سیدی احمد کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، ہمارے سردار عمر کھار سے مروی اگر میں چاہوں کہ تمہیں زبانی بتا کر لکھادوں کچھ تفسیر مانسخ من آیۃ کی تو لد جائیں ایک لاکھ اونٹ اور اس کی تفسیر ختم نہ ہو تو یقیناً میں ایسا کر دوں۔ اور اسی میں خلیفہ ابو الفضل کے گھرانے کے بعض اولیاء سے ہے، کہ ہم نے قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت میں چالیس کروڑ معانی پائے اور اس کے ہر حرف کے ایک مقام میں جو معانی ہیں وہ ان معانی کے سوا ہیں جو دوسرے مقام میں ہیں۔

● اور فرمایا کہ ہمارے سردار علی خواص نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا سورہ فاتحہ کے معنی پر تو مجھے ان سے ایک لاکھ چالیس ہزار نوسو نوے علم منکشف ہوئے۔

● زرقانی میں مواہب لدنیہ سے علامہ غزالی نے اپنی کتاب میں دربارہ علم لدنی قول مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر فرمایا اگر لپیٹ دیا جائے میرے لئے تکیہ تو میں بسم اللہ کی ب کی تفسیر میں ستر اونٹ بھر دوں۔

● امام شعرانی کی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ہے میرے بھائی افضل الدین نے سورہ فاتحہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نوسو ننانوے علم استخراج کیے پھر ان سب کو بسم اللہ کی طرف راجع کر دیا، پھر بائے بسم اللہ کی جانب، پھر اس نقطہ کی جانب جو ب کے نیچے ہے۔ اور وہ فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک مقام معرفت میں مرد کامل نہیں ہوتا تا آنکہ استنباط اور اس کے تمام احکام کا اور مذاہب مجتہدین کا حروف ہجا کے جس حرف سے چاہے کرے اھ۔ فرمایا کہ اس میں ان کی تائید قول سیدنا

گے اور بار بار پڑھنے کے باوجود یہ کہنہ نہیں ہوگا یعنی اس پر حوادث زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اور قرآن کے عجائب منتہی نہیں ہوں گے۔ (سنن دارمی حدیث ۳۳۳۴)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں (اس سے علماء آسودہ نہیں ہوں گے) یعنی اس کی کنہ وحقیقت کے احاطہ تک نہیں پہنچیں گے یہاں تک کہ اس کی طلب وتلاش میں توقف فرمائیں جس طرح کھانے والی چیز کے کھانے سے آسودگی ہو جاتی ہے اس طرح علماء کو قرآن سے سیرابی وآسودگی نہیں ہوگی بلکہ جب وہ اس کے حقائق ومعارف میں سے کسی چیز پر مطلع ہوں گے تو ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ اشتیاق بڑھے گا اسی لئے انہیں آسودگی نہیں ہوگی اور نہ یہ شوق واشتیاق کبھی ختم ہوگا۔ (اور قرآن کے عجائب منتہی نہیں) یعنی اس کے غرائب ختم نہیں ہوں گے جن سے حیرت یا تعجب ہوتا ہے اس لئے کہ عجائب کا ظہور غیر متناہی حیثیت رکھتا ہے۔ (مرقاۃ، فضائل القرآن، فصل ۲ حدیث ۲۱۳۸)

امام علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اسی اونٹ اس نقطہ کے علم سے جو بائے بسم اللہ کے نیچے ہے بھردوں۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ۱/ص ۱۰۶ فصل فی امثلۃ مرتبتی المیزان)

اقول، اور ایسے ہی اقوال سے کھل جاتی ہے حقیقت ارشاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کہ اگر گم ہو جائے میرے اونٹ کا دھنگنا تو میں یقیناً اسے کتاب اللہ سے پالوں۔ ابوالفضل مرسی نے ان سے اسے روایت کیا جیسا کہ تفسیر اتقان میں ہے کہ کوتاہ دستی وکم مائیگی ہی نہیں بلکہ بدفہمی سے اس کی تحویل وتبدیل ہے اس جانب کہ معنی یہ ہیں کہ البتہ قرآن میں وہ ہے جو اس کے پانے کی راہ بتائے اور یہ امام جلیل القدر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر اتقان کی تینتالیسویں نوع میں فرما رہے ہیں۔ امام ابو محمد مفسر جوینی نے کہا استنباط کیا بعض ائمہ نے آیہ کریمہ "الم غلبت الروم" سے یہ کہ بیت المقدس کو مسلمان ۵۸۳ھ میں فتح کریں گے اور انہوں نے جیسا کہا ویسا ہی ہوا۔ اھ (الاتقان ۲/ص ۱۰ نوع ۴۳۔ وص ۱۲۶ نوع ۶۵)

میں کہتا ہوں ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کا فتح ہونا معلوم ہے اور مورخین نے اسی سن میں اس کا ذکر کیا جیسے تاریخ کامل میں ابن اثیر نے لیکن جوینی کا انتقال اس کی فتح سے ڈیڑھ سو برس کے قریب پیشتر ہے۔ کجا وہ امام جن سے جوینی نے اس استخراج کی حکایت کی۔ ابن خلکان نے کہا ابو محمد جوینی نے ذی القعدہ ۴۳۸ھ میں وفات پائی۔ علامہ سمعانی نے کتاب الذیل میں ایسا ہی کہا۔ اور انساب میں ۴۳۴ھ میں بمقام نیشاپور لکھا۔ (وفیات الاعیان ۳/ص ۴۷ ترجمہ الشیخ ابو محمد الجوینی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''اشعۃ اللمعات'' میں فرماتے ہیں کہ علماء کرام قرآن کے علوم ومعانی کا احاطہ نہیں کرسکیں گے تو توقف کریں گے اور اس کے معانی و معارف منتہی نہیں ہوں گے اس لئے اس سے علماء آسودہ وسیراب نہیں ہوں گے اور نہ یہ بار بار پڑھنے کے سبب سے بوسیدہ وپرانا ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات، کتاب فضائل القرآن)

امام ابن حجر مکی ''شرح ہمزیہ'' میں فرماتے ہیں کہ وہ علوم ومعارف جو قرآن عظیم سے مستنبط ومستخرج ہوتے ہیں ان کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے اسی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورہ والضحیٰ کی تفسیر سے ایک اونٹ بھر دوں۔ (فتوحات احمدیہ)

ابن ابی حاتم ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی

تو جملہ ''ووقع کما قال'' (جیسا کہا ویسا ہی ہوا) کلام امام سیوطی ہے نہ امام جوینی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو غریق رحمت کرے۔ تو پاکی ہے اسے جس نے اس امت مرحومہ کو عزت وکرامت بخشی اس کے نبی کے صدقہ میں اللہ کا درود ان پر اور ان کی ساری امت پر اور اس کی برکت اور سلام اور اپنی جان کی قسم اگر ان لوگوں سے کہا جائے بتاؤ یہ کیسے نکالا الم غلبت الروم سے تو ضرور ہکے بکے حیران رہ جائیں اور کچھ جواب نہ دے سکیں تو ہم کیسے حکم لگا دیں جہالت سے حبر الامۃ (استاذ امت) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر جن کے لئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''الٰہی اسے اپنی کتاب کا علم دے''

● روایت کیا ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں امام ابوبکر بن مجاہد سے فرمایا، نہیں ہے کوئی چیز عالم میں مگر یہ کہ وہ کتاب اللہ میں ہے۔ اھ (الاتقان ۲، ص ۱۲۶۔ نوع ۶۵)

● طبقات کبریٰ ذکر حالات سید ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، فرمایا کرتے اگر حق تعالیٰ تمہارے دلوں کے قفل کھول دے تم ضرور مطلع ہو جاؤ اس پر جو قرآن میں عجائب اور حکمتیں اور معانی اور علوم ہیں اور بے پرواہ ہو جاؤ اس کے ماسوا میں نظر کرنے سے کہ صفحات ہستی میں جو کچھ مرقوم ہے وہ سب اس میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (طبقات کبریٰ للشعرانی، ترجمہ شیخ ابراہیم الدسوقی)

اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم مختلف علوم وفنون اور ظاہر و باطن والا کلام ہے اس کے عجائب وغرائب ختم نہیں ہوں گے اور نہ کوئی اس کی انتہا کو پہنچ سکتا۔

(الاتقان ۲، ص ۱۸۵۔ نوع ۷۸)

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "قصیدہ بردہ شریف" میں آیات قرآنیہ کے بارے میں فرماتے ہیں

لها معان كموج البحر في مدد　　وفوق جوهره في الحسن والقيم

فما تعد ولا تحصى عجائبها　　ولا تسام على الاكثار بالسام

قرآنی آیات کے معانی موج دریا کی مانند ہیں اور حسن وراستی میں اس کے

● روایت کی ابن جابر وابن ابی حاتم نے اپنی تفاسیر میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے تفسیر آیہ کریمہ مافرطنا فی الکتاب من شئی میں فرمایا ہم کتاب سے غافل نہ ہوں گے، کوئی شئی ایسی نہیں کہ اس کتاب میں نہ ہو۔

(جامع البیان، ابن جریر ۷، ص ۱۱۱)

● روایت کی دیلمی نے مسند الفردوس میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ارشاد کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو علم اولین وآخرین چاہے تو علم قرآن میں تفتیش کرے۔ اور پہلے ہم نے اسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ تو اسی سے ہم نے ابتدا کی اور اسی پر انتہا۔

بلاشبہ آپ پر ظاہر ہو گیا دعوی اتفاق تخصیص کا باطل ہونا، رہا یہ کہ تم اگر مطلع خلاف پر ہو اور جب کوئی قول تم پر قرأت کیا جائے اور وہ تمہاری خواہش کے موافق نہ ہو اور اسے اپنے اوپر جھکتا دیکھو تو اسے حتی الوسع تم دفع کرتے ہو اور ہر عموم کو خصوص کی جانب چلتے ہو اور عموم تسلیم کر کے کہہ دیتے ہو کہ اس کا خصوص پر حمل واجب ہے تو یہ ہے، خواہش نفس کا حکم اور نصوص کے ساتھ ظلم اور جو یہ روا ہو تو عموم اور خصوص میں اصلاً کوئی خلاف باقی نہ رہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں اور اللہ ہی ہدایت فرمانے والا ہے۔

(ترجمہ از حاشیہ الدولۃ المکیہ)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ "الدولۃ المکیۃ" پر حاشیہ آرائی کے بعد فرماتے ہیں کہ
میں نے عموم علم کے ثبوت کی اس فصل کو اپنے رسالہ، "انباء الحی" سے ملخص کیا ہے اور اب اس پر کچھ زیادتی واضافے کا ارادہ ہے اس لئے کہ موقع ومحل کا تقاضا یہی ہے۔

جو ہر سے بڑھ کر ہیں۔

ان کے عجائب وغرائب کا شمار نہیں۔ان کی کثرت وزیادتی کے سبب سے کوئی ان کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

یعنی بکثرت پڑھنے کے باوجود ان معانی قرآن کا بیان نہیں ہوسکتا۔امام بوصیری نے حدیث مذکور کے مفہوم کو اس میں اخذ فرمایا ہے۔

(الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ)

ملا علی قاری قصیدہ بردہ کی شرح ''الزبدۃ العمدۃ'' میں پہلے مصرع کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کے کثیر معانی ہیں جیسے سمندر کی موجیں کبھی ختم نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ زیادہ ہی ہوتی ہیں اسی طرح قرآن کریم کے معانی وبیان ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ

(الکھف،۱۰۹)

تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنزالایمان)

کلمات سے یہاں پر معانی مراد ہیں اور اس سے وہ قوی شبہ بھی زائل ہو گیا جو اس سے پہلے کی آیت میں بظاہر وارد ہوتا تھا جیسا کہ میں نے تفسیر جلالین کے حاشیہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ)

''پھر اس سے ان معانی کا متناہی ہونا لازم آئے گا جو نظم قرآن میں داخل ہیں جبکہ اس سے کلمات باری تعالیٰ کا متناہی ہونا لازم نہیں آتا''

اقول بکلمات باری تعالیٰ کے ختم ہونے سے پہلے سمندر کے ختم ہو جانے سے یہ صادق آتا ہے کہ کلمات باری تعالیٰ بالکل ختم نہیں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان،۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنزالایمان)

ملا علی قاری نے اوپر کے دوسرے مصرع کی شرح میں فرمایا کہ آیات کے معانی شمار میں نہیں آسکتے اور معانی عجیبہ کو حد و حساب میں ضبط نہیں کیا جا سکتا۔

(الزبدة العمدة فی شرح البردة، ملا علی قاری)

امام قاضی عیاض ''شفا شریف'' میں اعجاز قرآن کی پہلی وجہ میں فرماتے ہیں کہ کلام عزیز کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے، فصلیں اور علوم کے ذخیرے پوشیدہ و پنہاں ہیں اور جس سے غواصی کر کے سو دفتروں کی صورت میں علمی کارناموں کے انبار لگے ہوئے ہیں اور اس سے مسائل اخذ کر کے کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

(شفا شریف، فصل فی اعجاز القرآن)

ملا علی قاری نے بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مثل ''علم کے ذخیرے'' فرمایا

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

(شرح شفا، ملا علی قاری۔ فصل فی اعجاز القرآن)

قرآن عظیم میں جملہ علوم موجود ہیں مگر ان کے سمجھنے میں لوگوں کی سمجھ قاصر ہے۔

امام خفاجی فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم کا بعض لفظ چند دفتروں کو بھر سکتا ہے تو پورے کا حصر و استقصاء کیونکر ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے معانی کو کوئی کتاب اپنے احاطہ میں نہیں لا سکتی اور نہ کوئی انسان انہیں بیان کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ

(الکہف، ۱۰۹)

تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو

جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

(شرح شفا، للخفاجی، فصل فی اعجاز القرآن)

اور تفسیر نیشاپوری میں آیہ کریمہ **قل لو کان البحر مدادا** کے تحت ہے کہ یہ حال قرآن کے کمال پر تنبیہ ہے۔ (تفسیر غرائب القرآن، نظام الدین الحسن القمی)

اقول: لفظ 'حال' سے مجھے کوئی تعجب نہیں کیونکہ قرآن عظیم صفت قدیمہ ہے تحول و انتقال سے پاک و منزہ ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کا وصف درجہ کمال پر کامل و مکمل ہے تو بجا ہے۔

اور اتقان میں ہے، ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ علوم قرآنیہ اور اس کے مستخرجہ مسائل ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، وہ بحر بیکراں ہے۔

(الاتقان ۲، نوع ۷۸)

اور امام شعرانی کی 'طبقات کبریٰ' میں سیدی ابراہیم دسوقی کے حالات زندگی میں یہ بیان ہے آپ فرماتے ہیں کہ علم توحید و تفسیر میں تمام معبرین، مؤولین، متکلمین قرآن عظیم کے ایک حرف کی حقیقت و کنہ کی معرفت و ادراک کے عشر عشیر (دسواں حصہ) کو بھی نہیں پہنچے ہیں اور نہ کوئی پہنچ سکتا ہے۔ (طبقات کبریٰ، للشعرانی۔ ترجمہ ۲۸۶)

اولیائے کرام کے علوم

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ کی "**الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة**" میں ہے شیخ محی الدین بن عربی، فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۴ میں فرماتے ہیں

جب اولیائے کرام باریک بینی اور نگاہ توجہ سے علوم کا جائزہ لیتے ہیں تو اسماء الٰہیہ تک ان کے علوم کی انتہا ہو جاتی ہے اور یہی ان کا مطلوب و مقصود ہوتا ہے پھر جب اولیائے کرام اسماء الٰہیہ کے معارج و بلندی میں سیر و سیاحت کرتے ہیں تو ان کی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان پر علوم و انوار کا فیضان ہوتا ہے۔ اولیاء کرام کی فہم و

فراست کے انوار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وحی کا صدقہ ہیں کیونکہ کسی بھی ولی کا علم رسول پر نازل شدہ کتاب وصحیفہ کے علوم سے باہر نہیں ہے یہ ہر ولی کے لئے ضروری ہے جو اپنے رسول کا صدیق وساتھی ہو یہ سلسلہ امت سابقہ سے اس امت مرحومہ تک ہے کیونکہ اولیاء کرام کی صدیقیت ہر نبی ورسول کے توسط سے ہے۔ اولیاء کرام کو جو بھی علم وفتوحات اور الٰہی فیضان حاصل ہے وہ سب کے سب نبی کی وحی کا اقتضا وصدقہ ہے اسی وجہ سے تمام اولیاء امت پر اس امت کو فضیلت دی گئی ہے۔ ولی کو جو کشف ہوتا ہے وہ اس کے کتاب عزیز میں فہم وفراست کا نتیجہ وثمرہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔ (الحدیقۃ الندیہ باب فصل ۲)

کتاب ’الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر‘ میں فتوحات شریف باب ۳۶۶ سے منقول ہے کہ میں نے اپنی مجالس اور اپنی تالیفات میں جو بھی گفتگو کی ہے وہ قرآن عظیم ہی کی بارگاہ فیض سے ہے کیونکہ قرآن کریم میں علم کی کنجیاں رکھی گئی ہیں اور میں ہر علم میں قرآن عزیز ہی سے مدد حاصل کرتا ہوں۔ (الیواقیت والجواہر، فصل ۴)

قول امام اعظم

اور اگر تمہیں یقین نہ ہو تو یہ ہمارے سردار امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ در حقیقت قیاس نہیں وہ تو قرآن عظیم ہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

تو ہم نے فی الواقع قیاس سے کچھ نہیں کہا ہاں یہ اس کا قیاس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سمجھنے کی لیاقت عطا نہیں فرمائی۔ اسے امام عبدالوہاب شعرانی نے ’میزان

الشریعۃ الکبریٰ' کے آغاز میں نقل فرمایا ہے

اور تمہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان کافی ہے کہ "ہمیں کتاب اللہ کافی ہے" جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

(بخاری، کتاب المرضی، باب قول المریض)

نیز میزان الشریعۃ میں ہے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عالم کا مقام و مرتبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ مجتہدین و مقلدین کے اقوال کو ہر زمانے میں کتاب و سنت پر پیش نہ کرے اور جب وہ پیش کرے ان میں سے کوئی قول ان کی نظر سے مجہول ومخفی نہ رہے۔ جب عالم ایسا کرنے لگے گا تو وہ عوام کے مقام سے نکل جائے گا اور عالم کہلانے کا مستحق ہو جائے گا یہ علماء کا پہلا مرتبہ ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ رحمت سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر درجہ بدرجہ انہیں ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ قرآن عظیم کے تمام احکام و آداب صرف سورۂ فاتحہ سے استخراج و استنباط کرنے کے لائق و اہل ہو جاتے ہیں اور جب سورۂ فاتحہ کی وہ نماز میں تلاوت کرتے ہیں تو انہیں پورے قرآن کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کے جملہ معانی و بیان کا احاطہ کر لیا ہے۔ (ان کا پورا کلام آگے آئے گا)

(میزان الکبریٰ، فصل 'ممایدلک علی صحۃ ارتباط جمیع اقوال علماء الشریعۃ)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے اور عقول عوام کے مبلغ و رسائی کی رعایت میں امام عبدالوہاب شعرانی و سیدی علی خواص جس کی طرف گئے ہیں اس کا بھی یہی مطلب ہے اور امام ابو تراب نخشی کا قول گزرا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے منکرین کو امام شعرانی و سیدی علی خواص کے ذکر کردہ اقوال کی طرف دعوت دی ہے اگر ایسا ہے بھی تو اس میں انکار کا کیا مقام ہے مولیٰ تعالیٰ تجھے حقیقت کا راستہ دکھائے۔

منکرین کو تنبیہ

امام ابوتراب نخشبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنی کتاب پاک میں یہ نص مقرر فرمادے، اہل اللہ وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں اس کے باوجود رب تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فہم خالص اور خاص الخاص معانی کے علوم کو کلمات الہیہ میں داخل فرمادیا اور اگر یہ منکرین انصاف و دیانت سے کام لیتے تو جب اپنے سر کی آنکھوں سے آیت کو دیکھتے تو خود اعتبار و اعتماد کر لیتے جبکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ علوم میں اہل اللہ ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور آیت کے معانی و حقائق پر کلام کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں اس کے باوجود اہل اللہ جب کوئی ایسی چیز لاتے ہیں تو منکرین ان کا رد و انکار کرتے اور ان کے ادراک و علوم سے چشم پوشی کرتے ہیں اور منکرین کہاں ہیں کیا وہ امیر المومنین علی کے اس فرمان سے غافل ہیں؟ "کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں لب کشائی کروں تو ستر جانور گراں بار کر دوں" یہ تو صرف علم لدنی ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ودیعت فرمایا ہے محض فکر کی رسائی ایسے علوم تک نہیں ہو سکتی نہ عقلی جستجو سے وہ علوم حاصل ہو سکتے ہیں

(الیواقیت والجواہر، فصل ۳ فی بیان اقامۃ الخ)

غور کرو کہ تم کس وادی میں کلام کر رہے ہو؟ میں نے بعض اہل علم کا قول سنا ہے جنہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوض کے چند چھینٹے ملے ہیں جیسے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام المکاشفین محی الدین بن عربی۔ اور میں نے بعض علماء کا قول خود سنا ہے کہ ہر آیت میں ساٹھ ہزار علم و فہم ہیں۔ اور اگر سب منکرین جمع ہو جائیں تو اکثر آیات میں ساٹھ علوم کے استخراج پر قادر نہیں ہوں گے بلکہ چھ علم بھی نہیں نکال سکیں گے اور میں نے سیدی عمر محجار عم سید عبداللہ عیدروس و سید جلیل فضلی اور سیدی علی خواص کے اقوال بھی سنے ہیں اور سیدی افضل الدین کا حیرت انگیز استخراج بھی سامنے ہے اور عارف کامل کے بارے میں ان کا فرمان بھی، اسی طرح سیدی افضل الدین کے شیخ

سیدی علی خواص نے بھی فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے نفع عطا فرمائے)۔
سیدی علی خواص کی عبارت ابھی اوپر مذکور ہوئی اس کے بعد کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

پھر عالم کامل درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ حروف ہجاً کے ایک حرف سے پورے قرآن عظیم اور شریعت مطہرہ کے احکام وقوانین اور قیامت تک کے جملہ مجتہدین ومقلدین کے اقوال نکالنے کا اہل ہوتا ہے۔ پھر اس سے زیادہ بلند وبالا مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ سیدی علی خواص فرماتے ہیں کہ یہی وہ مرتبہ علیا ہے جب عالم ہمارے نزدیک کامل ہوتا ہے، اسی مرتبہ پر فائز ہونے کے بعد اسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔
(الیواقیت والجواہر، فصل ۱۳ قلۃ العذر)

قرآن کے تین ہزار علم

سیدی عبدالوہاب شعرانی تلمیذ امام جلال الدین سیوطی اہل اللہ میں سے ایک عظیم شخص ہیں "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب "الجواہر المصون فی علوم کتاب اللہ المکنون" کے نام سے لکھی ہے اس میں ہم نے تین ہزار علوم قرآن ذکر کیے ہیں۔ اور مشائخ اسلام نے ایمان وتسلیم کے طور پر اسے اہل اللہ کے لیے لازم قرار دیا ہے اور ان مشائخ میں سے ایک شیخ ناصر الدین لقانی مالکی ہیں، ان سے عالم زمانہ شیخ شہاب الدین بن شیخ عبدالحق نے ایک مہینہ رہ کر اخذ فرمایا ہے۔ شیخ شہاب الدین نے، شیخ ناصر الدین کے علوم ومعارف کا جائزہ لیا تو ان کے علوم میں سے ایک علم کے مقام استخراج کی معرفت وپہچان سے وہ عاجز وحیران رہ گئے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ شہاب الدین نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں سوچتا تھا کہ میں مصر، شام، حجاز، روم اور عجم کا یکتائے روزگار عالم ہوں اور ان کے علوم قرآن میں سے ایک علم کی نظیر کی معرفت واستخراج سے عاجز وقاصر ہوں اور میں نے علم قرآن کو کچھ بھی نہ سمجھا۔ (میزان الشریعۃ، فی بیان امثلہ)

امام عبدالوہاب شعرانی، میزان الشریعۃ کے اوائل میں فرماتے ہیں کہ ہماری ایک اور کتاب ''الجواھر المصون والسر المرقوم'' کے نام سے ہے اس میں بھی ہم نے قرآن عظیم کے تین ہزار علوم کا ذکر کیا ہے۔ عارف کامل جب قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو یہ علوم اس پر نازل ہوتے ہیں اس کی بات چیت ان علوم سے خالی نہیں ہوتی ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ علوم ان کی روزمرہ کی بات چیت ہو جاتے ہیں اور اگر گفتگو میں یہ علم شامل نہ ہو تو وہ اہل اللہ کا علم نہیں بلکہ وہ اس کا نتیجہ فکر اور ذہنی اختراع ہوگا۔ (میزان الشریعۃ، فی المقدمۃ)

یہ بلند و بالا شان جب ان اولیاء کرام کی ہے جو حضرت مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتب کے بچے ہیں تو اس خاص کامل طالب علم کی کیا شان ہوگی جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ ''اے اللہ اسے کتاب مجید کا علم عطا فرما'' (وہ خوش نصیب طالب علم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں)

(بخاری کتاب الاعتصام)

حضرت علی کا فرمان کہ ابن عباس غیب پر نظر رکھتے ہیں

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ایک باریک پردے سے غیب کو دیکھتے ہیں۔

(منتخب کنز العمال، حاشیہ مسند احمد)

دینوری، مدائنی سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن سے پالوں گا''

(اتحاف السادۃ المتقین، باب ۴ فی فہم القرآن)

اس پر نقص و عیب جوئی کرنے والوں کی کثرت ہو جائے گی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو مراد لیا اس سے اس کو بدل دیں گے اور اس کے علاوہ دوسرا طریقہ

مرادلیں گے اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ قرآن میں رسی پانے کے طریقے کا بیان کہاں ہے تو وہ لاجواب و خاموش ہو جائیں گے اور افسوس کریں گے۔ لہٰذا اللہ کی پاکی ہے ان لوگوں سے جو بادشاہوں کو چرواہوں پر یا فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس کرتے ہیں۔

حضرت علی کا علم عرش اور قیامت تک

شہر علم کے دروازہ کے بارے میں کیا خیال ہے جو فرماتے ہیں کہ مجھ سے سوال کرو مجھے گم کرنے سے پہلے کہ عرش سے نیچے کی جس چیز کے بارے میں مجھ سے سوال ہوگا میں اسے بتادوں گا۔ اسے ابن نجار نے ابو معتمر سے روایت کیا۔

(کنز العمال، حدیث ٣٦٥٠٢)

مسلم بن اوس اور جاریہ بن قدامہ کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ مجھ سے سوال کرو "قسم خدا کی قیامت تک کی جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے میں وہ تمہیں بتادوں گا۔ (جامع بیان العلم، قرطبی)

ابن الانباری، کتاب المصاحف، اور ابو عمر بن عبدالبر، کتاب العلم میں روایت کرتے ہیں کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک خطبہ میں حاضر تھا، انہوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ مجھ سے سوال کرو قسم خدا کی میں قیامت تک کی ہر چیز بتادوں گا۔

حضرت عمر کے علم کا وزن

کیا خیال ہے اس عبقری شخص کے بارے میں جس کے لئے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ جبکہ بذات خود خلفاء اربعہ کے بعد صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے اور علم کی ایک گٹھری ہیں) فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کو ایک ترازو میں رکھا جائے اور روئے زمین کے لوگوں کا علم دوسری ترازو میں تو ان کے علم کے مقابلے میں حضرت عمر کے علم کی ترازو

وزنی ہو جائے گی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم کے نو حصے حاصل کئے ہیں۔ اسے طبرانی اور حاکم نے روایت کیا۔

(مستدرک حاکم، باب فی رؤیا النبی فی فضیلۃ علم عمر)

پھر کیا خیال ہے ان کے بارے میں جو انبیاء و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد خلق خدا میں سب سے زیادہ علم و فضل والے ہیں جن کے بارے میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "کاش میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کا ایک بال ہوتا۔" اسے امام بخاری کے استاد مسدد نے روایت کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(کنز العمال، حدیث ۳۵۶۲۶)

پھر کیا خیال ہے اس ذات گرامی کے بارے میں جس پر قرآن عظیم نازل ہوا جس میں ہر چیز کا روشن و واضح بیان موجود ہے اور ان کے رب نے انہیں سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتے تھے اور ان پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک وسلم تسلیما فالیہ منتہی الرغبات و نہایۃ النہایات والحمد للہ رب العلمین۔

فصل آخر، عموم علم میں

قرآن کے باطنی علوم کا ذکر

فریابی حسن سے روایت کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آیت کا ظاہر و باطن ہے اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کی مطلع ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، باب ۴، فی فہم القرآن)

شرح السنۃ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم بندوں سے حجت کرے گا، قرآن کے ظاہر و باطن ہیں۔ (شرح السنۃ، حدیث ۳۴۳۳)

اور مسند الفردوس کے لفظ یہ ہیں کہ قرآن مجید عرش کے نیچے ہے، اس کے ظاہر و باطن ہیں وہ بندوں سے حجت و مخاصمت کرے گا۔ (مسند الفردوس، حدیث ۴۶۷۳)

امام طبرانی کبیر میں اور امام بغوی کبیر و معالم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے فرمایا کہ قرآن مبین سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، ہر آیت کے ظاہر و باطن ہیں اور ہر حد کی مطلع ہے۔

(بغوی معالم التنزیل فی المقدمۃ)

عزیزی نے سراج منیر میں فرمایا کہ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(سراج المنیر، عزیزی ۲ تحت حرف الالف)

طبرانی و ابو یعلی و بزار وغیرہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس قرآن کے ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے مطلع ہے۔

(معجم کبیر ۹، حدیث ۸۶۶۸)

مطلع کی تحقیق وتوضیح

طیبی ''شرح مشکوٰۃ'' پھر طاہر فتنی ''مجمع بحار الانوار'' میں فرماتے ہیں کہ ظاہر و باطن دونوں کے لئے مطلع (طاء مشدد، لام مفتوح) ہے یعنی بلند ہونے کی جگہ یا ایسا مقام جس کی ترقی سے اس پر اطلاع ہوتی ہے۔ ظاہر کا مطلع علوم عربیہ و اسباب نزول اور ناسخ وغیرہ ہیں۔ اور باطن کا مطلع نفس کی ریاضت و صفائی۔ اور قلوب و اذہان کی تطہیر و تزکیہ ہے۔ (شرح مشکوٰۃ، طیبی۔ کتاب العلم، فصل ثانی)

اور شیخ محقق عبدالحق دہلوی کی ''اشعۃ اللمعات'' میں بھی ایسا ہی ہے کہ باطن کا مطلع ریاضت و بندگی، ظاہر کا اتباع، اس کے مقتضیات پر عمل کرنا، نفس و روح کی پاکیزگی، قلوب و اذہان کی صفائی اور اندرونی کیفیت کو مجلیٰ کرنا ہے۔ ان احساسات و کیفیات کے حاصل ہونے کے بعد بطون قرآن پر اطلاع حاصل ہو جائے گی۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

جمال شاہد قرآن نقاب آنگاہ بکشاید
کہ دارالملک ایمان را بیابد خالی از غوغا

یعنی قرآن کے حسن و جمال سے جب نقاب کشائی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایمان کو انسانی شور و غل سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات ا، کتاب العلم، فصل ۲)

علم ظاہر و باطن کی مزید توضیح

اقول، ملا علی قاری کی مرقاۃ کے لفظ سے یہ زیادہ حسن و عمدہ ہے۔ مرقاۃ میں ہے کہ ''قرآن کے لئے ظاہر ہے'' یعنی ایسے معنی ظاہر جن میں غور و تامل کی حاجت نہیں۔

انہیں اکثر لوگ سمجھتے ہیں جن کو فہم قرآن کا شعور و سلیقہ ہے اور" قرآن کے لئے باطن ہے" یعنی ایسے معنی خفی جن میں اشارات خفیہ سے تاویل کی ضرورت ہو، ان معانی خفیہ کو صرف وہ خواص مقربین سمجھتے ہیں جو زمانے کے علمائے متبحر ہیں اور ان معانی کا فہم و ادراک انہیں حسب استعداد و لیاقت اور امداد الٰہی کے حصول ہی سے ہوتا ہے۔

(مرقاۃ، حدیث ۲۱۳۳)

ہاں معنی ظاہر میں تامل و غور نہ ہونے کا مطلب تامل ظاہری ہے اس لئے کہ بہت سارے ظاہری معنی ایسے ہیں جن کی طرف رسائی تامل بالغ کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اکثر لوگوں کے سمجھنے کا مطلب بھی یہ ہے کہ معنی ظاہر کے سمجھنے میں بہت سارے لوگ کامیاب نہیں ہوتے ہیں لیکن علماء ظاہر کے جو مشہور و نامور افراد ہیں انہیں اس میں کامیابی ملتی ہے۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ ظاہری معنی میں ہر مومن فہم قرآن اور اس پر عمل کرنے میں شریک و برابر ہے۔ اور باطنی معنی کی طرف صرف فہم خواص کی رسائی ہوگی۔

اور اشعۃ اللمعات میں یہ بھی ہے کہ ظاہر سے مراد وہ ہے جسے سب اہل زبان سمجھ سکیں۔ اور باطن پر صرف اللہ کے مخصوص بندے ہی مطلع و آگاہ ہوتے ہیں۔ ہر شخص اس سے بہرہ مند نہیں ہوسکتا۔ (اشعۃ اللمعات ۱، کتاب العلم، فصل ۲)

قرآن عظیم کے ظاہری علوم کی کثرت

قرآن کے علوم ظاہری و باطنی کے درمیان اور بھی بہت سارے علوم موجود ہیں جو ان دونوں علموں کے علاوہ ہیں۔ علامہ باجوری نے شرح بردہ شریف میں اس مصرع کے تحت فرمایا ع

لھا معان کموج البحر فی مدد

آیات قرآنیہ کے معانی ایسے ہی بکثرت ہیں جس طرح سمندر کی موجیں

علامہ باجوری نے اس سے بعض کے قول کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن کریم کے وہ علوم جو ظاہری معنی پر محمول ہیں ان میں سب سے کم تعداد کا قول یہ ہے کہ ان علوم کا مجموعہ قرآن کے اندر چوبیس ہزار آٹھ سو ہے۔ (شرح البردۃ، باجوری)

کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ان ظاہری معنی کے استخراج پر ہر عالم کامیاب ہو جائے گا جب ایک عالم ان علوم کا، مقتصا نہیں کر سکتا ہے تو عام مومن اور اہل زبان انہیں کیسے نکال سکیں گے؟ اور اگر ان علوم کے غور وفکر میں عالم کامل کی عمر ختم ہو جائے پھر بھی وہ ان کے مطلع تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب غور وفکر سے یہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے تو تامل سے مستغنی ہو کر ان کا ادراک کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے

یا ابا عمیر ما فعل نغیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچے کا کیا ہوا؟

امام جلال الدین سیوطی حاشیہ صحیح بخاری میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے

ہیں کہ ابن القاص نے اس حدیث کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اس مختصر سی حدیث سے ساٹھ سے زیادہ فوائد کا استخراج واستنباط کیا ہے۔

(حاشیہ سیوطی علی البخاری، کتاب الادب ۵، ص ۲۷، باب الکنیۃ للصبی)

میں تم سے اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ حدیث اصول دین کے بارے میں نہیں ہے اور نہ اسے اظہار حکم کے لئے بیان کیا گیا ہے اس کے باوجود علماء ظاہر کے ایک شخص کو ساٹھ سے زیادہ فوائد کے سمجھنے کی توفیق دی گئی۔ کیا اس میں غور و تامل کی ضرورت نہیں؟ یا اس میں ہر شخص کامیاب ہو جائے گا؟

تو پھر قرآن عظیم کے ظاہری علوم کے بارے میں کیا خیال ہے۔ انہیں علوم پر مشتمل تفاسیر کی ہزاروں جلدیں ہیں۔ مثلاً

- امام حجۃ الاسلام کی "یاقوت التاویل" چالیس جلدوں میں۔
- ابن نقیب کی تفسیر سو جلدوں میں۔
- ادفوی کی تفسیر ایک سو بیس جلدوں میں۔
- ابو بکر بن عبداللہ کی تفسیر صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے شروع کی پچاس آیات کی تفسیر ایک سو چالیس جلدوں میں۔
- امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر چھ سو جلدوں میں۔

امام ابوالحسن کی یہ تفسیر امام جلال الدین سیوطی کے زمانے تک مصر کے خزانہ علمیہ میں موجود تھی۔

کیا ان علوم کا ادراک بغیر غور و فکر کے ہو سکتا ہے؟ یا اس پر ہر عالم کامیاب ہو سکتا ہے اگر چہ وہ عالم مشہور و نامور ہی کیوں نہ ہو۔ اور میرا تو اعتقاد یہ ہے کہ مفسرین کرام اب تک مکمل طور پر ظاہر کو بھی نہیں پا سکے ہیں اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔

پھر ملا علی قاری نے زین العرب سے بیان سابق کے مثل نقل کیا اور فرمایا کہ ظاہر سے مراد معنی جلی اور باطن سے مراد معنی خفی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مخصوص ومختار بندوں کے درمیان ایک راز ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی مکمل فقیہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ قرآن کے علوم کو چند وجوہ سے متعین و مقرر نہ کرے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب العلم۔حدیث ۲۳۸)

ابن سعد طبقات، ابونعیم حلیہ، ابن عساکر تاریخ میں ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مقاتل بن سلیمان اپنی کتاب ''وجوہ القرآن'' کے آغاز میں مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آدمی مکمل فقیہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ وہ علوم قرآن کو بہت سارے وجوہ سے نہ دیکھ سکے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی جب ایک لفظ کو دیکھے تو وہ اس میں معانی متعددہ کا احتمال پائے اگر وہ احتمالات متضاد نہ ہوں تو اس ایک لفظ پر ان سب احتمالات کو محمول کردے اور صرف ایک معنی پر اقتصار نہ کرے۔ دوسرے لوگوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس سے مراد اشارات باطنہ کا استعمال اور ظاہری تفسیر پر اقتصار واکتفانہ کرنا ہے۔

(الاتقان، انوع ۳۹)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ حد اور مطلع کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ حد و مطلع کی غایت و انتہا عارف باللہ کا طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء و اولیاء کے درمیان راز و نیاز ہے۔ یہی امام طیبی کی بھی تحقیق ہے۔ (علیہم الصلاۃ والسلام ورحمہم اللہ تعالیٰ)

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کتاب العلم حدیث ۲۳۸)

یہ عمدہ تحقیق ہے اور لمعات میں امام تورپشتی سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کی ہر حد کے مطلع کی طرف پرواز کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا اور اسے حاصل کرنے کی دعوت فکر دی ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عام سنتیں قرآن عظیم سے ماخوذ و مستفاد ہیں اور اس میں علماء کے مختلف طبقات و منازل اور جداگانہ مقام ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کے معانی سے ان علوم کا

ادراک واحساس کرتے جہاں دوسرے کی فہم ودانائی نہیں پہنچ سکتی۔

(لمعات التنقیح، کتاب العلم حدیث ۲۳۸)

اور امام شعرانی کی ''الیواقیت والجواہر'' میں ہے کہ ایک حدیث پاک میں ہے کہ ہر آیت کا ظاہر و باطن اور حد و مطلع ہے اور بطن کی تعداد سات سے لے کر ستر تک ہے۔

(طبقات کبریٰ، للشعرانی۔ فی المقدمۃ)

قلت، اور بعض محققین کے کلام سے میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ اولیائے کرام کے علوم بطن ثالث تک منتہی ہو جاتے ہیں اور ان علوم میں اولیائے کرام کے درمیان عظیم تفاوت وفرق ہے۔ اور بطن ثالث کے بعد جو علوم و معارف ہیں وہ سب کے سب حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں ان میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔

سیدی حافظ احمد سجلماسی رحمہ اللہ تعالیٰ ابریز شریف میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی بصیرت کے دروازے کھول دیتا ہے پھر جب وہ معنی قدیم کو دیکھتا ہے تو انہیں غیر متناہی پاتا ہے، یہی قرآن کا باطن ہے اور جب وہ صورت کو دیکھتا ہے تو وہ اسے دو پٹھوں کے درمیان محصور و گھرا ہوا پاتا ہے، یہی قرآن کا ظاہر ہے۔ اور جب وہ قرأت قرآن کے لئے خاموش وساکت ہوتا ہے تو معانی قدیمہ کو الفاظ کے سائے میں صف آراء دیکھتا ہے اور یہ معانی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے ہیں جیسا کہ آنکھوں سے دکھنے والی محسوس چیزیں اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں رہتیں۔

(ابریز، فصل ثالث فی ذکر بعض الکرامات)

یہ امام عبدالوہاب شعرانی کے قول کی تصدیق میں ہے ''کہ فہم قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آپسی بات چیت میں وہ علوم اس کے ساتھ رہیں وہ ان علوم سے کبھی غافل و بے توجہ نہ ہو۔

حافظ احمد سجلماسی نیز فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا اس باطن کو پہچاننے اور معلوم کرنے کا کوئی سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ

اس کا ادراک و علم تو صرف کشف و مکاشفہ سے ہی ہوتا ہے ہاں جو سریانی زبان اور حروف کے اسرار و رموز جانتا ہے اسے باطن قرآن کے سمجھنے میں بہت زیادہ مدد ملے گی۔ اور عالم ارواح کے علوم، دنیا و آخرت کے علوم، آسمانوں اور زمینوں کے علوم، عرش وغیرہ کے علوم اور قرآن عزیز کے معانی کے علوم جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ان کی کوئی انتہا نہیں وہ غیر متناہی ہیں۔ یہی اس آیہ کریمہ کے علوم کا مطلب ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

(ابریز، باب ثانی، فی بعض الآیات القرآنیہ)

جملہ علوم حضور علیہ السلام کے بحار علوم کا ایک قطرہ ہیں

سید احمد سجلماسی اپنے شیخ سید عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر معنی حقیقی کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کی جائے تو اس کے علم باطن سے معلوم ہو جائے گا کہ روحیں جسموں میں داخل ہونے سے پہلے کس حالت پر تھیں اور جسموں سے جدا ہونے کے بعد کس حالت وہیئت پر رہیں گی اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مقدس سے تمام علوم و معارف کا استخراج کس طرح کیا جاتا ہے جن کا ادراک آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کے علوم سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ شریعت کے مسائل کس انداز سے اخذ کئے جاتے ہیں بلکہ قرآن عظیم سے سابقہ شریعتوں کے مسائل بھی معلوم ہوں گے اور علوم سابقہ کے اجزاء اور آخرت کی معرفت وغیرہ سب معلوم ہو جائیں گے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور وہ علوم جو دونوں جہان، انسان و جن اور تمام لغات و زبان وغیرہ کے احوال سے متعلق ہیں وہ سب کے سب حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم باطن کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ (ابریز، باب اول)

اور سید احمد سجلماسی نے اس سے پہلے تذکرۃ فرمایا کہ بعض وہ علوم جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باطن قرآن کے علوم سے حاصل ہیں وہ سات اجزاء میں سے ایک جزء اور سات حرفوں میں سے ایک حرف ہیں جو منصوص ہیں۔ اور علوم و معارف کے میدان میں ارواح میں سے سب سے قوی تر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

روح مقدس ہے اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک سے عالم کی کوئی چیز مخفی و محجوب نہیں ہے اور حضور عرش و کرسی، عالم علوی و سفلی، دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ پر آگاہ و مطلع ہیں اس لئے کہ ان سب کی تخلیق و پیدائش حضور اقدس باعث کن فکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب سے ہوئی ہے، ان تمام عالم کے لئے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتیاز وانفرادیت ایک خارق عادت اور معجزہ ہے تو حضور کے پاس اجرام فلکی کی تمیز ہے کہ وہ کہاں سے اور کب بنائے گئے؟ اور ہر آسمان کا جرم کہاں تک ہے؟ اور حضور ہی کے پاس ہر آسمان کے فرشتوں کا امتیاز ہے کہ وہ کہاں اور کب اور کیوں پیدا کیے گئے؟ اور کب تک رہیں گے؟ اور حضور کو فرشتوں کے اختلاف مراتب اور انتہائے درجات کا امتیاز و فرق معلوم ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ستر حجابات کے اندر کا بھی علم و امتیاز حاصل ہے اور ہر حجاب کے فرشتوں کا امتیاز صفت سابقہ پر معلوم ہے۔ اور حضور کو عالم علوی کے روشن کرنے والے اجرام و اجسام کا حال معلوم ہے جیسے ستارے، سورج، چاند، لوح، قلم، برزخ اور ارواح، جو عالم علوی میں وصف سابق پر موجود ہیں۔ ایسا ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساتوں زمین اور ہر زمین کے مخلوقات اور جو بحر و بر میں ہیں ان سب کا حال معلوم ہے، ان سب کا امتیاز اسی صفت سابقہ پر ہے۔ ایسا ہی حضور کو جنتیں اور ان کے درجات اور جنتیوں کی تعداد اور جنت میں ان کے مقامات اسی طرح جتنے بھی عالم ہیں سب کا امتیاز و علم ہے۔ اور اس میں علم قدیم ازلی کی کوئی مزاحمت نہیں کہ اس کی معلومات غیر متناہی ہیں۔ ایسا اس لئے کہ جو علم قدیم میں ہے اس عالم میں اس کا انحصار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ربوبیت کے اسرار اور الوہیت کے اوصاف جو غیر متناہی ہیں اس عالم کی کوئی چیز نہیں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہی وہ علوم و معارف ہیں جن کی میں نے تحقیق کی ہے۔ (ابریز، باب اول)

اقول ،علوم قرآن کے سلسلے میں یہ سید احمد سجلماسی کی ذاتی تحقیق یا ذہنی اختراع نہیں بلکہ یہ تو من جانب اللہ اور اللہ کے کلام سے ماخوذ ہے اس لئے کہ جو بھی ذکر کیا گیا وہ سب شئی میں داخل ہے اور قرآن عظیم نازل ہوا ہے ہر شئی کے روشن و واضح بیان کے لئے۔ ہر چیز کی تفصیل کے لئے ،اس میں کسی چیز کو بیان کرنے سے اٹھا نہیں رکھا گیا، کتاب تفصیل میں کوئی شک و ریب نہیں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ علوم کے ان دریائے زخار و ناپیدا کنار کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ اہل رسم واثر کے نزدیک اس کا کوئی اثر ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن کریم کے باطنی علوم ہیں جیسا کہ اس سے پہلے امام ابو تراب نخشی کا کلام مذکور ہوا، تو قرآن عظیم کے باطنی علوم سے ایمان جدا نہیں ہوگا ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے اگرچہ آثار و احادیث میں اس کی تصریح موجود نہیں جبکہ حدیثیں مروی ہیں اور ایسی مشہور و معروف ہیں جیسے چوتھے پہر دن کا سورج مشہور و روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی اس کے لئے موقوف و منحصر نہیں کہ ہم ان ساتوں حروف کے معانی جان لیں جن پر قرآن مقدس نازل ہوا ہے اس لئے کہ قرآن کا باطن قرآن ہی سے ثابت ہے ایسے ثبوت کے ساتھ کہ جس میں کوئی شک و تردد نہیں ہے۔ اور ہم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ "ہر آیت کے لئے ظاہر و باطن ہیں" خواہ اس کا نزول ایک حرف پر ہو یا چند حرفوں پر، خواہ ہمارے لئے ان حرفوں کی مراد ظاہر ہو (جیسا کہ لوگ اس کے بیان کرنے میں مشقت میں پڑ گئے) یا نہ ہو جیسا کہ علماء اعلام اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ اور مناوی نے تیسیر میں فرمایا کہ ائمہ و علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اس میں تقریباً چالیس اقوال ہیں، مذہب مختار یہ ہے کہ یہ حدیث (ان لکل آیۃ ظھرا و بطنا) متشابہات کی قبیل سے ہے اس کے مرادی معنی کا ادراک ہمارے لئے ممکن نہیں۔

(اتحاف السادۃ المتقین ۴، باب ۴، فی فہم القرآن۔ تیسیر المناوی ا، تحت حرف الالف)

رسالہ غایۃ المامول کا رد

مصنف غایۃ المامول کا افتراء اور خود اپنے اوپر سوال

اللہ کا شکر ہے، اس سے پہلے ہم نے جو ثابت کیا اس سے اس افتراپرداز رسالے کی جہالت و بطالت ظاہر و آشکارا ہو گئی جبکہ اس خود ساختہ رسالے نے یہ حدیث "انزل القرآن علی سبعة احرف لكل حرف منها ظهر وبطن" (قرآن عظیم سات حرفوں پر نازل ہوا اور ہر حرف کے لئے ظاہر و باطن ہے) ذکر کر کے خود اپنے ہی اوپر سوال کیا اور کہا کہ یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ غیوب خمسہ کا علم بطون حرف میں داخل ہو، ان غیوب خمسہ میں سے وقت قیامت کی تعیین بھی ہے۔ مولانا احمد رضا کو اس کا دعویٰ ہے کہ حرف کے باطن میں غیوب خمسہ داخل ہیں۔

رد علی المفتری

اقول، من جملہ افتراٗات کے فقیر پر یہ دوسری تہمت ہے کیونکہ میں نے یہ جزم و یقین کے ساتھ بالکل نہیں کہا کہ غیوب خمسہ میں وقت قیامت کی تعیین داخل ہے۔ میرا پورا کلام متن و شرح کے ساتھ عنقریب آئے گا۔ بلکہ میری یہ کتاب (الدولۃ المکیۃ) تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اس میں میں نے حدیث بطون کو ذکر ہی نہیں کیا چہ جائیکہ غیوب خمسہ میں علم قیامت شامل ہونے کا دعویٰ ہو۔

دفع سوال اولاً

پھر اس خود ساختہ رسالہ نے چار طریقوں سے جواب دینے کا قصد کیا

اول: (اس رسالہ کا جو بیان اس سے پہلے گزرا اس کا حاصل یہ ہے کہ) "قرآن متناہی

ہے تو وہ غیر متناہی کی تفصیل نہیں ہوگا جب یہ بات ہے تو غیوب خمسہ کی تفصیل شامل ہونے کا اذعان ویقین بھی نہیں ہوگا۔"

رد علی المفتری

اور تمہیں اس کا رد وابطال معلوم ہو گیا کہ ہم نہ دعویٰ کرتے نہ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ مخلوق کا علم غیر متناہی بالفعل کو محیط ہے اور ما کان وما یکون اور روز اول سے روز آخر تک کی تمام تفصیلات معین ومحصور چیزیں ہیں، غیر متناہی کی تفصیل کے شمول پر محصور ومعین کا شمول موقوف نہیں ہے۔

دفع سوال ثانیاً

ثانیا: "حروف کی مراد میں علماء نے اختلافات کیے ہیں جو چالیس اقوال پر مشتمل ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ وہ حدیث مشکل ہے،ان اختلافات کی موجودگی میں استدلال کس طرح درست ہوگا کہ حروف مذکورہ میں غیوب خمسہ کا بیان تفصیلی طور پر ہے۔"

رد علی المفتری

اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ یہ اس کا کلام ہے جو خوشہ انگور کو نہیں پہنچا اور نہ مقصود ومدعا کو پہچانا،ان حروف کی مراد کے ادراک پر ہمارا دعویٰ موقوف نہیں اور نہ سات حرفوں پر نزول کی خبر پر،نہ چند حرفوں کے نزول پر،اور نہ اس حدیث سے ہمارا استدلال وتمسک ہے اور نہ ہم نے اسے اپنی کتاب (الدولۃ المکیۃ) میں ذکر کیا ہے۔اور اب جبکہ ہم نے اسے ذکر کیا تو اس لفظ سے ذکر کیا" لکل آیۃ ظہر و بطن "ہر آیت کا ظاہر وباطن ہے اور ہم نے اسے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ "بطون" آیات کے ہیں اور ہمارا یہ مقصود نہیں کہ حروف کی مراد کی بحث سے اس کا تعلق ہو۔

اس رد کا خلاصہ

حاصل گفتگو یہ ہے کہ قرآن سے کہاں جائے فرار ہے کہ قرآن عظیم نے یہ کہہ دیا

ہے کہ وہ ہر چیز کا روشن وواضح بیان ہے اس پر ایمان ویقین رکھنا واجب ولازم ہے، حروف کی مراد جو بھی ہو۔

دفع سوال ثالثاً

ثالث: اگر ہم یہ کہیں کہ حروف کے بطون میں غیوب خمسہ کا بیان موجود ہے اگرچہ رمز واشارے کے طریقے پر، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مطلع ہیں۔ تو ہم ثبوت تناقض کے بھی قائل ہو جائیں گے اس کے اور ان آیات کے درمیان جو صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ غیوب خمسہ کا علم ذات باری تعالیٰ پر مقصور ہے اور اختلاف وتناقض اللہ کے کلام میں محال ہے۔"

دفع ثالث کا رد اولاً

اقول، اولاً، ہم نے اپنے رسالہ میں ائمہ کرام کے اقوال اور دلائل قاطعہ سے ان آیات کے درمیان جمع وتطبیق کے وجوہ بیان کر دیئے ہیں جس کے بعد کلام باری میں تناقض واختلاف کا وہم وگمان نہیں ہوتا مگر دو شخصوں میں سے ایک کو۔ ان میں سے ایک وہ جس نے سنا اور سمجھا نہیں۔ تو یہ ان لوگوں میں سے ہے جو سنتے ہیں اور دھیان وتوجہ نہیں دیتے۔ اور ایک وہ جس نے سمجھا اور قبول نہیں کیا تو یہ انہیں لوگوں میں سے ہے جو پہچاننے کے باوجود انکار کرتے ہیں۔ اور مجھ سے اس بیان کو سید شریف مکہ نے سنا جس کی طرف اس افترا پرداز رسالہ نے وہابیت کی نسبت کی ہے۔ انہوں نے میری کتاب (الدولۃ المکیہ) کی قسم اول تمام وکمال سنی ہے ان کی شان اس سے بلند وبالا ہے کہ وہ ان دو شخصوں میں سے ایک ہوں۔ جس نے یہ افترا کیا وہ تو نرا جھوٹا فریبی وہابی ہے۔

رد الجواب ثانیاً

ثانیاً، اس رسالہ نے جن آیات کا ذکر کیا ان میں سے کوئی بھی اللہ علیم وخبیر کے

بتانے اور خبر دینے پر مانع نہیں ہے۔ ایسی صورت میں تناقض کا وہم کرنا بڑی چیز اور بڑی جرأت مندی ہے۔

ردالجواب ثالثاً

ثالثاً: اس رسالہ نے جن آیات کا تذکرہ کیا ان میں ایک آیت یہ ہے **وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الاھو** ۔(الانعام،۵۹) اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔ (کنزالایمان) اگر یہ آیت سلب اعلام (خبر دینے کی نفی) پر دلالت کرے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیوب میں سے کچھ نہیں بتایا۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو اس سے نبوت کا انکار ہو جائے گا جیسا کہ یہ بیان گزر چکا ہے اور ہم نے اپنی کتاب (الدولۃ المکیۃ) میں تحقیق کی ہے کہ حدیث مبارک "مفاتیح الغیب خمس" (غیب کی کنجیاں پانچ ہیں) کی غیب کے پانچ چیزوں میں منحصر ہونے پر دلالت نہیں ہے اور اگر غیوب کا پانچ میں انحصار مان بھی لیا جائے پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ حضور کے بہت سارے غلام اور خدام کو غیوب خمسہ کا کثیر علم حاصل ہے جیسا کہ ہم نے اس کتاب (الدولۃ المکیۃ) میں بیان کیا ہے اور اس رسالہ (غایۃ المامول) نے بھی خود اس کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اور اگر عموم سلب اعلام مراد لیا جائے تو تناقض سے رستگاری نہیں ہوگی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر سلب عموم مراد لیا جائے تو تناقض نہیں ہوگا اور اس سے کوئی نقصان وضرر بھی نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے علم ماکان وما یکون کو جس معنی میں ذکر کیا ہے وہ تو غیوب کا بلکہ غیوب خمسہ کا بعض اور بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہے ہم اس کی تحقیق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آئندہ کریں گے۔

ردالجواب رابعا

رابعا: اس رسالے کے قول میں التباس واشتباہ ہے جن آیات کا رسالہ نے ذکر کیا وہ آیات پانچ چیزوں کے حصر پر دلالت کرتی ہیں پھر اس رسالہ نے چار آیات کا

ذکر کیا جو قیامت سے مخصوص و متعلق ہیں اور ان آیات میں سے کوئی آیت بھی اللہ تعالٰی کے اعلام و بتانے پر مانع نہیں ہے جو اس کے بعد ہے اسے تم آئندہ دیکھو گے۔

اور اس رسالہ نے اس آیت ''ان اللہ عندہ علم الساعۃ'' (اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے) کا ذکر کیا ہے، ہم نے اس کتاب میں اس آیت کے بارے میں یہ بیان کیا کہ حصر پر اس کی صریح دلالت نہیں ہے ہاں حصر صرف آیہ کریمہ، مفاتیح الغیب میں ہے اس کا جواب ابھی ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے اور تمہارے پاس یہ بیان بھی آئے گا کہ ذات باری تعالٰی میں جس علم کا حصر ہے اس میں بندوں کو بتانے کی نفی نہیں ہے ورنہ یقینی طور پر تناقض لازم آئے گا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ پھر آیہ کریمہ ''مفاتیح الغیب'' اگر غیوب خمسہ کے ساتھ خاص بھی ہو جائے تو آیہ کریمہ ''قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ'' (تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ کنز الایمان، النمل، ۶۵) میں کوئی خصوص نہیں ہے تو عموم سلب اعلام لازم آئے گا جو قرآن وایمان کے منافی و مناقض ہے۔ لہٰذا ہماری تحقیق کی طرف رجوع لازم وواجب ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر وواضح ہو گیا کہ ان میں سے کسی کی دلالت اعلام کی نفی عام پر نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اللہ جل شانہ کے مقدس کلام میں تناقض واختلاف لازم آنے کا وہم وگمان زائل ہو گیا۔

رد الجواب خامسا

خامسا۔ اس رسالہ نے جن آیات کو متناقض سمجھ کر چھوڑ دیا ہے جیسا کہ اس کا بیان گزرا، تو یہ اس مشہور مثل کا مصداق ہے کہ ''اس نے بیماری مجھے دے دی اور چپکے سے نکل لیا'' اور اس رسالہ میں جن کذبوں و بہتانوں کا بیان ہوا وہ سب اس بات کی علامت و نشانی ہیں کہ یہ رسالہ ہی افترا پرداز ہے یا پھر اس میں تحریف وترمیم کر دی گئی ہے۔

اپنے سوال مذکور کا، مفتری کا آخری جواب

رابع: ائمہ کے کلام اس بات پر صریح دال ہیں کہ قرآن میں جو علوم غیبیہ ہیں

انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ کیا متشابہات کے علم پر اطلاع ممکن ہے یا انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے؟ بہت کم لوگ یہ کہتے ہیں کہ متشابہات کے علم پر اطلاع ممکن ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کی ضعیف روایت سے ہے۔ اور زیادہ تر لوگ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جو ان کے بعد ہیں خصوصا جمہور اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ متشابہات قرآن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سب سے صحیح روایت ہے۔ (یہ اس رسالہ غایۃ المامول کا خود اپنے سوال کا چوتھا اور آخری جواب ہے)

چوتھے جواب کا رد اولاً

اقول، اولا۔ رسالہ "**غایۃ المامول**" نے اتقان کے کلام سے "**طائفۃ یسیرۃ**" کے بعد لفظ "**منھم مجاھد**" کو ساقط کر دیا۔

(الاتقان، نوع ۴۳ فی المحکم و المتشابہ)

چوتھے جواب کا رد ثانیاً

ثانیا۔ رسالہ نے "**وھو روایۃ عن ابن عباس**" کے بعد قول "**فاخرج ابن المنذر من طریق مجاھد عن ابن عباس فی قولہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم" انا ممن یعلم تاویلہ**۔ (یعنی ابن منذر بطریق مجاہد ابن عباس سے اس فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں، اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والوں کو۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں ان میں سے ہوں جو اس کی تاویل جانتے ہیں) کو حذف کر دیا۔

غایۃ المامول کی خیانت کا پتہ

اور عبد بن حمید امام مجاہد سے آیہ کریمہ "**الراسخون فی العلم**" کے بارے میں روایت کرتے ہیں، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ پختہ علم والے اس کی تاویل جانتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔

ابن ابی حاتم ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ پختہ علم والے ان (متشابہات) کی تاویل جانتے ہیں۔ اگر علماء ان کی تاویل نہ جانیں تو وہ ناسخ و منسوخ' حلال و حرام اور محکم و متشابہ کو نہیں جان سکیں گے۔ اور احکام کا استخراج ان کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

۔(حوالہ مذکور)

رسالہ مذکورہ کی ایک اور خیانت

کاش رسالہ "وھو روایۃ" کے عوض ابن عباس کے اثر پر اکتفا کرتا اور مجاہد کا اثر "منھم مجاھد" ساقط کر دینے کی بجائے۔ اسے داخل کیا جاتا تو بہتر ہوتا پھر ضحاک کا اثر حذف کر دینا بیشک دوسری خیانت ہے۔

چوتھے جواب کا رد، ثالثاً

ثالثاً: رسالہ نے "قول الاتقان " کے بعد "واختار ھذا القول النووی وقال فی شرح مسلم انہ الاصح لانہ یبعد ان یخاطب اللہ تعالیٰ عبادہ بمالا سبیل لا حد الی معرفتہ" اس عبارت کو ساقط کر دیا ہے۔ یعنی امام نووی کا یہ مختار قول ہے انہوں نے شرح مسلم میں فرمایا کہ یہ اصح ہے اس لئے کہ یہ (عقل و نقل سے) بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس چیز سے مخاطب کرے جس کی معرفت و پہچان کا کوئی سراغ و راستہ کسی کو نہ ملے۔

(الاتقان، نوع ۴۳۔ فی المحکم و المتشابہ)

رد الجواب الرابع رابعاً

رابعاً: رسالہ نے اس کے بعد "وقال ابن الحاجب انہ الظاھر" کی عبارت بھی ساقط کر دی ہے۔ یعنی ابن حاجب نے فرمایا کہ یہ ظاہر ہے۔

(حوالہ مذکور)

ردالجواب خامسا

خامسا: رسالہ نے دعویٰ کیا کہ ابن عباس کی وہ روایت ضعیف ہے اور اتقان کے قول کے خلاف ''اصح الروایات '' کہہ کر حوالہ دے دیا حالانکہ یہ حوالہ رائج و مشہور نہیں ہے۔ اس لئے کہ ''اصح الروایات ''ابن عباس کی روایت ضعیفہ کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ''اصح الروایات '' سے اس کی صحت پر دلالت ہے۔ بسا اوقات ضعیف چند ضعاف کے درمیان اقل ضعف کے معنی میں آتا ہے اور کبھی صحیح چند صحاح کے درمیان اقوی صحت کے معنی میں آتا ہے بلکہ یہ لفظی اعتبار سے زیادہ ظاہر ہے اور رسالہ کو یہاں پر (ص:۱۸) کا اپنا قول مذکور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ذکر کرنا چاہیے تھا کہ علم عربیہ میں یہ ثابت و مقرر ہو چکا ہے کہ اسم تفضیل کا معنی یہ ہے کہ مفضل، مفضل علیہ میں شریک ہوتا ہے اس معنی میں زیادتی کے اختصاص کے ساتھ جو اسم تفضیل کے مصدر سے مشتق و ماخوذ ہوتا ہے۔

لفظ اصح حدیث، تصحیح میں صریح نہیں ہوتا ہے

امام ترمذی 'علل کبریٰ' میں فرماتے ہیں عمرو بن عوف مزنی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عیدین میں تکبیر کہی، پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس باب میں اس سے زیادہ اصح حدیث نہیں ہے۔

(ترمذی، علل الکبریٰ، باب ۷ فی النوافل)

ابن قطان ''کتاب الوہم والایہام'' میں فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تصحیح میں صریح نہیں ہے۔ امام بخاری کا قول ''اصح شئی فی الباب '' کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں یہ حدیث صحیح سے زیادہ مشابہ ہے اور ضعف میں کم درجہ پر ہے۔

(کتاب الوہم والایہام، ابن قطان، حدیث:۲۶۳)

قرآن کے متشابہات
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہیں

ردالجواب المذکور سادساً

سادساً: امام ہمام فخر الملۃ والاسلام علی بزودی قدس سرہٗ اپنے ''اصول بزودی'' میں ''باب شرائع من قبلنا'' سے پہلے بحث سنت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علوم و معارف میں تمام لوگوں سے بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ حضور کے لیے متشابہات قرآن واضح وعیاں ہو گئے جبکہ دوسرے پر مخفی و پوشیدہ ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام پر معانی نص کا مخفی رہنا محال ہے ورنہ نزول وحی کا فائدہ مرتب نہ ہوگا۔
(اصول البزودی، تقسیم السنۃ فی حق النبی)

امام عبدالعزیز بخاری اصول بزودی کی شرح ''کشف الاسرار'' میں فرماتے ہیں کہ شیخ بزودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں پر ذکر فرمایا ہے کہ متشابہات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے واضح و روشن ہیں غیر کے لئے نہیں۔ اسی طرح امام شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ظاہر کتاب کے خلاف ہے اس لئے کہ اگر ''وما یعلم تاویلہ الا اللہ'' پر وقف واجب ہو جیسا کہ یہ سلف و شیخین کا مختار ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ متشابہات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہیں جانتے ہیں جس طرح حضور کے علاوہ دوسرے لوگ انہیں نہیں جانتے اور اگر ''والراسخون فی العلم'' پر وقف ہو جیسا کہ یہ خلف کا مختار ہے تو

اس سے یہ لازم آئے گا کہ متشابہات کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ انہیں دوسرے علماء راسخین بھی جانتے ہیں۔ بہر دو صورت اگر متشابہات کا علم حضور علیہ السلام کو ہو اور دوسرے راسخین کو نہ ہو تو ہر اعتبار سے یہ دلالت نص کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "الا اللہ" پر وقف کی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تعلیم الٰہی کے بغیر متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے اللہ کے سوا، اس کی نظیر یہ آیہ کریمہ ہے

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ" (النمل، ۶۵)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(کنز الایمان)

یعنی تعلیم الٰہی کے بغیر غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔ اس وقت لفظ "الا"، "غیر" کے معنی میں ہو جائے گا۔ جب معاملہ ایسا ہوگا تو یہ جائز ہے کہ تعلیم الٰہی حضور علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسرے کے لیے بیان کی اجازت نہ ہو لہٰذا دوسرے کے حق میں متشابہات غیر معلوم ہی رہیں گے۔

اعتراض

آیت یہ چاہتی ہے کہ اللہ عزوجل پر ہی متشابہات کا علم مقصور ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الٰہی سے متشابہات کے عالم ہوں گے جبکہ آیات متشابہات اس آیت (لا یعلم تاویلہ الا اللہ) کے نزول سے پہلے نازل ہوئی ہیں تو حصر درست نہ ہوگا اس لئے یہ کہنا مناسب و بہتر ہوتا "و ما یعلم تاویلہ الا اللہ و رسولہ" متشابہات کی تاویل اللہ و رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جواب

یہ جائز ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعلیم الٰہی حاصل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام متشابہات کو نہیں جانتے تھے اس اعتبار سے ذات باری تعالیٰ میں علوم متشابہات کا حصر وما یعلم تاویله الا الله میں درست وصحیح ہو جائے گا۔

اور آیت دلالت کرتی ہے کہ علم متشابہات کا حصر ذات باری تعالیٰ پر اور ان پر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تاویل کا علم عطا فرمایا یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علماء راسخین کو۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ وہ آیت

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ پر علم غیب کا حصر ثابت کرتی ہے جبکہ یہ ممنوع نہیں ہے کہ تعلیم الٰہی سے غیر اللہ کو علم غیب حاصل ہو جائے جس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(الجن:۲۶)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنز الایمان)

اللہ عزوجل کے ساتھ علم غیب کی تخصیص کے باوجود یہ ثابت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے برگزیدہ رسولوں کو علم غیب عطا فرماتا ہے اسی طرح علم متشابہات اور ان کی تاویل کی ذات باری تعالیٰ سے تخصیص کے باوجود یہ جائز ہے کہ وہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور علماء ربانیین کو ان کا علم و تاویل عطا فرمائے۔

(کشف الاسرار عن اصول البزدوی، باب تقسیم السنۃ فی حق النبی علیہ السلام)

ان روشن وخوشگوار کلمات کو دیکھو جو تمہیں تمام مباحث دائرہ میں فائدہ دیں گے اور نظر گہری رکھو اور غور وفکر کرو تمہاری فہم وفراست درست ہو جائے گی اور تمہارا وہم ظاہر ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ اپنی کتاب ''المطالب الوفیۃ'' جو عقائد اسلامیہ

کے احکام و مسائل پر مشتمل ہے اس میں فرماتے ہیں کہ متشابہات میں سے 'یـد' اور 'عیـن' وغیرہ ہیں، لہٰذا تمام متشابہات پر ایمان و یقین رکھنے اور تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں اور ان کا حکم یہ ہے کہ لفظ سے جو ہماری سمجھ میں آئے اسے ہم ظاہر پر محمول نہ کریں اور نہ ان کا معنی حقیقی مُراد لینے سے ان کی کوئی تاویل ہو جن کا معنی حقیقی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اللہ کے بتانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔

علامہ مدقق صاحب درمختار ''افاضۃ الانوار علی متن المنار'' میں فرماتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل و مراد جاننے کی امید ہمارے حق میں ختم ہو چکی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں نہیں۔ (افاضۃ الانوار، رقم الکتاب ۹۲)

اور ''نور الانوار'' میں ہے کہ قرآن عظیم کے متشابہات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہیں انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(نور الانوار، بحث المتشابہات)

فاضل محمد ازمیری'' مرقاۃ الوصول الی مرأۃ الاصول ''میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الٰہی سے متشابہات کو جانتے ہیں تو یہ کہنا مناسب و بہتر ہے کہ اس میں حضور سے کوئی نقص نہیں ہے اور اس میں کوئی نزاع بھی نہیں لہٰذا عدم علم کی دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں جاری نہیں ہوگی۔

قاضی بیضاوی ''انوار التنزیل'' میں سورتوں کے ابتدائیہ یعنی حروف مقطعات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک راز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ تقریباً ایسی ہی روایت خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی ہے۔ اور شاید صحابہ نے یہ مراد لیا کہ یہ حروف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان راز و نیاز ہیں اور یہ ایسے رموز و اسرار ہیں جنہیں دوسرے کو سمجھانا مقصود نہیں۔ اگر یہ راز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہوں تو پھر خطاب و تخاطب غیر مفید ہو جائے گا۔ (انوار التنزیل بیضاوی، البقرۃ آیت ۱)

امام خفاجی فرماتے ہیں کہ بعض نسخے میں "استاثرہ اللہ بعلمہ" ہے اور ضمیر (ھا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اور (با) مقصو، پر داخل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے علم سے مکرم و معزز فرمایا دوسرے کو نہیں یعنی مقطعات کا علم صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس معنی کو اکثر سلف اور محققین نے پسند کیا ہے۔ (عنایۃ القاضی ا، تحت الم)

ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبد العلی کی "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" میں ہے کہ

امام فخر الاسلام بزودی اور امام شمس الائمہ دونوں نے مسئلہ تاویل کے علم کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے لئے خاص کر دیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ لائق و درست ہے ایسا اس لئے ہے کہ فہم مخاطب کے خلاف خطاب کرنا جناب باری تعالیٰ کے لائق شان نہیں ہے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ۲، بیان مسئلہ فیہ مالا یفہم)

متشابہات قرآن کے بارے میں دوسرے اقوال

چوتھے جواب کا رد

سابعا: امام ابن الھمام کی ''تحریر الاصول'' اور اس کی شرح ''التقریر والتحبیر'' تصنیف امام ابن امیر الحاج رحمہما اللہ تعالیٰ میں ہے کہ اکثر شافعیہ ادراک متشابہ کے امکان پر اس بات پر متفق ہیں کہ وہ دنیا میں متشابہ ہے، احناف اس کے خلاف ہیں۔

(شرح التحریر، التقسیم الثالث مقابل التقسیم الثانی)

اسی میں اور ''کشف البز ودی'' اور امام (عبدالعزیز حنفی) بخاری کی ''تحقیق علی الحسامی'' میں ہے

اکثر متاخرین اس بات پر ہیں کہ علماء راسخین متشابہ کی تاویل کو جانتے ہیں۔ کشف بزودی میں یہ اور زائد ہے کہ کیا یہ کہنا درست و جائز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متشابہات کو نہیں جانتے تھے؟ اور فرمان الٰہی ''**وما یعلم تاویلہ الا اللہ**'' کے باوجود جب یہ کہنا جائز و درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متشابہ کو جانتے تھے تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ صحابہ کے علماء ربانیین بھی اسے جانتے تھے۔

(کشف الاسرار، ا،ص ۲۱۲ تعریف المتشابہ)

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں متشابہ کے بیان میں ہے۔

متشابہ کی مراد کا ادراک نہ عقل سے ہوگا نہ نقل سے بلکہ اگر کسی کو اس کا علم ہوگا تو

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے مشاہدہ سے ہوگا جیسے حروف مقطعات، بدء، عین، نزول کے معانی مراد۔ (فواتح الرحموت ۲، ص۲۲ تقسیمات فی ان نظم القرآن)

امام محمد بن سلیمان قدسی جو ابن نقیب حنفی سے مشہور ہیں کی تفسیر ''مقدمۃ التحریر والتحبیر'' سے اتقان میں منقول ہے کہ علوم قرآن تین نوعوں پر ہیں۔

نوع اول: ایک علم وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو اس کی اطلاع نہیں دی اور یہی وہ علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے لئے مخصوص فرمایا ہے جیسے اسرار کتاب کے علوم، کنہ ذات کی معرفت، حقائق اسماء وصفات کی معرفت، ان علوم غیبیہ کی تفصیلات جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان علوم الٰہیہ میں کسی کو کسی اعتبار سے اجماعاً کلام کرنا جائز نہیں۔

نوع ثانی: کتاب کے اسرار ورموز میں سے کچھ علم وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا اور یہ علم حضور ہی کے ساتھ خاص ہیں حضور کے علاوہ دوسرے کو ان علوم میں کلام کرنا جائز نہیں یا جس کو ان پر کلام کرنے کی اجازت مل جائے۔ اور حروف مقطعات اسی قسم ثانی سے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ حروف مقطعات قسم اول سے ہیں۔

نوع ثالث: کچھ علوم وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے اور یہ جلی وخفی معانی کے وہ علوم ہیں جو کتاب مقدس میں بطور ودیعت موجود ہیں۔ اور ان کی تعلیم کا بھی حکم ہے اور یہ دو قسموں پر ہیں۔

قسم اول: وہ علم ہیں جن میں سمع کے خلاف کلام کرنا جائز نہیں وہ علم یہ ہیں جیسے اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، قرأت ولغات، امم سابقہ کے حکایات اور قصے، آئندہ ہونے والے حوادث کی خبریں، حشر ومعاد۔

قسم دوم: وہ علم ہیں جو الفاظ سے نظر واستدلال کے طریقے سے ماخوذ ہوں اور ان میں استنباط واستخراج کے طریقے کا بھی دخل ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ علم ہے جس کے جواز میں اختلاف ہو جیسے صفات کے بارے میں جو آیات متشابہات ہیں ان کی تاویل کا علم۔

دوسری قسم: وہ علم ہے جس پر اتفاق ہو جیسے احکام اصلیہ وفرعیہ اور اعرابیہ کے استنباط واستخراج کا علم، ان کی اساس وبنیاد قیاسات پر ہے۔ اسی طرح فنون بلاغۃ، مواعظ وحکم اور اشارات کی قسمیں ہیں مجتہد کے لئے ان علوم کا استنباط واستخراج ممنوع نہیں۔

(الاتقان ۲ نوع ۷۸ فی معرفۃ شروط المفسر وآدابہ)

اتقان میں صراحت ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور امام سیوطی کا یہ مختار وپسندیدہ ہے کہ مقطعات وہ اسرار ورموز ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ امام شعبی کے قول سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں کہ ہر کتاب کا ایک راز ہے اور اس قرآن کا راز حروف مقطعات ہیں۔ (الاتقان ۲ نوع ۴۳)

اقول: تم جانتے ہو کہ متشابہات کی دلالت اعلام عام کے عدم پر ہے نہ کہ اعلام کے عدم عام پر۔ اور جو رموز محب ومحبوب کے مکتوبات میں جاری ورائج ہیں ان کو اسرار کہتے ہیں یعنی ان اسرار پر محب ومحبوب کے علاوہ کوئی آگاہ ومطلع نہیں ہوتا نہ کہ محبوب بھی انہیں نہ سمجھے جن سے اس کو خطاب کیا گیا ہے یعنی ان رموز واسرار کو محبوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے انوار التنزیل، نور الانوار اور فواتح الرحموت کا بیان گزرا۔

پھر امام سیوطی فرماتے ہیں کہ متشابہات کے معنی میں دوسرے لوگوں نے بھی غور وخوض کیا ہے اور اکثر نقلیں جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ومروی ہیں وہ دس قسموں پر نمایاں ہیں اور روایات کی کثرت ہی سے ابن عباس کی ان روایات ونقول کی تضعیف زائد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کی روایتیں حضرت عبداللہ بن مسعود اور کچھ صحابہ اور حسن، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، محمد بن کعب قرظی، ربیع بن انس اور سفیان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں اور امام مجاہد کا ذکر تو اوپر گزر راہی ہے۔ پھر ان روایات ونقول کی موجودگی میں ان سب لوگوں کی طرف یہ انتساب کیسے

کیا جائے کہ یہ لوگ مذہب اہل سنت سے غافل رہے اور بدعت کا قول اختیار کیا؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یہ لوگ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہیں اور ائمہ واکابر میں سے وہ لوگ ہیں جن کا ذکر وجوہ سابقہ میں گزرا جیسے ائمہ شافعیہ میں سے امام نووی، امام بیضاوی اور مالکیہ کے امام ابن حاجب۔ اور ائمہ احناف میں سے امام فخر الاسلام وشمس الائمہ اور صاحب کشف اور وہ تمام جلیل القدر علماء وجمہور تابعین جن کے اقوال ہم نے نقل کئے اور امام ہمام عالم قریش امام (مطلبی) شافعی نیز دیگر اکثر شافعیہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (الاتقان ا۔ نوع ۴۳)

عقدوں کے حل میں نفیس بیان

غایۃ المامول کے دفع رابع کا آٹھواں رد

ثامنا: جمہور سلف نے فرمایا کہ متشابہات کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور جمہور نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا اور اب امام سیوطی اور امام بدرالدین زرکشی رحمہما اللہ تعالیٰ سے جمہور کے قول کا مطلب و معنی سنو۔

امام سیوطی اتقان میں نوع ۷۸ کے آخر میں فرماتے ہیں ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ تفسیر چار طریقوں پر ہے۔

- ایک تفسیر وہ ہے جسے عرب والے اپنے کلام سے جانتے ہیں۔
- دوسری تفسیر وہ ہے جس کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں۔
- تیسری تفسیر وہ ہے جسے علماء کرام جانتے ہیں۔
- چوتھی تفسیر وہ ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک مرفوع روایت سند ضعیف سے ان لفظوں میں ہے کہ قرآن مقدس چار حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

۱۔حلال وحرام کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں۔

۲۔عرب والوں کی تفسیر۔

۳۔علماء کی تفسیر۔

۴۔متشابہات کوصرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو اللہ کے سوا دوسرے کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔

امام بدرالدین زرکشی ''برہان'' میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ تقسیم درست وصحیح ہے مگر جسے اہل عرب جانتے ہیں وہ علم لغات اور علم اعراب ہیں اور جس کی جہالت کسی کے لئے عذر نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی فہم ودانائی ان نصوص کے معنی کی معرفت کی طرف سبقت کرے جو نصوص شریعت کے احکام اور توحید کے دلائل پر مشتمل ہیں اور ہر وہ لفظ جس کا ایک ہی واضح معنی ہو اور معلوم ہو کہ یہی معنی اللہ کی مراد ہے، یہ وہ قسم ہے جس کی تاویل میں کوئی التباس واشتباہ نہیں ہے۔اور وہ تفسیر جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ علوم غیبیہ کے قائم مقام ہے جیسے وہ آیات جو قیام قیامت پر مشتمل ہیں اور روح وحروف مقطعات کی تفسیر اور اہل حق کے نزدیک قرآن عظیم میں جو متشابہات ہیں ان کی تفسیر میں اجتہاد کا کوئی پہلو نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی راستہ ہے مگر قرآن یا حدیث کی کوئی نص اس کے بیان پر موجود ہو یا اس کی تاویل پر اجماع امت ہو۔اور وہ تفسیر جسے علماء کرام جانتے ہیں وہ احکام ومسائل کا استخراج واستنباط ہے۔ (الاتقان ۲،ص ۱۸۴۔نوع ۷۸)

اور عالم قریش سیدنا امام مطلبی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''مختصر بویطی'' میں واضح فرمادیا ہے کہ روایات ماثورہ اور توقیفی بیان کے بغیر متشابہات کی تفسیر کرنا حلال نہیں۔اور اس سلسلے میں ایک صحابی سے مروی ایک حدیث کا اضافہ بھی کیا ہے جیسا کہ اتقان میں ہے۔ (الاتقان ۲،ص ۱۸۴۔نوع ۷۸)

پھر دیکھو کہ جس علم کوصرف اللہ عزوجل ہی جانتا ہے اس کے حصول کا طریقہ ائمہ کرام نے یہ مقرر کیا ہے کہ اللہ ورسول کی طرف سے اس کا بیان وارد ہونا ضروری ہے

ورنہ صرف طلب وجستجو سے امت کو وہ علم حاصل نہ ہوگا۔ اگر کسی علم کی تاویل پر اجماع امت ثابت ہو تو اس سے بھی مدعا حاصل نہ ہوگا کیونکہ اجماع کاشف ہے مثبت نہیں۔ اور ائمہ کے لئے ایسے مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں جس میں اجتہاد کا کوئی پہلو اور راستہ نہ ہو۔ اور اگر "**لا یعلمه الا الله تعالیٰ**" کا مطلب اعلام کی نفی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا بیان اور عدم اعلام دونوں کیسے جمع ہوں گے؟ یہ تو خالص اجتماع نقیضین ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس چیز کو بیان کرنا کیسے درست وصحیح ہوگا جس میں رب تعالیٰ کا اعلام نہیں ہے پھر تو یہ قول صادق آئے گا کہ عطائے رب کے بغیر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم میں مستقل ہیں اور یہ کفر ہے۔ اور اللہ ورسول کی طرف نسبت کئے بغیر امت کا اجماع وہاں کیسے ممکن ہوگا جہاں پر رائے کا کوئی دخل نہیں پھر تو پوری امت فرمان الٰہی "**ام تقولون علی الله مالا تعلمون**" (یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کنز الایمان) کے تحت داخل ہو جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی پر جمع ہونے سے اس امت کو محفوظ فرمایا ہے۔ اور نیز امت مرحومہ جب اجماع کرے گی تو اس کا اجماع حجت وسند ہوگا۔ لہٰذا یہ فرض کر لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعلام کی نفی منقول نہیں، تو اعلام حاصل ہو جائے گا اب یہ کہنا واجب ولازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر متشابہات کی مراد کوئی بھی اپنی عقل وفکر اور قیاس ونظر سے نہیں جان سکتا، تمام غیوب کی یہی شان ہے۔ لہٰذا مقصد ومدعا واضح ہوگیا اور اوہام زائل وباطل ہو گئے۔ **والحمدلله الملک العلام۔**

رسالہ مذکور کے دفع رابع کا نواں رد

تاسعا: ہم نے امام سیوطی سے جو نقل کیا وہ تمہارے لئے ظاہر ہے کہ ابن جریر کی یہ مرفوع روایت "**انزل القرآن اربعة احرف الخ**" (قرآن چار حرفوں پر نازل ہوا ہے) ضعیف ہے۔ (الاتقان ۲، ص ۱۸۴ انوع ۷۸)

لیکن اس افترا پرداز رسالہ نے اس پر پردہ پوشی کی کوشش کی ہے، اس کی پردہ پوشی میں سے یہ ہے کہ اس نے (ص ۱۳ پر) امام سیوطی کا وہ قول حذف کر دیا جسے ابن جریر نے روایت کیا ہے تاکہ ابن جریر کی روایت کی طرف کوئی شخص رجوع نہ کر سکے اور اس رسالہ کے خوف کی عجلت اور اس کا عیب ظاہر نہ ہو جائے، حالانکہ ابن جریر (اس رسالہ کے ایراد و اظہار سے) پہلے ہی اس سے بری الذمہ ہو گئے ہیں اور فرمایا کہ اس کی سند میں نظر ہے۔

اور میں نے صرف امام سیوطی کے کلام میں لفظ "بسند ضعیف" دیکھا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القا فرمایا کہ یہ ابو صالح سے مروی کلبی کی روایت ہوگی پھر جب میں نے تفسیر ابن جریر کی طرف رجوع کیا تو وہ روایت بعینہ ویسی ہی تھی۔ وللہ الحمد

اور ابو صالح جرح کے فساد و ہلاکت سے محفوظ نہیں ہیں اور کلبی کا حال مکشوف و معروف ہے۔ شیخ الاسلام ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب ابو صالح و کلبی دونوں سے تیسرا آدمی سدی صغیر مل جائے تو وہ جھوٹ کا تسلسل ہو جاتا ہے۔ علی بن مدینی صحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو ذکر کرتے ہوئے سنا کہ سفیان نے فرمایا کہ کلبی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو صالح نے یہ کہا کہ میں جو تم سے بیان کروں وہ جھوٹ ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی، یحییٰ، سفیان فرماتے ہیں کہ کلبی نے ہم سے یہ کہا کہ میں جو تم سے ابو صالح کی روایت بیان کروں تو وہ کذب ہے۔ اور اس سند کو جو تم دیکھ رہے ہو کہ وہ انتہائی صحیح اور عمدہ ہے، کلبی سے اس کے ثبوت میں کوئی شخص نہیں ہے پھر اگر وہ جھوٹا ہو تو وہ تو جھوٹ ہے ہی اور اگر اس میں وہ صادق ہو پھر بھی وہ جھوٹ ہے، جو بھی ہوگا وہ سب کا سب ساقط ہو جائے گا۔ لہٰذا عالم کے لئے ایسی تدلیس کس طرح حلال و جائز ہوگی اور ایسی روایات قرآن عظیم کے مشمولات کے معارض ہو جائیں گی۔ نسأل الله العفو والعافية۔

عاشرا: انسان جب نظر و فکر کے طریقے میں خطا و غلطی کرتا ہے تو وہ ایسی چیز

لاتا ہے جیسے گھیرا بنانے والے کی بچی ہوئی گھاس سوکھی روندی ہوئی۔ بات یہ ہے کہ قرآن مقدس ہر چیز کا واضح بیان ہے اور لوح محفوظ کے مکتوبات و مندرجات شئی ہیں تو قرآن ان سب کا بیان ہوگا اور لوح کے مکتوبات میں ماکان و مایکون بھی ہیں۔ اس رسالہ نے اس سے نکلنے کا حیلہ تراشا اور بہانہ بنایا اس سے پہلے تم نے جو سنا کہ ''قرآن متناہی ہے تو وہ غیر متناہی کی تفصیل کو کیسے محیط ہوگا اور جب پورا قرآن تفصیل نہیں تو اس میں غیوب خمسہ کے داخل ہونے کا یقین کیسے ہوگا اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ قرآن میں ہر ایک شئی کی تفصیل ہے پھر بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کے تمام علوم کو جانتے ہیں کیا تم نے متشابہات کے بارے میں اقوال نہیں دیکھے؟'' یہ اس کلام کا خلاصہ ہے جو یہاں پر طوالت کے ساتھ مذکور ہے۔

یہ سب کا سب ندائے بعید کے مانند ہے، ذات وصفات کی کنہ وحقیقت اور وہ تمام غیوب جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور جملہ غیر متناہی جیسا کہ ابن نقیب کی روایت سے گزرا اور آئندہ اس کی تائید آئے گی۔ ان سب کو اگر قرآن کریم کے بطون شامل ہوں پھر بھی اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ قرآن مقدس میں ایسے علوم ہیں جنہیں خلق خدا میں کوئی نہیں جانتا، اگر چاہو تو ان علوم کی شرف متشابہات کی نسبت کردو اور اگر یہ کافی نہ ہو تو متشابہات کے علاوہ دوسرے کو ملانا چاہو تو ملا لو پھر اس کے بعد جو بھی ایسا ہو اسے علوم غیر معلومہ سے ملالو۔ اس وقت یہ ثابت وحاصل ہوگا کہ قرآن کے بعض علوم معلوم نہیں ہیں لیکن اس سے جائے فرار کہاں جس کی شہادت قرآن عظیم نے دی ہے کہ قرآن کریم نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لوح محفوظ کے تمام مکتوبات ومشمولات بیان کردیئے ہیں۔ اب یہ ثابت وواضح ہوجائے گا کہ یہ سب قرآن کے قدر معلوم میں داخل ہیں متشابہات کا تمہیں علم ہو یا نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اس رسالہ (غایۃ المامول) پر یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ روز اول سے روز آخر تک کی بعض ہونے والی چیزوں کا ذکر صرف متشابہات میں ہے اور متشابہات

معلوم نہیں ہیں لہٰذا ان ہونے والی چیزوں سے علم کا احاطہ نہ ہونا لازم آئے گا، لیکن اس رسالہ نے یہ ثابت نہیں کیا اور ہرگز ثابت نہیں کرے گا اور نہ ثابت کر سکتا ہے، تو پھر سید کائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کے احاطہ علم سے متشابہات کو نکالنے سے کیا فائدہ ہوا؟

اور اس سے تمہارے لئے اس کا سقوط ظاہر ہو گیا جو اس رسالہ نے (ص ۱۳۱ پر) تفسیر مری کے قول سے استدلال کیا کہ قرآن نے اولین وآخرین کے علوم کو جمع کر لیا ہے اس طرح سے کہ درحقیقت قرآن ان علوم کو محیط نہیں ہے مگر جس نے قرآن نازل فرمایا اس کے علوم سب کو محیط ہیں پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم بھی سب کو محیط ہیں ان علوم کے علاوہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے لئے مخصوص فرما لئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن علوم کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے یہ ان علوم کے علاوہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بیان فرما دیا ہے یہی علوم لوح محفوظ میں ہیں۔ ہم نے تمہیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے علوم جو ہر ذرے سے متعلق ہیں غیر متناہی ہیں چہ جائیکہ جو تمام اولین وآخرین سے متعلق ہیں۔ اور لوح محفوظ میں ہر شئی ودیعت ہے اور شئی موجود کو کہتے ہیں۔ اور وجود، غیر متناہی بالفعل کو حاوی نہیں ہے۔

اور اس رسالہ کا وہ استناد (ص ۱۳۱ پر) ضعیف ہو گیا جو قاضی ابو بکر بن عربی کی "قانون التاویل" کے اس قول سے کیا ہے کہ قرآن کے علوم کلمات قرآن کے عدد کے مطابق ۷۷۴۵۰ ہیں انہیں جب چار میں ضرب دیا جائے (اس لئے کہ ہر کلمہ کا ظاہر، باطن، حد، مطلع ہے ہر کلمہ کے چاروں علوم کو ۷۷۴۵۰ میں ضرب دیا جائے) تو ۳۰۹۸۰۰ حاصل ہوں گے اور یہ تعداد تو مطلق ہے ترکیب اور کلمات کے درمیان روابط کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، ان کا تو شمار ہی نہیں اور نہ اللہ کے سوا انہیں کوئی جان سکتا ہے۔"

اس کا جواب دو طریقے سے دیا گیا ہے۔

الاول پہلی بات تو یہ ہے کہ جو ہم نے "**لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ**" کے معنی کی

توضیح میں امام شافعی، امام زرکشی اور امام سیوطی کے کلام سے بیان کیا۔ اور دوسری بات یہ ہے جو ابھی تمہیں معلوم ہوئی کہ جن علوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے مخصوص فرمالیا ہے، وہ قطعاً بیان شدہ نہیں ہیں تو ان علوم میں سے کچھ بھی ما کان وما یکون میں سے نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس رسالے کی بیماری ہی یہ ہے کہ اس نے ہمارا مقصود و مدعا سمجھا ہی نہیں تو اس کا حال تو ایسا ہو گیا جیسے کوئی اپنے ساتھی سے تیر اندازی کا مقابلہ کرے پھر وہ اپنے ساتھی کے پیچھے کی طرف تیر پھینکے اور سامنے کی طرف تیر پھینکنے سے انجان بنا رہے تو کیا اس کے تیر اس کے ساتھی سے دوری میں اضافہ کر دیں گے، ہرگز نہیں، (یعنی اس رسالہ میں یہ مثال بھی درست نہیں) بلکہ اس رسالے کے تیر اسی کی کوہان میں لگتے ہیں جیسا کہ ابھی عنقریب توفیق الٰہی سے دیکھو گے۔ **نسأل الله العفو و العافية۔**

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

من اراد العلم فعليه بالقرآن فان فيه خبر الاولين و الاخرين۔

جو علم کا ارادہ کرے وہ قرآن کو لازم کر لے اس لئے کہ قرآن میں اولین وآخرین کی خبریں ہیں

امام بیہقی نے اس قول کے لفظ "العلم" کی تفسیر "**اصول العلم**" سے کی ہے۔ اس سے اس رسالہ نے (ص ۱۳ پر) یہ استدلال کیا کہ قرآن کریم ایسے علوم پر مشتمل ہے جن کا حصر و احاطہ نہیں اور یہ علوم بعض میں تفصیلی ہیں اور بعض میں اجمالی۔

اور تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس رسالہ نے جس لغو و فضول کلام کا دعویٰ کیا اس کا اس مقام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ اجمال و بیان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے ہیں حالانکہ قرآن ہر شئی کا روشن بیان ہے تو قرآن میں لوح محفوظ کی کوئی بھی ثابت شدہ وہ شئی نہیں ہوگی جس کے لئے سوچا گیا ہے کہ وہ اجمال کے دامن میں داخل ہے بلکہ اگر یہ اجمال مان بھی لیا جائے تو وہ دوسرے علوم میں ہوگا مگر یہ کہ بیہقی نے "**اصول**" سے جس کی تخصیص کی ہے اس سے اس نے استدلال کرنا چاہا ہے۔ اور جب "**العلم**" سے

اصول علم مراد لیا جائے تو قرآن فروعات کو شامل نہ ہوگا یا فروعات کو قرآن مستوعب نہ ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ فروعات کا علم، اصول کا محتاج ہوتا ہے بلکہ فروعات کے علم کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر فروعات ہی قرآن کی تفصیل کو مستوعب ہو جائیں تو اصول کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ رہے گی جب تو فروعات اجمال میں داخل ہو جائیں گے جو اصول کے تحت درست وثابت ہیں پھر تو قرآن ہر شئی کا بیان نہیں ہوگا۔ اگر اس کی یہ مراد ہے تو یہ اس ابہام کا بیان ہے یا جس کی فکر اس کی مراد تک نہ پہنچے اور جسے نہ جانے اس کے لئے اعلام ہے۔

قول بیہقی، کہ قرآن میں اصول علم ہیں، کی عمدہ تحقیق

اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں، میری عمدہ تحقیق کو غور سے سنو اس کو سمجھنے سے سینے کے دریچے کھل جائیں گے اور قدرت کی توفیق سے پردے ہٹ جائیں گے۔

علم سے مراد فنون ہیں یا ماضی و مستقبل کے اعیان خارجیہ کا ادراک۔

اور اصل وہ ہے جس پر غیر کی بنیاد رکھی جائے۔

- تلویح میں ہے کہ اصل، قانون اور دلیل کو کہتے ہیں۔
- احیاء میں ہے کہ اصل، کثیر غالب کو کہتے ہیں۔

اقول، حکم اولیٰ، جیسے ہمارا قول، اشیاء میں اصل اباحت ہے اور بضع میں اصل تحریم ہے۔

اور مطلوب اولیٰ، جیسے ان کا قول، قسم میں اصل پورا کرنا ہے اور طہارت میں اصل پانی ہے۔

اور عارض اول، جیسے ان کا قول، اصل بکارت ہے اور اولاد آدم میں اصل افلاس و محتاجی ہے۔

اور اگر شئی اپنی طبیعت سے جدا ہو جائے تو وہ اسی پر رہے گی، جیسے تیرا قول، اجسام میں اصل سکون ہے لیکن اجسام کی حرکت تو حیز و مقام کے نہ ہونے یا کسی کے مجبور کرنے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ نفس متعلقہ سے ہے جیسے حرکت ارادیہ۔

اور یہ معلوم ہے کہ شئی کی حالت کا علم اس علم کی فرع ہے اس لئے کہ اس علم پر فرع کی بنیاد ہے۔ اور کثیر غالب یعنی مخلوق کے علم میں اصل شئی کے احوال سے ان احوال کا

علم ہے جو بالفعل موجود ہیں۔اوران احوال میں سے لوازم وجود ہیں۔اوران میں سے عوارض اولیہ ہیں اگرچہ متفرق وعلیحدہ ہوں۔ اور ان احوال میں سے طبیعتوں کے مقتضیات ہیں،اور کبھی حالت ممکنہ موجود استعداد کی فرع ہوتی ہے۔اوراگر موجود، حالت موجودہ سے متصف نہ ہوتو اس حالت کا اتصاف حالت ممکنہ سے ممکن نہ ہوگا۔اس لئے کہ ممکن کے کسی حالت سے خالی ہونے کا امکان نہیں اورواجب میں کسی حالت کا امکان نہیں۔تو ظاہر ہوگیا کہ اصول علم، اعیان کے ادراک میں ان کی ذوات اوران اعیان کے احوال موجودہ کا ادراک ہے۔علم شئی کی حالت کا ہوتا ہے نہ علم شئی کی حالت ہے، علم جو ایک شئی ہے اس میں شئی کی حالت داخل نہیں۔یہ مراد تین قسموں پر منحصر ہے۔

ا۔اصول فنون، جیسے اصول فقہ،حدیث اور اصول عربیہ وغیرہ۔

۲۔ذوات اشیاء کا علم۔یا

۳۔ذوات اوران کی بالفعل موجود حالات کا علم۔

اور قرآن سے مراد صرف اس کا ظاہر ہے یا باطن کے ساتھ ظاہر مراد ہے۔اور اصول کی تخصیص اس لئے ہے کہ قرآن عظیم میں یہی واضح ہیں فروع نہیں۔تو فروع میں عموم سلب ہوگا اور اصول میں ایجاب جزئی۔خواہ یہ اصول ایجاب جزئی میں پائے جائیں یا سلب جزئی کے ساتھ۔یا اصول کی تخصیص اس لئے ہے کہ کتاب عزیز میں اصول ہی مستوعب ہیں فروع نہیں۔تو فروع میں سلب عموم ہوگا جو عموم سلب اور ایجاب جزئی سے عام ہے اوراصول میں ایجاب کلی ہے۔یہ بارہ صورتیں ہیں تینوں میں سے ہر ایک میں چار صورتیں ہیں مگر شق اول یعنی اصول فنون مراد لینا دو وجہوں سے باطل ہے۔

اول، کلام اس بات پر ہے کہ قرآن عظیم میں اولین وآخرین کی خبریں ہیں جیسے عاد وثمود اور یاجوج وماجوج کے نکلنے کی خبریں۔

ثانی، اصول فنون کی مراد مذکورہ چاروں وجہوں سے درست نہیں اس لئے کہ قرآن کریم کا ظاہر تمام اصول کو مستوعب نہیں ہے اور فروعات سے خالی بھی نہیں۔اور

قرآن مقدس کا باطن غیب ہے اور غیب پر اس چیز کا حکم لگایا نہیں جاتا جو ثابت نہیں۔ اگر ایسا ہو تو یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھنا ہو جائے گا اور فروع کا عموم سلب خود ہی باطل ہے ان کے سلب عموم پر کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔ اور وہ حوادث جو حکم شرعی کے محتاج ہوتے ہیں وہ ختم دنیا سے منتہی ہو جائیں گے بلکہ اس قول پر اس سے پہلے ہی کہ، کفار فروعات کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور ان علوم کے غیر متناہی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کے علاوہ غیر متناہی ہیں کہ افراد کا غیر متناہی ہونا ان احکام کے غیر متناہی ہونے کو مستلزم نہیں جو افراد سے متعلق ہیں۔ کیونکہ احکام کلیہ وہ قوانین ہیں جو جزئیات غیر متناہیہ پر عقلی احتمال میں متفرع ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء۔۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔ (کنزالایمان)

یہ آیت شامل ہے اس کو جبکہ بیٹا ایک اور بیٹی ایک سے زائد ہو یا بیٹی ایک اور بیٹا ایک سے زائد یا اس اختلاط کے ساتھ کہ لڑکے یا لڑکیوں میں جو بھی عدد ہو وہ دوسرے فریق میں تمام اعداد کے ساتھ ہو۔ یہ غیر متناہی صورتیں ہیں۔

ان صورتوں میں ہر صورت کا حکم اس خدائی قانون سے ایسا واضح وظاہر ہو گیا کہ اس میں بالکل خفا و پوشیدگی نہیں ہے۔

اسی طرح شق ثانی یعنی ذوات کا علم ہے اسی کے مثل جو مذکورہ دونوں وجہوں میں گزرا۔ کیونکہ اولین و آخرین کی خبروں سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ ان کے احوال کا بیان ہے نہ کہ صرف ان کی ذوات کی تعداد۔ اور اگر حقیقت مراد لیا جائے تو وہ تو اولین و آخرین کے تمام لوگوں میں ایک ہی ہے۔ اور ظاہر قرآن بھی ذوات کو مستوعب نہیں اور نہ ان کے بیان احوال سے خالی ہے اور باطن قرآن کے تمام احوال موجودہ کو مستوعب نہ ہونے کی دلیل وارد نہیں ہوئی ہے۔ عموم ممکنہ کی نفی سے ہمیں کوئی ضرر و نقصان نہ ہوگا

جیسا کہ عنقریب سنو گے اور ابھی ہم وجہ اول سے یہ مراد نہ ہونے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ثابت ہو گیا کہ مراد شق ثالث یعنی ذوات اور ان کے احوال موجودہ کا علم ہے۔

لفظ اولین و آخرین میں ذوی العقول کے غلبہ کے سبب سے سب کو جمع کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

(سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا۔ کنزالایمان) میں ہے۔

اور فروعات ہی احوال ممکنہ ہیں جو پردۂ عدم سے نہیں نکلے ہیں۔ اور صرف ظاہر کا مراد لینا جائز نہیں اس لئے کہ ظاہر ذوات اور احوال موجودہ کو مستوعب نہیں ہے اور بعض احوال ممکنہ کے بیان سے خالی بھی نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے یہ فرمودات

● وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ (الانعام، ۲۸)

اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے۔

(کنزالایمان)

● وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ (النساء۔۶۶)

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے۔ (کنزالایمان)

● وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا يُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا

(النساء۔۶۶)

اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا۔

(کنزالایمان)

● وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰهُ فِيۡهِمۡ خَيۡرًا لَّاَسۡمَعَهُمۡ ۚ وَلَوۡ اَسۡمَعَهُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (الانفال۔۲۳)

اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار

منہ پھیر کر پلٹ جاتے۔ (کنزالایمان)

● وَاِنْ کَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (الاسراء۔۷۳)

اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت کر دو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ (کنزالایمان)

● وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (الاسراء۔۷۴)

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔

(کنزالایمان)

● اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ۔ (الاسراء۔۷۵)

اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔ (کنزالایمان)

● وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (الحاقہ۔۴۴)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا۔ (کنزالایمان)

● وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى

(طٰہٰ۔۱۲۹)

اور اگر تمہارے رب کی ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں لپٹ جاتا اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا۔ (کنزالایمان)

● لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

(الانفال۔۶۸)

اگر اللہ پہلے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانو تم نے جو کافروں سے بدلے کا مال لے لیا اس میں تم پر بڑا عذاب آتا۔ (کنزالایمان)

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں۔

ان توضیحات کے بعداب باطن قرآن میں عموم سلب کی مراد فاسد و باطل اور سلب عموم مراد لینا درست و صحیح ہے اس لئے کہ احوال ممکنہ غیر متناہی ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ تو سورج سے زیادہ روشن بیان سے مقصود و مدعا ظاہر ہو گیا۔ **وللہ الحمد**

- تردید اول سے مراد شق ثالث یعنی ذوات اور حالات موجودہ کا علم ہے۔
- اور تردید ثانی سے مراد قرآن کریم کا ظاہر و باطن ہے۔
- اور تردید ثالث سے مراد اصول کی تخصیص برائے استیعاب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے تمام ذوات اور اول سے آخر تک کے حالات موجودہ کے بیان پر حاوی ہے اور یہی اولین و آخرین کے اصول علم ہیں۔ اور فروع مستوعب نہیں ہیں یعنی تمام احوال ممکنہ کا وہ بیان جو معدوم ہے اور جنہیں غیر متناہی فرض کیا گیا ہے اس لئے کہ بالفعل غیر متناہی کو بیان حاوی نہیں ہوتا، ایسی ہی تحقیق مناسب ہے۔ **واللہ سبحانہ تعالیٰ ولی التوفیق۔**

پھر اس رسالہ نے (ص ۱۳ پر) استدلال و تمسک کیا جن بعض میں اس نے اجمال کا دعویٰ کیا اس طور سے کہ امام سیوطی نے جب مشمولات قرآن کا ذکر فرمایا کہ قرآن کریم علوم اوائل پر مشتمل ہے مثلاً طب، جدل، ہیئۃ، ہندسہ، جبر، مقابلہ، نجوم وغیرہ تو امام سیوطی نے یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے علم طب کی طرف اس آیت کریمہ سے اشارہ فرمایا

- وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۶۷)

اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ (کنز الایمان)

- اور، فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل ۶۹)

شہد جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔ (کنز الایمان)

اور اللہ تعالیٰ نے، جدل کی طرف اشارہ فرمایا اس چیز سے جس پر براہین و دلائل حاوی ہیں۔

- اور ہیأۃ کی طرف اشارہ فرمایا "السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے (البقرۃ ۔۳۳)
- ہندسہ کی طرف اشارہ فرمایا "ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ" سے

یعنی چلواس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں۔
(کنزالایمان)(المرسلات۔۳۰)

● علم نجوم کی طرف اشارہ ہے، اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ سے (کچھ بچا کھچا علم)۔
(کنزالایمان)(الاحقاف۔۴)

● علم خیاطت کی طرف اشارہ ہے، وَ طَفِقَا یَخْصِفٰنِ، سے (جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔کنزالایمان) (طٰہٰ،۱۲۱)

● لوہاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ، سے (میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ۔کنزالایمان) (الکھف۔۹۶)

● نجاری (بڑھئی) کی طرف اشارہ ہے، وَاصْنَعِ الْفُلْكَ، سے (اور کشتی بناؤ۔کنزالایمان) (ھود۔۳۷)

● غزل (تاگا کاتنا) کی طرف اشارہ ہے، نَقَضَتْ غَزْلَهَا، سے (یعنی جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔کنزالایمان) (النحل۔۹۲)

● نسج (کپڑا وغیرہ بننے) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ، سے (العنکبوت۔۴۱)

● فلاحت وزراعت کی طرف یہ آیت "اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ" مشیر ہے (تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو۔کنزالایمان) (الواقعہ۔۶۳)

● غواصی کی طرف " كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ " مشیر ہے (ہر معمار اور غوطہ خور۔کنزالایمان) (ص۔۳۷)

● وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً، سے بھی غواصی کی طرف اشارہ ہے (اور اس (دریا) میں سے گہنا نکالتے ہو۔کنزالایمان) (النحل۔۱۴)

● اور زرگری وسناری کی طرف اشارہ ہے، وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا، سے

(اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھی۔

کنز الایمان)(اعراف۔۱۴۸)

اسی طرح کی اور بھی آیات ہیں، اور یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں کہ قرآن عظیم کے مذکورہ جملوں میں جن علوم کا ذکر ہے ان میں ان علوم کی تفصیلات نہیں ہیں۔

اقــول ، بیشک میں چراگاہ کی تلاش میں دور نکل گیا یہ کیوں نہ کہا جائے کہ قرآن کریم میں ضروریات دین، ارکان اسلام، حلال وحرام کے اہم مسائل اور جو علوم اوائل میں فرض کیا گیا ان کا اجمالی بیان ہے جیسے

● وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرۃ۔۴۳)

نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو۔ (کنز الایمان)

● وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔

(آل عمران۔۹۷)

اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔ (کنز الایمان)

● اور، فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

(النساء۔۳)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔

(کنز الایمان)

● وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ (البقرۃ۔۲۷۵)

اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ (کنز الایمان)

قرآن عظیم کے یہ جملے تفصیلات سے غنی نہیں ہیں، نماز، زکوٰۃ، حج، نکاح، بیع میں تفصیلات کی ضرورت ہے ان کی تفصیلات میں ہزاروں ہزار بڑی بڑی جلدیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا سکتی ہیں اور ان میں سے سب سے کم تفصیل مناسک حج میں ہے۔

امام ذہبی میزان میں محمد بن شجاع تلمیذ امام حسن بن زیاد تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں فرماتے ہیں کہ حاکم نے فرمایا کہ میں نے محمد بن احمد بن موسیٰ قمی (یہ روایت احمد بن موسیٰ اور محمد بن شجاع سے مروی ہے) کے پاس "کتاب المناسک" دیکھی جو ساٹھ سے زائد بڑی جلدوں میں باریک خط میں تھی۔

(میزان الاعتدال بلدذھبی ۳۔رقم الترجمة ۷۶۶۳)

اور حاصل یہ ہے کہ جو اوپر ذکر کیا گیا ان میں سے کسی شئی کا تعلق بطون قرآن سے نہیں اور نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ظاہر قرآن میں ہر شئی کی تفصیل وتشریح موجود ہے مگر تعجب ہے کہ اس رسالہ نے اس کلام کا التقاط کیا جسے امام سیوطی نے ابوالفضل مرسی کے کلام سے ایک ورق سے زیادہ میں مختصراً بیان کیا۔اس رسالہ نے اس عبارت "خلاما استاثر سبحانہ" کو اخذ کیا اس کا بیان اوپر گزر چکا ہے اور جو عبارت اس سے متصل تھی اس کو چھوڑ دیا یعنی "ثم ورث عنہ الخ" پھر بڑے بڑے سادات صحابہ اور علمائے صحابہ مثلاً خلفاء اربعہ، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد قرآن کے وارث ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے کتاب اللہ میں پالوں۔ پھر تابعین کرام، صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بھلائیوں کے ساتھ وارث وامین ہوئے۔ پھر ہمتیں پست اور عزائم سست ہوگئے الخ۔ (الاتقان ۳،ص ۱۲۶ انوع ۶۵)

بیشک رسالہ اسے قطع کر دینا چاہتا ہے جس کے ابن عباس اور علمائے صحابہ حضور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وارث و جانشین ہوئے۔صحابہ کرام ان علوم کے ث ہوئے جو قرآن کریم میں مجتمع ہیں اور قرآن میں اولین وآخرین کے علوم موجود ۔ جب تم نہر کو کاٹ دو گے جس سے پانی حاصل کیا جاتا ہے پھر تو اس کے بعد تم ے اپنے ارادے کے مطابق جدھر چاہو گے پھیر دو گے جیسا کہ تم نے سنا کہ یہ ایک مخفی چیز تھی لیکن اس رسالہ نے کلام مرسی کے آخر سے ان جملوں کو اخذ کیا اور جس سے مرسی کا کلام ختم ہوتا ہے اس کو ساقط کر دیا۔ مرسی کے کلام کا اختتامیہ یہ ہے "وفیہ من اسماء

الخ" یعنی قرآن مقدس میں آلات کے نام، ماکولات و مشروبات کی قسمیں اور منکوحات کے نام ہیں اور قرآن میں وہ سب چیزیں ہیں جو واقع ہوئیں یا کائنات میں واقع ہوں گی یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۔ (الانعام۔۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔ (الاتقان۲،ص۱۲۶۔نوع ۶۵)

یہ تو واضح شئی ہے مگر جب اس رسالہ نے دیکھا کہ اس نے جو سوت کاتا تھا اسے ادھیڑ دیا گیا تو اسے صحیفہ سے خارج کر دیا اور چپکے سے نکل لیا۔ نسأل الله العفو والعافية۔

قرآن کریم کے معانی بالفعل غیر متناہی ہیں

تنبیہ

ملا علی قاری کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ قرآن عظیم کے معانی متناہی ہیں اور ہم نے اس جگہ بیان کیا تھا کہ جس پر انہوں نے اپنے کلام کی حد مقرر کی ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں اور ملا علی قاری کا اپنا قول یہ گزرا ہے کہ قرآن کے غرائب منتہی نہیں۔ اور انہیں کا قول ہے کہ حد و مطلع کی کوئی انتہا نہیں اور اشعۃ اللمعات میں مروی ہے کہ قرآن عظیم کے معانی منتہی نہیں۔ اور شرح ہمزیہ میں مروی ہے کہ قرآن کریم سے جو علوم نکلتے ہیں ان کی حد و انتہا نہیں اور ابریز میں مروی ہے کہ قرآن کے معانی کی انتہا نہیں جن معانی میں تاویل کا احتمال ہے۔ ہاں ابریز کے قول کا مطلب یہ ہے کہ قدیم معنی غیر متناہی ہیں۔

عدم تناہی و عدم حدوث پر دلائل

امام نجم الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ "تاویلات نجمیہ" میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان، ۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنزالایمان)

(۱) یہ آیت مبارکہ نص صریح ہے کہ معانی قرآن غیر متناہی ہیں جس کی تفسیر یہ ہے

کہ اگر زمین کے تمام درخت قلم ہو جائیں اور سمندر سیاہی ہو جائیں اور اتنی ہی چیزیں کاغذ ہو جائیں اور لکھنے کا حکم دیا جائے تو قلم ٹوٹ جائیں اور سمندر ختم ہو جائیں اور کاغذ بھر جائیں، لکھنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں پھر بھی کلام اللہ کے معانی ختم نہیں ہوں گے اس لئے کہ یہ چیزیں اگرچہ کثیر و عظیم ہیں پھر بھی متناہی ہیں اور معانی قرآن غیر متناہی اس لئے کہ وہ قدیم ہیں، اور محصور، غیر محصور کے برابر و مساوی نہیں۔

(۲) روح البیان میں آیت مذکورہ نقل کرنے کے بعد صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں اشارہ یہ ہے کہ قرآن مقدس قدیم ہے کیونکہ غیر متناہی ہونا قدیم کی خاصیت ہے۔ (روح البیان ۷ تحت آیت مذکورہ، سورہ لقمان)

(۳) عارف باللہ سیدی علی مہایمی قدس سرہٗ کی "تبصیر الرحمٰن" میں ہے قرآن عظیم غیر متناہی علوم پر مشتمل ہے اس لئے کہ اگر رب کی باتوں کے لئے سمندر سیاہی ہو یعنی کلمات باری کا مفہوم لکھنے کے لئے تو "سمندر ختم ہو جائیں" کیونکہ یہ متناہی ہیں" رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے" یعنی کلمات باری تعالیٰ کا مفہوم ختم ہونے سے پہلے اس لئے کہ یہ کلمات غیر متناہی ہیں۔ تو متناہی کے ختم ہونے سے یہ کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ اگرچہ اسی کے مثل دوسرے سمندر کو سیاہی بنالیں۔ اس لئے کہ اگر ایک متناہی دوسرے متناہی سے مل جائے تو یہ متناہی دوسرے کو غیر متناہی نہیں بنا سکتی اور نہ دونوں متناہی مل کر غیر متناہی کے برابر ہوں گی۔

(تبصیر الرحمٰن علی بن احمد۔ ۱ تحت آیت مذکورہ)

تنافی کے شبہ کا ازالہ

اقول کلمات باری تعالیٰ کا غیر متناہی ہونا اس کے منافی نہیں جو امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ "غیر متناہی کا اظہار محال ہے اور وہ جو اوپر گزرا کہ غیر متناہی کو بیان حاوی نہیں ہوتا کیونکہ تنصیص اور بیان، اظہار کو کہتے ہیں اور بیان ہمیشہ متناہی ہی کا ہوگا اگر وہ کسی حد پر ختم نہ ہو تو اسے شمار ہی نہ کرسکیں۔ تم کو اس سے تعجب نہیں

ہونا چاہئے کہ قدیم کی شان غیر متناہی ہے اور تم اس سے بھی فکر مند نہ ہو کہ قدیم کی شان غیر معقول ہے۔

حدیث میں ہے اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اللہ کی ذات میں فکر نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

ابوالشیخ نے اسے ابوذر و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا اور طبرانی نے اوسط میں، ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔

رہا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان، اوتیت القرآن و مثله معه۔

(معجم اوسط ۷ حدیث ۶۳۱۵)

میں قرآن اور اس کے ساتھ اس کے مثل دیا گیا ہوں۔

تو میں کہتا ہوں کہ یہ لوگوں کی سمجھ کی رسائی کے حساب سے ہے، پوری حدیث کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی جسے ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہما مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

الا انی اوتیت القرآن و مثله معه الا یوشک رجل شبعان علی اریکته متکئا یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه و ماوجدتم فیه من حرام فحرموه وانما حرم رسول الله کما حرم الله۔

(ابن ماجہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الخ)

"سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی"

ابوداؤد کی روایت میں یہ زیادہ ہے

الا لا یحل لکم الحمار الاهلی ولا کل ذی ناب من السباع، الحدیث

سن لو پالتو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں نہ کوئی کیلے والا درندہ۔

(ابوداؤد، باب فی لزوم السنۃ)

احمد وائمہ اربعہ (سوا نسائی کے) اور بیہقی دلائل النبوۃ میں ابورافع مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه

خبردار میں نہ پاؤں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی ہو تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

(ابوداؤد، باب فی لزوم السنۃ)

یہ تو وہ چیزیں ہیں جو قرآن عظیم میں موجود ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے حرمت میں زائد نہیں ہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے احکام کتاب اللہ کے احکام کے مثل ہیں حضور کا کوئی حکم کتاب اللہ سے خارج و باہر نہیں۔

اتقان میں ہے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا وہ قرآن ہی سے سمجھ کر فرمایا۔ نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام نے جو فرمایا ہے وہ سنت وحدیث کی شرح ہے اور جملہ سنن واحادیث قرآن کی شرح ہیں۔ (اتقان ۲، رقم الکتاب ۱۲۶ ۔ نوع ۶۵)

طبرانی اوسط میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسی چیز کو حلال ٹھہرایا جسے اللہ عزوجل نے قرآن میں حلال فرمایا اور میں نے اسی چیز کو حرام کیا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا۔ اسے امام شافعی نے بھی کتاب الام میں روایت کیا۔

(طبرانی معجم اوسط ۶ حدیث ۵۷۳۷)

لیکن امام ابن حجر مکی کی "افضل القریٰ" کا بیان گزرا ہے کہ دونوں جہان انسان، فرشتے اور جن کے علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم میں سمائے ہوئے ہیں اس لئے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عالم پر مطلع فرمایا تو حضور کو اولین و آخرین، ما کان و ما یکون کے علوم حاصل ہو گئے جیسا کہ ماسبق میں گزرا اور اس سلسلے میں تمہیں قرآن کافی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے برابر و مثل عطا کیا گیا جیسا کہ صحیح حدیث میں مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام۔۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم قرآنیہ اور ان کے مثل جو عطا ہوا ان کے احاطہ سے لازم آتا ہے کہ حضور کو اولین و آخرین کے علوم کا احاطہ حاصل ہے اور اولین و آخرین کے علوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم میں داخل و شامل ہیں۔ (کتاب الام للشافعی، کتاب صفۃ النبی علیہ السلام)

لزوم تناہی کا رفع

فاقول ، احاطۂ علوم سے مراد بطون قرآن کے وہ علوم ہیں جو اولین و آخرین کے علوم کو حاوی ہیں لیکن قرآن عظیم میں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی کنہ و حقیقت اور تمام غیر متناہی غیوب کے علوم ہیں، وہ اولین و آخرین کے علوم میں سے نہیں ہیں جیسا کہ امام ابن نقیب کی روایت گزری اس مقام کو اسی طرح سمجھنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث ابو عمیر کے فوائد کی بحث

تنبیہ آخر

توشیح سے مذکور ہوا کہ ابو العباس نے ابو عمیر کی حدیث میں ساٹھ سے زائد فوائد بیان کئے۔ ابو عمیر کی حدیث یہ ہے۔

یا ابا عمیر مافعل النغیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچہ کو کیا ہوا۔

اس سلسلے میں ہم نے فتح الباری کی طرف رجوع کیا تو اس میں لکھا ہوا دیکھا کہ بعض لوگوں نے محدثین پر عیب لگایا ہے کہ وہ ایسی چیزیں روایت کرتے ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں اور اس کی مثال میں اسی حدیث ابی عمیر کو پیش کیا۔

صاحب فتح الباری نے فرمایا کہ جس حیلہ وتدبیر سے بھی ہو یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں فقہ اور فنون ادب کے وجوہ اور ساٹھ طرح کے فوائد ہیں پھر انہوں نے ان فوائد کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا اور سیدی حافظ ابن حجر نے صاحب توشیح کے کلام سے ان فوائد کی تلخیص کی تو اسی حدیث سے اکاون فائدے اخذ کئے اور طرق حدیث کی تلاش وجستجو کے فوائد میں باضابطہ ایک فصل مقرر کی جس میں پانچ فائدے ذکر کئے تو کل فوائد چھپن ہو گئے۔ فاللہ اعلم (فتح الباری، کتاب الادب، باب الکنیۃ للصبی)

کیا فقیہ طبری نے ساٹھ فائدے مراد لئے یا حافظ ابن حجر نے ان کے بعض کلام کو ساقط کر دیا؟ پھر حافظ ابن حجر نے ابن بطال وغیرہ کی روایت سے بارہ فائدے زائد کئے تو اب یہ کل فائدے اڑسٹھ ہو گئے۔

اقول: لیکن اکثر فوائد، حدیث میں مذکور قصہ سے نکالے گئے ہیں اس قصہ میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام سلیم کی زیارت کی اور ان کے گھر میں جماعت سے نماز پڑھی اور میرے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ فوائد مخفی نہیں ہیں اور نہ

ان کا انکار کیا جا سکتا اور نہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین پر عیب لگانے والوں نے ان فوائد پر عیب کا قصد کیا ہے بلکہ عیب لگانے والوں کا مقصود صرف محدثین کی روایت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بچے سے فرمایا کہ

یا ابا عمیر ما فعل النغیر

اے ابو عمیر چڑیا کے بچہ کو کیا ہوا

عیب لگانے والوں نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ تو صرف تفریح اور مزاح کے لئے ہے اس کے تحت میں کوئی حکم نہیں اور نہ اس کی روایت کرنے میں اور کوئی فائدہ ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، حرکات وسکنات میں سے کسی شئی کا کثیر فوائد اور اہم حکمتوں سے خالی ہونا بعید ہے لہٰذا ان فوائد کا اہتمام کرنا مناسب ہے جو اس حدیث کے الفاظ مکرمہ کے دامن میں مخفی و پنہاں ہیں۔

امام ترمذی نے شمائل میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں درست کہا ہے کیونکہ ان دونوں محدثین نے صرف ان فوائد کو جمع کیا جو حدیث کے صرف اس جملے ہی سے نکلتے ہیں۔ پھر میں نے اس کی تلخیص کی جو ابن قاص نے ذکر کیا ہے تو میں نے اس میں اٹھارہ فائدے پائے جو حدیث کے اسی جملے سے متعلق ہیں اور حافظ ابن حجر نے آٹھ فوائد کا اضافہ کیا مگر میرے نزدیک دو فائدے مکمل نہیں ہیں۔ اور امام نووی نے میرے لئے چار کا اور اضافہ فرمایا، میں نے ایک کا اور استفادہ کیا اس سے جو امام ابن حجر مکی کی شرح شمائل میں موجود ہے۔ اور رب ذوالجلال نے اس فقیر بندہ کے دل پر گیارہ فوائد کا فیضان فرمایا لہٰذا یہ چالیس فائدے مکمل ہو گئے اور مجھے ان سے زیادہ فوائد کی بھی امید ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس وقت میرا ارادہ یہ ہے کہ اس سلسلے سے فارغ ہونے کے بعد ایک رسالہ لکھوں گا جس کا نام "**منبت الخیر فی حدیث یا ابا عمیر**" (۱۳۲۳ھ) رکھوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ تا کہ اس کا جزء اول اس کی تاریخ تصنیف پر دلالت کرے، اللہ تعالیٰ ہی سے ہر عظیم وکثیر خیر کی توفیق ہے۔

فصل

عموم علم کے تقریب فہم میں اور کبیر کے لیے وسعت صغیر کی مثال

ابھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے ان عموم علم کا ذکر کریں جو فہم کے قریب ہوں اور انتہائی صغیر کی وسعت میں کبیر کثیر چھپ جائے۔ یعنی صغیر میں اتنی وسعت و گنجائش ہو کہ کبیر کثیر اس میں سما جائے۔

تفہیم غیر محسوس بالمحسوس

فا قول :۱۔ تم اپنی آنکھ کی پتلی کو دیکھو وہ تو صرف ایک سیاہ نقطہ ہے جس میں آسمان، سورج، پہاڑ، درخت، صحرا ہر ایک کی صورتیں آن واحد میں چھپتی ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ انطباع کی صورت وسعت کی مقدار و حساب سے ہے تو سیاہ نقطہ میں آسمان کی صورت صرف اسی نقطہ کی مقدار سے ہوتی ہے باقی چیزوں کا قیاس اسی پر کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ رائی یا اس سے چھوٹا دانہ بھی اسی کالے نقطہ کے برابر ہوتا ہے۔ پھر تم لگاتار ان چھوٹی لطیف صورتوں کو دیکھتے ہو ان کے باوجود جب آنکھ والا اپنی نگاہ باطن سے دیکھتا ہے تو آن واحد میں آسمان، سورج، پہاڑ، درخت، صحرا اور رائی کے درمیان روشن و واضح اور بلیغ امتیاز کر لیتا ہے جس میں کوئی خفا و پوشیدگی نہیں اور دیکھنے والا ہر ایک کو اسی کی مقدار پر دیکھتا ہے اس پر ان میں سے کسی چیز کا التباس و اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ان کا ہجوم و ازدحام اسے عاجز و پریشان کرتا ہے۔ اور انطباع کا قول وہی

ہے جسے ہمارے ائمہ نے اختیار کیا جیسا کہ اسے میں نے اپنی کتاب "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ باہر سے دیکھنے والا اگر آنکھ کی پتلی دیکھے تو اسے صرف ایک کالا نقطہ نظر آئے گا اس میں ڈھیروں باریک عکس ہیں بہت سارے بڑے عکس کا امتیاز نہ ہوگا ان میں بعض، بعض سے بڑے ہیں چہ جائیکہ اس کا کیا امتیاز ہوگا جو جزء الذی لا یتجزی ہے۔ یعنی ایسا جزء جس کی تقسیم وتفریق نہ ہو اور جن اجزاء وعکوس کا امتیاز ہوگا تو وہ صرف اسی مقدار پر نظر آئیں گے جو نقطہ میں منطبع ہیں نہ کہ اس مقدار پر جو واقعی موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن عظیم کے کلمات چشم ایمان کی پتلی ہیں اور کلمات کے معانی جو ان میں ضبط کیے گئے ہیں وہ صورتیں ہیں اور انہیں کلمات قرآن میں تمام ما کان و ما یکون مجتمع ہیں، اور اللہ کے مخلص بندے نگاہ باطن سے دیکھتے ہیں تو ہر چیز کے مابین فرق وامتیاز کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو اسی حالت میں دیکھتے ہیں جو واقعی اس کی حالت ہے اور اے قرآن کے معانی کو کم کرنے والے، انکار کرنے والے تم کلمات قرآنیہ کو خارج سے دیکھتے ہو تو تمہیں تو وہ صرف سیاہ نقوش معلوم ہوتے ہیں جو سفید ٹکڑے پر منقوش ہیں ان میں کچھ معنی ہیں جو تمہاری نظر میں نہ صاف ہیں نہ کافی ہیں۔ آنکھ کی پتلی کی مثال فہم سے زیادہ قریب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں القاء فرمایا مجھے امید ہے کہ تمہیں اپنے اور اولیاء کے درمیان قرآن سمجھنے کا فرق واختلاف معلوم ہو گیا ہوگا۔

پھر کیا خیال ہے اس ذات گرامی کے بارے میں جس پر قرآن عظیم نازل ہوا جس میں ہر شئی کا واضح بیان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کیونکہ نگاہ باطن سے دیکھنے والوں کی قوتیں مختلف ہوتی ہیں اور وہ ایسی قوتیں ہیں جن کی پرواز کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا۔

۲۔ ایک دانہ جب بویا جاتا ہے تو وہ ناخن بھر سے زیادہ نہیں ہوتا مگر وہ ایک بڑے درخت کی شکل میں زمین پھاڑ کر نکلتا ہے جس کی لمبائی سو گز ہوتی ہے اور اس کی ٹہنیاں سو سو گز پر سایہ کناں ہوتی ہیں اور ان سینکڑوں ٹہنیوں میں ہزاروں شاخیں ہوتی

ہیں اور ان گنجان شاخوں میں ہزاروں لاکھوں پتے ہوتے ہیں جیسے املی کا درخت۔ یہ ٹہنیاں، شاخیں، پتے سب کے سب اس دانہ کے بطن میں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جس کی آنکھیں کھول دی ہیں وہ اس دانہ کے پھٹ کر پودا نکلنے سے پہلے ہی اس کے باطن کو دیکھ لیتا ہے اور وہ اس بیج میں ایک بڑا درخت، تنے، شاخیں، پتے اور اس کے پھل دیکھتا ہے۔ حالانکہ باہر سے دیکھنے والا پورے دانے کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ نہ آدھے کو نہ چوتھائی کو بلکہ اس کے پورے چھلکے کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہاں وہ اس کے سطح ظاہر کا نصف حصہ دیکھتا ہے جو اس کے سامنے ہوتا ہے۔ تو کیا اندھا اور انکھیارا دونوں برابر ہیں؟ یا نور و ظلمات دونوں یکساں ہیں؟۔

صاحب کشف روشنائی میں تحریر کی صورت دیکھتا ہے

۳۔ ''الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر'' میں ہے صاحب کشف روشنائی ہی میں دیکھ لیتا ہے کہ اس کی صورت ایسی ہے اور فلاں کی صورت ویسی، پھر جب کتابت و رسم کا وقت آتا اور اس روشنائی سے لکھا جاتا ہے تو صاحب کشف نے جو کہا اس سے ایک حرف نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اسے شیخ محی الدین ابن عربی نے باب ۳۷۳ میں بیان فرمایا ہے۔

(الیواقیت والجواہر، بحث: ۶۳)

۴۔ ابریز شریف میں ہے: شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے گر جاتا ہے تو عارف کامل اسی حالت میں اسے اس حالت پر دیکھتا ہے جہاں تک وہ اپنی عمر میں پہنچتا اور وہ وہاں تک اسے دیکھتا ہے جس عمر تک اس کی موت ہوتی اور ان تمام چیزوں کو وہ دیکھ لیتا ہے جن کا بچہ کو ادراک ہوتا خواہ وہ چیزیں خیر ہوں یا شر۔ یہاں تک کہ جس نے عارف کے مشاہدہ کو دیکھا اور اس کے تمام مشاہدات کو قلم بند کر کے اس نسخہ مشاہدہ کو عارف کے پاس رکھا اور اس کی ذات سے اس نسخہ کا مقابلہ کیا اور اس نسخہ کو ہر وقت دیکھتا رہا تو وہ عارف کی ذات اور نسخہ مشاہدہ دونوں کو اس طور پر پائے گا کہ دونوں کسی بھی چیز میں کبھی ایک دوسرے سے مختلف و جدا

نہیں ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ابریز باب ۷ فی تفسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۵۔ اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ انسان تمام عالم وجود کا جامع نسخہ ہے اور یہ (انسان) عالم صغیر ہے اس عالم صغیر میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جو عالم کبیر میں ہیں، جس نے انسان کے باطن کو دیکھا اور اسے پہچان لیا جیسا اس کے پہچاننے کا حق ہے تو اس نے انسان کے جامع نسخہ میں ان تمام چیزوں کو پڑھ لیا جو وجود کے اوراق و صفحات میں لکھی ہوئی ہیں۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(حم سجدہ، ۵۳)

ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپ میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے۔ (کنزالایمان)

● اور فرماتا ہے:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات، ۲۱)

اور خود تم میں۔ تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ (کنزالایمان)

اور علماء کاملین کا اس مقام پر ایسا کلام ہے جو اسے باادب مطالعہ کرے گا اسے تعجب و حیرانی ہوگی۔ علماء کاملین میں صاحب ''اعجاز البیان فی تفسیر ام القرآن'' شیخ امام صدر الملۃ والدین قونوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

قلیل زمانہ میں کثیر شئی کا آسان ہونا

واقعہ معراج سے استدلال

۲۔ باطنی علوم میں سے بہت ہی عظیم و کبیر اور کثیر شئی کا انتہائی قلیل و کم تر مدت میں بآسانی و سہولت پورا ہو جانا ہے اس سلسلے میں معراج کا واقعہ کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کے تھوڑے حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے پھر مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک، وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک، سدرہ سے مقام مستویٰ تک، مقام مستویٰ سے عرش اعظم تک عروج فرمایا عرش سے وہاں تک تشریف لے گئے جہاں پر جہت و سمت اور کہاں و کدھر ختم ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ زمین سے آسمان دنیا تک پانچ سو برس کا راستہ ہے، ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مقدار کے برابر ہے تو شب معراج آنے جانے میں چودہ ہزار سال کا راستہ ہوا۔ اور ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک، اور سدرہ سے مقام مستوی تک، مقام مستوی سے عرش تک کتنا فاصلہ اور کتنی مسافت ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگرچہ ہماری نظر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مرفوع ہے جو امام ابوالربیع کی ''شفاء الصدور'' میں اس طرح منقول ہے کہ

پھر مجھے نور میں دوڑایا گیا، اور میرے لئے ستر ہزار پردے پھاڑے گئے ان پردوں میں کوئی پردہ ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہے اس کے بعد میرے کانوں میں

کسی فرشتہ اور انسان کی حرکت وآواز نہیں آئی۔ (الی آخر الحدیث)

اور دوسری حدیث میں اس طرح [1] مروی ہے: حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، ہر حجاب کے دربان فرشتے حضور سے ملتے تھے۔ ان حجابات میں ایک پردہ سونے کا اور دوسرا موتیوں کا تھا میں لگاتار ایک پردہ سے دوسرے پردہ تک جاتا رہا یہاں تک کہ میں ستر حجاب پار کر گیا۔ ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ کے برابر تھی، جب اس مقام پر پہنچے تو مجھ سے جبریل امین نے کہا کہ یا رسول اللہ آگے بڑھئے میں آگے بڑھا پھر مجھے ایک فرشتہ لے گیا اور میرے لئے رفرف حاضر کیا گیا۔ (الی آخر الحدیث)

اور دوسری روایت میں سات سو حجابات کا ذکر ہے۔

(مواہب اللدنیہ ۶ مقصد خامس فی المعراج)

ستر حجاب اور سات سو حجاب والی دونوں روایتوں کے درمیان علامہ برہان نعمانی تلمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تطبیق دی ہے کہ ستر سات آسمانوں کی نسبت سے ہے

[1] علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ حجابات کے پاس فرشتوں کا موجود رہنا معلول ہے کیونکہ احادیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کوئی نہیں گیا۔

امام نووی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ (زرقانی ۶، مقصد خامس)

اقول، عرش کے ارد گرد گھیرا ڈال کر فرشتوں کا موجود رہنا یقینی ہے معلوم ہے، عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہیں یا ان کی آٹھ صفیں یقینی طور پر معلوم ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے کوئی بھی ان حجابات کے آگے نہیں گیا، پھر یہ کہ حدیث میں عقل ونقل کی کوئی مخالفت بھی نہیں ہے جس نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے اسے اس کا رد معلوم نہیں حالانکہ حدیث ضعیف باب فضائل میں مقبول و معتمد ہے اس لئے اس حدیث کو ابوالحسن علی بن غالب، نعمانی اور قسطلانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور اس کی تکذیب وتردید سے خاموش رہے۔ لہٰذا شامی کا قول محض بغیر شہادت کے قابل توجہ اور لائق قبول نہیں۔ ۱۲ منہ

اور سات سو، کرسی اور اس کے اردگرد کے عالم کے اعتبار سے ہے اور ستر ہزار عرش اور اس کے اردگرد کے اعتبار سے ہے۔ علامہ برہان نعمانی نے اس سلسلے میں شرح و بسط سے کلام کیا اور فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں کا رات کے تھوڑے حصے میں واقع ہونا مستبعد نہیں۔ (مواہب اللدنیہ ج۲، مقصد خامس فی لیلۃ المعراج)

جب حجابات، آسمانوں کی تعداد کے حساب سے سات ہزار سات سو ستر ہوں اور ہر دو حجاب کے درمیان پانچ سو برس کا راستہ ہو تو آسمانوں کے اوپر عرش اعظم تک جانے آنے کی مسافت ستر ہزار، ہزار سال اور سات سو ستر ہزار برس کی راہ ہوگی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جانا صرف گزرنا نہ ہوا بلکہ حضور نے آسمان، کرسی، عرش، جنت و دوزخ اور ان میں جو کچھ ہے سب پر غور و فکر اور سب کا مشاہدہ و معائنہ فرمایا اس طرح سے کہ حضور کو ان سب چیزوں کے حقائق و معارف کا ادراک و علم حاصل ہوگیا اور حضور کو ان کی باریکیاں معلوم ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعا کی قبولیت کو مکمل فرما دیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی۔

اللھم ارنی حقائق الاشیاء

اے اللہ مجھے چیزوں کے حقائق دکھادے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور کے قدم کو وہاں تک پہنچایا جہاں تک خلیل جلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر پہنچتی تھی۔ اور اگر وہاں پر مسافت نہ بھی ہوتی پھر بھی ہر ایک کے مطالعہ و مشاہدہ کے لیے ہزار ہزار سال سے زیادہ کی ضرورت ہوتی، تو وہ ذات جس نے ان تمام چیزوں کو چند لطیف ساعتوں میں سہل و آسان فرمادیا یہاں تک کہ رات کو ان تمام مقامات کی سیر ہوئی اور مسجد حرام میں صبح ہوئی گویا کہ حضور حرم کے آس پاس بستیوں میں گئے تھے پھر اس ذات پر یہ کیونکر کثیر ہوگا کہ وہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ما کان و ما یکون کا علم قرآن کریم کے بطون میں جمع فرمادے بلکہ سورۂ فاتحہ میں، بلکہ بسم اللہ میں، بلکہ ایک حرف میں سارے علوم جمع کردے اور وہ اپنے

حبیب کو عطا فرمادے تو کیا مستبعد ہے۔ اگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو تم مجھے (کم ازکم اتنا ہی) بتادو کہ تم نے یہ کیسے سمجھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین ساعت میں زمین سے لامکان تک کی مسافت طے فرمائی۔ اگرچہ تمہیں آسمانوں سے اوپر کی مسافت میں شک وتردد ہوگا لیکن چودہ ہزار سال کی راہ طے کرنے میں تو کوئی شک وریب نہیں ہے۔ اگر تم اس پر بغیر سمجھے ایمان ویقین رکھتے ہو تو اللہ کا کلام تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے تم اپنی ناقص، قاصر، سقیم عقل کی ترازو میں نہ تولو۔ سیر کرانا تو اس کا فعل ہے اور کلام اللہ اس کی صفت اور صفت کی شان یہ ہے کہ وہ نہ عین ذات ہے نہ غیر ذات۔

معجزات

حضور نے ایک مجلس میں ابتداء سے انتہا تک تمام مخلوقات کے جملہ احوال کی خبر دی

۷۔اس سلسلے میں اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں بخاری سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت گزر چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں ایک مقام پر (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور ابتداء آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت میں، دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کی خبر دی جس نے اس کو یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے اس کو بھلا دیا وہ بھول گیا۔

(بخاری، باب ماجاء فی قول اللہ وھو الذی یبدا الخلق الخ)

عسقلانی، عینی، قسطلانی اور علی قاری فرماتے ہیں (لفظ حافظ ابن حجر کے ہیں) یہ حدیث اتم واکمل ہے، اور اس بات پر یہ دلیل ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں ابتدائے عالم سے فنا ہونے اور (قبروں سے) اٹھائے جانے تک کے تمام احوال مخلوقات کی خبر دی۔ لہٰذا یہ حدیثیں مبدأ و معاد اور معاش سب کو شامل ہیں اور ان سب احوال کو ایک مجلس میں سہل و آسانی کے ساتھ بیان کر دینا امر عظیم اور عادت کے برخلاف کام ہے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات سے قریب تر بات ہے بلکہ معجزہ ہی ہے معجزات کی کثرت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جوامع الکلم کا معجزہ عطا کیا گیا۔ اس باب میں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شاہد ہے عنقریب کتاب القدر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث احمد و مسلم نے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا منبر سے تشریف لائے اور نماز ظہر پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ ارشاد کیا پھر نماز عصر پڑھائی اسی طرح حضور غروب آفتاب تک خطبہ ارشاد فرماتے رہے اس میں حضور نے جو ہوا اور جو ہوگا سب کچھ بیان فرما دیا۔

ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جس نے زیادہ یاد رکھا۔ یہ احمد کے لفظ ہیں، ابوسعید کی حدیث سے بھی مختصراً و مطولاً مروی ہے۔

(مسلم، باب اشراط الساعۃ، کتاب الفتن، ترمذی، کتاب الفتن)

امام ترمذی نے ابوسعید کی حدیث طویل سے ان لفظوں میں روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن نماز عصر پڑھائی پھر کھڑے ہو کر خطبہ بیان فرمانے لگے قیامت قائم ہونے تک کی کوئی چیز نہیں چھوڑی حضور نے سب کی ہمیں خبر دے دی۔ پھر ترمذی نے حدیث کو آخر تک بیان کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس باب میں حذیفہ، ابوزید بن اخطب، ابومریم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حدیثیں مروی ہیں۔ (ترمذی، کتاب الفتن)

اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی دو کتابیں

۸۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کے مثل دوسرے طریق سے بھی حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں تشریف لائے حضور کے دست مبارک میں دو کتابیں تھیں حضور نے داہنے ہاتھ کی کتاب کے لیے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی جانب سے یہ کتاب ہے اس میں جنتیوں اور ان کے باپ و قبائل کے نام درج ہیں پھر حضور نے اجمالاً ان کا بیان فرمایا نہ ان میں کبھی زیادہ کیا جائے گا نہ کم۔ پھر بائیں ہاتھ کی

کتاب کے لیے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس میں دوزخیوں اور ان کے باپ وقبائل کے نام درج ہیں، آخر حدیث میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کتابوں کو ہاتھوں سے نیچے رکھ دیا اور فرمایا کہ تمہارا رب بندوں کے حساب سے فارغ ہو گیا لہٰذا ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں گیا۔ اس کی سند حسن ہے۔

(فتح الباری، باب ماجاء فی قول اللہ وہو یبدا الخلق)

پہلی حدیث (جس میں احوال مخلوقات کی خبر دی گئی ہے) اور اس حدیث کے درمیان مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث میں، قلیل زمانے میں قول کثیر کو آسان کر دیا گیا ہے اور اس حدیث میں وسیع وکشادہ جرموں کو تنگ ظرف یا چھوٹی چیز میں آسانی سے سمو دیا گیا ہے۔

حدیث کا لفظ "فنبذ هما" لفظ حدیث "وفی یدہ کتابان" کے بعد ہے یعنی حضور کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں حضور نے ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا اس سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں صحابہ کرام کو نظر آ رہی تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

توراۃ کسی نے نہیں پڑھی) سے مراد یہ ہے کہ اسے کسی نے حفظ نہیں کیا اور یہی چار اشخاص اس کو زبانی پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں یہ نہیں ہے کہ قرآن کو حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام زبانی پڑھتے تھے۔

حضرت علی اور قرآن مقدس کی تلاوت

۱۰۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے سبب سے قرآن عظیم کو چند لمحوں میں پڑھنے کی کرامت وسعادت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں بھی آئی ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جانور پر سوار ہوتے وقت قرآن کو پڑھنا شروع کرتے اور جب قدم کو دوسری رکاب میں رکھتے تو قرآن عظیم ختم کر لیتے تھے۔ (مرقاۃ المفاتیح ۹ کتاب الفتن باب بدء الخلق۔ حدیث ۵۷۱۸)

فکت: ایک روایت میری یادداشت میں یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بایاں قدم رکاب میں رکھتے اور قرآن پڑھنا شروع کرتے تو داہنا قدم رکاب میں نہیں پہنچتا کہ آپ قرآن مقدس ختم فرما لیتے۔

۱۱۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت علی ہی سے دوسری روایت یہ مذکور ہے کہ وہ قرآن عظیم کو ملتزم سے باب کعبہ تک جانے میں ختم کر لیتے تھے۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الفتن باب بدء الخلق)

بعض خواص کی تلاوت قرآن

۱۲۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں مجھے جو کثیر روایتیں پہنچیں وہ یہ ہیں کہ بعض لوگ رات کو چار مرتبہ اور دن کو چار مرتبہ قرآن عظیم ختم کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ وآتینا داؤد زبورا)

۱۳۔ امام عینی عمدۃ القاری میں امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حافظ شخص کو دیکھا کہ اس نے شب قدر میں نماز وتر میں تین بار قرآن ختم کیا یعنی ہر رکعت میں ایک ختم کیا۔ (حوالہ مذکور)

۱۴۔ امام قسطلانی بھی ارشاد الساری میں امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالطاہر کو ۸۶۷ھ میں بیت المقدس کے اندر دیکھا اور وہیں پر ان سے سنا کہ وہ رات و دن میں دس سے زیادہ ختم قرآن کرتے تھے۔

۱۵۔ پھر مجھ سے شیخ الاسلام برہان بن ابی شریف (ان کے علوم کی برکتیں ہمیشہ باقی رہیں) نے فرمایا کہ ابوالطاہر رات اور دن میں پندرہ ختم قرآن فرماتے تھے۔ یہ وہ باب ہے کہ فیض ربانی کے بغیر جس کے ادراک و معرفت کی کوئی صورت و سبیل نہیں ہے۔

(ارشاد الساری، کتاب الانبیاء باب قول اللہ و آتینا داؤد زبورا)

اقول، ظاہر یہ ہے کہ "عنه" کی ضمیر شیخ ابوطاہر قدسی قدس سرہٗ کی طرف لوٹتی ہے اس صورت میں یہ پندرہ ختم "دس سے زیادہ ختم" کا بیان ہو جائے گا۔ اور شیخ الاسلام برہان کی طرف بھی یہ ضمیر لوٹنے کا احتمال ہے یعنی وہ خود حکایت بیان کرتے ہیں۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے "حدیقہ ندیہ" میں اسی کو درج فرمایا اور یہ کہا کہ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ الاسلام برہان ابن ابی شریف نے خبر دی کہ ابو طاہر شب و روز میں پندرہ ختم قرآن پڑھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(الحدیقۃ الندیہ، فصل ثالث فی بیان الاقتصار فی العمل)

۱۶۔ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں اور ارشاد الساری میں بھی ہے کہ نجم اصبہانی نے یمن کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے طواف کعبہ کے ایک چکر یا سات چکروں میں قرآن عظیم کو ختم کر لیا، ایسا کرنا مدد رحمانی اور فیض ربانی کے بغیر آسان نہیں۔

۱۷۔ پھر عارف نابلسی نے فرمایا کہ مجھے بعض معتبر راوی نے خبر دی کہ ہمارے شیخ عارف عبدالوہاب شعراوی مغرب و عشاء کے درمیان دو ختم قرآن کرتے تھے۔

(حوالہ مذکور)

۱۸۔ سیدی مولانا جامی قدس سرہ السامی کی "نفحات الانس" میں ہے شیخ سعید الدین فرغانی "شرح تائیہ" میں فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ثقہ طلحہ بن عبداللہ بن طلحہ تستری

عراقی سے ۶۶۵ھ میں سنا کہ شیخ عماد الدین احمد بن شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ حج میں تھا دوران طواف میں نے ایک مغربی شخص کو دیکھا جو طواف کر رہا تھا اور لوگ اس سے فیض و تبرک حاصل کر رہے تھے میرے بارے میں لوگوں نے اس شخص سے بتایا کہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے لڑکے ہیں اس شخص نے مجھے تہنیت و مبارک بادوی، میرے سر پر بوسہ دیا اور میرے لئے حسن و بھلائی کی دعا کی، جب سے اب تک برابر میں اس دعا کی برکت و فیض اپنے آپ میں پاتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس کی برکت آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوگی۔ پھر میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ یہ شیخ موسیٰ سدرانی یعنی سیدی ابو مدین مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اکابر اصحاب میں سے ہیں۔ میں طواف سے فارغ ہو کر اپنے والد بزرگوار کے پاس آیا اور بتایا کہ میں نے شیخ موسیٰ سدرانی کو دیکھا انہوں نے مجھے دعائیں دیں، اس بات کو سن کر میرے والد گرامی بہت زیادہ مسرور و خوش ہوئے۔ پھر لوگ شیخ موسیٰ سدرانی کے مناقب و فضائل بیان کرنے لگے اور ان کی ایک فضیلت یہ ذکر کی گئی کہ وہ روزانہ ستر ہزار ختم قرآن کرتے ہیں، اس بات کو سن کر میرے والد خاموش رہے۔ (روح البیان، تحت سورۃ الاسراء)

۱۹۔ شیخ عماد الدین احمد فرماتے ہیں کہ میرے والد کے اکابر اصحاب میں سے ایک شخص نے قسم کھا کر کہا کہ لوگ شیخ موسیٰ سدرانی کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ سچ کہتے ہیں۔ شیخ عماد الدین احمد نے فرمایا کہ اس سے پہلے جب میں اس بات کو سنتا تھا تو میرے دل میں عجیب خیال پیدا ہوتا یہاں تک کہ شیخ موسیٰ سدرانی مجھے ایک رات حالت طواف میں ملے میں ان کے پیچھے لگ گیا، میں نے انہیں رکن اسود سے پہلے دیکھا کہ انہوں نے سورہ فاتحہ سے پڑھنا شروع کیا وہ طواف میں عام لوگوں کی طرح چل رہے تھے اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے لگے میں ان کی تلاوت کا ایک ایک حرف سمجھ رہا تھا جب وہ حجر اسود سے کعبہ شریف کے دروازہ تک پہنچے جبکہ دونوں کے

درمیان صرف چار قدموں کا فاصلہ ہے تو انہوں نے قرآن کریم کو مکمل طور پر ختم فرمالیا اس طرح سے کہ میں نے ایک ایک حرف کو سنا، میرے والد اور ان کے جملہ اصحاب نے اس واقعہ کی تصدیق وتائید کی۔
(نفحات الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

پورا واقعہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اختصار کے ساتھ نقل کیا اور فرمایا ہے کہ مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ السامی نے اپنی کتاب ''نفحات الانس فی حضرات القدس'' میں بعض مشائخ سے نقل کیا کہ شیخ موسیٰ سدرانی نے حجر اسود (مقام استیلام) سے دروازہ کعبہ کے سامنے پہنچنے تک قرآن عظیم کو پڑھ لیا اور ان سے شیخ شہاب الدین سہروردی کے بیٹے شیخ عماد الدین احمد نے شروع سے آخر تک ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف کو سنا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اسرار کو پاک کرے اور ان کے انوار وتجلیات کی برکتوں سے ہمیں نفع دے۔
(مرقاۃ کتاب الفتن باب بدء الخلق، حدیث ۱۸ ۵۷۰)

اقول: آمین، اور ہم سب کو بھی ان کے انوار واسرار کی برکتیں حاصل ہوں، شیخ شہاب الدین سہروردی کے بیٹے کی طرف سماع کی نسبت میں سہو ہے ہاں سامع شیخ کے اکابر اصحاب کا وہ آدمی ہے اور شیخ کے بیٹے اس کے راوی ہیں جیسا کہ میں نے سنا ہے۔

۲۰۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کی ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں ہے کہ سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مرتبہ قرآن عظیم ختم کرتے تھے، یہ علی مرصفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام ہے۔
(میزان الشریعۃ الکبریٰ، فصل فی بیان بعض ما اطلعت علیہ من کتب الشریعۃ)

سیدی استاذ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام شعرانی کی پیروی کرتے ہوئے حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ علی مرصفی اپنے ایام سلوک میں روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مرتبہ قرآن ختم کرتے یعنی ہر درجہ سلوک میں ایک ختم کرتے تھے۔
(حدیقہ ندیہ، فصل ثالث فی بیان الاقتصار فی العمل)

اقول، روزانہ سے مراد اکثر اوقات ہیں اس لئے کے پانچوں نمازوں کے اوقات کا استثناء ضروری ہے۔ پھر امام شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ ان اولیاء اللہ پر مستبعد نہیں جن کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب آ گئی ہے اور روح، اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا حکم نگاہ اٹھانے کے مثل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پورے کلمات قرآن اور ان کے معانی و مفاہیم کو ولی کی زبان میں پیش کرنا نگاہ اٹھانے کے مثل ہے اور یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (حوالہ مذکور)

اقول، لمح بصر (نگاہ اٹھانے) کا ذکر، سمجھ سے قریب کرنے کے لیے ہے اس لئے کہ وہ حرکت ہے اور حرکت زمانہ کو چاہتی ہے، اور اللہ کے حکم میں زمانہ اور ٹھہراؤ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' وہ چیز موجود ہو جاتی ہے، نگاہ اٹھانے کی کیفیت بولنے سے زیادہ جلدی نہیں ہوتی یعنی جب تم بغیر مد کے ایک حرف مفتوح کا تلفظ کرو گے تو لمح بصر سے پہلے اس ایک حرف کا تکلم و تلفظ ہو جائے گا۔ علم ھیأۃ والوں نے بیان کیا ہے کہ بغیر مد کے ایک حرف مفتوح کا تکلم ایک سکنڈ کے تہائی حصہ میں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تین حرف کا تلفظ کرنے کے لیے ایک سکنڈ درکار ہوگا جیسے لفظ نصر، ایک سو اسی حروف ادا کرنے کے لیے ایک منٹ اور سات سو بیس حروف کے لیے چار منٹ چاہئے تو نگاہ اٹھانے کی مدت میں شروع سے آخر تک ایک ہزار ختم قرآن کیونکر ہو سکتا ہے؟

پاکی ہے اس قادر و قیوم ذات کو جو ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ کو پاکی ہے ان لوگوں سے جو اپنے رب کے کلام میں ما کان و ما یکون کے علوم جمع ہونے کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔

عارف نابلسی کے کلام سے دوسرا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ ان بزرگان دین کا قلیل سی مدت میں قرآن عظیم کا پڑھنا تیز رفتاری سے نہیں تھا نہ شعر کی طرح گھاس کاٹنے کی مانند جلدی جلدی نہ سوکھے چھوہاروں کی طرح جھاڑتا تھا (جس طرح ڈالیاں ہلانے سے خشک کھجوریں جلد جلد جھڑ پڑتی ہیں) بلکہ وہ معانی و مفاہیم کو سمجھ کر پڑھتے تھے۔

جس طرح وہ روزانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم کرتے اسی طرح اتنی ہی مرتبہ چوبیس گھنٹے سے کم مدت میں قرآن کے معانی پر گزرتے یعنی معانی قرآن پر غور وفکر کرتے تھے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے۔

۲۱۔ عارف جامی قدس سرہ السامی روایت مذکورہ کے تمہ وتکملہ میں فرماتے ہیں کہ شیخ عمادالدین احمد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ لوگوں نے میرے والد شیخ شہاب الدین سہروردی سے قلیل مدت میں قرآن عظیم ختم کرلینے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ بسط زمان کے سبب سے ہوا جو بعض اولیاء اللہ کے لئے واقع ہوتا ہے۔ پھر شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس بات کی تصدیق وتائید کے لیے ایک حکایت بیان کی:

ابن سکینہ کے ایک مرید کا واقعہ

شیخ الشیوخ ابن سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک سنار مرید تھا ان کا کام یہ تھا کہ وہ صوفیاء کرام کے مصلے جامع مسجد کو لے جاتے اور انہیں بچھاتے تھے، جب نماز جمعہ ہو جاتی تو ان مصلوں کو وہ خانقاہ لے آتے۔ ایک جمعہ کو ایسا ہوا کہ انہوں نے مصلوں کو جامع مسجد لے جانے کے لیے اکٹھا کر کے باندھ دیا اور دریائے دجلہ میں غسل جمعہ کے لئے گئے اور کپڑے اتار کر کنارے پر رکھ دیئے اور پانی میں غوطہ لگایا جب سر نکالا تو انہوں نے اپنے کو دجلہ میں نہیں بلکہ دوسری جگہ پایا پھر لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ مصر ہے ان کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور وہ پانی سے نکل کر شہر میں آئے، ایک سنار کی دکان کے پاس کھڑے ہوگئے ان کے جسم پر صرف ایک ازار تھا جو ستر پوشی کو کافی تھا، صاحب دکان نے سمجھ لیا کہ یہ آدمی سنار ہے دوکاندار نے ان کی آزمائش کی تو انہیں اس فن میں بہت ہی عمدہ و ماہر پایا دوکاندار نے ان کی عزت وتکریم کی اور اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کردیا پھر سات سال میں ان کے تین بچے ہوئے۔

اتفاق سے ایک دن وہ مرید اسی پانی کے پاس سے گزرے تو نہانے کے لیے

انہوں نے اس پانی میں غوطہ لگایا جب پانی سے سر نکالا تو اپنے آپ کو دریائے دجلہ کے اسی مقام پر پایا جہاں پر سات سال پہلے انہوں نے ڈبکی لگائی تھی اور اپنے کپڑوں کو کنارے پر اسی طرح رکھے ہوئے دیکھا جیسا انہوں نے رکھا تھا پھر وہ کپڑوں کو پہن کر خانقاہ آئے تو مصلوں کو بھی اسی حال پر پایا، ان سے ان کے بعض ساتھی نے کہا کہ بھئی جلدی کرو کیونکہ کچھ لوگ صبح سویرے ہی جامع مسجد جا چکے ہیں، پھر وہ مصلوں کو جامع مسجد لے گئے نماز پڑھی اور خانقاہ واپس ہوئے وہاں سے تعجب وحیرانی کے عالم میں بعجلت گھر آئے ان سے ان کی بیوی نے کہا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کے لئے آپ نے مچھلی بھوننے کے لیے کہا تھا، مچھلی تیار ہو چکی ہے وہ مہمانوں کو لے کر آئے اور سب نے مچھلی کھائی۔

پھر اپنے شیخ ابن سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے پورا واقعہ بیان کیا اور مصر کی اولاد کا بھی ذکر کیا ان کے شیخ نے انہیں اہل وعیال کو لانے کا حکم دیا وہ مصر گئے اور سب کو لے آئے جب شیخ نے ان کے اہل وعیال کو دیکھا تو ان کے واقعہ کی تصدیق کی اور پوچھا کہ آج تمہارے دل میں کیا وسوسہ وخیال گزرا تھا مرید نے عرض کیا کہ ہاں میرے دل میں اس آیت کریمہ کے بارے میں خلجان ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج:۴)

وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)

شیخ نے فرمایا کہ یہ تم پر اللہ کی رحمت وعنایت ہے کہ تمہارے اشکال وخلجان دور ہو گئے اور تمہارا ایمان صحیح وسالم رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے زمانہ کو پھیلا دیتا اور دوسرے کے لیے کم کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے زمانہ کو روک دیتا اور طویل مدت کو کم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر قادر ہے یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے۔

(نفحات الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

ایک جوہری کی حکایت

۲۲۔ عارف جامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اسی سے ملتا جلتا واقعہ وہ ہے جسے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات، میں بیان فرمایا ہے کہ ایک جوہری اپنے گھر سے خمیر لے کر تنور کے پاس روٹی پکوانے کے لیے گیا انہیں غسل کی حاجت تھی وہ دریائے نیل کے کنارے گیا اور پانی میں ڈبکی لگائی، ڈبکی لگاتے ہی وہ اپنے آپ سے غائب ہو گیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے خواب دیکھ رہا ہو کہ وہ بغداد میں ہے وہاں اس نے شادی کی اور اس کے بچے ہوئے اسی حال میں وہ اپنی بیوی کے ساتھ چھ سال رہا پھر جب اپنے ہوش میں آیا اپنے کو اسی پانی میں دیکھا جہاں اس نے چھ سال پہلے غسل جنابت کے لیے غوطہ لگایا تھا غسل مکمل کر کے کپڑے پہنے اور تنور کے پاس سے روٹیاں لے کر گھر کو آئے۔

جوہری نے یہ قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا جب چھ مہینے گزر گئے ان کی دوسری بیوی بغداد سے اپنے بچوں کے ساتھ جوہری کا گھر پوچھتے ہوئے آ گئی جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو جوہری نے عورت اور بچوں کو پہچان لیا۔ جوہری کی پہلی بیوی نے اپنی سوکن سے پوچھا کہ تم سے انہوں نے کب نکاح کیا تھا اس عورت نے کہا کہ میرے نکاح کو چھ سال ہو گئے۔ امام عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ کی نفحات الانس کے واقعات کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ (اور پیش نظر تحریر عربی کا ترجمہ ہے)

(نفحات الانس، ترجمہ شیخ موسیٰ سدرانی)

ابوالحسن خرقانی کا سلوک اور تلاوت قرآن

۲۳۔ سید عبدالواحد بلگرامی کی مبارک کتاب ''سبع سنابل[1] شریف'' میں مروی

---

[1] یہ نفیس و عمدہ کتاب ہے اس کے مصنف نبیرۂ سید امام زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بلگرامی ہیں یہ دسویں صدی کے اکابر علماء اور سادات اولیاء میں سے ہیں ان کی سوانح زندگی سید غلام علی کی ''ماثر الکرام''، شیخ عبدالقادر کی ''منتخب التواریخ'' اور شیخ

ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رات فرمایا کہ مجھے مضبوطی سے پکڑو کیونکہ مجھ پر طویل راستے حاضر کیے گئے جب تم نے مجھے اپنی حالت پر لوٹایا تو میرا وضو خشک نہیں ہوا تھا۔ (سبع سنابل، سنبلہ ۶)

۲۴۔ اسی مبارک کتاب ''سبع سنابل شریف'' میں ہے شیخ ابوالحسن خرقانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کون ہے جو ایک گھنٹہ سے کم مدت میں قرآن کریم کے ایک ایک حرف کو سو مرتبہ پڑھ کر ختم کرے؟ اس کے بعد فرمایا کہ ان سے بارہا ایسا ہوا ہے۔ (سبع سنابل، سنبلہ ۶)

حضرت جنید کے ایک مصاحب کا قصہ

۲۵۔ سبع سنابل شریف میں ہے کہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب میں سے ایک شخص دریائے دجلہ میں غسل کرنے کے لیے گیا اس نے کپڑے اتار کر ڈبکی لگائی جب پانی سے سر نکالا تو اپنے کو ہندوستان میں پایا یہاں اس نے شادی کی اس کے بچے ہوئے اور یہاں پر وہ کئی سال رہے۔ پھر ایک مرتبہ اس نے غسل کے ارادے سے پانی میں غوطہ لگایا تو اپنے آپ کو دریائے دجلہ میں پایا اس کے کپڑے اسی حال پر رکھے

بقیہ: - علاء الدولہ قزوینی کی ''نفائس المآثر'' میں ہے، ان کی متعدد تصانیف جلیلہ ہیں۔ شیخ کلیم اللہ چشتی جہان آبادی نے مدینہ منورہ میں خواب میں دیکھا کہ وہ اور سید صبغۃ اللہ بھڑوچی دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضر ہیں اور حضور کے ساتھ صحابہ کرام و اولیاء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک جماعت بھی ہے انہیں میں ایک شخص ہے جس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے تکلم فرمارہے ہیں اور اس پر لطف و نرمی کر رہے ہیں شیخ کلیم اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سید صبغۃ اللہ سے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی رحمت، مہربانی فرمارہے ہیں، سید صبغۃ اللہ نے فرمایا کہ وہ سید عبدالواحد بلگرامیؒ ہیں ان کے احترام و تکریم کی زیادتی کا سبب یہ ہے کہ ان کی تصنیف کردہ کتاب ''سبع سنابل'' بارگاہ رسالت میں مقبول ہو چکی ہے۔ ان کی وفات ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ شب جمعہ کو ہوئی۔ (مزار شریف قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی ہندوستان میں ہے) ۱۲ منہ

ہوئے تھے وہ کپڑے پہن کر خانقاہ آیا اپنے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ لوگ اسی نماز کا وضو کر رہے ہیں جس میں وہ انہیں چھوڑ کر غسل کے لیے گیا تھا۔ جب حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص نے واقعہ بیان کیا تو شیخ نے ایک دوسرے شخص کو ان کے اہل وعیال کو لانے کے لیے ہندوستان بھیجا اس نے ان کے بیوی بچوں کو لا کر ان کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طی مکان اور امکنہ خمسہ (علوم خمسہ) کے اقسام کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا یہاں تک فرمایا کہ اسی سے لوگ کہتے ہیں کہ عالم میں جو بھی چیز ہے وہ سب کے سب قرآن عظیم میں مذکور ومسطور ہے۔ اور جو علم قرآن مقدس میں ہے وہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو علم سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے، جو علم بسم اللہ میں ہے وہ بسم اللہ کی ب میں ہے، جو علم بسم اللہ کی ب میں ہے وہ ب کے نقطہ میں ہے۔ اور فرمایا کہ نقطہ ایسا نہیں، جسے کاغذ پر پھیلا کر رکھا جائے بلکہ نقطہ تو ایسا ہے جس میں طول، عرض، عمق، بعد، مسافت، فوق، تحت، یمین، یسار، خلف، قدام یعنی لمبائی، چوڑائی، گہرائی، دوری، فاصلہ، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، پیچھے، آگے نہیں ہے۔ اور یہی نقطہ وہ ہے جس کے لئے کہا گیا کہ علم نقطہ میں ہے۔ اور اس نقطہ کے علم کو نہ جاننے والے بہت ہیں۔

۲۶۔ پھر میر عبدالواحد بلگرامی نے ان معارف وحقائق کا ذکر فرمایا ہے جو بسط زمان وطی مکان سے متعلق ہیں یہاں تک کہ انہوں نے آیات سے استدلال کیا اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس سلسلے میں شک وریب میں ہو تو قرآن عظیم سنو کہ قرآن نے ایک مقام پر روز قیامت کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج: ۴)

روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔

دوسرے مقام پر قرآن فرماتا ہے

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۔ (النحل: ۷۷)

اور قیامت کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک کا مارنا بلکہ اس سے بھی قریب۔

(کنزالایمان)

ایک جادوگر کی حیرت انگیز بات

صاحب سبع سنابل نے پھر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ہندوستان کے بادشاہ ہمایوں کے زمانے میں شمس آباد (ضلع فرخ آباد یوپی) میں ایک جادوگر رہتا تھا جو لوگوں کو عجیب وغریب حیرت انگیز باتیں دکھایا کرتا ایک دن شیخ احمد فرملی اور شیخ احمد استاذ (یہ علماء میں سے تھے اور استاذ سے مشہور تھے) دونوں اس جادوگر کے پاس گئے اور اسے کچھ تعجب خیز بات دکھانے کے لیے کہا جادوگر نے دونوں شیخ کو ایک گھر میں بٹھایا اور گھاس کا ایک چھپر بنا کر گھر کے ایک گوشے میں کھڑا کر دیا، اس کے بعد جادوگر نے شیخ احمد فرملی سے کہا کہ اس چھپر کے نیچے آیئے جب شیخ نے اس چھپر کے اندر قدم رکھا جو خیالات ان کے دل میں تھے وہ سب کے سب زائل ومحو ہو گئے اور ان کے دل میں اب یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے گھر سے گجرات جانے کے ارادے سے نکلے تھے پھر وہ مرحلے طے کرتے رہے اور منزلوں میں اترتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک مدت کے بعد گجرات پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک باغ دیکھا جس سے کچھ پھل چنے اسی وقت اس باغ کا باغبان ان پر چلانے اور کہنے لگا کہ یہ تو بادشاہ کا باغ ہے تم نے بغیر اجازت کے پھل کیسے چن لئے پھر اس باغبان نے ان سے پھل لے لئے اور انہیں بادشاہ کے پاس لایا اور شکایت کی، جب بادشاہ نے شیخ احمد کو غور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ شریف ومعزز لوگوں میں سے ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ نے باغبان کو منع کیا اور سختی سے ڈانٹا اور شیخ سے فرمایا کہ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ میں ایک فرملی (پرل اور چنے بیچنے والا) آدمی ہوں میرا وطن قنوج ہے میں تو بادشاہ کے پاس ملازمت کے ارادہ سے آیا تھا، بادشاہ نے کہا مبارک ہو مجھے آپ کی ملازمت قبول ہے اس کے بعد بادشاہ نے انہیں دو گھوڑے، کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور رہنے کے لیے ایک گھر دیا۔

شیخ احمد فرلی وہاں پر کئی سال رہے وہاں انہوں نے شادی کی جس سے بچے بھی ہوئے اور وہ بادشاہ کے ساتھ رہنے لگے جب بادشاہ شکار کے لیے جاتے یا چوگان کھیلا جاتا تو یہ بادشاہ کے ہمراہ ہوتے یہاں تک کہ پچاس سال گزر گئے وہ بوڑھے اور عمر رسیدہ ہو گئے، شیخ اسی حالت میں تھے کہ انہوں نے ایک چھپر دیکھا اس کے اندر داخل ہوئے پھر چند ہی قدم چلے تھے کہ چھپر سے باہر نکل گئے تو دیکھا کہ شیخ احمد استاذ وہاں موجود ہیں ان سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا کہ آپ گجرات سے کب آئے؟ شیخ احمد استاذ نے کہا کہ بھئی گجرات کہاں ہے؟ ہم تو شمس آباد میں جادوگر کے گھر میں ہیں اور آپ ابھی اس چھپر کے اندر گئے تھے اور ابھی واپس آئے ہیں۔ اب شیخ احمد فرلی کو جادوگر کے پاس آنا اور اس سے تعجب خیز بات کے بارے میں پوچھنا یاد آیا پھر انہوں نے اپنے آپ کو دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ اسی طرح نوجوان ہیں جس طرح پہلے تھے، جب انہیں مکمل ہوش آیا تو پوری سرگزشت انہوں نے شیخ احمد استاذ کو بتائی، وہ جب تک زندہ رہے یہ تعجب انگیز واقعہ انہیں یاد رہا اور اس پر اظہار حیرت کرتے رہے۔

(سبع سنابل' سنبلہ ۶)

بسط زمان کی ایک حکایت

۲۷: ابریز شریف میں ہے صاحب ابریز حافظ احمد بن مبارک نے میر عبدالواحد بلگرامی سے پوچھا کہ ایک آدمی دریا میں اترا پھر ایک ساعت کے بعد باہر آیا ان کے ساتھی نے ان سے کہا کہ تم نے بڑی تاخیر کی یہاں تک کہ مجھے جمعہ کی نماز فوت ہونے کا خوف ہونے لگا، جو آدمی دریا میں اترا تھا اس نے کہا کہ میں مصر سے آرہا ہوں میں وہاں اتنی مدت اور اتنے مہینے رہا میں نے وہاں پر شادی کی جس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ دونوں پر جو زمانہ جو وقت گزرا وہ تو ایک ساعت ہی ہے تو ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس پر ایک ساعت گزرے اور اس پر چند مہینے؟ کیونکہ آسمان میں سورج تو ایک ہی ہے جس سے ساعت، زمانہ اور مہینے کا وجود

ہوتا ہے۔ کرامات اولیاء میں سے یہ مشکل و مشتبہ خبر ہے اور طی مکان، طی زمان کے مثل نہیں کیونکہ طی زمان میں محذور سابق لازم آئے گا یعنی زیادہ ترسط زمان ہوتا ہے۔ اور طی مکان صرف کرامت سے ہوتا ہے اس میں کوئی محذور و ممنوع بات نہیں۔ اس حکایت کو دوسرے لوگوں نے بھی بیان کیا ہے۔

صاحب ابریز کے سوال کے جواب میں میر عبد الواحد بلگرامی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز مشکل و دشوار نہیں وہ کسی چیز سے عاجز و قاصر نہیں، وہ اس بات پر قادر ہے کہ صاحب حکایت (جس سے واقعہ سرزد ہوا) کے لیے دوسرا زمانہ پیدا فرما دے اور صاحب حکایت جب تک دریا میں ہو دوسرے لوگوں کے لیے دوسرا زمانہ پیدا کر دے اور اس کے دریا میں موجود رہنے کے باوجود دریا کے مشاہدہ سے اس کو روک دے جس طرح اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اسے کراماً کاتبین دونوں فرشتوں کے مشاہدہ سے روک دیتا ہے، فرشتوں کو پوشیدہ رکھتا ہے حالانکہ فرشتے ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب وہ دریا میں چھپا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ زمانہ اور ان لوگوں کو موجود فرما دیتا اور اہل مصر وغیرہ میں سے جن کی چاہتا ہے ہو بہو ان کی صورت بنا دیتا ہے یہاں تک کہ اس حکایت سے جو مقصود و مدعا ہوتا ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس زمانہ اور ان لوگوں کو ختم کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ یا اس کے مثل اس چیز کے لیے کرتا ہے جو صاحب حکایت کو درپیش ہوتی ہے، میں نے کہا کہ ہاں تم لوگ درست و سچ کہتے ہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ صاحب حکایت بعض کرامات کا منکر تھا حالانکہ وہ اولیاء کرام کی بکثرت خدمت انجام دیتا تھا۔[1] (ابریز شریف، باب ۷)

---

[1] یہ واقعہ الگ ہے اور اس سے پہلے کا الگ، یہاں پر چند مہینوں کا ذکر ہے اور وہاں پر چھ سال کا، یہاں پر ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہاں پر تین بچے ہوئے، یہاں پر اس کا ساتھی کنارے پر انتظار کر رہا تھا اور وہاں پر اس کے ساتھی خانقاہ میں تھے، یہاں پر بعض کرامات کا انکار تھا اور وہاں پر آیت کریمہ (کان مقداره خمسين الف سنة) کے حجت ہونے میں خدشہ و خلجان تھا، ان قرائن سے معلوم ہوا کہ دونوں واقعے جداگانہ ہیں ۱۲ منہ

اقول: جس ذات نے آدمی کو اس زمانے سے غائب کر دیا جس میں وہ تھا اور اس کے لیے دوسرا زمانہ موجود فرما دیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس معاملے میں عورت کو بھی مرد کے شریک فرما دے اور عورت اپنے زمانہ سے غائب ہو کر اس زمانے میں موجود ہو جائے جس میں مرد موجود ہے، پھر مرد و عورت دونوں ایک زمانہ میں جمع ہوں، شادیاں کریں اور اولاد پیدا ہو جائے۔ یہ صرف ایک خیال و قیاس یا وہم نہیں کیونکہ اولاد کا لانا اس حقیقت کی حقیت پر شاہد و ناطق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک نادر مخلوق

صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ میر عبد الواحد بلگرامی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس سے بھی زیادہ نادر و حیرت انگیز بات دیکھی ہے وہ یہ کہ میں نے ایک شخص کو چاشت کے وقت دیکھا جس کی شادی نہیں ہوئی تھی وہ کنوارا تھا، جب ظہر کے وقت میں دوبارہ اسی جگہ آیا تو اس شخص کو مردہ پایا اور اس کے بیٹے کو اس کے کام میں مشغول و مصروف پایا اس کا یہ بیٹا جوان ہو چکا تھا، یہ بیٹا اس باپ کا تھا جس نے چاشت کے بعد شادی کی اور ظہر سے پہلے اس کا بیٹا بھی پیدا ہوا اور وہ بالغ و جوان بھی ہو گیا۔ صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ لوگ جن ہیں یا انسان؟ میر عبد الواحد بلگرامی نے فرمایا کہ یہ نہ جن ہیں نہ انسان، بلکہ اللہ کی ایسی مخلوقات ہیں جن کا شمار و حساب نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اپنی فوج کا حال جانتا ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (المدثر ۳۱)۔
اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوائی کوئی نہیں جانتا۔ (کنز الایمان)

(ابریز شریف باب ۷)

اقول، شمار میں ہم نے اس کو علیحدہ نہیں کیا ہے اس لئے کہ حمل و بلوغ کی مدت جنس کے اختلاف سے متفاوت و مختلف ہوتی ہے جیسا کہ جانوروں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ (چاشت کے بعد جس کی شادی ہوا اور ظہر سے پہلے اولاد) انسان کے

علاوہ دوسری جنس سے ہوں تو ہمیں ان کا حال معلوم نہ ہوگا اور نہ ہم انہیں جان سکیں گے ہوسکتا ہے یہ ان کی عادت ہو کہ ان کے یہاں حمل، ولادت اور بلوغ ایک ہی ساعت میں ہو جاتی ہو، جیسا کہ اہل جنت کے لیے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جنتی کی خواہش اگر اولاد کی ہوگی تو اس کا سارا عمل ایک ہی ساعت میں پورا ہو جائے گا۔

میر عبدالواحد بلگرامی کی کرامت و معلومات

۲۸۔ پھر صاحب ابریز نے فرمایا کہ میر عبدالواحد بلگرامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کے انتقال کے بعد گیارہ سال ایسے گزرے جن میں نادر و حیرت انگیز باتیں بہت ہوئیں۔ ایک سال تو ایسا گزار جس میں ہم نے اپنی موت تک کے تمام واقعات دیکھ لئے، میں نے ان شیوخ کو دیکھا جن سے میں نے بعد میں ملاقات کی، اس عورت کو دیکھا جس سے میں نے بعد میں نکاح کیا اور اپنے لڑکے عمر کی پیدائش تک کا زمانہ دیکھا اور ساتویں دن عمر کا عقیقہ بھی کرایا پھر عمر کی پیدائش کے بعد اپنے لڑکے ادریس کی پیدائش تک کے سارے واقعات و حالات دیکھے، ادریس کا عقیقہ بھی ساتویں دن کرایا پھر اپنی بیٹی فاطمہ کی ولادت تک کے سارے احوال و کوائف دیکھے، فاطمہ کی ولادت کے بعد میں نے اس رزق و روزی کو دیکھا جو بعد میں مجھے میسر و دستیاب ہوئی اور جن چیزوں کا میں نے ادراک کیا ان میں سے کوئی چیز مجھ سے غائب و پوشیدہ نہ رہی اور یہ چیزیں وہ ہیں جو میری زندگی میں واقع ہوئیں یا واقع ہوں گی یہ سارے احوال و واقعات کا علم رفتہ رفتہ نہیں بلکہ بہت ہی جلدی ہوا اور میں سویا ہوا نہیں تھا کہ یہ واقعات خواب میں ہوئے بلکہ میں بیدار تھا میرے ہوش و حواس بحال و قائم تھے۔

(ابریز، حوالہ مذکور)

امام عبدالوہاب شعرانی کی کرامت

۲۹۔ سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب ''الیواقیت والجواہر'' کے خاتمہ میں فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اس کتاب کو ایک مہینہ سے کم مدت

میں تالیف کیا ہے، میں نے اس کی بحث کی تعداد کے برابر "فتوحات" کا مطالعہ کیا، مناسب نقل واقتباس کے لیے ہر بحث پر میں پوری فتوحات کا مطالعہ کرتا تھا، علماء نے اس بات کو امام شعرانی کی کرامات میں شمار کیا ہے کیونکہ فتوحات دس ضخیم جلدوں میں ہے اس حساب سے ہر دن فتوحات کا اڑھائی مرتبہ مطالعہ ہوتا تھا جس کی مقدار روزانہ پچیس جزء ہوتے ہیں۔ کرامات اولیاء کی بحث میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ صاحب کرامت کا اپنی کرامت پر یقین واعتماد رکھنا لازم وضروری ہے جس طرح دوسرے ولی شرع کی کرامت پر یقین کرنا ضروری ہے۔ مؤلف (امام احمد رضا) سب سے پہلے اس کرامت کی تصدیق وتائید کرتا ہے۔ اول وآخر ہر حال میں اللہ ہی کا شکر واحسان ہے۔

(الیواقیت والجواہر، خاتمۃ الکتاب)

خود حضرت مصنف کی کرامت

۳۰۔ فقیر غفر لہ المولی القدیر (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہاں پر بارگاہ قادری کے بعض فقیر کے لیے دو مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ وہ نماز فجر کے لیے آخر وقت میں بیدار ہوئے انہیں احتلام ہوا تھا غسل کی حاجت تھی انہوں نے نجاست کو پاک کیا۔ استنجاء کیا، دانتوں میں خلال کیا غسل خانہ میں ان کے لیے پانی رکھا گیا، غسل خانہ میں داخل ہو کر کپڑے اتارنا چاہا کہ جیب سے گھڑی نکال کر وقت دیکھا تو معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب میں صرف دس منٹ باقی ہیں اس لیے کہ اس فقیر کو علم توقیت میں کمال مہارت، معرفت حاصل ہے گھڑی زمین پر رکھ کر غسل خانہ میں گئے اور سارے کپڑے اتارے کیونکہ یہ سردی کا زمانہ تھا، اس کے بعد فقیر کو خیال ہوا کہ وقت ابھی کافی ہے اطمینان سے تین تین مرتبہ پانی ڈال کر سنتوں کی ادائیگی کے ساتھ غسل کیا پھر سر کے بالوں کا پانی تولیہ سے خشک کرنے میں خوب مبالغہ کیا، کیونکہ پانی خشک نہ کرنے کی صورت میں ضعف دماغ کے سبب سے مرض پیدا ہونے کا خوف واندیشہ ہوتا ہے پھر کپڑے باندھ کر غسل خانہ سے باہر آئے تو زمین سے گھڑی اٹھا کر دیکھا تو اس میں اتنا ہی وقت تھا جتنا

پہلے تھا اس سے ایک سکنڈ بھی زیادہ نہیں ہوا تھا اس سے یہ وہم ہوا کہ گھڑی رکھ دینے سے بند ہوگئی تھی اور اٹھانے سے چلنے لگی شاید وقت ختم ہو چکا ہے کیونکہ غسل وغیرہ میں دس منٹ سے زیادہ وقت لگا تھا پھر افق کی طرف نظر پڑی تو وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ وقت ابھی باقی ہے اس میں صرف فرض کی نہیں سنت کی بھی گنجائش ہے پھر فقیر نے سنت پڑھ کر فرض باجماعت ادا کیا، پھر واپس آکر جیبی گھڑی کو گھر کی بڑی عمدہ و درست گھڑی سے ملایا تو دونوں گھڑیاں برابر و مساوی تھیں اگر یہ گھڑی بند ہو جاتی تو دونوں کے وقت میں ضرور اختلاف و فرق ہوتا، فقیر اس بات پر اللہ کا شکر بجالایا اور اس سے یہ یقین ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فقیر قادری کے لیے ایک سکنڈ سے کم زمانہ کو پھیلا دیا یہاں تک کہ اس وقت میں اتنے کام ہو گئے جو دس منٹ سے زیادہ وقت میں بھی نہیں ہوتے۔ ہو بہو ایسا ہی واقعہ فقیر سے دو مرتبہ واقع ہوا ہے، اس قسم کے واقعات کو علماء کی اصطلاح میں معونت[1] کہتے ہیں۔ والحمد لله رب العلمين وهو المعين فنعم المعين

بسط زمان میں کلام اگرچہ طویل ہو گیا لیکن اس سے رب تبارک وتعالیٰ کی وسعت قدرت کا شافی وکافی بیان واظہار ہو گیا جب تم ان سب کا تصور کرو گے تو تمہارے ذہن و دل سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کا بعید از قیاس ہونا نکل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دو پٹھوں کے درمیان جس کتاب مجید کو نازل فرمایا وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ علوم ما کان وما یکون کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ کیونکہ بسط زمان وطی مکان کے واقعات کی وسعتیں جب فانی مخلوقات کے لئے ثابت ہو سکتی ہیں تو پھر کیا خیال ہے تمہارا اس ذات واجب الوجود قدیم کے بارے میں جو ازلی غیر مخلوق ہے؟ بلکہ مومن کا قلب بھی وسیع

[1] خارق عادت بات نبی سے اگر ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہو تو اسے ارہاص کہتے ہیں اور اگر ظہور نبوت کے بعد ہو تو معجزہ، اور اگر وہ بات ولی سے واقع ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اور اگر عام مسلمان سے ہو تو معونت، خرق عادت بات اگر کسی کافر سے اس کی مراد ومرضی کے مطابق ہو تو وہ استدراج ہے ورنہ اہانت۔ ۱۲ منہ۔

ہے اس میں عظیم وجلیل چیزیں سما جاتی ہیں جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گزرا کہ میں بسم اللہ کی ب کے علوم کی تفصیل سے ستر اونٹ بھر دوں گا۔ اور انہیں سے یہ بھی گزرا کہ بسم اللہ کی ب کے نیچے جو نقطہ ہے اس کے علوم سے اسی اونٹ گراں بار کردوں گا۔ اس سے پہلے یہ بھی گزرا ہے کہ قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت چالیس ہزار ہزار ہزار معنی ہیں لفظ ہزار تین مرتبہ۔ (یعنی چالیس ارب)

اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ مرد کامل، تمام احکام شرعیہ، مجتہدین و مقلدین کے جملہ اقوال و آراء قرآن عظیم کے جس حرف[1] سے چاہے نکال لے۔ جب یہ بات ہے تو غیر منسوخ تفسیر سے ایک لاکھ اونٹ گراں بار کردینے کا قول کیسے تنگ نظری کا شکار ہوگا یا ہر آیت کے تحت ساٹھ ہزار علم ہونے سے اس کا دامن کیونکر تنگ ہو جائے گا یا سورہ فاتحہ پھر بسم اللہ پھر بسم اللہ کی ب پھر ب کے نقطہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو ننانوے (۲۴۷۹۹۹) علوم کا استخراج ہوگا تو کوئی شکوہ کیوں ہوگا یا اس سے گلہ کیوں ہوگا جو سید عشاوی کے دادا سید عبداللہ عیدروس قدس سرہما سے منقول ہے کہ اگر میں چاہوں تو قرآن مقدس کے ایک حرف ''الف'' سے ہزار جلدیں لکھ دوں۔

علوم قرآنیہ کے بارے میں جب ائمہ و اکابر کے یہ اقوال ہیں تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کو کثیر کیوں سمجھا جائے کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے قرآن سے پالوں۔

یا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کو بہت کیسے سمجھا جائے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے میں ستر اونٹ بھر دوں گا۔

---

[1] الف، تمام علم احکام کو شامل ہے اس لئے کہ یہی شریعت کبریٰ کا بعینہٖ منبع ہے شریعت کبریٰ خدا کا ایجاد کردہ قانون ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے پھر یہ بات تمام حروف میں جاری ہوتی ہے تمام حروف کا مرجع ذات واحد ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب 'مجلی العروس و مراد النفوس' میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس طرح جملہ احکام و اصول کا استخراج جس حرف سے چاہیں ہوسکتا ہے۔ یہ ہماری سمجھ کے اعتبار سے ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر حرف تمام احکام و قوانین پر مشتمل ہو۔ ۱۲ منہ

یا خود قرآن عظیم پر اسے زیادہ کیسے سمجھا جائے کہ قرآن کریم لوح محفوظ کے تمام مکتوبات اور تمام ما کان وما یکون کے علوم پر مشتمل ہے۔

اور قرآن عظیم کا نازل کرنے والا فرماتا ہے کہ قرآن کی تفصیلات میں کوئی شک و ریب نہیں یعنی قرآن کریم میں ان تمام چیزوں کی تفصیل و توضیح ہے جو لوح محفوظ میں مکتوب و منقوش ہیں، یہ بات اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ جب یہ افراد امت کے علوم ہیں تو خود سید العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کا کیا حال ہوگا جن پر قرآن نازل ہوا۔

جس نے قرآن کی تفصیلات سے انکار کیا اس کا مکر و حیلہ معلوم نہیں مگر یہ کہ ائمہ و اولیاء نے اسے شعراء کے مثل قرار دیا ہے۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں و پشیماں پھرتے ہیں، اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے اور ہر لغو و باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں، جھوٹی مدح کرتے ہیں، جھوٹی ہجو کرتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں جو وہ نہیں کرتے۔ ایسے وقت میں خطاب ساقط ہو جاتا ہے نہ وہ مخاطب ہوتا ہے نہ جواب کا مستحق، اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

نسأل الله العفو والعافية

تکمیل جمیل

اہل جنت و دوزخ کے اسماء کی دونوں کتابوں کا معاملہ بہت بڑا ہے

ان دونوں کتابوں کا بیان گزر چکا ہے جن میں جنتیوں اور دوزخیوں کے نام ہیں اور حافظ ابن حجر کا یہ قول بھی گزرا ہے کہ تنگ ظرف میں وسیع و کشادہ جسم کا سمانا آسان ہے لیکن یہ مجمل شئی ہے عام لوگوں کے لئے اجمال سے محال کی مثال دینے میں حالت منکشف و واضح نہیں ہوتی اور یہ مقام تو رب تبارک و تعالیٰ کی وسعت قدرت پر تنبیہ کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ وہ کرتا ہے جس سے وہم و خیال کا بند تنگ ہو جاتا ہے۔ اسی کے بیان کے لئے میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی جلد فرض کی جائے جس میں جہازی سائز کے پانچ سو اوراق ہوں اس کے ہر صفحے میں پچاس سطریں ہوں جیسے ہمارے اس صفحہ کی لمبائی ہے ہر سطر میں دس جنتی اور ان کے باپ و قبائل کے نام باریک خط میں ہوں مثلاً وہ سطر [۱] جو حاشیہ پر مرقوم ہے لہٰذا اس ضخیم بڑی لمبی چوڑی بھاری جلد میں پانچ لاکھ نام سما جائیں گے۔

---

[۱] ابو بکر بن ابی قحافہ التیمی، عمر بن الخطاب العدوی، عثمان بن عفان الاموی، علی بن ابی طالب الہاشمی، طلحہ بن عبید اللہ التیمی، زبیر بن العوام الاسدی، عبد الرحمن بن عوف الزہری، سعد بن ابی الوقاص الزہری، سعید بن زید العدوی، ابو عبیدہ بن الجراح الفہری یا عامر بن عبد اللہ ۱۲ منہ

بغیر حساب کے جنت میں جانے والے لوگوں کی تعداد

پھر تمہیں معلوم ہو کہ بخاری و مسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے' یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے، فال وشگون نہیں لیتے اپنے خالق و مالک پر توکل و یقین رکھتے ہیں۔

(بخاری، باب ومن یتوکل علی اللہ)

بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن و چمک دار ہوں گے۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں لوگوں میں سے ہیں۔

(بخاری، باب ومن یتوکل علی اللہ)

اس سے وہ لوگ متعین ہو گئے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

نیز بخاری و مسلم حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ لوگ جنت میں ضرور جائیں گے وہ ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوں گے یہاں تک کہ ان کے اول و آخر سب داخل جنت ہو جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوں گے۔ (مسلم، باب الدلیل علی دخول الخ)

امام نووی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایک صف ہو کر ایک ساتھ چوڑائی میں داخل ہوں گے یعنی سب کے سب یکبارگی داخل ہوں گے اور ان پر اولیت وآخریت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ وہ لوگ یکے بعد دیگرے صراط سے گزریں گے۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق، باب یدخل الجنۃ سبعون الفا بغیر حساب)

اقول، دخول جنت میں ان کی اولیت وآخریت کا اعتبار واطلاق دروازہ کے ایک پٹ کی طرف سے شمار کرنے میں ہے مثلاً جو لوگ ایک پٹ سے قریب ہوں گے وہ اول ہیں اور جو دوسرے پٹ سے قریب ہوں گے وہ آخر ہیں مطلب یہ ہے کہ سب کے سب ایک ساتھ داخل ہوں گے۔

امام احمد و ترمذی و امام ابن ماجہ سنن میں، طبرانی کبیر میں، ابن حبان صحیح میں، دار قطنی کتاب الضعفاء میں اور ضیا مقدسی صحیح مختارہ میں ابو امامہ باہلی سے، بغوی ابو سعید زرقی سے، طبرانی و ابن عساکر ابو سعد خیر سے، احمد و طبرانی و ابونعیم ابو ایوب انصاری سے، ابن عساکر حذیفہ بن یمان سے، طبرانی ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں یہ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان پر کوئی حساب وعذاب نہ ہوگا ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور میرے رب عزوجل کی مٹھی سے تین مٹھی بھر لوگ ہوں گے۔ (رب کی لپ یا مٹھی سے مراد جو اس کی شان کے لائق ہے) جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ چار ہزار ہزار اور نو لاکھ ستر ہزار ہیں اور حثیات (مٹھی) کا حال وشمار تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی مٹھی میں کتنے لوگ ہوں گے۔

(ابن ماجہ، باب صفۃ امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، احمد، مرویات ابی امامہ)

ملا علی قاری ''ثلاث حثیات'' (تین مٹھی) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اشرف نے فرمایا کہ یہ لفظ ''سبعین الفا'' پر عطف ہونے کی صورت میں نصب کا احتمال رکھتا ہے اور ''سبعون الفا'' پر عطف کی صورت میں رفع کا، مقام مبالغہ میں رفع

مراد لینا زیادہ درست اور ظاہر کے مطابق ہے اس صورت میں محذوف و تقدیری عبارت یہ ہوگی "مع کل الف سبعون الفا و ثلاث حثیات" یعنی ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین مٹھی بھر، بخلاف نصب کے کہ وہ مبالغہ میں ظاہر نہیں ہے۔ (مرقاۃ ۹ حدیث ۵۵۵۶)

اقول، یہاں پر رائے و مبالغہ اور ادعاء کا دخل نہیں ہے اور نہ "سبعون" کے زیادہ قریب ہونے کا اثر، بلکہ مرجع اس میں روایت ہے۔ پھر اگر نصب ثابت ہو یا کچھ ثابت نہ ہو تو ہمارے لئے مبالغہ کرنا یا یہ کہنا جائز نہیں کہ ہر ہزار کے ساتھ تین مٹھی بھر لوگ ہوں گے اور اگر رفع ثابت ہو تو زیادتی میں اضافہ ہوگا یہ بات امت کے لئے زیادہ فائدہ مند و نفع بخش ہے لیکن اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی رحمت زیادہ وسیع ہے اور حضور سید العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدر و شرف بارگاہ عزت میں ارفع و اعلیٰ ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پوری مخلوق کو ایک ہی ہاتھ سے جنت میں داخل کر دے جیسا کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق و تائید فرمائی۔

ابو سعید زرقی و ابو سعد خیر کی حدیث کے لفظ یہ ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ان میں سے ہر ہزار دوسرے ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کریں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے تین مٹھی لے کر داخل جنت فرمائے گا۔ (معجم کبیر ۲۲ حدیث ۷۷۱)

لفظ "ثلاث حثیات" یہاں پر بھی رفع و نصب دونوں کا احتمال رکھتا ہے اگر چہ ذہن کی رسائی وجہ اول یعنی رفع کی طرف ہے۔

امام احمد و امام حکیم ترمذی و ابو یعلی اور دیلمی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے یہ فضیلت دی گئی کہ میری امت سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند اور ان کے دل ایک آدمی کے دل پر ہوں گے یعنی ان میں کوئی بغض و عناد اور اختلاف و افتراق نہ ہوگا پھر میں نے اپنے رب سے اور زیادہ

مانگا تو میرے رب نے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرما دیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد اول مرویات ابو بکر صدیق)

امام احمد و امام حکیم ترمذی ،ور طبرانی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب تبارک وتعالیٰ نے مجھے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے داخل جنت ہوں گے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اور زیادہ کیوں نہیں مانگا؟ حضور نے فرمایا ہاں میں نے زیادہ مانگا ہے تو مجھے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور عطا فرمائے عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اور مزید کیوں نہیں طلب فرمایا؟ حضور نے فرمایا ہاں میں نے اور مزید طلب کیا ہے تو مجھے اسی کے مثل اور عطا ہوئے پھر دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر حضور نے ان کی کثرت مقدار کی طرف اشارہ فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

ابن سعد طبقات میں عمرو بن عمیر سے، طبرانی کبیر میں عامر بن عمیر نمیری سے۔ بیہقی کتاب البعث والنشور میں عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے، فال و شگون نہیں لیتے، داغا نہیں کرتے اور اپنے خالق و مالک پر یقین و توکل رکھتے ہیں میں نے عرض کیا اے رب میرے اور زیادہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ دوسرے ستر ہزار ہوں گے۔ میں نے عرض کیا اے رب میرے ان اوصاف کے لوگ اتنے نہیں ہوں گے وہ تعداد پوری نہیں ہوگی رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جب تو ہم دیہاتیوں اور گنواروں سے ان کی تعداد پوری کر دیں گے۔ (طبقات ابن سعد، ترجمہ عمرو بن عمیر)

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں امت کی توضیح امت اجابت سے کی ہے۔

(زرقانی علی المواہب، مقصد رابع)

سوال، امت کی توضیح وتفسیر امت اجابت سے کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ کفار کا تو جنت میں کچھ حصہ ہی نہیں، انہیں جنت سے محروم ہی رکھا گیا ہے۔

جواب، **اقــول**، یہ توضیح وتشریح ظاہری حاجت وضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ جب مطلقاً امت اجابت بولا جائے تو خاص طور سے اہل سنت و جماعت مراد ہوتے ہیں اور اہل سنت ہی اس نعمت کبریٰ یعنی دخول جنت سے مخصوص ہیں دوسرے کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ دیکھو ملا علی قاری کی مرقات۔

بزار نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان (جو لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کا وصف خاص یہ ہے) **هم الذين لايسترقون الخ** یہ وہ لوگ ہیں جو چوری نہیں کرتے الخ۔

(کشف الاستار ۴ حدیث ۳۵۴۵)

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ ضمیر (ھم) ہر ایک کے لئے ہے اور فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں گزرا ہے کہ ستر ہزار کے اوصاف بھی ایسے ہی ہوں گے لہٰذا سب کے سب انہیں اوصاف سے متصف ہوں گے۔ یعنی ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ جو دوسرے ستر ہزار ہوں گے وہ بھی انہیں اوصاف وخصائل کے ہوں گے اور بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

(زرقانی علی المواہب ۵، مقصد رابع، ومنھا انہ یدخل منھم الجنۃ الخ)

اقــول، یہ ضروری نہیں کہ تمام لوگوں کے یہ اوصاف ہوں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے بلکہ ضمیر (ھم) اصول کے لئے ہے یعنی ان ستر ہزار کے لئے جن کا ذکر پہلے ہے اور یہ ستر ہزار وہ لوگ ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ستر ہزار ہوں گے، اس سے پہلے کی روایت سے یہی وضاحت وصراحت ہوتی ہے اور اس میں ان لوگوں کی ناامیدی ومایوسی پر دلالت نہیں ہے جن کے یہ اوصاف وخصائل

نہیں وہ لوگ بھی رحمت کردگار سے ان ستر ہزار کے پیچھے ہوں گے انہیں شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی اور رحمت باری ان کے شامل حال ہوگی۔

حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مثل بیہقی کی "کتاب الاسماء والصفات" میں بھی ہے جو اسماعیل بن عیاش کے طریق سے محمد بن زیاد سے مروی ہے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ جنت میں جائیں گے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور رب کی مٹھی سے تین مٹھی بھر لوگ ہوں گے۔

(کتاب الاسماء والصفات، بیہقی، باب ماذکر فی الیمین والکف)

بعض نسخے میں یہ ہے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے اور ایک نسخہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ لفظ "حثیـــات" کا عطف پہلے ستر ہزار پر ہونا متعین ہے۔

امام بغوی نے معالم التنزیل میں سورۂ حج میں دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا نیز عمران بن حصین و ابو سعید خدری وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صرف ستر ہزار؟ حضور نے فرمایا ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔

(معالم التنزیل، تحت آیہ یوم ترونھا)

بحمدہ تعالیٰ یہ لوگ چار ہزار ہزار ہزار، نو لاکھ ہزار اور ستر ہزار ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ایسے مقام میں عدد کا بیان زائد کی نفی نہیں کرتا (یعنی جنتیوں کی جو تعداد مذکور ہوئی صرف وہی لوگ بغیر حساب کے جنت میں نہیں جائیں گے کیونکہ دوسرے لوگ بھی رحمت ذوالجلال سے جنت میں جائیں گے) بلکہ اکثر تو اقل کو پورا کر دیتا ہے کیونکہ اکثر اقل کو شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر گھر میں دو آدمی ہوں اور یہ کہا

جائے کہ گھر میں دس آدمی ہیں تو بات سچی اور درست ہوگی لیکن اگر دس ہوں اور یہ کہا جائے کہ سو آدمی ہیں تو ایسا کہنا جائز نہیں اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز، ہر وصف، ہر کمال کو روز افزوں اور زیادہ ہی فرماتا ہے کم نہیں کرتا لہٰذا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ستر ہزار کا وعدہ فرمایا پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمایا پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کر دیا پھر تین مٹھی بھر کا اور اضافہ فرمایا اور حضور کی خواہش ومرضی کو مکمل فرما دیا، جس کی کثرت مقدار کی طرف حضور نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اشارہ فرمایا۔ **فلہ الحمد اولاو آخرا وعلی حبیبہ الصلاۃ والسلام ابدا متوافرا۔**

یہ عدد تو ان جنتیوں کے ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے ان کے نام اس طرز سے لکھنے کے لئے جو طریقہ بتایا گیا آٹھ سو نو ہزار بڑی بڑی ضخیم مجلدات کی ضرورت ہوگی، پھر ان کے بارے میں کیا خیال ہے جو رب تعالیٰ کی تین مٹھیوں میں ہیں۔ پھر تمام جنتیوں کے بارے میں کیا خیال ہے، ان کے نام کتنے دفتر میں آئیں گے۔

بنی آدم کے نیک لوگوں کی تعداد

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ نے ''الیواقیت والجواہر'' کی بحث ۳۲ میں فرمایا کہ مجھے میرے بھائی[1] افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نیک لوگوں کے عدد سے آگاہ و مطلع فرمایا جو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت انور میں ہیں، بدبختوں کی اطلاع نہیں دی گئی، اور ان کی تعداد کے بارے میں فرمایا کہ نو سو ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار (نو مرتبہ) اور نو سو ننانوے ہزار اور اس کے نصف و ثلث سب کو اصول میں ضرب دیا جائے اس کا جو حاصل ضرب ہو وہی ان نیک لوگوں کی تعداد ہے جو آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت مبارک میں ہیں ان میں نہ کوئی زیادہ ہوں گے نہ کم۔ یہ ایسا حساب ہے جو عقل و سمجھ سے ماوراء ہے ہاں اس کے جاننے اور معلوم کرنے کا طریقہ صرف کشف و مکاشفہ ہے۔

(الیواقیت والجواھر، بحث ۳۲)

حاصل یہ کہ تم تین صفر لکھو، پھر نو سو ننانوے، پھر ۲۳ صفر، پھر ۹ لکھو، کل تیس رقم ہوں گے یہ اصول ہیں ان میں ان کے نصف و ثلث کو ملاؤ تو ایک دوسرا مجموعہ ہوگا جس میں اکتیس رقم ہوں گے یعنی دو صفر پھر اٹھارہ ہزار تین سو پندرہ اور بیس صفر لکھو اس کے بعد ایک سو پینسٹھ، پھر اس مجموعہ کو اصول میں ضرب دو جس کے اکسٹھ رقوم ہوں گے یعنی پانچ صفر پھر پچاسی، چھیاسٹھ، انتیس، اٹھارہ اس کے بعد انیس صفر پھر بیس ہزار نو سو سرسٹھ لکھو پھر بیس صفر اس کے بعد ایک ہزار چار سو پچاسی لکھو۔ اس حساب کو ہندسوں میں لکھنے کی صورت یہ ہے۔

---

[1] بھائی سے مراد یہاں پر دینی بھائی ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکابر اصحاب میں سے ہیں۔ ۱۲ منہ

اصول ۰۰۰۹۹۹۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۹

نصف ۰۰۵۹۹۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۵۳

ثلث ۰۰۰۳۳۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۳

مجموعہ ۰۰۵۱۳۸۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۵۲۱

اصول ومجموعہ کا حاصل ہی اولاد آدم علیہ السلام کے جنتیوں کی تعداد ہے

۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۳۲۹۶۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۱۸۲۹۶۶۸۵۰۰۰۰۰

۱۳۸۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰

لہٰذا ان کے نام ضبط تحریر میں لانے کے لئے بڑی ضخیم مجلدات کی ضرورت ہوگی جو عدد دور قوم میں اس طرح لکھا جائے گا

۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۶۵۹۳۳۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۲۶۵۹۳۳۷

۲۹۷۰۰۰

یہ کل پچپن رقم ہیں یعنی ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار ہزار (اٹھارہ مرتبہ) بیشک اللہ عزوجل نے اس تعداد کو چھوٹی کم حجم والی کتاب میں جمع فرما دیا ہے جسے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے اٹھالیا۔ وہ کتاب مقدس قرآن معظم ہے۔

بندۂ سعید وشقی کے عدد کے درمیان نسبت وفرق

جب سعید کے عدد کا یہ حال ہے کہ وہ عقل انسانی سے باہر وماورا ہے تو اشقیاء کے عدد کی کثرت وزیادتی کا کیا حال ہوگا کیونکہ سعید سو میں ایک یا ہزار میں ایک ہے بلکہ سعید، اشقیاء میں ایسا ہے جیسے کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال، یہ روایتیں صحیح حدیثوں میں مروی ہیں اور محدثین نے ان روایات کی جمع وتطبیق میں کلام بھی کیا ہے اور مجھے ایک بات یہ سمجھ میں آرہی ہے ویسے اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اولاد آدم میں سعید سو میں ایک ہے اور جب اولاد آدم کو یاجوج وماجوج کے ساتھ ملا کر شمار کیا جائے تو ہزار میں ایک سعید ہوگا اور جب اولاد آدم کو جن سے ملایا جائے تو سعید ایسا ہوگا جیسے کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال۔

امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پکارا جائے گا آدم کی ذریت انہیں دیکھے گی ان کی ذریت سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے باپ آدم ہیں علیہ الصلاۃ والسلام۔ رب کی پکار پر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام جواب دیں گے لبیک و سعدیک، اے رب میں تیرے حضور حاضر ہوں حاضر ہوں رب تعالیٰ فرمائے گا اپنی ذریت میں سے جہنم میں جانے والے لوگوں کو نکال لو حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے میں کتنا نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر سو میں سے ننانوے کو نکالو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

جب ہم میں سے ہر سو سے ننانوے کو لے لیا جائے گا تو پھر ہم میں کیا باقی رہے گا؟ حضور نے فرمایا کہ میری امت کی تعداد دوسری امتوں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کالے بیل کے بدن میں ایک سفید بال۔ (بخاری باب کیف الحشر)

امام احمد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن ایک منادی کو بھیجے گا وہ پکارے گا کہ اے آدم اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اپنی ذریت میں سے ایک جماعت کو دوزخ میں بھیج دیں، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام عرض کریں گے اے رب میرے وہ لوگ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ حضرت آدم سے کہا جائے گا کہ ہر سو میں سے ننانوے کو دوزخ میں بھیج دو۔ (مسند احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن مسعود)

امام بغوی معالم التنزیل میں اپنی سند سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن حضرت آدم سے فرمائے گا کہ اے آدم اٹھو اور "بعث نار" (دوزخ میں جانے والے لوگوں) کو دوزخ میں بھیجو، حضرت آدم عرض کریں گے لبیک و سعدیک والخیر فی یدیک یا رب میں تیرے حضور بار بار حاضر ہوں اے رب میرے بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے، بعث نار، کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار ہیں۔ لوگ کہیں گے ہم میں وہ ایک کون ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نو سو ننانوے یاجوج و ماجوج میں سے ہیں اور تم میں سے صرف ایک ہے۔ (معالم التنزیل تحت آیت یوم ترونھا تذھل)

امام احمد، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمائے گا اے آدم، وہ عرض کریں گے میں تیرے حضور میں حاضر ہوں ساری بھلائیاں تیرے ہی

دست قدرت میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بعث نار کو نکالو حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے بعث نار کیا ہے؟ رب فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار یعنی دوزخی ہیں، یہی وہ وقت ہے جس میں بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

امام مسلم عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خروج دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا لوگ کھڑے ہو کر حکم الٰہی کا انتظار کریں گے پھر ان سے کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کے پاس آؤ اور انہیں روک کر ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ بعث نار کو نکالو فرشتے عرض کریں گے کس کو اور کتنوں کو نکالا جائے؟ ان سے کہا جائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخی ہیں ان کو نکالو، یہی وہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہی وہ وقت ہے جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے) جمہور کے نزدیک کشف ساق شدت وصعوبت امر سے عبارت ہے جو روز قیامت حساب وجزاء کے لئے پیش آئے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں وہ بڑا سخت وقت ہے۔ (مسلم باب ذکر الدجال)

سعید بن منصور، احمد، عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور حاکم عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمائے گا اے آدم بعث نار (دوزخیوں) کو دوزخ میں بھیجو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام عرض کریں گے اے رب میرے بعث نار کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں، یہ سن کر مسلمان رونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میانہ روی و درستگی اختیار کرو اور راہ راست

کی طرف گامزن و متوجہ ہو جاؤ کیونکہ جو نبی بھی آیا اس کے سامنے جاہلیت کے طریقے اور جاہلیت کی باتیں تھیں یعنی ہر نبی جاہلیت کی باتیں منانے آئے، پھر حضور نے فرمایا کہ نو سو ننانوے جاہلیت میں سے لئے جائیں گے جاہلیت سے اگر تعداد پوری ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ تعداد منافقین کو ملا کر پوری کی جائے گی، تمہاری اور دیگر امتوں کی مثال ایسی ہے جیسے جانور کے دست میں چتی کا نشان یا جیسے اونٹ کے پہلو میں تل کا داغ۔ (ترمذی ابواب التفسیر)

اور ترمذی وغیرہ کے لفظ یہ ہیں، عمل کرو اور خوشخبری دو، قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے بیشک تم دو مخلوق کے ساتھ ہو وہ دونوں مخلوق جس چیز کے ساتھ رہے گی اس میں کثرت و زیادتی ہی ہوگی، ایک مخلوق یاجوج و ماجوج ہیں اور دوسری مخلوق وہ انسان و جن جو حالت کفر میں مرے۔

(ترمذی کتاب التفسیر)

بزار، ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم اٹھو اور ''بعث نار'' کو دوزخ میں بھیجو، حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام عرض کریں گے اے پروردگار وہ کتنے ہیں؟ رب تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس کے بعد اس حدیث میں دونوں مخلوق اور تل کے نشان کا ذکر ہے اور آخر میں یہ ہے کہ میری امت ہزار جزء کی ایک جزء ہے۔ امام طبرانی و ابن مردویہ نے اس حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کیا اور وہ ضعیف ہے۔

(مستدرک حاکم، کتاب الاھوال، معجم کبیر حدیث ۱۲۰۳۴)

عبد بن حمید، عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم ابن حبان، ابن مردویہ اور حاکم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث مذکور کے مثل عدد اور نشان تل کا ذکر کر کے فرمایا بیشک تمہارے ساتھ

دو مخلوق ہیں یہ دونوں مخلوق جس چیز میں رہتی ہے اس میں کثرت و زیادتی ہی ہوتی ہے ایک مخلوق یاجوج و ماجوج ہیں اور دوسری مخلوق وہ لوگ جو کفر پر مرے۔

(التلخیص علی المستدرک للذہبی، کتاب الاہوال)

ابن مردویہ ابوموسیٰ سے، طلحہ بن الصقر ابو درداء سے اور ابن جریر حسن سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور یہ سب کے سب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، اس حدیث میں بھی عدد مذکور ہے اور حسن کی حدیث مرسل میں دونوں مخلوق کے ذکر کے بعد یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج ہی دوزخی ہیں اور ان کی تعداد منافقین سے پوری کی جائے گی۔

(طبری جامع البیان، فی تفسیر سورۃ الحج، تحت آیت یا ایھاالناس اتقوا ربکم)

ابن منذر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن رب تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو ندا فرمائے گا کہ اے آدم! بعث نار کو نکالو۔ حضرت آدم عرض کریں گے اے رب میرے مجھے تو وہی علم ہے جو تو نے سکھایا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے بعث نار کو نکالو۔

(درمنثور، للسیوطی، سورۂ مزمل)

پہلی تین حدیثوں کو دیکھو ان میں ذریت آدم کے سو میں سے ایک کا تذکرہ ہے اور باقی حدیثوں میں ایسا نہیں ہے، ابوسعید خدری کی دونوں حدیثوں میں بھی ذریت آدم کے سو میں سے ایک کا ذکر ہے یہ ہزار میں سے ایک والی روایت کے قائل نہیں ہیں اور عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں سو میں سے ایک اور لفظ ذریت مروی ہے اور ان کی روایت میں ہزار میں سے ایک کا ذکر نہیں ہے۔

یاجوج وماجوج کا نسب

اوپر یہ بیان ہوا کہ ہزار میں نو سو ننانوے دوزخ میں جانے والے لوگ یاجوج و ماجوج ہیں یہ بات اس پر مبنی ہے کہ یاجوج و ماجوج بروجہ مشہور آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت نہیں ہیں کیونکہ علماء کے مابین اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ اولاد آدم میں سے ہیں یا نہیں؟ وھب وغیرہ نے فرمایا کہ یاجوج و ماجوج اولاد آدم میں سے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے۔

(فتح الباری، باب یاجوج وماجوج، کتاب الفتن)

اقول ،وھب ہی اپنی ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ یاجوج وماجوج میں انسانوں سے مشابہت ہے اور وہ جانوروں کے ہم شکل ہیں۔۔۔الخ

محمد بن اسحاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن عدی، ابن عساکر اور ابن النجار بروایت وھب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج وماجوج کی تین قسمیں ہیں

- ایک قسم درخت صنوبر کے مانند ہے یہ درخت ملک شام میں زیادہ پایا جاتا ہے اس کی لمبائی ایک سو بیس گز اوپر کی جانب ہوتی ہے۔
- دوسری قسم کی لمبائی ایک سو بیس گز اور چوڑائی بھی ایک سو بیس گز ہے ان کے بوجھ سے نہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ قائم و برقرار رہتا ہے نہ کوئی لوہا۔
- تیسری قسم ایسی ہے کہ وہ اپنا ایک کان بچھاتے اور دوسرا اوڑھتے ہیں

(کامل ابن عدی، ترجمہ محمد بن اسحاق)

اور کعب کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج صرف حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں حضرت حواء کی نہیں، یہ اس اعتبار سے ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام دنیا میں آنے کے بعد سوئے تو ان کو احتلام ہوا ان کا یہ نطفہ مٹی سے مل گیا پھر اسی نطفہ سے اللہ تعالیٰ نے یاجوج و ماجوج کو پیدا فرمایا۔

(شرح مسلم نووی، باب بیان کون ھذہ الامۃ الخ)

اقول، اس روایت کی تطبیق ممکن ہے لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ یاجوج و ماجوج آدم کی اولاد ہیں اس لئے کہ وہ انہیں کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس کی نفی بھی جائز ہے اس لئے کہ بچہ وہ ہے جو عورت سے پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام۔۱۰۱)

اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں (کنز الایمان)

(اور بے عورت اولاد نہیں ہوتی اور زوجہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ کوئی شئی اس کے مثل نہیں)

یہ بات اس کے منافی نہیں جو عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور قتادہ و خالد لشج سے مروی ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں۔

بلکہ[1] ابن حمید، ابن منذر، طبرانی، بیہقی کتاب البعث والنشور میں، ابن مردویہ،

---

[1] اس سلسلے میں جو احادیث مرفوعہ یا مقطوعہ ہیں ان میں سے کوئی حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچی اگرچہ وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ نہیں، حافظ ابن حجر نے اس قول کو ذکر کر کے فرمایا کہ اس پر جزم کیا گیا ہے اور وھب وغیرہ نے بھی جزم کیا ہے اور وھب نے صحابی کی تکریم نہیں کی اس کے باوجود حافظ عسقلانی وھب کی نصرت چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ پھر اگر احادیث مرفوعہ سے کوئی حدیث درجہ صحت کو پہنچ جائے اس کے باوجود جمہور علماء کا مسلک مسلم رہے گا اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی جیسا کہ ماقبل میں معلوم ہوا ۱۲ منہ

ابن عساکر ابن عمر سے اور طبرانی و ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، (یہ ابن عمر کی حدیث مرفوع ہے) کہ یاجوج وماجوج حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں ان میں سے کوئی نہیں مرتا مگر یہ کہ وہ اپنی ذریت میں سے ایک ہزار یا اس سے زیادہ افراد کو چھوڑتا ہے اور ان کے بعد تین گروہ ہیں (۱) تاویل (۲) تاریس (۳) منسک۔

(معجم کبیر طبرانی، حدیث ۱۲۰۳۴)

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو احتلام نہیں ہوتا، اس بات سے اوپر کی روایات کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا کیونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام سے اس احتلام کی نفی کی گئی ہے کہ شیطان خواب میں ان کے لئے متمثل ہو اور وہ جماع کی صورت دیکھیں، لیکن جو برتن کے بھر جانے اور فضلہ کے دفاع کے طور پر ہو وہ پیشاب کے مثل ہے۔ لہٰذا اس قسم کا احتلام انبیاء کو ہو سکتا ہے۔ فتح الباری کی عبارت کا یہی مطلب ہے اور اسی قول کو شیخ الاسلام امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں مقبول و معتمد ٹھہرایا اور فرمایا ہے کہ یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں حضرت حواء کی نہیں یہی جمہور علماء کا مذہب ہے لہٰذا وہ ہمارے علاتی یعنی باپ شریک بھائی ہوئے۔

(کنز العمال، حدیث ۳۸۸۷۲)

اس قول کے معتمد ہونے کی وجہ فتح الباری میں یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج یافث بن نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں ورنہ (اگر وہ اولاد آدم ہوں اور حواء کی نہیں تو) وہ طوفان نوح کے وقت کہاں رہے؟ (فتح الباری، باب یاجوج وماجوج)

اقول، اولا۔ یاجوج وماجوج کا حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے نطفہ سے ہونے کے لئے طوفان نوح کے وقت ان کا موجود رہنا ضروری نہیں، ہمیں کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے نطفہ آدم کو زمانہ دراز تک پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ طوفان نوح کے بعد اسی نطفہ سے یاجوج وماجوج کو پیدا فرمایا ہو۔

ثالثاً۔ ممکن ہے کہ یاجوج وماجوج کے ایک جوڑے نے اسلام قبول کیا اور وہ کشتی نوح پر سوار ہوگئے اور باقی لوگ غرق ہوگئے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں سے جتنا چاہا ان کی نسل کو پھیلا دیا اور ان کا اسلام قبول کرنا کوئی ممنوع یا غیر واقعی بات نہیں اس معنی کے اعتبار سے کہ ان میں سے کم لوگ ہی مسلمان ہیں۔

ابن ابی حاتم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاجوج وماجوج روزانہ صبح کو پہاڑ (جس کے درمیان سکندر ذوالقرنین نے کاسہ اور تانبے کی دیوار بنوائی) پر جاتے ہیں اسے چاٹ چاٹ کر انڈے کے چھلکے کے مثل باریک کر دیتے پھر یہ کہہ کر شام کو واپس چلے جاتے ہیں کہ کل آکر اس کو کھول دیں گے جب دوسرے دن صبح کو آتے ہیں تو وہ دیوار اپنی اصلی حالت پر ہو جاتی ہے جس پر وہ چاٹنے جانے سے پہلے تھی ہمیشہ وہ ایسا کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں ایک مسلمان لڑکا پیدا ہوگا، اس کے بعد جب صبح سویرے وہ لوگ دیوار کو چاٹنے جائیں گے تو یہ مسلمان لڑکا ان سے کہے گا کہ ''بسم اللہ'' کہو، جب وہ لوگ بسم اللہ کہہ لیں گے اور چاٹنے کے بعد شام کو واپس ہونے کا ارادہ کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کل آکر اسے کھول دیں گے تو وہ لڑکا کہے گا کہ کہو انشاء اللہ ہم کل اسے کھول دیں گے وہ سب کے سب انشاء اللہ کہیں گے پھر جب صبح کو آئیں گے تو وہ دیوار انڈے کے چھلکے کی مانند باریک ہی رہے گی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث ۱۲۹۸۸)

اور اسی کے مثل ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اس میں یہ ہے کہ جب دوبارہ وہ لوگ صبح کو دیوار کے پاس آئیں گے تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط وقوی پائیں گے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ فرمانا چاہے گا تو انہیں میں سے ایک آدمی مسلمان ہو جائے گا یہی مومن کہے گا کہ کل ہم اسے کھول دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

(فتح الباری، کتاب الفتن باب یاجوج وماجوج)

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام نووی کا قول،، کہ جمہور علماء کے نزدیک یاجوج

و ماجوج آدم کی اولاد ہیں حواء کی نہیں' نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ کعب احبار کے علاوہ ہم نے کسی سلف کی کوئی روایت ایسی نہیں دیکھی اور حدیث مرفوع سے اس کا رد ہو رہا ہے کہ یاجوج و ماجوج نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی ذریت ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام حواء کی ذریت ہیں (تو یاجوج و ماجوج آدم و حواء اور نوح کی اولاد ہوئے۔) (حوالہ مذکور)

اقــول ، امام نووی کے بارے میں علماء نے فرمایا کہ ان کے بعد ان کا ہم مثل و ہم پلہ علم حدیث میں کوئی نہیں آیا۔ حافظ ابن حجر کا کوئی روایت نہ دیکھنا امام نووی کی نقل کے معارض و منافی نہیں اور جس نے جانا اس نے نہ جاننے والے کی کمی پوری کر دی۔

چند سطر پہلے جس حدیث مرفوع کا ذکر ہوا اس سے ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث مرفوع مراد لی ہے'' کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تین لڑکے ہوئے (۱) سام (۲) حام (۳) یافث

- عرب، فارس اور روم سام کی اولاد ہیں
- قبط، بربر اور سوڈان حام کی اولاد ہیں
- ترک، یورپین اور یاجوج و ماجوج یافث کی اولاد ہیں

ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس حدیث کو بزار و حاکم نے روایت کیا۔ (حاکم مستدرک ۴، کتاب الفتن والملاحم)

اقــول ، ابن حجر کا قول کہ اس کی سند ضعیف ہے ہمارے لئے کافی ہے پھر یہ حدیث صحاح اور خود ابو ہریرہ کی حدیث کے مخالف ہے۔

امام احمد و حاکم حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حاکم نے اسے صحیح کہا اور ثابت رکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح کے تین لڑکے ہوئے سام، حام اور یافث جو ابوالروم ہے۔ (یہ حدیث ابو ہریرہ کی حدیث کے مخالف ہے) (حاکم مستدرک ۲، کتاب التاریخ)

طبرانی کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت سمرہ اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح کے تین لڑکے ہوئے۔

- سام، ابوالعرب ہے
- حام، ابوالحبشہ ہے
- یافث، ابوالروم ہے

(معجم کبیر ۱۸ حدیث ۳۰۹)

ابن مردویہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تین لڑکے ہوئے

- ابوالعرب، سام ہوا
- ابوالحبش، حام ہوا
- ابوالروم، یافث ہوا

(کنز العمال ۱۱ حدیث ۳۲۲۹۳)

(یہ دونوں روایت بھی حدیث ابو ہریرہ کے مخالف ہیں) لہٰذا اس قسم کی روایات سے جمہور علماء کا قول کیسے مسترد کیا جا سکتا ہے۔ دونوں عددوں یعنی سو میں سے ایک اور ہزار میں سے ایک کے درمیان جمع وتطبیق میں میرے لئے یہ توضیح ظاہر ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ اس سے احسن وعمدہ ہے جو ابن حجر نے اس کی جمع وتوفیق کے وجوہ میں بیان فرمایا ہے ان کا اوران وجوہ پر اعتراضات کا اعادہ کر کے ہم کلام کو طویل نہیں کریں گے۔ اور اس کے بعد معاملہ جو بھی ہو ایک اور ایک ہزار کی نسبت محقق ہونے میں کوئی شک وتردد نہیں ہے اس لئے کہ عدد، زائد کی نفی نہیں کرتا۔ اسے کرمانی اور عینی نے بھی بیان کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس اختلاف روایت کا اقتضاء یہ ہے کہ ابو سعید کی حدیث پر ابو ہریرہ کی حدیث مقدم ہو کیونکہ ابو ہریرہ کی حدیث زیادہ تعداد پر مشتمل ہے ابو سعید کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر ہزار میں سے ایک

جنتی ہے اور یہ اہل جنت کا حصہ ہے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر ہزار میں سے دس جنتی ہیں، لہٰذا حکم زائد کے لئے زیادہ درست وصحیح ہے۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق باب ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم)

اقول ، اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے بلکہ اس اختلاف روایت کا اقتضاء اس کے برعکس ہے یعنی ابو ہریرہ کی حدیث پر ابو سعید کی حدیث مقدم ہو کیونکہ کلام کا سیاق وسباق اہل جنت کا حصہ بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ بعث نار (دوزخ میں جانے والے لوگوں) کے لئے ہے۔ اور ابو ہریرہ کی حدیث کا معاملہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج ہزار میں سے نوسو نوے ہیں۔ اور ابو سعید کی حدیث کا حال یہ ہے کہ وہ ہزار میں سے نوسو ننانوے ہیں۔ لہٰذا حکم زائد کے لئے زیادہ بہتر وصواب ہے۔

اگر فرض کیا جائے کہ حدیث ابو ہریرہ کی دلالت اس بات پر ہے کہ دوزخ سے نجات پانے والے دس لوگ ہیں تو یہ اس کا مفہوم ہی ہوگا اور حدیث ابو سعید کا منطوق یہ ہے کہ ہلاک ہونے والے نوسو ننانوے ہیں اور مفہوم، منطوق کے معارض ومنافی نہیں ہے۔

اولادِ آدم کے دوزخیوں کی تعداد

بنی آدم کے سعداء (خوش نصیب گروہ) کی تعداد کا بیان ماقبل میں جو مذکور ہوا اسے ۹۹۹ میں ضرب دیا جائے تو اشقیاء (بدبختوں) کی تعداد حاصل ہو جائے گی اسے ہندسوں میں اس طرح لکھا جائے گا۔

۰۰۰۰۰۰۰۳۲۹۳۳۰۳۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۱۸۴۷۸۳۸۸۳۱۵۰۰۰۰۰

۱۴۸۴۳۵۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰

یہ کل چونسٹھ عدد ہیں انتالیس صفر اور پچیس رقوم

اور اشقیاء کے نام لکھنے کے لئے بڑی ضخیم اتنی مجلدات کی ضرورت ہوگی۔

۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۶۵۸۶۸۰۶۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۳۶۵۵۶۷۷۶۶۳

۲۹۶۷۰۳۰۰۰۰۰۰

یہ کل اٹھاون عدد ہیں چھتیس صفر اور بائیس رقوم اور یہ ہزار ہزار ہزار۔۔۔۔ الخ (انیس مرتبہ) ہے ان سب کو اللہ سبحانہ نے چھوٹی کتاب میں جمع فرما دیا ہے جسے مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے اٹھا لیا۔

یہ تعداد تو بیان کردہ عدد کی بنا پر ہے۔ اور جب ہم اسے اس حیثیت سے دیکھیں گے کہ ایک بال کو بیل کے بدن کے بالوں سے کیا نسبت ہے تو اس کی تعداد کی تعبیر ہمارے لئے ممکن نہیں اسی لئے سیدی افضل الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سعداء کے عدد پر مطلع فرمایا ہے اشقیاء کے عدد پر نہیں۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالۃ نبینا الخ)

الیواقیت والجواہر کے باب ۳۶۵ میں فتوحات شریف سے شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کا قول منقول ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ نبوت کا مشاہدہ کیا اور حضرت آدم سے لے کر نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہم وبارک وسلم تک جملہ انبیاء کرام کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان مومنین کو بھی دکھایا جو انبیاء کرام پر ایمان لائے یہاں تک کہ جو موجود ہیں اور جو قیامت تک موجود ہوتے رہیں گے ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا میں نے سب کو دیکھا۔ اور میں نے خواص وعوام سب کو پہچان لیا اور ان تمام نیک لوگوں کو جان لیا جو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت مبارک میں تھے۔ اب ان میں سے کسی بھی جنتی و دوزخی کا حال مجھ سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخیوں کی کثرت کے سبب سے ان کی تعداد کا علم نہیں دیا، کیونکہ دوزخیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (حضور کے علاوہ دوزخیوں کی تعداد کا علم کسی کو نہیں دیا گیا) (حوالہ مذکور)

لامحالہ شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ کے باب ۳۱۵ میں دوزخیوں و جنتیوں کے ناموں کی دونوں کتابوں کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں جو نام مذکور ہیں ان کو اگر پوری مخلوق لکھنے لگے تو انہیں نہ لکھ سکے اور دنیا بھر کے پتے، کاغذ وغیرہ ان کے برابر نہ ہوں گے۔ اور فرمایا کہ یہیں[1] سے معلوم ہو گیا

---

[1] شیخ ابن عربی نے اس کے بعد ایک انتہائی نفیس حکایت بیان کی ہے کہ ایک سیدھا بھولا بھالا شخص حج سے فارغ ہو کر طواف وداع کر رہا تھا اس سے ایک شخص ملا جس نے ازراہ مذاق اس سیدھے بھولے شخص سے کہا کہ ارے بھئی کیا تم نے اللہ سے دوزخ سے نجات کا پروانہ لے لیا اس نے کہا نہیں، کیا اور لوگوں نے لے لیا ہے اس نے کہا ہاں لوگوں نے لے لیا ہے وہ ابلہ (بھولا) شخص رونے لگا اور حطیم کعبہ میں جا کر غلاف کعبہ سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگا اور اللہ تعالیٰ سے دوزخ سے اپنی آزادی کا پروانہ مانگنے لگا، دوسرے لوگ اور اس کے ساتھی اس کو ملامت کرنے لگے اور جتانے لگے کہ فلاں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہے اس شخص کو یقین نہ آیا وہ برابر پروانہ رہائی طلب کرتا رہا وہ اسی حال پر تھا کہ اچانک آسمان سے میزاب کی جانب سے ایک پرچہ گرا جس میں لکھا ہوا

کہ اللہ کی کتابت اور پوری مخلوق کی کتابت میں کیا فرق ہے، یعنی دونوں میں نمایاں اور واضح فرق ہے۔ (فتوحات مکیہ ۳ باب ۳۱۵)

اب وقت آ گیا ہے کہ خدا کی نوشتہ دونوں کتابوں کا تصور کریں اور چھوٹے تنگ ظرف میں عظیم وکبیر جسم کے سما جانے کے معنی ومطلب کو جانیں اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ بے فائدہ اور حیرت انگیز وتعجب خیز امور کا بیان نہیں ہے کیونکہ قدرت خداوندی کی وسعت وفراخی ثابت شدہ امر ہے جس کا کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور صاحب ایمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

بقیہ: تھا کہ ''وہ دوزخ سے آزاد ہے'' وہ ابلہ اس پرچہ سے بے پناہ خوش ہوا اور اس پرچہ کو دیکھنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اس پرچہ کے من جانب اللہ ہونے کی علامت یہ تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر دیکساں پڑھا جاتا تھا پرچہ کے پلٹنے سے اس کی تحریر بھی پلٹ کر اسی جانب سے ہو جاتی جس طرف سے دیکھنے والا دیکھتا۔ اس علامت سے لوگوں کو یقین آ گیا کہ یہ پرچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس کے بعد اسی سے ملتا جلتا اس زمانے کی ایک نیک عورت کا واقعہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

فائدہ جلیلہ

زبان اور دل کے علم میں فرق

اقول، ہاں اے میرے بھائی علم کی دو قسمیں ہیں

۱۔علم باللسان، یعنی زبان کا علم

۲۔علم فی الجنان، یعنی دل کا علم

زبان کے علم سے میری مراد وہ نہیں جو بظاہر اقرار کرے اور بباطن انکار (والعیاذ باللہ) کیونکہ یہ منافقین کی عادت وعلامت ہے۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ

● بعض علم وہ ہے جسے دل کی گہرائیوں سے لیا جاتا ہے وہ دل میں گھر کرتا، اس سے سینہ مطمئن اور دل ٹھنڈا ہوتا، اور اس سے باطن میں رنگ بھر جاتا ہے، لہٰذا جب جب ایسے علم کی تلاش وجستجو کی جائے گی تو اس کی وسعت وکشادگی ہی بڑھے گی اور اسے درجہ قبول پر فائز دیکھو گے، اس سے خوشی ومسرت حاصل ہوگی، یہی دل کا علم ہے۔

● اور بعض علم وہ ہے جس پر قلب ابھارتا اور اکساتا ہے دل میں اس کی کشش و جاذبیت ہوتی ہے ایسی صورت میں دل ناپسندیدہ بات کو مان لیتا ہے اور کبھی دل کو اجمالی حالات کی تابعداری منظور ہوتی ہے کیونکہ اس کو آسان بات پر ابھارتا ہے اور اس کا قبول کرنا بھی آسان ہے مگر جب دل کو اس کے خیالوں سے جدا کر دیا جائے تو اس کا اندھاپن ظاہر ہونے لگتا اور اس کا انکار شروع ہو جاتا ہے اور اگر قبول کرے تو اس کہاوت کے مثل قبول کرتا ہے کہ ''جس ہاتھ کو وہ کاٹ نہ سکا اس کو چوم لیا'' اور اگر عدول واعراض کرے تو راہ راست سے بہک جائے گا۔ یہ وہ بات ہے جس کے رد و انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

پہلی قسم یعنی علم بالّلسان کی مثال میں یہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جسے حاکم نے مستدرک میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج میں زمینی سیر سے مسجد اقصیٰ تک تشریف لے گئے (اور عرش وکرسی وغیرہ کی سیر کر کے رات ہی کو واپس تشریف لائے) صبح کو لوگ اس سلسلے میں مختلف قسم کی باتیں کرنے لگے اس واقعہ سے کچھ مسلمان مرتد ہو گئے اور کچھ مشرکین دوڑتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ اپنے ساتھی (محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس چلئے، وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے تھے، ابوبکر نے کہا کیا ہمارے حضور ایسا فرماتے ہیں مشرکین نے کہا ہاں، وہ ایسا کہتے ہیں ابوبکر نے کہا کہ اگر انہوں نے ایسا کہا تو سچ کہا مشرکین نے پھر کہا کہ اے ابوبکر کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے تھے اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ ابوبکر نے فرمایا کہ میں تو اس سے زیادہ بعید بات میں بھی ان کی تصدیق وتائید کرتا ہوں میں تو ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح وشام ان کے پاس آسمان کی خبریں آیا کرتی ہیں۔ اسی سبب سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "صدیق" مشہور ہوئے۔ اور یہ ان کا لقب قرار پایا۔ (حاکم مستدرک، کتاب المعرفۃ۔ ذکر الاختلاف فی امر الخلافۃ)

علم بالّلسان کی مثال میں دوسری حکایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ابلیس انسانی شکل میں ایک جاہل عابد کے پاس آیا اسے ایک بہت ہی چھوٹی شیشی دکھائی اور پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس شیشی میں آسمان وزمین دونوں کو داخل کر سکتا ہے؟ جاہل عابد نے اسے بار بار دیکھا اور غور کیا پھر کہا کہ یہ تو ایسی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس چھوٹی شیشی میں آسمان وزمین کو داخل نہیں کر سکتا، اسی وقت ادھر سے ایک عالم صاحب کا گزر ہوا ابلیس لعین نے وہی شیشی عالم صاحب کو دکھا کر پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس میں آسمان وزمین کو داخل کر سکتا ہے؟ عالم نے فرمایا کہ ہٹ یہاں سے۔ تو تو

شیطان معلوم ہوتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو صرف آسمان و زمین نہیں بلکہ عرش و کرسی وغیرہ کو بھی سوئی کے ناکا میں داخل فرمادے۔ (لتقط المرجان باحکام الجان، للسیوطی)

یعنی اللہ تعالیٰ اسم قابض (اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام) سے کائنات پر تجلی فرمائے گا تو اسے سمیٹ کر سوئی کے ناکا سے چھوٹا کردے گا، یا اسم باسط (اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام) سے سوئی کے ناکا پر تجلی فرمائے گا تو اسے پھیلا کر کائنات سے زیادہ وسیع وفراخ کردے گا۔

جو لوگ (واقعہ معراج سے) مرتد ہوگئے انہوں نے یا اس عابد جاہل نے اللہ تعالیٰ پر افتراء و بہتان رکھا وہ لوگ اس بات پر ایمان و یقین نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے۔ ہاں کیوں نہیں لیکن ان پر اجمالاً یہ تسلیم کر لینا آسان و سہل تھا۔ مگر جب ان کے سامنے بعض کی تفصیلات آئیں تو ان کے اپنے دھوکہ وفریب کو ان کی عقلیں پہچان نہ سکیں اور وہ خوفزدہ و متحیر ہو کر اس کے منکر ہوگئے یا شک و تردد میں مبتلا ہوئے۔

ہمارے دینی بھائیوں کو اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ و مامون رکھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے یہ آیت کریمہ

• وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل۔۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنزالایمان)

تلاوت کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ہم نے قبول کیا۔

اور جب ان سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ روایت

تجلی لی کل شئی و عرفت (در منثور ۵، تحت آیت قل ھونبأ عظیم)

مجھ پر ہر چیز روشن ہوئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔

بیان کی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں

لیکن ان سے جب اجمال کی بعض تفصیلات کا ذکر کیا جائے تو ان پر خوف و گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی عقلیں اس بات کو تسلیم کرنے کی عادی نہیں ہیں جیسے ان سے اگر یہ کہا جائے کہ ایک ذات اقدس کو ما کان و ما یکون کے علوم و

معارف عطا کئے گئے تو وہ اس میں تاویلیں کرنے لگ جاتے ہیں بلکہ اگران سے کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو قرآن عظیم سے اپنے اونٹ کی گمشدہ رسی پالیتے ہیں تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے۔اوراس کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

لہٰذا اگران کے دلوں میں تفصیلات کا بعیداز قیاس ہونے کا معاملہ باقی نہ رہتا اور وہ بادشاہ جلیل پراس کو زیادہ نہ سمجھتے تو انہیں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح یہ کہتے کہ ''جو تم کہتے ہو وہ ہمارے رب ذوالجلال پر کچھ مشکل نہیں ہے اور میں تو اس سے زیادہ مشکل و بعید بات کی تصدیق کرتا ہوں۔

اے بھائی! اسی سبب سے میں نے وہ باتیں زیادہ بیان کردیں جو متردد انسان کو تصدیق وتسلیم کی منزل سے قریب تر کردیتیں اور قبول وتحقیق کے گھاٹ اتار دیتی ہیں کیونکہ کانوں سے جب کوئی آواز بار بار ٹکراتی ہے تو دل کی نفرتیں کم ہو جاتی ہیں اور اس کا قبول کرلینا آسان ہو جاتا ہے۔

واللہ یقول الحق و یھدی الی السبیل وحسبنا اللہ و نعم الوکیل

فائدہ جلیلہ

مومن کو یہ بحث کافی ہے

قدرت باری تعالیٰ کے منکرین کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے علم یا کسی چیز کو اس کے لئے کثیر و زیادہ نہیں سمجھتے بلکہ یہ بات تو ہم ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کے تمام علوم کا ایک بندہ میں جمع ہونا اور اس بندہ کا ان علوم کا احاطہ کرنا انتہائی بعید از قیاس بات ہے۔

اقول، کبھی تم قرآن عظیم کو دیکھتے ہو تو وہ تمہیں بظاہر کاغذ و سیاہی کی صورت میں نظر آتا ہے اور کبھی تم ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو تو بظاہر صرف حضور کے خد و خال دیکھتے ہو، اسی بات کو عارف باللہ امام اجل محمد بلخی رومی قدس سرہٗ مثنوی شریف میں اس طرح فرماتے ہیں

توز قرآن اے پسر ظاہر مبین — دیو آدم رانہ بیند غیر طین
ظاہر قرآں چو شخص آدمی است — کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

(مثنوی دفتر ثالث)

حاصل یہ ہے کہ اے لڑکے! اپنی نظر کو صرف ظاہر قرآن پر محدود نہ رکھ کیونکہ اس کا ظاہر بدن انسان کے مانند ہے، اس کے نقوش ظاہر اور اس کی روح پوشیدہ ہے، مولانا روم فرماتے ہیں کہ تم ابلیس لعین سے بچو کیونکہ اس نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو مٹی کے سوا کچھ نہ دیکھا نہ کچھ سمجھا اور ابلیس نے یہ کہا

ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا (الاسراء۔۶۱)

کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا۔ (کنزالایمان)

اور یہ کہا

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف ـ ۱۲)

بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا

(کنزالایمان)

اور اگر ابلیس قرآن مقدس کے باطن کو دیکھتا جس کی طرف اس آیت کریمہ سے اشارہ کیا گیا ہے

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ ـ ۳۰)

فرمایا مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (کنزالایمان)

تو ابلیس لعین سجدہ کے لئے فتنہ وفساد میں مبتلا نہ ہوتا اور نہ آگ و مٹی کے مسئلہ پر قائم و جامد رہتا۔ اے لڑکے! تم شیاطین کے ساتھی بننے سے احتراز کرو۔ قسم خدا کی اگر تم پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور باطن کی تجلی سوئی کی نوک کے برابر ظاہر ہو جائے تو تم تمام ماکان و مایکون کے علوم کو حقیر سمجھنے لگو یہ بات اس کے نزدیک ہے جو یہ خبر سننے کا اہل ہے۔ نااہل کو ان حقائق سے محروم و دور رکھا گیا ہے۔

یا تو اللہ کی قدرت تسلیم کرو یا یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماکان و مایکون کا علم دیا گیا اسے قبول کرو ان دونوں باتوں میں سے ایک کو یا دونوں کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (النحل ـ ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنزالایمان)

اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

تجلی لی کل شئی و عرفت (درمنثورہ تحت آیت قل ھو نبأ عظیم)

مجھ پر ہر چیز روشن و ظاہر ہوئی اور میں نے ہر ایک کو پہچان لیا۔

لہٰذا تاویل وتحویل کے سہارا لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کثیر وزیادہ سمجھا گیا یا اسے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیت سے باہر مانا گیا۔ یہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کے سب باطنی مرض اور دل کا بخار ہے اور یہ ابلیس لعین کے قول ''خلقتہ من طین '' کا عکس خودی ہے۔ خدا کے لئے تم اپنے دین ومذہب کی حفاظت کرو، شیطان اور اس کے مکر وفریب سے دور رہو دین کے معاملہ میں تمہیں میری یہ نصیحت ہے۔ اگر تم نصیحت کرنے والوں کو پسند کرتے اور انہیں محبوب جانتے ہو تو ان کی ناصحانہ وخیر خواہانہ باتوں پر عمل ویقین کرو۔

والحمد للہ رب العلمین

قول خصوص کی طرف بحث کا رخ اور اس کا مطلب

وہاب علوم کے فضل و شکر سے جب ہم نے قرآن کے عموم علم کے ارکان و اجزاء کو مضبوط و مستحکم کیا اور اسے فکر و سمجھ سے قریب کر دیا۔ اب ہم مخالفین کے وہم و گمان کی طرف راغب و متوجہ ہوں گے اور ان سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کو اجاگر و واضح کریں گے اس سلسلے میں ہماری گفتگو چند طرح سے ہوگی، ہم اسے اللہ کی توفیق و قوت سے بیان کر رہے ہیں۔

اولاً: جس کے ذریعہ مخالف و غیر مخالف کی معرفت و پہچان ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس کسی نے کوئی خاص چیز بیان کی تو خصوص کے قائلین نے اس سے یہ سمجھا کہ یہ دلیل تخصیص سے ملتی جلتی بات ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے جو انہوں نے سمجھا۔

ثانیاً: جن لوگوں نے علوم قرآنیہ کو خاص کیا انہوں نے بھی انجانے میں عموم ثابت کیا۔

ثالثاً: جس چیز یا جس داعیہ نے قائلین خصوص کو تخصیص عام پر اکسایا وہ باطل وہم ہے اسے استقرار و پائیداری نہیں۔

رابعاً: جو دلائل انہوں نے خصوص پر دیئے ہیں وہ سب خود ساختہ اور بناوٹی ہیں ان سے نہ وہ موٹے ہوں گے نہ بھوک سے بے نیاز۔ تخصیص کے بعد بھی ان کا محذور باقی ہے انہیں اس سے چھٹکارا دینے والا کوئی نہیں۔

خامساً: مخالفین کے ان شبہات کی وضاحت جن سے وہ عموم کے قریب ہوئے

اور جن شبہات کی بنا پر نصوص کو کھینچ کر انہوں نے خصوص کی تنگ کوٹھری میں کر دیا۔ ایسے ہی وقت میں حق کے لئے سر جھک جاتے اور علم سے قلوب و اذہان مسرور ہو جاتے ہیں جہاں نفس یہ کہتا ہے کہ دلہن کے بعد پھر کسی عطر کی حاجت نہیں۔ ہم اس مضمون کو چند فصلوں میں بیان کریں گے۔ لہٰذا اللہ کی توفیق و مدد سے ہم کہتے ہیں۔

فصل

خصوص کے قائل صرف بعض متاخرین ہیں

علوم قرآنیہ کو محدود و منحصر کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ عامہ ائمہ کرام ان آیات میں تخصیص کے قائل ہیں جو علوم قرآنیہ کے عموم میں تلاوت کی گئی ہیں۔

اقول، یہ صرف ایک ظن وتخمین ہے اگر وہ فطانت وفراست کا دامن ہاتھ سے پکڑے رہتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ تخصیص کے قائل بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان آیات کی تفسیر میں کچھ بھی منقول نہیں جو خصوص کے لئے مفید ہیں ہاں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ تو عموم میں ظاہر نص کا درجہ رکھتا ہے اور صحابہ کرام کے بعد جو تابعین، تبع تابعین اور ائمہ سلف ہیں ان سے بھی کوئی ایسی تصریح بالکل نظر نہ آئی کہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں ہاں ان کے مرویات کی حد وانتہا یہ ہے کہ انہوں نے ان آیات کی تفسیر میں کچھ خاص چیزیں ذکر کی ہیں جبکہ ان میں سے کوئی بھی چیز تخصیص پر دلیل نہیں ہے کیونکہ عام سے خاص کا ذکر یا کثیر سے قلیل کا ذکر چند مختلف درست ومفید وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ان میں سے بعض کو ہم ابھی ذکر کریں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمادیا ہے۔

صرف ذکر میں شئی کی تخصیص کے احتمالات

۱۔ **فاقول**، ان احتمالات میں سے ایک احتمال حفظ عموم ہے جیسے مریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران۔۴۲)

اور آج سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا (کنزالایمان)

حالانکہ حضرت مریم اپنے زمانے کے اکثر مردوں سے بھی افضل ہیں اور مردوں میں بعض حضرت مریم سے بھی افضل ہیں جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور خود مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وعلیہا وبارک وسلم۔

اور جیسے حضرات حسنین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان کہ "حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حالانکہ حضرات حسنین ہزاروں جنتی بوڑھوں کے بھی سردار ہیں اور جنتی لوگوں میں بعض حسنین سے بھی افضل ہیں جیسے خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے جس میں کوئی تنازع نہیں ہے اس پر اقتصار و اکتفا کرنا، جیسے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ۔۳)

روز جزا کا مالک (کنزالایمان)

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (الانفطار۔۱۹)

اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے (کنزالایمان)

۳۔انہیں احتمالات میں سے ہے جو اس خصوص میں مخالف ہے اس کا رد کرنا جیسے

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم۔۴۹)

اور یہ کہ وہی ستارہ شعریٰ کا رب ہے۔ جو کہ شدت گرما میں جوزاء کے بعد طالع ہوتا ہے اہل جاہلیت اس کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ سب کا رب اللہ ہے اس ستارہ کا رب بھی اللہ ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو۔

(کنزالایمان وخزائن العرفان)

یہ آیت ستارہ شعریٰ کے پجاریوں کا رد ہے۔ اسی قبیل سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان اقدس ہے کہ "پانچ چیزیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی تحقیق عنقریب آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویاۃ، بریدہ اسلمی)

۴۔انہیں احتمالات میں سے ہے جس کا زیادہ اہتمام ہو اس کی خصوصیت بیان کرنا اس لئے کہ کسی چیز کا خاص طور پہ ذکر کرنا اس کی زیادتی کی دلیل ہے جو عموم کے ضمن میں موجود ہے جیسے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ (یٰس۔۶)

تا کہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے۔ (کنزالایمان)

اس فرمان باری تعالیٰ کے ساتھ

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا بھی ہے۔ (الفرقان۔۱)

جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (کنزالایمان)

۵۔انہیں احتمالات میں سے ہے مناسبت مقام جیسے

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (حم السجدۃ۔۴۰)

جو جی میں آئے کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (کنزالایمان)

اسی قبیل سے "ان اللہ سمیع علیم" جیسی آیات میں مفسرین کے اقوال

ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اقوال سنتا، ان کے احوال جانتا ہے۔ ابن جریر اور جلالین نے اس کی اور بھی مثالیں دی ہیں۔ (جلالین، البقرۃ آیت ۲۲۴)

۶۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اس پر اقتصار کرنا جس میں سامعین کو اختیار کرنے کی کوئی سبیل ہو۔ جیسے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

(الاسراء۔۱)

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

(کنزالایمان)

۷۔ انہیں احتمالات میں سے ہے ایسی چیز کا ذکر کرنا جو مخاطب کو قبول کرنے پر ابھارے۔ جیسے

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ ہٰذِہِ الۡبَلۡدَۃِ الَّذِیۡ حَرَّمَہَا (النمل۔۹۱)

مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ پوجوں اس شہر کے رب کو جس نے اسے حرمت والا کیا۔

(کنزالایمان)

۸۔ انہیں احتمالات میں سے ہے شرف مذکور کا اظہار کرنا جیسے

فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ (قریش۔۳)

تو انہیں چاہئے اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔ (کنزالایمان)

۹۔ انہیں احتمالات میں سے ہے علت حکم کی طرف اشارہ کرنا جیسے

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّکُمُ (البقرۃ۔۲۱)

اے لوگو اپنے رب کو پوجو۔ (کنزالایمان)

۱۰۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، رد کرنے میں بقدر ضرورت اقتصار کرنا، جیسے فرعون اور اس کے گروہ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان

قَالَ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ (الشعراء۔۲۶)

رب تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ (کنزالایمان)

۱۱۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، حاضر پر اقتصار کرنا تا کہ غائب پر استدلال ہو سکے۔ جیسے

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (الصافات۔۵)

مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ (کنزالایمان)

۱۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے خفی کی طرف ایصال کا ارادہ کئے بغیر ظاہر پر اقتصار کرنا جیسے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ (الانعام۔۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے۔

(کنزالایمان)

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ ذکر میں زمین کی چیزوں کی تخصیص ہے آسمانی چیزوں کی نہیں کیونکہ اس میں صرف ظاہر پر استدلال کیا گیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۲)

۱۳۔ انہیں احتمالات میں سے ہے بعض صفات جلیلہ پر تنبیہ کرنا۔ جیسے

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمٰن۔۱۷)

دونوں پورب کا رب اور دونوں پچھم کا رب۔ (کنزالایمان)

یعنی صبح کو نمودار کرنے والا۔

۱۴۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اکتفا کرنا۔ جیسے رب المشارق یعنی مشرق ومغرب دونوں کا رب۔

۱۵۔ انہیں احتمالات میں سے ہے مبطل سے باطل کی طمع کو ختم کرنا۔ جیسے

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (الشعراء۔ ۴۷، ۴۸)

جادوگر بولے ہم ایمان لائے اس پر جو سارے جہان کا رب ہے جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ (کنزالایمان)

تاکہ نمرود کی طرح فرعون لعین یہ نہ کہے کہ میں رب اکبر ہوں۔

۱۶۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، خلاف کا وہم زائل کرنا۔ جیسے

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا

(البقرۃ۔۱۳۳)

بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق کا ایک خدا۔ (کنز الایمان)

۱۷۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، اشراف و افاضل پر اقتصار کرنا۔ جیسے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس، ۱، ۲، ۳)

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا۔ (کنز الایمان)

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”میں اولاد آدم کا سردار ہوں“ حالانکہ حضور دونوں جہان کے سردار و سید ہیں۔

(مسلم باب فضل نسب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۱۸۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، تخصیص سے تعمیم کرنا یعنی خاص کا ذکر عام کو مستلزم ہے جیسے

وَاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ (ص، ۷۸)

بیشک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔ (کنز الایمان)

۱۹۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، مخاطب کے مبلغ علم پر اقتصار کرنا جیسے

اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ (الشعراء، ۱۳۲)

تمہاری مدد کی ان چیزوں سے کہ تمہیں معلوم ہیں۔ (کنز الایمان)

۲۰۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، سب سے بڑے مخاطب پر اقتصار کرنا جیسے

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ (الشعراء، ۱۳۳)

تمہاری مدد کی چوپایوں اور بیٹوں سے۔ (کنز الایمان)

۲۱۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، حصول کی سہولت۔ جیسے

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ (الذاریات،۲۰)

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو۔ (کنز الایمان)

رغائب القرآن میں ہے کہ آیات ارضیہ کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حواس سے قریب ہیں۔

(غرائب القرآن ورغائب الفرقان، نظام حسن بن محمد، آیت فی اموالھم الایۃ)

۲۲۔ انہیں احتمالات میں سے ہے، نام خالص پر اقتصار کرنا جیسے

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ (التوبہ،۶۱)

جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔ (کنز الایمان)

حالانکہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں جہان کے لئے رحمت ہیں۔

یہ بیس سے زائد مثالیں ہیں اگر کوئی مثال باقی رہ گئی ہے تو ہم مقصود سے خارج ہونے کے خوف سے اسے اسی نوع میں پورا کردیں گے۔

قرآن ذووجوہ ہے اور وہ تمام ہی وجوہ سے حجت ہے

تفاسیر کا دیکھنے والا جانتا ہے خاص طور پر آثار صحابہ سے جو تفاسیر مروی و منقول ہیں ان کے جاننے والے پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں کہ صحابہ کرام ایک آیت کی تفسیر میں اقوال کثیرہ ذکر کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی قول ایک دوسرے سے متضاد و مخالف نہیں ہوتا بلکہ آیت ان تمام معانی کو شامل ہوتی ہے۔ اس سے جاہل شخص یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کے درمیان یہ اختلاف ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک اسی معنی کو ذکر کرتے ہیں جو اس آیت کا معنی و مفہوم ہوتا ہے اور آیت اس کو شامل ہوتی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ آیت اسی معنی میں محصور ہے جو ہم نے مراد لیا ہے۔ ایسی تفسیریں بہت زیادہ اور اتنی مشہور ہیں کہ ان کی مثال و نظیر کی حاجت نہیں۔

امام زرکشی، برہان میں اور امام جلال الدین سیوطی ''اتقان'' میں فرماتے ہیں کہ'' کبھی مفسرین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ میں عبارات مروی ہوتی ہیں بے عقل اس سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ محققین کا اختلاف ہے پھر وہ الفاظ و عبارات کے اختلاف کو اقوال کثیرہ سمجھ کر بیان کر دیتا ہے، حالانکہ بات ایسی نہیں بلکہ سب نے آیت کا معنی ہی ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک وہی معنی ظاہر و درست یا سائل کی حالت کے مناسب ہے۔ اور کبھی بعض مفسرین لازم شئی اور اس کی نظیر کو بیان کرتے ہیں اور کوئی اس کے مقصود و نتیجہ کو مگر ہر ایک زیادہ تر ایک ہی معنی کی تاویل و توضیح کرتے ہیں۔ (الاتقان، نوع ۷۸ فی معرفۃ شروط المفسر و آدابہ)

اقول ،اس کی نظیر بذات خود یہی کلام مذکور ہے۔ کسی معنی کے ظاہر یا حالت سائل کے مناسب ہونے میں مفسر کا جو قول ہے اس پر حصر مرادی نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں کہ مفسر نے ایک معنی کو کسی پر محمول کر کے حصر مراد لیا ہو اور نہ معنی، ان ہی دونوں حالتوں میں محصور و محدود ہے جیسا کہ میرے بیان سے ظاہر و واضح ہوا کہ یہ بات حق کے متلاشی کے لئے ظاہر و عیاں ہے اسی سبب سے محققین کے نزدیک آیات کو تمام معانی محتملہ پر محمول کرنا واجب ہے۔

امام زرکشی و امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اگر دو معنی کا اجتماع کسی چیز میں ایک دوسرے کے منافی ہو اور ایک لفظ میں دونوں ایک ساتھ مراد لینا ممکن نہ ہو تو مجتہد دونوں کی مراد متعین کرنے کے لئے دلائل و قرائن کا سہارا لے کر اجتہاد کرے گا۔ اجتہاد کے بعد جو اس کا ظن غالب ہو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی وہی مراد متعین ہوگی اگر مجتہد کے لئے کوئی چیز واضح نہ ہو تو اسے کیا یہ اختیار ہے کہ وہ دونوں معنوں میں سے جس پر چاہے محمول کرے یا اس سے جو سخت حکم ہے وہ لے یا خفیف اقوال پر عمل کرے؟

اور اگر دونوں معنی آپس میں متضاد و متنافی نہ ہوں تو محققین کے نزدیک دونوں پر حمل واجب ہے یہ بات قرآن عظیم کے اعجاز و فصاحت میں زیادہ بلیغ ہے ہاں اگر دونوں معنی میں سے ایک کی مراد پر کوئی دلیل دلالت کرے تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔

(الاتقان نوع ۷۸ فی معرفۃ شروط المفسر وآدابہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ " آدمی کامل فقیہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ قرآن کریم کے وجوہ کثیرہ کو نہ دیکھے۔ مقاتل نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (ابونعیم حلیۃ الاولیاء ترجمہ ابی الدرداء)

اور امام سیوطی نے ان کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ آدمی ایک لفظ میں متعدد معانی کا احتمال دیکھے اور اس لفظ کو انہیں معانی پر محمول کردے جبکہ یہ معانی آپس میں متضاد و

متناقض نہ ہوں اور اس پر لازم ہے کہ وہ صرف ایک معنی پر اکتفا نہ کرے۔

(اتقان ۹ ۷ نوع ۳۹ فی معرفۃ الوجوہ)

وہ لوگ جو علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائل ہیں اگر ایک ہی معنی مراد لیں گے تو آیت کو اس کے تمام معانی پر محمول کرنے کا باطل ہونا لازم آئے گا اور یہ بات اتفاق محققین کے خلاف ہے۔

سعید بن منصور سنن میں، ابن منذر و بیہقی ''کتاب الرویۃ'' میں سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں قرآن تو ایک جامع اور عمدہ کلام ہے البتہ اس سے یہ اور یہ مراد لیا جاتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے قرآن کا معجزہ قرار دیا ہے کہ ایک کلمہ کے بیس بیس وجوہ نکلتے ہیں، یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔

(الاتقان نوع ۳۹ فی معرفۃ الوجوہ والنظائر)

۱۱ یہ تو ایک عام وجہ ہے ''رسالہ غایۃ المامول'' نے آیت کریمہ ''**ما فرطنا فی الکتاب من شئی**'' (ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی) کے جواب میں جس کا ارتکاب کیا اس کا دفاع ہو چکا ہے۔ رسالہ نے ص ۵ پر ابن جریر سے نقل کیا کہ ''آیت میں جو لفظ 'الکتاب' ہے اسے لوح محفوظ پر محمول کیا گیا ہے'' پھر رسالہ نے ص ۶ پر کہا کہ ''آیت کو لوح محفوظ پر محمول کرنے کی صورت میں بھی ہمارے مقصود سے آیت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' لہٰذا متنبہ و خبردار ہو جاؤ۔

اور تمہیں معلوم نہیں کہ چند وجوہ میں سے ایک پر قرآن کے حجت ہونے میں اقوال کثیرہ کو چھوڑ دیا جائے تو اکثر کتاب کا درجۂ احتجاج سے ساقط ہونا لازم آئے گا، کاش رسالہ اس کو بیان کر دیتا جس پر اس نے تنبیہ کی پھر اسی کے متصل امام رازی کا قول نقل کیا کہ ''آیت مذکورہ میں 'الکتاب' کی مراد میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے'' اور دوسرا قول یہ ہے کہ کتاب سے مراد، قرآن ہے

یہ زیادہ ظاہر و درست ہے، امام رازی نے یہاں تک فرمایا کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے۔۔۔۔انتھی۔۔۔۔متنبہ ہو جاؤ۔۔۔۔تاکہ ہم امام رازی کے کلام کا یہی مطلب اور یہی وجہ سمجھیں۔

میں پھر کہتا ہوں اس خصوص کے بیان کے بارے میں جس میں کلام گردش کر رہا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (الانعام،۱۵۴)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نکوکار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت کہ کہیں وہ (بنی اسرائیل) اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔ (کنزالایمان)

ابن ابی حاتم، عبد بن حمید اور ابن منذر مجاہد سے روایت کرتے ہیں، امام مجاہد آیہ کریمہ "تفصیلا لکل شئی" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تفصیل سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۱۱۶)

ابن ابی حاتم مجاہد ہی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے توریت کی تختیوں کو نیچے ڈال دیا تو ہدایت و رحمت باقی رہی اور تفصیل چلی گئی، لہٰذا غور کرو اور دیکھو کہ امام مجاہد نے جس طرح "تفصیل کل شی" کی تفسیر امر و نہی سے کی اسی طرح قرآن کے حق میں بھی "تبیانا لکل شئی" کی تفسیر امر و نہی سے کی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۱۱۵)

ابن جریر و ابن منذر امام مجاہد سے آیہ کریمہ "تبیانا لکل شئی" کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ اگر اس کی مراد محدود و مخصوص شئی ہو تو "ذهب التفصیل" کا مطلب و معنی یہ ہوگا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے توریت کے الواح ڈال دیئے تو امر و نہی چلے گئے۔ ایسا وہم و خیال کسی عاقل و زیرک کو نہیں ہوگا کہ

جب امر و نہی رخصت ہو جائیں گے تو پھر کون سی ہدایت باقی رہے گی؟

بلکہ عام کے درمیان سے خاص کا ذکر قطعاً مراد لینا یا اس لئے ہے کہ وہ اہم ہے یا اس لئے کہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے یا اس لئے کہ یہ اکثر لوگوں کا مبلغ علم ہے یا اس لئے کہ یہ لوگوں کی بڑی مراد ہے یا اس لئے کہ یہ لوگوں کی فہم وفراست سے قریب ہے یا واضح وظاہر حال پر اقتصار کے لئے، اس کے علاوہ جو بھی تخصیص بالذکر کے وجوہ ہوں۔ لہٰذا توریت سے ماکان ومایکون کی تفصیل لے جانے والا اور امر و نہی کو باقی رکھنے والا قادر مطلق ہے اس کا فرمان "تفصیلا لکل شئی" صادق و برحق ہے اور اس سے زیادہ کس کی بات سچی۔

بلکہ ظاہر توریت سے تفصیلات کا چلا جانا یعنی الواح توریت کے سات اجزاء میں سے چھ جزء کی ان عبارتوں کا چلا جانا جن میں ماکان ومایکون کی تفصیلات ہیں اور ساتویں جزء کا باقی رہنا جو احکام وشرائع پر مشتمل ہے یہ توریت کے بطون میں تفصیل مذکور کے باقی رہنے کے منافی نہیں جیسا کہ بطون قرآن میں تفصیلات موجود ہیں۔

ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو توریت، زبرجد کی سات تختیوں میں عطا فرمائی ان میں ہر چیز کا روشن بیان اور موعظت ونصیحت تھی جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام توریت لے کر آئے دیکھا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا میں منہمک ہیں تو انہوں نے توریت کو ہاتھ سے نیچے گرا دیا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے چھ اجزاء اٹھا لئے اور ایک جزء باقی رہا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ۵ حدیث ۸۹۵۷)

توریت میں قیامت تک رونما ہونے والے واقعات کا بیان موجود ہے

کعب کا علم بالمغیب

طبرانی کبیر میں بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کرتے ہیں محمد بن یزید ثقفی نے کہا کہ قیس بن خرشہ اور کعب احبار دونوں ایک ساتھ ایک جگہ گئے جب دونوں مقام صفین میں پہنچے کعب رک گئے تھوڑی دیر ادھر ادھر دیکھا اور کہا کہ اس جگہ مسلمانوں کا اتنا خون بہے گا کہ روئے زمین میں اس کے مثل کسی اور جگہ نہیں بہایا جائے گا۔ قیس نے کہا اے کعب آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیونکہ یہ تو غیب کی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ کعب احبار نے فرمایا کہ زمین میں کوئی بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جس کا بیان توریت میں نہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے۔ روئے زمین پر جو واقعات وحالات قیامت تک پیش آئیں گے ان سب کا بیان توریت میں موجود ہے۔ (دلائل النبوۃ بیہقی، باب ماروی فی اخبارہ الخ)

قیس بن خرشہ فرماتے ہیں کہ کعب احبار واقعہ صفین سے پہلے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں انتقال کر گئے۔ (واقعہ صفین سے مراد وہ جنگ ہے جو حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مقام صفین میں برپا ہوئی تھی)

کعب احبار کو قیامت تک ہونے والے واقعات کا علم تھا

ابن جریر کعب احبار سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا اے امیر المومنین! اگر قرآن عظیم میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک پیش آنے والے تمام واقعات کی خبر دے دیتا امیر المومنین عمر نے فرمایا کہ وہ آیت کون سی ہے؟ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ

(الرعد، ۳۹)

اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

(کنزالایمان) (جامع البیان، طبری ۱۳، آیت یمحوا اللہ مایشاء)

اقول، یہ فرمان باری تعالیٰ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ باطن کا معاملہ ہے کیونکہ انسان کی فکر و فہم میں خطا ہو سکتی ہے اس لئے کعب احبار نے اس آیت کے پیش نظر قیامت تک کے احوال کی خبر نہ دی۔ انسانی فہم میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن کتاب اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی نہ اس کے کلمات کو کوئی بدل سکتا ہے وہ سنتا جانتا ہے۔

آیات خمس کی مراد

ثالثا: علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائلین اگر محدود تفصیلات مراد لیں تو آیات آپس میں متناقض و متباین ہو جائیں گی اور مفسرین کی رائے ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں پانچ آیات پیش کی جاتی ہیں

سورہ انعام میں ہے

۱۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (کنزالایمان)

سورہ یونس میں ہے

۲۔ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس، ۳۷)

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ (کنزالایمان)

سورہ یوسف میں ہے

۳۔ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

(یوسف، ۱۱۱)

لیکن اپنے سے اگلے کاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔ (کنزالایمان)

سورہ نحل میں ہے

۴۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنزالایمان)

سورہ اسراء میں ہے

۵۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (الاسراء، ۱۲)

اور ہم نے ہر چیز خوب جدا جدا ظاہر فرما دی۔ (کنزالایمان)

● ابو السعود محمد بن محمد العمادی نے اپنی کتاب "ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم" میں تیسری آیت کے بارے میں فرمایا کہ یہاں تفصیل سے مراد وہ ہے جس کی دین میں ضرورت پڑتی ہے اور چوتھی آیت میں "کل شئی" امور دین سے متعلق ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جو چیز دین سے متعلق ہے ضروری نہیں کہ دین میں اس کی ضرورت بھی پڑے۔ اور دوسری آیت میں مراد وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے

حقائق وشرائع میں سے ثابت وباقی رکھا اور لکھا ہے۔ اور پہلی آیت میں یہ ہے کہ ہم نے قرآن عظیم میں کسی بھی اہم چیز کا بیان نہیں چھوڑا اور پانچویں آیت ''کل شئی '' سے مراد وہ ہے جس کی معاش ومعاد میں ضرورت پڑتی ہے البتہ وہ چیز جس کو رات اور دن کے لئے علامت ونشانی قرار دیا گیا اور وہ چیز جس سے دینی ودنیاوی منافع متعلق ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہے۔ ''فصلناہ تفصیلا'' سے مراد یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم میں ایسا واضح بلیغ بیان فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کا التباس واشتباہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل،۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنز الایمان)

لہٰذا ان سب آیات میں باہم تفاوت ہے۔ خاص طور سے پہلی اور پانچویں آیتوں کے درمیان فرق زیادہ ہے گویا کہ وہ نقیض کے دو کناروں پر ہیں۔

(ارشاد العقل السلیم، قاضی ابوالسعود ج۲ تحت آیات مذکورہ)

● خازن نے ''لباب التاویل'' میں دوسری آیت کے بارے میں فرمایا کہ قرآن میں جو حلال وحرام اور فرائض واحکام ہیں ان کی تفصیل وتوضیح مراد ہے۔ اور چوتھی آیت میں ''کل شئی '' سے مراد امور دین ہیں تیسری آیت میں 'تفصیل کل شئی'' سے مراد حلال وحرام، حدود وقصاص، احکام ومواعظ اور امثال ونظائر وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کی بندے کو دینی ودنیاوی معاملے میں حاجت ہوتی ہے. پانچویں آیت میں 'کل شئی '' سے مراد وہ چیز ہے جس کی دنیا ودین کے معاملے میں تمہیں ضرورت پڑتی ہے۔ ہم نے اسے واضح طور پر بیان فرمایا جس میں کسی سے کوئی التباس واشتباہ نہیں ہے۔

(لباب التاویل، علاء الدین علی بن محمد، تحت آیات مذکورہ)

● پہلی آیت کے بارے میں یہ گزر چکا ہے کہ قرآن عظیم تمام احوال پر مشتمل ہے۔

● امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ چوتھی آیت 'کل شئی '' سے مراد وہ

ہے کہ شریعت کے معاملے میں لوگوں کو جس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تیسری آیت میں ''کل شئی'' سے مراد وہ ہے جس کی دین میں حاجت ہوتی ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام وقوانین وغیرہ مراد ہیں اور پانچویں آیت میں ''کل شئی'' سے مراد وہ ہے جس کی حاجت وضرورت ہو۔ (جلالین للسیوطی، تحت آیات مذکورہ)

● جمل میں چوتھی آیت کے بارے میں یہی ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ پانچویں آیت کے بارے فرمایا کہ ''کل شئی'' سے دنیا ودین میں پیش آنے والی چیزیں مراد ہیں، ہم نے ان کی ایسی توضیح وتفصیل پیش کی ہے جس پر اب مزید کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ اور دوسری آیت میں لوح محفوظ کا نوشتہ قدرت مراد ہے۔

(فتوحات الھیہ، جلالین، تحت آیات مذکورہ)

● امام کرخی نے جمل کے مانند توضیح کی ہے اور چوتھی و پانچویں آیات میں انہوں نے جمل ہی کا کلام نقل کیا ہے۔

● کشاف نے دوسری آیت کے بارے میں کہا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکام وشرائع مراد ہیں۔ تیسری آیت میں ''کل شئی'' سے مراد وہ ہے جس کی دین میں ضرورت ہوتی ہے۔ چوتھی آیت میں ''لکل شئی'' امور دین سے متعلق ہے اور پانچویں آیت میں بیضاوی کے مثل توضیح ہے۔ (تفسیر کشاف، تحت آیات مذکورہ)

● مدارک نے جملہ آیات میں بیضاوی کی مانند تشریح کی ہے اور پہلی آیت کے بارے فرمایا کہ ''الکتاب'' سے مراد قرآن ہے اور ''من شئی'' سے مراد ضرورت کی چیزیں اور یہ ان چیزوں پر مشتمل ہے جنہیں ہم نے عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالت النص اور اقتضاء النص سے عبارت سمجھا ہے۔ پہلی اور پانچویں آیات میں ''شئی'' مطلق ہے اس سے مراد ہر ضرورت کی چیز ہے اور اگر لفظ ''شئی'' کے بعد کوئی قید ہوتی تو تیسری آیت کے مثل ہر چیز کی تفصیل مراد ہوتی۔

(مدارک التنزیل سورہ انعام تحت آیت وما من دابۃ الایۃ)

● بیضاوی نے پہلی اور تیسری آیات کے بارے میں فرمایا کہ دین میں جس کی حاجت ہو وہ مراد ہے۔ چوتھی آیت میں "کل شئی "امور دین سے متعلق ہے۔ پانچویں آیت میں "کل شئی " سے دین و دنیا کی ضروری چیزیں مراد ہیں جنہیں ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ان کے آپس میں کچھ اشتباہ والتباس نہیں ہے۔

(تفسیر بیضاوی تحت آیت مذکورہ)

بیان مذکور سے واضح ہوا کہ مفسرین کے الفاظ کا متفاوت ہونا کسی عاقل و ذہین پر پوشیدہ نہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعض الفاظ بعض کو شامل ہیں۔ اگر خصوص کے قائلین محدود معانی مراد لیں تو تناقض لازم آئے گا اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے بعض آیات میں محدود معانی پر اکتفا کیا ہے حالانکہ یہ بعض بھی بعض مشمولات سے زیادہ ہیں پھر ہر آیت میں جملہ تفصیلات مراد لینے سے کون سی چیز مانع ہے۔ اسے پہچانو اور سمجھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصل

علوم قرآنیہ میں خصوص کے قائلین عموم کا اعتراف کر گئے اگرچہ انہیں اس کی خبر نہ ہوئی

اللہ کا شکر ہے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ قول تخصیص کی نسبت اس کے لئے درست ہو گی جس نے عموم کی نفی ظاہر کردی ہو ایسے لوگ علماء متاخرین میں بہت ہی تھوڑے ہیں جنہوں نے صراحۃً خصوص کا دعویٰ کیا (اور نفی عموم کا اظہار) جیسے امام واحدی، امام رازی اور نیشا پوری، مگر نیشا پوری نے امام رازی ہی کے کلام کی تلخیص کی ہے اور یہی ان کی کتاب کا موضوع ہے البتہ اوقاف، قرأت اور تاویل کی ابحاث میں نیشا پوری نے کلام رازی کا سہارا نہیں لیا ہے۔

وانا اقول (اور میں کہتا ہوں) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی زبان پر ایسے کلمات جاری فرما دیئے اگر وہ ان کی تلاش وجستجو کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے بھی عموم کا اعتراف کرلیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام رازی نے اپنے کلام میں ذرا لچک پیدا کی اور فرمایا کہ "**کل شئی**" کے بیان سے مراد وہ ہے جو دین اور اس کی تفصیلات سے متعلق ہے، لہٰذا چوتھی آیت کے تحت میں فرمایا کہ علوم دین، اصول و فروع ہیں اور یہی توضیح پہلی آیت کے تحت میں بھی ہے، تیسری آیت کے بارے میں

فرمایا کہ دین سے متعلق تمام چیزیں مراد ہیں۔ اور دوسری آیت کے تحت میں علوم دینیہ کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں دینیہ اور غیر دینیہ۔

پہلی قسم زیادہ بلند و عمدہ ہے

علوم دینیہ یہ ہیں۔ علم عقائد و علم اعمال

● علم عقائد میں، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، کتابوں، رسولوں اور روز آخرت کی معرفت و شناسائی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت میں، اس کی ذات اور صفات جلال و جمال کی معرفت، اس کے افعال و احکام اور اس کے اسماء کی معرفت ہوتی ہے۔

● علم اعمال میں، علم فقہ یا تصفیہ باطن و تزکیہ قلوب واذہان کا علم ہے

اللہ کا شکر ہے کہ امام رازی نے اس تقسیم میں جملہ موجودات اور ما کان و ما یکون کا علم داخل ہونا مان لیا۔ (تفسیر کبیر، تحت آیات مذکورہ)

''کل شئی'' کا علم علی الاطلاق علم دین ہے اس سلسلے میں خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال وآراء

کائنات کے ہر ذرے ذرے میں اللہ تعالیٰ کے وجود وعلم اور اس کی قدرت و حکمت کی ظاہر و باہر نشانیاں موجود ہیں اور عالم کی ہر چیز اس کے ایک ایک اسم وصفت کی مظہر ہے تو ''کل شئی '' کے علم میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے اسماء وافعال کے علوم کثیرہ داخل ہیں اور اے قائلین خصوص! آپ نے اس کا اعتراف کیا کہ یہ دین کا علم ہے اور بات بھی یہی ہے۔ کسی کو ایسی چیز کا علم ہوا جو اس کی ذات سے متعلق نہیں یا اس کی ذات یا صفات وغیرہ کا علم ہے تو اس علم کے ذات الٰہی سے متعلق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ علم بھی شئی ہے یعنی خالق کائنات کی مشیت سے ہے لہٰذا علوم دینیہ وغیر دینیہ میں فرق تو پہلی ہی نظر میں واضح ہو جائے گا، یہ محققین کا نہیں بلکہ غافلین کے فرق کا لحاظ ہے۔

عارف کامل جس چیز کو دیکھتا ہے وہ چیز اس کے سامنے اس کے خالق و مالک، اس کے صفات واسماء اور اس کے افعال کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہی امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان ذوالنورین اور امیر المومنین مولیٰ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال ہیں آپ حضرات فرماتے ہیں

- میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کو دیکھا۔ (فاروق اعظم)

● میں نے جس چیز کو دیکھا اس میں اللہ کو دیکھا۔ (عثمان غنی)

● میں نے جس چیز کو دیکھا اس کے بعد اللہ کو دیکھا (علی مرتضیٰ)

● لیکن افضل و اکمل صحابہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مبارک یہ ہے

میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ وہ جس چیز کی طرف بھی نظر کرتے ہیں وہ بارگاہ عزت ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔

(مرقاۃ علی قاری، حدیث ۲۵۷)

اور امام رازی نے خود تفسیر کبیر کے اوائل میں فرمایا کہ عالم اسفل و اعلیٰ میں کوئی ذرہ نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کمال الہیت، اس کی عزت و بزرگی اور اس کی صمدیت و بے نیازی کے جلال و عظمت پر شاہد ہے۔ ع

وفی کل شئی لہ آیۃ　　　تدل علی انہ واحد

ہر چیز میں اللہ کی نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ہے۔

(تفسیر کبیر، سورہ فاتحہ)

اس سلسلے میں یہ آیات پیش کی جاتی ہیں

● سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(حم سجدہ، ۵۳)

ابھی ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ بیشک وہ حق ہے (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

● وَ كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ

(یوسف، ۱۰۵)

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں کہ اکثر لوگ ان پر گزرتے ہیں اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔ (کنزالایمان)

● اور فرماتا ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًاۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(آل عمران، ۱۹۰، ۱۹۱)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ (کنزالایمان)

● اور فرماتا ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

(البقرۃ، ۱۶۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور

وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔ (کنزالایمان)

اور قرآن کریم اس قسم کی آیتوں سے بھرا ہوا ہے جن میں ہمہ اقسام مخلوقات کے لئے نشانیاں ہیں اور امام رازی نے اس آیت کے تحت میں فرمایا کہ جو مخلوقات الٰہی کے سمندر میں زیادہ غوطہ زن ہوا سے اللہ کے جلال وعظمت کا زیادہ علم ہوگا۔

(تفسیر کبیر، تحت آیت مذکورہ)

میں کہتا ہوں کہ یہی راز ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ

(الانعام، ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہوجائے۔ (کنزالایمان)

لہٰذا ثابت ہوگیا کہ "کل شئی" کا علم اسی اعتبار سے دین کا علم ہے اور آپ کو تو یہ اعتراف ہے ہی کہ قرآن عظیم ہر اس علم کو حاوی وشامل ہے جو دین سے متعلق و متصل ہے تو واجب وضروری ہے کہ قرآن ہر شئی کے علم کو شامل ہو، قرآن میں ہر شئی کی تفصیل ہو قرآن ہر چیز کا روشن بیان ہو۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن پاک کی متعدد آیات میں فرمایا ہے۔ وللہ الحمد

ہر ذرہ کے علم کی دین میں ضرورت ہے
شئی کی ایک حالت کا علم دوسری حالت کے علم سے بالکل بے نیاز نہیں کرتا

میں پھر کہتا ہوں کہ ہر ذرہ اور ہر ذرہ کی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتیں ہیں کیونکہ ہر ذرہ کسی مکان سے مختص ہے کہ ایک کا مکان کسی دوسرے کو حاصل نہیں یعنی ہر ذرے کا الگ الگ مکان و مقام ہے اور ہر ذرہ اور ہر چیز کی تخصیصات الگ الگ ہیں یہ کوئی اٹکل و جزاف کی بات نہیں، اللہ اس سے بچائے بلکہ اس کی خاص حکمت بالغہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسرے میں نہ پائی جائے اور یہی بات ان حالات میں بھی ہے جو مختلف زمانے میں پے در پے واقع ہوتے ہیں کہ ہر حالت دوسری حالت سے مختلف و جدا ہوتی ہے اسی طرح جانور کے بدن میں جو بال ہیں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور درخت کا ہر پتہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتا ہے یہ اختلاف احوال و اوصاف ان کی لمبائی، چوڑائی، موٹائی یا رنگ وغیرہ میں ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کم سے کم جانور کے بدن اور درخت کے مقام و محل میں ضرور اختلاف ہوگا یہ سب کے سب مخصوص حکمت کے سبب سے ہے جس حکمت کی معرفت و شناخت موقوف ہے ایک شخص کی خصوصیت اور اس کے خاص احوال کی معرفت پر، جب ایک شخص کی معرفت حکمت کا یہ حال ہے تو جملہ اشخاص اور ان کے مخصوص حالات کے ساتھ ان کی معرفت و پہچان کی حکمت موقوف ہونے کا حال کیا ہوگا۔ کائنات کے جملہ حوادث کا اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا کائنات کے ذرات، بدن حیوان کے بال، درخت کے پتوں اور دیگر حادثات

وہ وقوع پذیر ہونے والی چیزوں میں سے کسی بھی چیز کا علم دوسری شئی کے علم سے بے نیاز نہیں کرتا۔ یعنی ہر شئی کا علم دوسری شئی کے لئے مفید ہے۔

اور جسے بعض علوم کی معرفت نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات و اسماء اور اس کی حکمت و افعال کے علم میں سے اتنا کم کر دیا جتنا اسے معلوم نہیں۔ لہٰذا ہر ذرہ، ہر بال، ہر پتہ اور ہر حالت و حادثہ کے علم کی دین میں ضرورت و حاجت ہے۔ یہ اس سے خاص ہے جو انہوں نے عبارات میں بیان کیا اور بحمدہ تعالیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ "کل شئی" ما کان و ما یکون کے علم کو شامل ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خصوص کے قائلین انجانے میں عموم کے قائل ہو گئے۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل و احسان ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ

(النمل، ۱۹)

اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے اور یہ کہ میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل کر جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں۔

(کنز الایمان)

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الاحقاف، ۱۵)

اے میرے رب میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں مسلمان ہوں۔ (کنز الایمان)

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ اجمعین۔

ضروری تنبیہ

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ صرف یہ بیان ہی ہر دلیل و برہان سے تجھے بے پرواہ کردے گا اور اگر میری کتاب (الدولۃ المکیہ) میں کوئی دلیل نہ ہوتی سوائے اس دلیل کے جو اللہ نے مجھ پر القا فرمائی تو وہی مجھے کافی ووافی ہوتی اور اسلاف میں سے جو لوگ گزر گئے اور ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا تو وہ اس معاملے میں معذور ہیں ان سے پرسش ومواخذہ نہ ہوگا لیکن اب جو اس بیان کو سنے پھر خصوص پر اڑا رہے اور نصوص کا معنی پھیرنے کی بے فائدہ سعی وکوشش کرے تو گویا وہ اس بات کا اقرار واعتراف کرے گا کہ قرآن مقدس ہزاروں ہزار دینی اہم علوم سے خالی ہے جن کی دین میں ضرورت ہے۔ پھر اس کی تصدیق ان فرمودات باری تعالیٰ پر کیسے درست ہوگی

● تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

● وَ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف ۱۱۱)

● مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

☆ قرآن میں ہر چیز کا روشن بیان ہے

☆ قرآن میں ہر شئی کی تفصیل ہے

☆ کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی گئی ہے

اور وہ اس بات کا بھی اقرار کرے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات کی ہزاروں ہزار بیشمار و بے حساب چیزوں سے روک دیا گیا جن سے باری تعالیٰ کا عرفان وایقان حاصل ہوتا ہے اور وہ دنیا میں موجود ہیں پائی جاتی ہیں۔ اور اس قائل کو اس سے کہاں جائے فرار ہے (اور کیسے چھٹکارا ملے گا) کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے مصداق قرار پائیں۔

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيٰتِنَا لَغٰفِلُونَ (یونس،۹۲)

اور بیشک بہت لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں (کنزالایمان)

کیونکہ غفلت اس پر صادق آتی ہے جسے کچھ علم نہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتٰبُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِينَ (الانعام،۱۵۶)

کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی یعنی ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے؟ (کنزالایمان)

یہ تو ایسی چیز ہے جسے کوئی مسلمان حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہرگز گوارا نہ کرے گا لہٰذا اس سے اجتناب واحتراز کرنا ہی دین وایمان کی نشانی اور محبت وعظمت رسول کی دلیل ہے اور اس سے تغافل وسستی عقلمندوں کا کام نہیں۔

وحسبنا الله ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

(معالم التنزیل بغوی، تحت آیت مذکورہ)

۱؎ اس لفظ آیات، سے قرآن کی آیت مراد نہیں بلکہ یہ نشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت" لتكون لمن خلفك آية "(کہ تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی ہو) سے ظاہر ہو رہا ہے اور کسی بھی آیت ونشانی سے غافل رہنا نقص وعیب ہے اور بعض کا علم تو اکثر لوگوں کو حاصل ہے۔ مشرکین جب کوئی عمدہ خوشبو یا تعجب خیز چیز دیکھتے تو کہتے سبحان اللہ (قرآن مجید میں فرمایا) اور اگر ان سے آپ پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند وسورج کو کس نے مسخر ومطیع کیا تو کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ ۱۲منہ

فائدہ جلیلہ

بعض علماء متاخرین نے علوم قرآنیہ کو تخصیص پر محمول کیا ہے اس کا سبب؟

اقول، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ علماء متاخرین اپنی عادت کے مطابق تخصیص کی طرف مائل و متوجہ ہوئے تا کہ عوام الناس کی سمجھ سے قریب ہو جائے کیونکہ علماء متاخرین کی تفسیر و کلام میں اس چیز کو ہم نے متعدد مقامات پر دیکھا ہے۔

کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب متاخرین آیات متشابہات کی وجہ سے دقت میں پڑے اور ان کا کلام عوام میں زبان زد و مشہور ہوا ان کے نفوس و اذہان اس کی تلاش و جستجو کی طرف مائل ہوئے اور اس راہ میں انہوں نے محنت و مشقت بھی اٹھائی تو انہوں نے عوام کے ذہنوں کو متشابہات کی تاویل کی طرف پھیر دیا تا کہ باطل باتوں سے عوام کے دین و ایمان کی حفاظت ہو سکے، حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ قرآن پر بلا کسی تفریق و امتیاز کے مجموعی طور پر ایمان لانا ضروری ہے اور لطیف و خبیر کی بارگاہ عظمت کی طرف متشابہات کے علوم کو (یعنی مرادی معنی کو) سونپنا لازم ہے۔

اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(آل عمران، ۷)

ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

(کنز الایمان)

اس پر تنبیہ فرض ہے

اسی طرح جب معتزلہ نے یہ کہا کہ قرآن کریم حادث ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) اوران آیات سے استدلال کیا

● اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف،۳)

ہم نے اسے عربی قرآن اتارا (کنزالایمان)

● مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ

(الانبیاء،۲)

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے۔ (کنزالایمان)

اور وہ عام لوگوں کی رہنمائی نہ کر سکے کہ متجلی اور کسوۃ تجلی میں کیا فرق ہے اس لئے کہ یہ ان کی عقل وفکر کی حد سے باہر و ماوراء ہے توان دونوں کی یہ تعبیر کی گئی کہ ایک کلام لفظی ہے اور دوسرا کلام نفسی۔

اور لفظی حادث ہے حالانکہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ نئی بات ہے سلف صالحین کے کلام میں اس کا کوئی اثر و پتہ نہیں اور یہ معتزلہ کی مراد و مقصود کے عین مطابق ہے کیونکہ معتزلہ کلام نفسی کے قائل نہیں ہیں، وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ کلام لفظی حادث ہے، ان کی یہ بات حق و درست ہوتی تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان کی تکفیر واقع نہ ہوتی اور نہ ائمہ (مثلاً سیف السنۃ احمد وغیرہ) کو قول صحیح کے انکار پر خون دل صرف کرنا حلال ہوتا۔ اور امام بخاری پر کیسا الزام لگایا گیا کہ ان سے منسوب یہ خبر پھیلائی گئی کہ لفظی قرآن مخلوق ہے حالانکہ امام بخاری کا دامن اس الزام سے پاک ہے اور وہ اس سے بری ہیں۔

یہ سب اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ لفظی اور نفسی کی تقسیم باطل ہے بلکہ اللہ ایک ہے، اس کا کلام ایک ہے اور قرآن عظیم کا کوئی جزو، کوئی حصہ مخلوق نہیں، جیسا کہ امام عارف

باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی نے ''مطالب الوفیہ'' میں بیان فرمایا ہے۔ اسی سے اخذ کر کے میں نے بھی کچھ اپنی کتاب ''المعتمد المستند'' (حاشیہ المعتقد المنتقد) میں بیان کیا ہے پھر اسی مسئلہ میں میں نے ایک مستقل جداگانہ رسالہ بھی تحریر کیا اور اس کا نام ''انوار المنان فی توحید القرآن'' رکھا۔ ہر مسلمان کو اس مسئلہ پر دھیان دینا واجب ہے کہ اسی میں دین کی حفاظت و بھلائی اور حق مبین کا اظہار و اعتماد ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اسی طرح خصوص کے قائلین نے جب دیکھا کہ قرآن عظیم ما کان وما یکون کے علوم پر مشتمل ہے عام ذہن جس کا تصور نہیں کر سکتا تو انہوں نے اپنے عزم و ارادے کو ایسے آسان و سہل معاملے کی طرف پھیر دیا جو عوام کے لئے دشوار نہیں اور کبھی کہا کہ علوم قرآنیہ سے مراد وہ ہے جس کی دین و دنیا کے امور میں حاجت ہوتی ہے، اور کبھی اس سے کم کر کے یہ کہا کہ اس سے مراد وہ ہے جو دین متین سے متعلق ہے، کبھی اصول و فروع کو عقائد و اعمال سے خاص کر دیا اور کبھی یہ کہا کہ بارگاہ عزت کی طرف سے قائم کردہ اوامر و نواہی مراد ہیں پھر ایسا حیلہ تراشا جو سنت و اجماع اور قیاس پر منحصر ہے حالانکہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اور انہوں نے حق کا دامن نہیں چھوڑا ہاں سامع پر لفظ کو آسان کر دیا اور جب ان پر عیب لگایا گیا تو یہ تعبیر کر دی کہ کلام دو قسم پر ہے لفظی و نفسی، اور حق کی طرف رجوع کیا مگر حق آشکارا ہونے کے بعد۔

وللہ الحمد والیہ الصمد، وبہ یزول اللوم عن کلمات القوم، فعلیک بذاک واللہ یتولی ھدای و ھداک۔

فصل

قرآن ہر شئی کا روشن بیان نبی کے لئے ہے نہ کہ امت کے لئے

اے برادر (اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اپنے اور اپنے نبی کے کلام کی تعظیم و توقیر کی مجھے اور تجھے ہدایت و توفیق دے) تجھے معلوم ہو کہ خصوص کے قائلین میں سے جنہوں نے حقیقۃً خصوص کا دعویٰ کیا اور عموم کی سراسر نفی کی اس کی علت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر قیاس کر کے آیات کو خصوص پر محمول کیا[1] یعنی کلام اللہ کا اتنا ہی معنی مراد لیا جہاں تک ان کی سمجھ کی رسائی ہو سکتی تھی جبکہ قرآن نے کسی چیز کا بیان نہیں چھوڑا کیونکہ قرآن ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا روشن بیان ہے۔

پھر وہ قرآن میں جو بھی چیز دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس کی نسبت ''کل شئی'' سے ایسی ہے جیسے ریت کے ایک ذرہ کی نسبت صحرا و بیابان کی ریت سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم، یا ایسی ہے جیسے ایک چھوٹے قطرہ کو جو نسبت ہزاروں دریا و سمندر سے ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی کم، جب یہ صورت ہوتی ہے تو وہ بے چین و مضطرب ہو جاتے اور قید لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تنگیوں کے راستے پر چل پڑتے ہیں، چھٹکارے کا ارادہ کرتے ہیں جب چھوٹنے کا وقت نکل چکا ہوتا ہے۔ اللہ

---

[1] اللہ تعالیٰ امام نیشاپوری پر رحم فرمائے انہوں نے اس کو یقین کے ساتھ بیان نہیں کیا بلکہ جہاں پر لفظ ''لعل'' (شاید) کا استعمال نہیں ہوگا انہوں نے وہاں پر لفظ لعل کا استعمال فرمایا اور یہ کہا کہ شاید کہ قرآن خاص طور سے علماء کے لئے تبیان ہے اور پوری مخلوق کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔ ۱۲ منہ

عزوجل کی توفیق سے یہ عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

قائلین خصوص نے دو طریقے سے غلطی کی ہے

● ایک یہ کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ قرآن امت کے لئے بھی ہر چیز کے بیان کو محیط ہے حالانکہ یہ صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

● دوسرا یہ کہ ظاہر قرآن سے انہوں نے اپنے اور امت کے لئے ہر شئی کی تفصیل تلاش کی، حالانکہ یہ تفصیل قرآن کے باطن میں ہے جو امت کی نظروں سے محجوب و پوشیدہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے جسے بتانا چاہا اسے اس کی تفصیل معلوم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے علم خفی میں سے بے شمار علوم و معارف عطا فرمائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ
وَّاٰخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الجمعۃ ۲،۳،۴)

اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں (کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے سنت وفقہ ہے یا احکام شریعت و اسرار طریقت) اور بیشک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت و حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (کنزالایمان)

اور اگر وہ لوگ قرآن کریم اور ائمہ سلف کے احوال واقوال پر غور وفکر کرتے تو انہیں یقین واعتماد ہو جاتا کہ قرآن عظیم امت کے لئے ہر چیز کا روشن بیان نہیں بلکہ صرف حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

۱۔ فاقول وباللہ التوفیق، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

● وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل،۴۴)

اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور وہ کہیں دھیان کریں۔ (کنزالایمان)

اگر قرآن کریم امت کے لئے بیان ہوتا تو امت بیان کرنے والے کے بیان اور تحصیل حاصل کی محتاج نہ ہوتی اور نہ اس کے بعد کسی غور وفکر کی حاجت ہوتی کیونکہ تبیان وہ ہے جس میں کوئی خفاو پوشیدگی باقی نہ رہے جس کے لئے کسی دوسرے کی یا کسی فکر واطلاع کی ضرورت پڑے۔

علامہ سعدالدین تفتازانی ''شرح العضد لمختصر ابن حاجب'' کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ واضح وآشکارا چیز کا بیان محال ہے۔ (حاشیہ تفتازانی علی شرح العضد)

● اللہ تعالیٰ اور فرماتا ہے

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ،۱۹)

پھر بیشک اس کی باریکیوں کا ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنزالایمان)

بخاری مسلم ترمذی نسائی و دیگر ائمہ کثیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ''ثم ان علینا بیانہ'' کا معنی یہ ہے کہ ہمارے ذمہ یہ ہے کہ ہم آپ کی زبان سے بیان کروائیں گے[1]

(بخاری ۲ کتاب التفسیر باب ثم ان علینا جمعہ)

---

[1] اقول، اس سے بیضاوی کے قول کا ضعف ثابت ہو رہا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس چیز کا بیان مراد ہے جس کے معانی آپ پر مشکل ہوں۔ اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ وقت خطاب سے بیان کی تاخیر جائز ہے یعنی جس وقت خطاب ہو اسی وقت بیان ہونا ضروری نہیں بعد میں بھی اس کا بیان ہوسکتا ہے۔ یہ بات ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ ہر آیت ہر شئی کا بیان ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعض آیات کے معانی و مطالب دشوار و مشکل ہوں پھر دوسری آیت نازل ہو تو اس کا بیان ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اقول :قرآن کریم کے لطیف وبلیغ اشارات یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا "تبیانا لکل شئی" ہونا بیان فرمایا تو "نَزَّلْنَا عَلَیْکَ" فرمایا، اور جب اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیان کرنے کا حکم فرمایا تو "مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ" فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرمایا تاکہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر چیز کو بیان فرمادے اور عام لوگوں کو بیان کرنے کا حکم نہیں ہوا مگر جس کی تبلیغ وارشاد کا انہیں حکم دیا گیا اس کے بیان کرنے کا انہیں حکم ہے۔

امام اجل صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے "اعجاز البیان فی تفسیر القرآن" میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ واختیار سے خارج وباہر کوئی چیز نہیں ہے، لیکن اس آیت کریمہ" لتبین للناس ما نزل الیھم "کا راز یہ ہے کہ "ما نزل الیک" نہ فرمایا نہ "کل ما انزل علیک" فرمایا۔ اس کے علاوہ اور بھی الٰہی اشارات اور خدائی حکمتیں ہیں، یہاں پر جن کی صراحت ووضاحت کی حاجت نہیں۔

(اعجاز البیان، امام صدر الدین قونوی)

ابریز شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو

بقیہ:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا

(النساء، ۱۵)

تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔

(کنز الایمان)

اس آیت میں سبیل کا بیان نہیں کیا گیا ہے، پھر جب آیت حدود نازل ہوئی تو حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے لو مجھ سے لو بیشک اللہ تعالیٰ نے ان بدکار عورتوں کے لئے راہ نکال دی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم وائمہ اربعہ نے سوائے نسائی کے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ یہاں تک کہ جب نزول قرآن مکمل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بیان بھی مکمل فرمادیا، یہ مضمون کتاب میں عنقریب آئے گا۔ ۱۲ منہ (مسلم، کتاب الحدود باب حد الزنا)

اس کی طاقت واستطاعت کے مطابق قرآن کریم کا علم عطا فرمایا اور امت جن امور ظاہرہ کو سمجھتی اور پہچانتی ہے ان ہی کو عطا فرمایا اور تمام اسرار وانوار کے ساتھ قرآن عطا نہیں فرمایا اور نہ ان اسماء کے انوار عطا کیے جو قرآن میں موجود ہیں اور اگر قرآن عظیم کو پورے انوار واسرار کے ساتھ امت کو دیا جاتا تو امت میں سے کوئی ایک شخص بھی عاصی ونافرمان نہ ہوتا بلکہ سب کے سب قطب وابدال ہو جاتے۔

(ابریز باب ۶ ذکر شیخ التربیۃ)

اسی میں ہے صاحب ابریز فرماتے ہیں کہ جو اسرار وانوار قرآن کریم میں موجود ہیں اور وہ مقامات جن پر قرآن مجتمع ہے اور وہ احوال جن پر قرآن مشتمل ہے انہیں ذات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا حضور کو یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قوت ذات رسول سے ہی مخصوص فرمائی ہے۔

(ابریز شریف سید احمد بن مبارک، باب ۶ ذکر شیخ التربیۃ)

آیات

اس پر تعجب ہے جو آیہ کریمہ" نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی "
سنتا ہے اور اسے" نزلنا الیکم الکتاب تبیانا لکل شئی " کر دیتا ہے۔ یعنی
قرآن عظیم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہر شئی کا روشن بیان ہے اور تم اس
سے یہ سمجھتے ہو کہ قرآن پوری امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہے۔

۲۔ جبھی تو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ (البقرۃ ۲۶)

اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

(کنزالایمان)

امام حکیم ترمذی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس جبریل امین
آئے اور کہا" انا للہ و انا الیہ راجعون "میں نے کہا ہاں" انا للہ و انا الیہ
راجعون "(ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔ کنزالایمان البقرۃ، ۱۵۶) پھر
میں نے کہا اے جبریل وہ کس سبب سے ہے؟ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کیا
کہ آپ کے بعد آپ کی امت تھوڑے ہی دنوں کے بعد فتنے میں پڑ جائے گی۔ میں
نے کہا کہ کفر کا فتنہ ہوگا یا ضلالت وگمراہی کا۔ جبریل نے عرض کیا دونوں فتنے ہو سکتے
ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں سے ہوگا جبکہ میں ان میں کتاب اللہ چھوڑ جاؤں گا، جبریل
نے عرض کیا کہ ہاں بہت سے لوگ قرآن ہی سے گمراہ ہوں گے۔

(نوادر الاصول، اصل ۱۶۳ فی مذھب اھل الاھواء)

اسی وجہ سے بہت سارے باطل وگمراہ فرقے مثلاً معتزلہ، قدریہ، جبریہ، خوارج، رافضی، مجسمہ، مشبہ، وہابیہ وغیرہ قرآن پاک کی آیات سے اپنی ضلالت وگمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اگر قرآن، عوام الناس کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو بدعات و خرافات کا دروازہ نہ کھلتا اور لوگ صرف مومن ہی مومن ہوتے، اور کفار تو علانیہ طور پر قرآن کو قبول نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس لئے رشد وہدایت اور موعظت ونصیحت کے امام امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ راستہ بتایا کہ بدعتیوں کی گرفت احادیث سے کی جائے ان سے قرآن سے مجادلہ اور جھگڑا نہ کیا جائے اس لئے کہ قرآن چند وجوہ رکھتا ہے، اس میں چند معانی کا احتمال ہے۔

دارمی وغیرہ[1] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو تم سے شبہات قرآن سے مجادلہ و منازعہ کریں گے جب ایسا موقع آئے تو تم ان بدعتیوں کی گرفت و مواخذہ سنت (احادیث) سے کرنا کیونکہ سنن واحادیث کا جاننے والا کتاب اللہ کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ (سنن دارمی، حدیث ۱۲۱)

اور لالکائی نے کتاب السنۃ میں اور اصبھانی نے کتاب الحجۃ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی معنی میں ایک حدیث روایت کی ہے[2]

ابن سعد طبقات میں بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ابن عباس کو

---

[1] یعنی نصر مقدسی نے کتاب الحجۃ میں ''لالکائی نے کتاب السنۃ میں، ابن عبد البر نے کتاب العلم میں، ابن ابی زمنین نے اصول السنۃ میں، دارقطنی واصبھانی نے کتاب الحجۃ میں اور ابن النجار نے بھی اسے روایت کیا۔ ۱۲ منہ

[2] ان کے لفظ یہ ہیں کہ عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو تم سے جھگڑا کریں گے تو تم سنت (احادیث) سے ان کی گرفت کرنا کیونکہ اصحاب سنن کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

خارجیوں کی طرف بھیجا اور کہا کہ جاؤ اور ان سے مناظرہ کرو لیکن قرآن سے ان پر حجت و دلیل قائم نہ کرنا کیونکہ قرآن میں چند معانی ہوتے ہیں ہاں ان سے سنت و حدیث کی روشنی میں بحث و مناظرہ کرنا۔ (الاتقان نوع ۳۹ معرفۃ الوجوہ والنظائر)

ابن سعد طبقات میں عمران بن مناخ کے طریقے سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ہم خارجیوں سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتے ہیں کیونکہ قرآن ہمارے گھروں میں نازل ہوا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں یہ سچ ہے لیکن قرآن چند معنوں کا محتمل ہے، قرآن سے استدلال کر کے تم کہو گے تو وہ بھی کہیں گے اس لئے سنت و احادیث سے ان پر حجت قائم کرو اس سے انہیں فرار کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کے پاس آئے اور ان پر سنت سے حجت قائم کی تو ان کے ہاتھوں میں کوئی حجت و دلیل باقی نہ رہی۔ وہ لاجواب و مبہوت ہو گئے۔ (حوالہ مذکور)

ابن زمنین اصول السنہ میں یحییٰ بن اسید سے مختصراً روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خارجیوں کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ تم سے قرآن کی دلیل سے مناظرہ کریں تو تم ان سے سنت و حدیث سے دلیل قائم کرو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الی قولہ تعالیٰ) بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ (یونس ۳۷، ۳۹)

اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگار عالم کی طرف سے ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے

بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلالاؤ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا۔ (کنزالایمان)

ہمارے آقا امام رازی و امام فاضل نیشاپوری اس بحث میں فرماتے ہیں کہ محققین نے فرمایا کہ آیہ کریمہ ''ولما یاتھم تاویلہ'' اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو تاویلات کو نہیں جانتا اور وہ تاویل کرنے لگے تو وہ کفر و بدعت میں پڑ جائے گا۔ اس لئے کہ ظاہری آیات کبھی ایک دوسرے کی معارض و منافی ہوتی ہیں جب آدمی کو تاویل کی وجہ معلوم نہ ہوگی تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ کتاب حق نہیں ہے مگر جب تاویل کی وجہ نزول قرآن کے مطابق معلوم ہو جائے گی تو یہ نور علیٰ نور ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے نور دعرفان کی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر سورہ یونس، تحت آیت بل کذبوا الایۃ)

اور ظاہر یہ ہے کہ بیان وتبیان کے ساتھ ظاہری آیات کا تعارض نہیں ہوتا البتہ یہ بات صاحب تاویل کو پیش آتی ہے کہ بظاہر کچھ آیتیں متعارض ہوتی ہیں اسی سبب سے تاویل کی ضرورت پڑتی ہے اور اس تاویل کا نصوص قرآن کے مطابق ہونا ضروری ہے اگر تاویل کسی بھی آیت کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ یہی تاویل کفر یا بدعت ہوتی ہے۔

احادیث

۴۔علوم قرآنیہ کے غیر متناہی ہونے کے بارے میں حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ"سن لو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل۔

(مسند احمد، مرویات مقدام)

اگر قرآن ہر انسان کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو پھر"اس کے مثل"[1] اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب؟ اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا وہ انہیں کے مثل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں۔اور ان بعض احکام کے شمار کرنے کا کیا مطلب جو قرآن میں موجود نہیں۔اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں

سن لو تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں نہ کیلے والا درندہ، نہ کسی ذمی کا لقطہ (گری پڑی چیز) ہاں اگر اس چیز کا مالک اس سے بے نیاز ہے اور یہ ضرورت مند ہے تو لے سکتا ہے اور جو کسی قوم کے یہاں مہمان ہو اس پر ان کی مہمان نوازی ہے اگر صاحب خانہ مہمان نوازی نہ کرے تو یہ صاحب خانہ جب کبھی اس کا مہمان ہو تو اس

---

[1] حضرت مقدام سے مروی مسند امام احمد بن حنبل کے لفظ یہ ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علوم قرآنیہ تین ہیں

۱۔حلال: اس کی پیروی کی جائے اس پر عمل کیا جائے۔

۲۔حرام: اس سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔

۳۔متشابہ: جس کا سمجھنا دشوار ومشکل ہے اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کیا جائے۔۱۲منہ

(مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۱۰۳ مرویات مقدام)

سے اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔ اسی معنی میں حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اسی جگہ گزری ہے۔ (ابوداؤد، کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ)

ابوداؤد عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کیا تم میں کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کیں جو قرآن میں لکھی ہیں سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دیئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں۔ اور تمہارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جانا حلال نہیں نہ ان کی عورتوں کو مار ڈالنا نہ ان کے پھل وغیرہ کھانا حلال، اگر ایسا کروگے تو جو گناہ ان پر ہے وہ تم پر مسلط ہوجائے گا۔

(ابوداؤد، کتاب الخراج والفئی باب فی تعشیر اہل الذمۃ)

فائدہ

صحابہ وتابعین کے اقوال وآراء

۵۔ ابوداؤد وابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم تین ہیں قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کی ہمسر و برابر ہے۔ (گویا اجماع و قیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اوران کے سوا جو کچھ ہے سب فضول و بیکار۔

(ابن ماجہ باب اجتناب الرائے والقیاس)

اگر قرآن عام لوگوں یا امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو علم صرف قرآن ہی میں منحصر و محدود ہوتا۔

۶۔ ائمہ ستہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حلال و حرام ظاہر ہیں اور جو ان دونوں کے درمیان ہیں مشتبہات ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(بخاری باب من استبرأ لدینہ)

اگر قرآن امت کے لئے ہر شئی کا بیان ہوتا تو ہر شئی ان کے نزدیک ظاہر و واضح ہوتی اور مشتبہات کا کوئی مقام و محل باقی نہیں رہتا۔

۷۔ احمد وابن ماجہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قرآن عظیم اس طرح نازل ہوا کہ بعض آیات میں بعض کی تصدیق وتائید ہے تو تم بعض آیت سے بعض کی تکذیب مت کرو، جو تمہیں معلوم ہو تو اس کے بارے میں

بولو اور جو معلوم نہ ہو اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کردو۔

(مسند احمد مرویات عبداللہ بن عمرو)

احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر تین قسم پر ہے۔

● ایک امر وہ ہے جس کی ہدایت ودرستگی واضح ہے اس کی متابعت وپیروی لازم ہے۔

● دوسرا امر وہ ہے جس کی ضلالت وگمراہی ظاہر ہے اس سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔

● تیسرا امر وہ ہے جس کے صحیح وغلط ہونے میں اختلاف ونزاع ہے اسے اللہ کے سپرد کرنا لازم ہے۔

اسی طرح دیلمی[1] معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

۸۔ دارمی، عبیداللہ بن ابی جعفر سے مرسلاً روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو تم میں فتویٰ پر زیادہ بے باک ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ دلیر وجری ہے۔

(دارمی باب الفتیا حدیث ۱۵۹)

سعید بن منصور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرسلاً روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں دادا کا حصہ تقسیم کرنے پر زیادہ بے باک ہے وہ آتش دوزخ پر زیادہ جری اور نڈر ہے۔

(کتاب السنن سعید بن منصور ۳ باب قول عمر فی الجد)

---

[1] حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی دیلمی کے لفظ یہ ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علوم قرآنیہ تین قسم ہیں

۱۔ حلال: اس کی پیروی کی جائے، اس پر عمل کیا جائے

۲۔ حرام: اس سے اجتناب واحتراز لازم ہے۔

۳۔ متشابہ: جس کا سمجھنا دشوار ومشکل ہے اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کیا جائے۔ ۱۲ منہ

اگر امت کے لئے قرآن سے ہر چیز ظاہر و باہر ہو جاتی تو پھر جرأت و دلیری کیوں اور کس چیز میں ہوتی۔

۹۔ دارمی، ابوداؤد، ترمذی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ جب کوئی مقدمہ تمہیں درپیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا میں کتاب اللہ سے فیصلے کروں گا، حضور نے فرمایا اگر تم کو کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو کیا کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت و حدیث سے فیصلہ کروں گا، حضور نے فرمایا اگر تمہیں سنت و حدیث میں اس کا حکم و ہدایت[۱] نہ ملے تو کیا کرو گے؟ معاذ نے عرض کیا میں اپنی رائے و قیاس سے اجتہاد کروں گا اور میں اس میں کوئی کوتاہی و کمی نہ کروں گا، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ رب کائنات کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ابوداؤد، کتاب القضاء باب اجتہاد الرای فی القضاء)

۱۰۔ طبرانی اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سنت دو قسم ہے

- ایک سنت وہ جو فرض میں ہے
- دوسری سنت وہ جو غیر فرض میں ہے

☆ جو سنت فرض میں ہے اس کی اصل قرآن میں ہے اس کو لینا، اس پر عمل کرنا ہدایت ہے اور اسے چھوڑ دینا ضلالت و گمراہی۔

---

[۱] دارمی کے لفظ دونوں جگہ یہ ہیں "فان لم یکن ای فی علمک" (یعنی اگر تمہارے علم میں نہ ہو) دونوں کا معنی ایک ہے۔ ۱۲ منہ

☆اور جو سنت غیر فرض میں ہے اس کی اصل قرآن میں نہیں اس کو اپنانا، اس پر عمل کرنا فضیلت وثواب ہے اور اسے چھوڑ دینا، اس پر عمل نہ کرنا گناہ نہیں۔

(طبرانی معجم اوسط ۵ حدیث ۴۰۲۳)

۱۱۔طبرانی اوسط میں سند صحیح کے ساتھ ولید بن صالح ومحمد بن حنفیہ سے، ابوسعید کتاب القضاء میں عکرمہ وابن عباس سے، ابن عبدالبر کتاب العلم میں، دارقطنی رواۃ مالک میں، خطیب غرائب مالک میں سعید بن میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، دارقطنی وخطیب اور ابن عبدالبر تینوں ائمہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں یہ لفظ ابن عبدالبر کے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر ہم میں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور اس میں آپ کی کوئی سنت بھی جاری نہ ہوئی تو ہم کیا کریں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے لئے علماء یا عبادت گزار مومن جمع ہوں اور آپس میں مشورہ کریں لیکن اس میں کسی ایک شخص کی رائے پر حکم وفیصلہ نہ کیا جائے۔

(قرطبی جامع البیان، باب اجتہاد الرای)

طبرانی کے لفظ یہ ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقہاء و عابدین مشورہ کریں اور کسی کی شخصی رائے سے فیصلہ نافذ نہ کریں۔

(طبرانی معجم اوسط، حدیث ۱۶۴۱)

دارمی ابوسلمہ کی حدیث سے مرسلاً روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے معاملے کے بارے میں پوچھا گیا جو نیا ہو اور اس کا حکم وہدایت قرآن و سنت میں نہ ہو تو اس کے لئے کیا کیا جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں عابد وزاہد لوگ غور وفکر کریں، پھر کوئی فیصلہ کریں

(دارمی باب التورع حدیث ۱۱۹)

۱۲۔ دارقطنی، بیہقی وابن عساکر ابوالعوام بصری سے روایت کرتے ہیں انہوں

نے کہا کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ لوگوں کو جمع رکھو، انہیں محبت سے سمجھاؤ جب تمہارے پاس کوئی ایسا معاملہ لے کر آئے جو قرآن وسنت میں نہ ہو، اس وقت تم دیگر معاملات پر اس کا قیاس کرو اور تمثیلات وتشبیہات کی روشنی میں دیکھو غور کرو پھر تمہاری نظر میں جو اللہ کو پسندیدہ اور حق وراستی سے ملتا جلتا ہو اسی کا قصد کرو اور اسی کا حکم دو۔

(دار قطنی کتاب عمر الی ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما)

۱۳۔ ابوبکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابن جریر، ابن عساکر شریح سے، اور سعید بن منصور و بیہقی عامر شعبی سے روایت کرتے ہیں یہ شریح کی حدیث ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی ایسی چیز آئے جو قرآن میں موجود ہو تو قرآن ہی سے اس کا فیصلہ کرو اور لوگ اسے تسلیم کریں اس سے منہ نہ موڑیں، اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو قرآن میں نہیں تو سنت وحدیث کو دیکھو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر ایسے امر کا سامنا ہو جو قرآن وسنت میں نہیں تو دیکھو کہ اس پر لوگوں نے کیا اجماع واتفاق کیا ہے پھر اسی پر عمل کرو، اور اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جو قرآن وحدیث میں نہیں اور اس کے بارے میں کسی کا معتبر قول بھی نہیں تو دو باتوں میں سے جسے چاہو اختیار کرو، اگر چاہو تو اپنی رائے وقیاس سے اجتہاد کرو اور جو رائے پہلے ہو اسے مقدم سمجھو اور اگر چاہو تو انتظار وتاخیر کرو اور اس معاملے کے فیصلے میں تاخیر کرنا تمہارے لئے بہتر ومناسب ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی بہ القاضی الخ)

اور شعبی کی روایت میں یہ ہے کہ اگر قرآن وسنت میں اس معاملے کا حل نہ ہو اور نہ کسی امام وپیشوا کا فیصلہ معلوم ہو تو تجھے اختیار ہے اگر چاہو تو مجھ سے مشورہ کرو اور تمہارا مجھ سے مشورہ کرنا تمہاری نجات وسلامتی کا سبب ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی، باب موضع المشاورۃ)

۱۴۔ عبدالرزاق و ابن جریر اور ابن ابی الدنیا محارب بن دثار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں یہ ابن جریر کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دمشق کے ایک قاضی سے فرمایا کہ تم فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟ قاضی نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں، حضرت عمر نے فرمایا اگر ایسا معاملہ سامنے آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہیں تو کیا کرو گے؟ قاضی نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے اس کا فیصلہ کروں گا، عمر نے فرمایا اگر ایسا امر درپیش ہو جس کا حل سنت میں نہ ہو تو کیا کرو گے؟ قاضی نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کروں گا اور اپنے ہم نشینوں سے مشورہ کروں گا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہت خوب، یہی ہونا چاہئے۔ (کنز العمال فصل فی القضاء والترہیب، حدیث ۱۴۴۵۱)

۱۵۔ دارمی و ابن جریر تہذیب الآثار میں اور بیہقی و ابن عساکر و طبرانی و ابن عبدالبر سند صحیح کے ساتھ اور دوسرے طریق سے عبدالرزاق مصنف میں سب کے سب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

آپ فرماتے ہیں کہ آج کے بعد جسے کسی معاملے میں فیصلے کی نوبت آئے تو وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ صادر کرے اگر ایسا معاملہ آئے جو کتاب اللہ میں نہیں تو اس میں وہی فیصلہ کرے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا اور اگر ایسا معاملہ سامنے آئے جو قرآن میں نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ایسا فیصلہ نہ فرمایا تو سلف صالحین کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر ایسا امر آئے جو کتاب اللہ اور حضور کے فیصلے میں نہیں اور صالحین نے بھی اس معاملہ میں کوئی فیصلہ نہ کیا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے خوف ہے اور میں یہ دیکھتا ہوں کیونکہ حلال و حرام ظاہر ہیں اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں، تو وہ چیز چھوڑ دو جو تمہیں شک و ریب میں ڈالے۔ (دارمی باب التغیا د مافیہ من الشدۃ ۵، حدیث ۱۶۷)

۱۶۔ دارمی اوزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ

تعالیٰ عنہما نے عاملوں کو لکھا کہ قرآن کریم میں کسی کی رائے کی گنجائش نہیں ہے ہاں جس امر کے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی سنت بھی جاری نہ ہوئی تو اس میں ائمہ کی رائے معتبر ہوگی۔ ان کے اجتہاد وقیاس پرعمل کیا جائے گا۔ (دارمی، باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی علیہ السلام)

حضرت ابوبکر صدیق کے اقوال

۱۷۔ ابن سعد طبقات میں اور ابن عبدالبر کتاب العلم میں روایت کرتے ہیں کہ محمد بن سیرین نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کوئی محتاط وخوف والا نہ تھا ابوبکر کی یہ احتیاط اس بات میں زیادہ ہوتی جس کو وہ نہیں جانتے تھے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ محتاط وخوف والا کوئی نہ تھا عمر کی یہ احتیاط اس بات میں زیادہ ہوتی جو انہیں معلوم نہ ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک مقدمہ آیا اس کا حکم انہوں نے نہ قرآن میں پایا نہ سنت میں کوئی روایت ملی تو فرمایا کہ میں اپنی رائے وقیاس سے اجتہاد کروں گا اگر وہ درست وصحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط و باطل ہوا تو وہ میری طرف سے ہوگا میں اس سے استغفار وتوبہ کروں گا۔

(قرطبی، جامع البیان، باب ما یلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ)

۱۸۔ سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابن جریر، ابن منذر، اور بیہقی شعبی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ کلالہ کیا ہے؟ ابوبکر نے فرمایا کہ میں اس کے بارے میں اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر وہ درست ہوا تو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری وپاک ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں (کلالہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ

باپ چھوڑے نہ اولاد۔ کنزالایمان)

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو فرمایا کہ بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں (دارمی باب الکلالۃ حدیث ۲۹۷۶)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عمر کو ابولولو مجوسی نے خنجر مار کر زخمی کر دیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ ابوبکر کی مخالفت کروں لہٰذا میں بھی یہی کہتا ہوں کہ باپ اور بیٹے کے علاوہ کو کلالہ کہتے ہیں۔

(بیہقی کتاب الفرائض باب حجب الاخوۃ)

۱۹۔ حاکم حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے بارے میں پوچھوں۔ (حاکم مستدرک، کتاب الفرائض، میراث العمۃ والخالۃ)

۲۰۔ دارمی اپنی سنن میں میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو وہ قرآن پاک کو دیکھتے اگر قرآن میں اس کے فیصلہ کے لئے کوئی حکم ملتا تو اسی سے فیصلہ صادر فرماتے ورنہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی سنت ملتی تو اسی کے مطابق فیصلہ سناتے اور اگر قرآن وسنت سے حکم نہ ملتا اور وہ تھک کر عاجز ہو جاتے تو مسلمانوں سے پوچھتے اور کہتے کہ میرے پاس ایسا ایسا مقدمہ آیا ہے کیا تم لوگوں کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ فرمایا؟ اور کبھی ابوبکر کے پاس کچھ لوگ جمع ہوتے اور سب مل کر اس سلسلے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان وفیصلہ یاد کرتے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام وفرامین یاد رکھے ہیں۔ اگر حضور کی سنت وحدیث میں کوئی حکم

نہ ملتا اور وہ عاجز ہو جاتے تو سب سے بہتر و عمدہ اور بڑے بڑے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے جب سب کی رائے ایک امر میں متفق ہو جاتی تو اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے۔ (دارمی، باب الفتیا۔ حدیث ۱۶۳)

۲۱۔ ابن الانباری کتاب المصاحف میں ابو ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن کے ایک حرف کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر میں ایک حرف قرآن کے بارے میں وہ کہوں جو اللہ تعالیٰ کی مراد و منشا نہیں تو کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا؟ اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی؟ اور میں کہاں جاؤں گا؟ اور کیا کروں گا؟

(کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن حدیث ۴۱۴۹)

مسند مسدد میں ہے کہ جب میں قرآن میں ایسی بات کہوں جو میں نہیں سنتا ہوں تو کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا؟ اور کون زمین میرا بوجھ اٹھائے گی؟ ''نہیں سنتا ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ جو بات ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہے۔

(کنز العمال، فصل فی حقوق القرآن۔ حدیث ۴۱۵۰)

نکتہ: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''لا اسمع'' (میں نہیں سنتا ہوں) فرمایا ''لم اسمع'' (میں نے نہیں سنا) نہیں فرمایا تاکہ یہ فی الحال سننے کی نفی پر دلالت کرے ممکن ہے کہ انہیں ابھی کسی شخص سے کوئی ایسی روایت یا حدیث پہنچ جائے جو اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے جیسا کہ ابھی ابھی مسلمانوں سے ان کے سوال کرنے کا بیان گزرا۔

اور بیہقی شعب الایمان میں قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کون آسمان مجھ پر سایہ کناں ہوگا اور کون زمین میرا بوجھ برداشت کرے گی اگر میں کتاب اللہ میں اپنی رائے و خیال سے کچھ کہوں؟

(شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن۔ حدیث ۲۲۷۸)

عبد بن حمید ابراہیم نخعی سے، یہ اور ابو عبید فضائل القرآن میں ابراہیم تیمی سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ ''ابّ'' کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کون آسمان مجھ پر سایہ فگن ہو اور کون زمین میرے بوجھ کو برداشت کرے گی جب میں قرآن پاک کے بارے میں ایسی بات کہوں جو مجھے معلوم نہیں۔ (''ابّ'' ایک قسم کی گھاس ہے جسے دوب کہتے ہیں اور چراگاہ اور خشک و تر چارہ کو بھی ابّ کہتے ہیں)

(قرطبی الجامع لاحکام القرآن، سورہ عبس تحت آیت وفاکھۃ وابا)

۲۲۔ حاکم، قبیصہ بن ذویب سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور کہا کہ میرا پوتا یا نواسا وفات پا چکا ہے اس کے ترکہ کا میرے لئے کتنا حصہ ہے؟ ابوبکر نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ قرآن عظیم میں تمہارا کتنا حصہ مقرر ہے اور نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جدہ کے بارے میں کچھ سنا ہے۔ ہاں میں دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھوں گا، اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ عطا فرمایا ہے۔ ابوبکر نے فرمایا اے مغیرہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی اس کا گواہ ہے یہ سن کر محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا فرمایا ہے پھر اس بوڑھی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھٹا حصہ دینے کا حکم فرمایا۔

(حاکم مستدرک، کتاب الفرائض، قضاء ابی بکر فی الجدۃ)

اور دارمی زہری سے مطولاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور کہا کہ میرے پوتے یا نواسے کی وفات ہو چکی ہے اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ترکہ میں میرا بھی حصہ ہے تو میرا کتنا حصہ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا ہے البتہ میں لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھوں گا۔ (دارمی باب قول ابی بکر فی الجدات، حدیث ۲۹۴۲)

حضرت عمر فاروق کے اقوال

دارمی میں مغیرہ بن شعبہ و محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک جدہ (دادی یا نانی) آئی اور پوتے یا نواسے کے ترکہ کے بارے میں پوچھا کہ اس میں ان کا کتنا حصہ ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں سنا البتہ میں لوگوں سے اس کے لئے پوچھوں گا کہ کسی نے اس مسئلہ کے بارے میں حضور سے کچھ سنا ہے یا نہیں اس کے بعد لوگوں نے عمر فاروق کے پاس مغیرہ بن شعبہ و محمد بن مسلمہ کی حدیث بیان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جدہ تم دونوں میں سے جس کے بعد تنہا رہے تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ مرجائے اور تم دونوں زندہ رہو تو چھٹا حصہ تم دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ (دارمی باب قول ابی بکر فی الجدات، حدیث ۲۹۴۲)

۲۳۔ اسمٰعیلی و ابونعیم دونوں مستخرج میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا ان کے بدن پر جو پیرہن تھا اس کی پشت میں چار پیوند لگے ہوئے تھے لوگوں نے آیہ کریمہ "فاکھة و ابا" تلاوت کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس "فاکھة" کو تو جانتے ہیں لیکن "اب" کیا چیز ہے وہ معلوم نہیں پھر فرمایا کہ ہم کو تکلف و مشکل میں پڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ باب ما یکرہ عن کثرۃ السوال)

اور عبد بن حمید و ابن الانباری نے "کتاب المصاحف" میں اور ابو عبید نے فضائل قرآن میں اسے روایت کیا اس میں یہ ہے کہ عمر فاروق نے فرمایا کہ رک جاؤ

ہم کو تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ (درمنثور سیوطی، سورہ عبس)

ابن حمید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے عمر کی ماں کے بیٹے یہ تو تکلف و دشواری ہے اگر تم کو لفظ ''اب'' کا معنی معلوم نہ ہو تو کیا حرج ہے؟

(فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ باب ما یکرہ عن کثرۃ السوال)

انہیں کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اس سے انہوں نے اپنے آپ کو مارا اور کہا کہ قسم خدا کی یہ تو تکلف ہے تم لوگ اس کی متابعت و پیروی کرو جو کتاب اللہ میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ (حوالہ مذکور)

اور سعید بن منصور، ابن سعد، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ و بیہقی نے شعب الایمان میں، خطیب اور حاکم نے تصحیح کے ساتھ اسے روایت کیا اس میں یہ زیادہ ہے کہ جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے رب ذو الجلال کے سپرد کر دو۔

(درمنثور سیوطی، سورہ عبس تحت آیت وفاکھۃ وابا)

ابن جریر کے لفظ یہ ہیں کہ جو واضح و عیاں ہو اسے لازم کر لو ورنہ اسے رہنے دو۔

(طبری جامع البیان، سورہ عبس)

حاکم کے لفظ میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس تکلف سے مجھے معذور رکھو جو بھی رب کائنات کی طرف سے ہے ہم اس پر یقین و ایمان رکھتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ابن مردویہ ابو وائل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیہ کریمہ ''ابا'' کے بارے میں اپنے آپ سے پوچھا کہ ''اب'' کیا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ ہمیں اس کی تکلیف نہیں دی گئی ہے یا ہمیں اس کا حکم نہیں ہوا ہے کہ ''اب'' کا معنی جاننے کی کوشش کریں۔ (درمنثور سیوطی، سورہ عبس)

عبد بن حمید عبد الرحمن بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیہ کریمہ "ابا" کے بارے میں پوچھا، پھر جب عمر نے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی رائے وقیاس کے مطابق اس کا معنی بیان کر رہے ہیں تو وہ درہ لے کر لوگوں پر دوڑ پڑے۔ (حوالہ مذکور)

۲۴۔ عبد الرزاق وبیہقی اور ابوالشیخ کتاب الفرائض میں سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دادا کے حق میں تقسیم کس طرح ہوگی؟ حضور نے فرمایا کہ اے عمر یہ پوچھنے کی کیا وجہ ہے؟ میرے خیال میں تمہیں اس کا علم ہونے سے پہلے ہی تمہاری وفات ہو جائے گی۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مقاسمہ جد کا حکم جاننے سے پہلے ہی عمر کا انتقال ہو گیا۔

(کنز العمال، کتاب الفرائض حدیث ۳۰۶۱۱)

اقول ،اسی میں ہے اور کلالہ کے بارے میں آگے بیان آئے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام احکام کو بیان کرنے کا حکم نہیں فرمایا جو قرآن عزیز میں موجود ہیں چہ جائیکہ جو ان احکام کے علاوہ باطنی طور پر ہیں کیونکہ بعض احکام خفی ہیں اور بعض مجمل، تاکہ لوگ ان کے جاننے کی کوشش کریں اور ثواب کے مستحق ہوں اور اللہ ورسول نے جو احکام وفرامین ظاہر فرمائے یا پوشیدہ رکھے اور جنہیں منع کیا یا عطا فرمایا وہ سب کے سب اللہ ورسول ہی کے احکام ہیں۔

عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو تم میں دادا کی تقسیم کے احکام بتانے پر زیادہ بے باک ونڈر ہے وہ دخول جہنم پر زیادہ جری وبے باک ہے۔ (مصنف عبد الرزاق، کتاب الفرائض حدیث ۱۹۰۴۷)

عبد الرزاق ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے دادا کے معاملے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق، کتاب الفرائض حدیث ۱۹۰۴۶)

۲۵۔ ابن جریر کی روایت میں ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کلالہ کا علم زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ میرے لئے شام یا روم کے مثل محلات ہوں۔ (طبری جامع البیان، آیت یستفتونک قل اللہ الایۃ)

امام احمد عمر فاروق سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ تمہیں آیت صیف کافی ہے۔ (آیت صیف آگے آرہی ہے) حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھنا میرے لئے سرخ اونٹ ہونے سے زیادہ بہتر تھا۔ (سرخ اونٹ عزیز ترین اموال عرب ہیں)

(مسند احمد، مرویات عمر)

ابن جریر مسروق سے راوی آپ نے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قریبی رشتہ دار کے ترکہ کے بارے میں پوچھا جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے تو عمر نے اپنی داڑھی پکڑی اور کلالہ کلالہ تین مرتبہ فرمایا پھر فرمایا کہ قسم خدا کی کلالہ کا جاننا میرے لئے پوری روئے زمین کی چیزوں سے بہتر تھا۔ میں نے کلالہ کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ کیا تم نے آیت صیف نہیں سنی؟ اس بات کو حضور نے تین مرتبہ مکرر فرمایا۔

(طبری جامع البیان، آیت کلالہ)

مالک ومسلم اور ابن جریر وبیہقی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی عمر نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ سے زیادہ کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ حضور نے اپنی انگشت مبارک سے میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمہیں آیت صیف کافی ہے جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔

(مسلم، کتاب الفرائض)

اور طبری کے لفظ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلالہ سے

زیادہ سختی کسی چیز میں نہیں فرمائی اور یہ کہ آیت کلالہ سے زیادہ میں نے کسی چیز میں حضور سے تنازع نہیں کیا یہاں تک کہ حضور نے میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں تجھے آیت صیف کافی ہے۔ آیت صیف یہ ہے

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (النساء، ۱۷۶)

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ (کلالہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے بعد نہ باپ چھوڑے نہ اولاد) میں فتویٰ دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

(طبری جامع البیان، تحت آیت مذکورہ)

ابن راہویہ وابن مردویہ سند صحیح کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے حضور نے فرمایا کیا اللہ عزوجل نے یہ بیان نہیں فرمایا ہے پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (النساء، ۱۲)

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔

(کنز الایمان)

حضرت عمر کی سمجھ میں یہ نہ آیا تو انہوں نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ زوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جب تم حضور کو خوش وخرم دیکھنا تو کلالہ کے بارے میں

پوچھنا، جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا کہ اے حفصہ تمہارے باپ عمر نے یہ تم سے ذکر کیا ہے نا؟ پھر حضور نے فرمایا کہ میرے خیال میں تمہارے باپ عمر کو کلالہ کا علم کبھی نہ آئے گا اس کے بعد حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ میں کلالہ کی حقیقت اور اس کا علم کبھی نہ جان سکوں گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا ہے۔ (کنز العمال حدیث ۳۰۶۸۸)

اور عبد الرزاق نے اسے دوسرے طریق سے اور سعید بن منصور و ابن مردویہ نے طاؤس سے روایت کیا اس روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حفصہ سے فرمایا کہ تمہیں یہ کس نے حکم دیا، کیا عمر نے حکم دیا ہے؟ پھر حضور نے فرمایا کہ میرے خیال میں عمر کلالہ کو درست نہیں کر پائیں گے، انہیں تو آیت صیف کافی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، حدیث ۱۹۱۹۴)

۲۶۔ امام احمد و ابن ماجہ وضریس و ابن جریر و ابن منذر روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے آخر میں سود کی آیت نازل ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی تفسیر و توضیح فرمانے سے پہلے ہی دنیا سے تشریف لے گئے، اے لوگو! تم سود اور شک میں نہ پڑو۔

(ابن ماجہ ابواب التجارات، باب الحیوان بالحیوان الخ)

ابن مردویہ کی روایت میں یہی ہے کہ اے لوگو تم شک وتردد والی بات چھوڑ دو اور اسے اختیار کرو جس میں کوئی شک وریب نہیں۔ (درمنثور، سیوطی آیت الذین یاکلون الربوا)

دارمی کی روایت میں ہے کہ عمر فاروق نے پہلے یہ فرمایا کہ اے لوگو! مجھے معلوم نہیں شاید ہم نے تمہیں ایسی چیز کا حکم دیا ہے جو تمہارے لئے حلال و جائز نہیں اور شاید ہم نے تم پر ایسی چیز حرام کر دی ہے جو تمہارے لئے حلال ہے اور سب سے آخر میں سود کی آیت نازل ہوئی اس کی تفسیر سے پہلے ہی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔ (دارمی باب کراھیۃ الفتیا حدیث ۱۳۱)

۲۷۔ بخاری مسلم، عبدالرزاق، ابن جریر و ابن منذر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں کے لئے ہماری خواہش یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کچھ وصیت فرماتے تو ہم اسی پر اکتفا کرتے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں جد، کلالہ اور سود کی قسمیں۔ (مسلم کتاب التفسیر)

۲۸۔ ابوداؤد طیالسی، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ، عدنی، ابن ماجہ، شاشی، ابن جریر اور ابوالشیخ کتاب الفرائض میں، حاکم، بیہقی اور ضیاء مقدسی روایت کرتے ہیں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چیزیں ہمارے لئے بیان فرما دیتے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیھا سے بہتر و افضل ہوتا وہ تین چیزیں یہ ہیں خلافت، کلالہ اور ربا۔ (ابن ماجہ، باب الکلالۃ)

۲۹۔ عبدالرزاق، عدنی، ابن منذر، حاکم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان تین چیزوں کا حکم پوچھ لیتے تو یہ میرے لئے سرخ اونٹ ملنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔

۱۔ حضور کے بعد خلیفہ کون کون ہوگا

۲۔ جو لوگ زکوٰۃ کا اقرار کریں اور ادا نہ کریں تو ان سے جنگ جائز ہے یا نہیں

۳۔ کلالہ کی تفصیل (مصنف عبدالرزاق، کتاب الفرائض۔ ابن ماجہ، باب الکلالۃ)

عبدالرزاق و ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن جریر ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دادا اور کلالہ کے احکام و مسائل پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور استخارہ کر کے کہنے لگے کہ اے اللہ اگر اس میں بھلائی و خیر ہے تو اسے پورا کر دے کچھ دنوں تک کتاب ایسی ہی رکھی رہی یہاں تک کہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا آپ نے کتاب منگا کر اسے مٹا دی، کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق باب الکلالۃ۔ حدیث ۱۹۱۸۵)

۳۰۔ سعید بن منصور و بیہقی طارق بن شہاب سے راوی حضرت عمر بن خطاب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دست کی ہڈی لی (اس زمانہ میں کاغذ نہیں تھا ہڈی کھجور کے پتے اور کپڑے وغیرہ پر لکھتے تھے) اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دادا کے احکام لکھنے کے لئے جمع کیا صحابہ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عمر دادا کو باپ کے حکم میں کر دیں گے اتنے میں ان لوگوں کے پاس ایک سانپ نکل آیا جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرام متفرق و منتشر ہو گئے یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کا پورا فرمانا منظور ہوتا تو اسے پورا فرما دیتا۔

(سنن کبری، کتاب الفرائض۔باب التشدید فی الکلام فی مسالة الجد)

ابن جریر کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دست کی ہڈی لی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کر کے فرمایا کہ ہم کلالہ کے بارے میں ضرور کوئی فیصلہ کر لیں گے کیونکہ اس سلسلے میں پردہ نشین خواتین بھی چہ میگوئیاں کرتی ہیں اچانک اسی وقت گھر کے اندر سے ایک سانپ نکل آیا جس کی وجہ سے صحابہ کرام ادھر ادھر متفرق ہو گئے حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس معاملہ کو پورا فرمانا چاہتا تو ضرور پورا فرما دیتا۔ دونوں روایت میں یہ ہے کہ جس نے قرآن نازل فرمایا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ جدا اور کلالہ کے بارے میں کسی ایک بات پر اجماع کر لیں۔

(جامع البیان ابن جریر، آیت و یستفتونک عن الکلالۃ)

۳۱۔امام احمد و ابوداؤد و ترمذی و بیہقی براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا حضور نے فرمایا تجھے آیت صیف کافی ہے۔

(ابوداؤد و باب من کان لیس لہ ولد، کتاب الفرائض)

اور ابن جریر ابو سلمہ سے راوی اس میں یہ ہے کہ حضور نے سائل سے فرمایا کہ کیا تم نے وہ آیت نہیں سنی جو صیف میں نازل ہوئی ہے اور کیا یہ آیت تم نے نہیں سنی ہے؟

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً ۔الآیۃ (النساء،۱۲)

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے۔ (کنزالایمان)(ابن جریر، جامع البیان۔ آیت کلالہ)

طبرانی سمرہ بن جندب سے روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں ایک شخص آیا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھا حضور نے اسے کوئی جواب نہیں دیا صرف یہ کہ حضور نے سورۂ نساء کی آیت کلالہ تلاوت فرمائی پھر جب جب وہ شخص سوال کرتا تو حضور اس کے جواب میں اسی آیت کو پڑھتے یہاں تک کہ اس شخص کی آواز اس خیال سے بلند ہوگئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلالہ کی وضاحت ضرور فرمادیں پھر حضور نے وہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ قسم خدا کی میں اتنا ہی بیان کروں گا جتنا مجھے عطا ہوا میں اس سے زیادہ کچھ بیان نہ کروں گا۔ اور اس روایت میں بھی یہ ہے کہ جس نے قرآن عظیم نازل فرمایا وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس سے زیادہ امت کے لئے بیان کیا جائے۔ (معجم کبیر طبرانی، حدیث ۷۰۵۵)

۳۲۔ بیہقی مسروق سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک کاتب تھا جس نے کلالہ سے متعلق یہ لکھا کہ یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین عمر کو دکھایا یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کاتب کو ڈانٹا اور فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ یہ لکھو کہ یہ عمر کی رائے ہے اگر یہ درست وصواب ہے تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اگر غلط و باطل ہے تو عمر کی جانب سے ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب آداب القاضی)

ابن منذر عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ رک جاؤ ایسا نہیں ہے یہ بات تو صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔

(کنزالعمال۔ حدیث ۲۹۵۰۲)

۳۳۔ حاکم، بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں

کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے علم فرائض میں عول کا قاعدہ وضع فرمایا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب میں نے ایک کو دوسرے حصہ سے ہٹایا اور بعض کو بعض سے ملایا گیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ قسم خدا کی مجھے معلوم نہیں میں تمہارے ساتھ کیا کروں کیسا کروں، قسم خدا کی مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کے استحقاق میں کس کو مقدم کیا اور کس کو موخر اور اس مال میں اس سے بہتر کوئی صورت مجھے نہیں ملتی کہ میں تم میں اس کے حصے تقسیم کردوں۔ پھر ابن عباس نے یہ کہا کہ قسم خدا کی اگر اسے مقدم کیا جائے جسے اللہ نے مقدم فرمایا اور اگر اسے موخر کیا جائے جسے اللہ نے موخر کیا ہے تو کسی حصے کا عول نہ ہو سکے گا، ابن عباس سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس کو مقدم کیا اور کس کو موخر، ابن عباس نے فرمایا کہ ہر وہ مقرر حصہ جسے اللہ تعالیٰ نے ساقط نہیں فرمایا بلکہ اسے مقرر ہی رکھا تو وہ مقدم ہے اور ہر وہ مقرر حصہ جو اپنے حصہ سے ہٹ چکا ہے اور اس کے لئے میراث کا باقی بچا ہوا حصہ ہے تو وہ موخر ہے۔ مقدم کی مثال زوجین اور ام ہیں اور موخر کی مثال اخوات و بنات ہیں۔ پھر جب مقدم و موخر جمع ہو جائیں تو تقسیم مقدم سے شروع کی جائے گی اس کو اس کا پورا حق دینے کے بعد اگر کچھ [1] بچے تو وہ موخر کو دیا جائے گا اور اگر [2] کچھ نہ بچے تو موخر کے لئے کچھ نہیں۔

(حاکم مستدرک کتاب الفرائض، سنن بیہقی باب الحقوق فی الفرائض)

اقول، مقدم و موخر کا قاعدہ انتہائی نفیس [3] و عمدہ ہے اور اس میں کشش بھی ہے۔

---

[1] جیسے زوج، ام، اخت۔ مسئلہ ۶ سے بنے گا اخت کو ایک ملے گا۔
ہمارے نزدیک ۸ سے عول ہوگا۔ اور زوج، ابوین، ابنتین کا مخرج ۱۲ ہے امام شافعی کے نزدیک ۹۰ سے اس کی تصحیح ہوگی۔ زوج کو ۱۵، ام کو ۱۰ اکمل، باپ کو ۷، ہر لڑکی کو ۱۴، ہر تین کا دسواں حصہ کم ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک یہ ۱۵ تک عول ہوگا پانچواں حصہ کم ہو جائے گا۔ ۱۲ منہ

[2] جیسے زوج، ام، اختین لام، دو سگے بھائی۔ بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہمارے نزدیک دس تک اس کا عول ہوگا ہر ایک کا حصہ کچھ کم ہوگا ۱۲ منہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ [۴] جو حصہ مقررہ سے نیچے نہیں آتا اور کبھی عصبہ نہیں ہوتا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے صرف حصہ مقرر فرمایا ہے اگرچہ صاحب فرض حجب نقصان کے سبب سے مختلف ہوں اور جس کا جو حصہ مقرر ہے اس میں کوئی ترمیم و تبدیل نہیں ہوگی۔ [۵] اور کوئی صاحب فرض اگر کبھی عصبہ ہو جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا جو حصہ ہے وہ وجوبی و حتمی نہیں ہے بلکہ اگر کچھ بچتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ تو وہ اس کو ملتا ہے اور اگر نہ بچے تو نہیں ملتا غرضیکہ اس کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ فرائض کا معاملہ صاحب فرض و عصبہ میں سے کسی پر تنگ نہیں جب تک کہ دونوں ایک ساتھ جمع نہ ہوں اگر ایسا کیا جائے تو کسی بھی حصہ کا عول نہ ہوگا لیکن اس سے یہ لازم آئے گا کہ ماں ان میں سے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا اور باپ ان میں سے ہو جنہیں موخر کیا گیا ہے۔ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باپ پر ماں کی افضلیت کو پسند نہیں کرتے ہیں مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس سے اختلاف ہے، اس کا بیان آگے آئے گا۔

حضرت عثمان ذوالنورین کے اقوال

۴۴۔ عبدالرزاق دارمی و بیہقی مروان سے روای کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے جد کے بارے میں ایک فیصلہ

---

[۳] امام زہری فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی اگر اسے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو امام ہدایت ہیں تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر حکم صادر فرماتے ہیں) مقدم نہ کرتے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو اہل علم بھی اختلاف نہ کرتے۔ اسے ابوالشیخ نے کتاب الفرائض میں روایت کیا اور بیہقی نے حدیث مذکور کے آخر میں اسے درج فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

[۴] وہ ۶ ہیں ام، جدہ، دو اخیافی لڑکے ۱۲، امنہ (شاید ۴ کی بجائے ۶ لکھ گیا ہے۔ مترجم)

[۵] وہ ۶ ہیں اب، جد بنت، بنت الابن، حقیقی بہن، علاتی بہن۔ ۱۲ منہ

صادر کیا تھا اگر تم لوگ اسے لینا چاہو تو لے لینا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے آپ کی رائے کا اتباع کیا کیونکہ آپ کی رائے حق و درست ہے اور ہم نے آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر بھی عمل کیا ہے۔ دو رائے پر عمل کرنا زیادہ اچھا ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب الفرائض۔ سنن دارمی باب قول عمر فی الجد، حدیث ۲۹۱۹)

اگر قرآن ہر چیز کو امت کے لئے واضح انداز میں بیان کر دیتا تو دو رائے کا اتباع جائز نہ ہوتا اور نہ کسی رائے کی طرف میلان ہوتا بلکہ کوئی رائے قائم ہی نہ کی جاتی۔

۳۵۔ امام مالک، امام شافعی، عبد بن حمید، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، مسدد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، دارقطنی، بیہقی زہری و قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دو باندی بہنوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ان دونوں بہنوں کو ایک ساتھ رکھا جا سکتا ہے حضرت عثمان نے فرمایا کہ ایک آیت سے حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیت سے حرمت، اور میں ایسا کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا۔ یعنی دو بہنوں کو باندی بنا کر ایک ساتھ رکھنا جائز ہے مگر دونوں سے وطی کرنا جائز نہیں ہاں اگر صرف ایک سے وطی و صحبت کرے اور دوسری سے نہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

(موطا مالک، کتاب النکاح۔ باب ما جاء فی کراھیۃ اصابۃ الاختین الخ)

حضرت علی مرتضیٰ کے اقوال

۳۶۔ ابن عبدالبر کتاب العلم میں زاذان سے اور ابوالبختری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی جب میں قرآن کریم میں ایسی بات کہوں جو مجھے معلوم نہیں۔ (قرطبی جامع البیان، باب ما یلزم العالم اذا سئل عما الخ)

۳۷۔ ابن عبدالبر کتاب العلم میں اور ابن جریر محمد بن کعب سے راوی کہ ایک شخص

نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت علی نے مسئلہ بتایا، اس شخص نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا جواب یہ ہے اور وہ ایسا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے درست وصحیح کہا اور مجھ سے غلطی ہوئی، ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے۔ (جامع البیان، سورہ یوسف آیت وفوق کل ذی علم علیم)

۳۸۔ دارمی ابوالبختری وزاذان سے روایت کرتے ہیں ان دونوں نے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کلیجہ اس سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ جب مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھے جو مجھے معلوم نہیں تو اس کے جواب میں میں یہ کہوں کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ (سنن دارمی باب فی الذی یفتی الخ حدیث ۱۸۱)

سعد بن نصر اپنی چوتھی حدیث میں عبداللہ بن بشر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے پھر فرمایا کہ اس بات سے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو مجھے معلوم نہیں اور اس کے جواب میں میں یہ کہوں کہ میں نہیں جانتا۔ (خطیب بغدادی، کتاب الفقیہ والمتفقہ۔ حدیث ۱۱۰۴)

۳۹۔ دارمی عبداللہ بن عمر سے اور خارق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تقسیم میراث کا ایک مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ اگر اس مسئلہ میں دادا نہیں ہے تو یہاں پر لے آنا۔

(دارمی کتاب الفرائض، باب الجد حدیث ۲۹۰۴)

۴۰۔ عبدالرزاق وسعید بن منصور اور دارمی حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کرتے ہیں حضرت علی نے فرمایا کہ جسے جہنم میں جانا اچھا لگے وہ دادا اور بھائیوں کے درمیان میراث کی تقسیم میں فیصلہ کرے۔

(دارمی کتاب الفرائض، حدیث ۲۹۰۵۔ مصنف عبدالرزاق باب الجد، حدیث ۱۹۰۴۸).

۴۱۔ ابوبکر بن شیبہ، مسدد، ابویعلی، ابن جریر، بیہقی اور ابوعمر کتاب العلم میں ابو

صالح سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے پوچھو کیونکہ تم میرے مثل کسی سے نہیں پوچھ رہے ہو اور میرے مثل ہرگز کسی سے نہیں پوچھو گے، ابن الکواء کھڑے ہوئے اور کہا کہ دو باندی بہنوں کا حکم بتائیے کہ انہیں ایک ساتھ جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علی نے فرمایا کہ ایک آیت میں دونوں کو جمع کرنا حلال کہا گیا ہے اور دوسری آیت میں حرام، اور میں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں اور نہ اسے حلال کرتا ہوں نہ حرام اور نہ میں ایسا کروں گا نہ میرے گھر میں کوئی ایسا کرے گا۔ یعنی دو بہنوں کو باندی بنا کر ایک ساتھ رکھنا اور دونوں سے وطی کرنا جائز نہیں اور رکھنا جائز ہے۔

(سنن بیہقی، کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین الاختین)

حضور نے حضرت علی کو ہزار ہزار علوم سکھائے

اقول ،حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا کہ تم میرے مثل کسی سے نہیں پوچھ رہے ہو[1] اور میرے مثل کسی سے ہرگز نہیں پوچھو گے۔۔۔الخ اس لئے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ علم والے تھے اور ان کے بعد ان کا مدمقابل کوئی پیدا نہیں ہوا ایسا کیوں نہ ہو کہ انہیں مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہزار ہزار علوم سکھائے۔

ابو نعیم حلیہ میں اور ابو احمد فرضی جزء حدیثی میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ہزار

---

[1] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان غنی تینوں شیوخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام علم و ادراک محفوظ رکھا ہے کہ آپ نے حال و مستقبل کی نفی فرمائی ہے ماضی کی نہیں یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے مثل کسی سے سوال نہیں ہوا اور نہ کسی نے بتایا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے زمانے کا صدیق اکبر ہوں، میرے بعد اگر کوئی یہ بات کہے تو وہ کذاب و مفتری ہے۔ ۱۲ منہ

دروازے سکھائے ہر دروازہ میں ہزار دروازے کھلتے ہیں۔ (کنز العمال، حدیث ۳۶۳۷۲)

اسمعیلی اپنے معجم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بصرہ ضرور فتح ہو جائے گا اور تمہارے پاس کوفہ سے چھ ہزار پانچ سو ساٹھ یا پانچ ہزار چھ سو پچاس افراد کی مدد آئے گی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فتح بصرہ کے موقع پر اس خیال سے کہ لڑائی تو ایک دھوکا ہے میں نے کوفہ کے لوگوں سے پوچھا کہ تمہاری جو مدد ہوگی اس میں تمہاری تعداد کیا ہوگی؟ لوگوں نے وہی تعداد بتائی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتائی تھی۔ میں نے کہا کہ یہ وہ راز ہے جسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے خفیہ انداز میں بیان فرمایا تھا اور یہ کہ حضور نے انہیں ہزار ہزار کلمے سکھائے ہر کلمہ سے ایک کلمہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ دونوں روایت کی سند حسن ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد میں تحقیق ویقین سے بیان فرمایا کہ دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنا حرام ہے۔ (کنز العمال، حدیث ۴۶۵۰۰)

ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی حضرت علی سے اور ابن جریر وابو عمر کتاب الاستذکار میں ایاس بن عامر سے اور ابن جریر سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں اور ابن شہاب نے اسے قبیصۃ المار کی حدیث میں ذکر کیا ہے اس کے بعد کی پوری حدیث یہ ہے کہ ایک صحابی رسول کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ رکھا ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں مسلمانوں کا ولی وامیر ہوا پھر وہ مسئلہ میرے پاس آئے تو میں ایسے شخص کو سخت سزا دوں گا۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے ولی وامیر سے مراد یہاں پر خود علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہی ہیں۔

(ابن عبد البر فی الاستذکار، رقم الترجمہ ۱۰۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے اقوال

۴۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث گزری جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم قرآن کریم کے ان بعض علوم کو جانتے ہیں جو ہمارے لئے واضح کردیئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، حدیث ۱۲۶۳۲)

۴۳۔ امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے طریق سے امام محمد کتاب الاثار میں، امام احمد مسند میں، ابن ابی شیبہ، اصحاب سنن اربعہ، حاکم وبیہقی روایت کرتے ہیں یہ ابوداؤد کی حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابن مسعود کے پاس یہ مسئلہ آیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا اور وہ دخول ووطی سے پہلے ہی مرگیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس عورت کے لئے مہر مثل ہے نہ کم ہو نہ زیادہ، وہ میراث کی بھی مستحق ہے اور اس پر عدت بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ درست ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ ورسول جل علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ یہ سن کر قبیلہ اشجع کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے لئے یہی حکم فرمایا ہے جو آپ نے فرمایا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا فیصلہ حضور کے فیصلہ کے موافق دیکھ کر بے پناہ مسرور وشادماں ہوئے۔

(ابوداؤد، کتاب النکاح باب فیمن تزوج الخ)

۴۴۔ دارمی ''باب التورع عن الجواب فیما لیس فیہ کتاب ولا سنۃ'' میں عامر سے روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ مجھ سے قرآن کی جس چیز کے بارے میں پوچھوگے اگر ہمیں معلوم ہوگی تو ہم تمہیں بتادیں گے یا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی سنت یا حدیث کے متعلق پوچھوگے تو میں بتادوں گا لیکن اگر کوئی نوایجاد بات ہو اور وہ قرآن و

حدیث میں نہ ہو تو وہ ہماری طاقت و معلومات سے باہر ہے ہم اسے نہیں بتا سکیں گے۔

(داری باب التورع، حدیث ۱۰۲)

۴۵۔ داری شقیق سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں اس بات کو برا جانتا ہوں کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی چیز حلال کردوں جو اللہ نے تم پر حرام فرمائی ہے یا کوئی ایسی چیز تمہارے اوپر حرام کردوں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہے۔

(داری، باب من حاب الفتیا وکرہ الخ، حدیث ۱۴۹)

حضرت زید بن ثابت کے اقوال

۴۶۔ طبرانی خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم، زید بن ثابت کی طرف سے اللہ کے بندے امیر المومنین معاویہ کے نام اے امیر المومنین آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو میں رب کائنات کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد، آپ مجھ سے دادا اور بھائیوں کی میراث کے بارے میں پوچھتے تھے، بیشک کلالہ اور میراث کے بہت سارے وہ حصے جن کی مقدار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، ہم ان امور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم غور و فکر کے بعد تھک کر عاجز ہو جاتے اور کسی کا حل ہمیں معلوم نہ ہوتا پھر اس کے بعد اگر کوئی میراث کے بارے میں استفتاء کرتا تو ہم جواب میں اتنا ہی کہہ دیتے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جد اور اخوۃ کی تفصیل نہیں فرمائی۔ (معجم کبیر طبرانی، ترجمہ ابی الزناد۔ حدیث ۴۸۶)

۴۷۔ عبدالرزاق عکرمہ سے راوی عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ میں ان سے زوج اور ابوین کے

بارے میں پوچھوں، میں گیا اور ان سے ان کا حکم پوچھا، زید بن ثابت نے فرمایا کہ زوج کے لئے نصف، ماں کے لئے ماقی کی تہائی اس کے بعد جو بچے وہ باپ کے لئے ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم آپ نے کتاب اللہ سے اخذ کیا یا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ میری رائے ہے میرے نزدیک باپ پر ماں کو فضیلت حاصل نہیں ہے اور ابن عباس ماں کو پورے مال کا تہائی حصہ دیتے تھے۔

اسے دارمی نے بھی مختصراً روایت کیا ہے ان کے لفظ یہ ہیں حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس نے مجھے زید بن ثابت کے پاس یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ کیا قرآن پاک میں ماں کے لئے ماقی کا تہائی حصہ آیا ہے؟ حضرت زید بن ثابت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ بھی ایک آدمی ہیں آپ اپنی رائے کے مطابق کہتے ہیں اور میں بھی ایک آدمی ہوں میں اپنی رائے کے مطابق کہتا ہوں۔

(مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۹۰۲۰۔ دارمی، حدیث ۲۸۷۸۔ کتاب الفرائض)

حضرت عبداللہ بن عباس کے اقوال

۴۸۔ دارمی ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عورت اور ابوین کے مسئلہ میں سب اہل قبلہ کی مخالفت کی ہے انہوں نے ماں کے لئے پورے مال کا تہائی حصہ مقرر کیا۔

(دارمی۔ حدیث ۲۸۸۱)

۴۹۔ ابن سعد کتاب السنۃ میں، دارمی، عدنی، ابن جریر عبداللہ بن ابی یزید سے راوی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی معاملے کے بارے میں پوچھا جاتا، اگر وہ بات قرآن کریم میں ہوتی تو اسے بتا دیتے اور اگر قرآن میں نہ ہوتی بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں کچھ مروی ہوتا تو اسے بیان کر دیتے ورنہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال دیکھتے اگر ان کا کوئی قول نہ

ملتا تو آخر میں اپنی رائے ظاہر کرتے اور اس کا جواب دیتے تھے۔

(دارمی، باب الفتیا، حدیث ۱۶۸)

۵۰۔ ابن جریر ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے اس پر کچھ بتانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر کسی دوسرے سے پوچھا جاتا تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ کہتا۔

(طبری، مقدمۃ الکتاب۔ ذکر بعض الاخبار التی غلط فی تاویلھا)

۵۱۔ عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری کتاب المصاحف میں اور حاکم سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم اور عبداللہ بن فیروز (مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے ابن فیروز نے کہا اے ابو عباس، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدۃ، ۵)

کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ سمجھا کہ وہ ان سے التباس و امتحان کے طور پر پوچھ رہے ہیں لہٰذا یہ فرمایا کہ وہ کون سا دن ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے؟ ابن فیروز نے کہا کہ میں نے تو آپ سے اس لئے پوچھا ہے تاکہ آپ مجھے اس کی حقیقت بتا دیں ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے اور اللہ ہی کو ان کا حال خوب معلوم ہے اور میں قرآن کریم میں ایسی بات کہنے کو برا جانتا ہوں جو مجھے معلوم نہیں ابن فیروز کہتے ہیں کہ پھر زمانہ کے نشیب و فراز اور گردش لیل و نہار کے بعد ایک دن، میں حضرت ابن مسیب رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے ابن مسیب سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کچھ نہ بتایا نہ انہیں کچھ معلوم تھا، ابن فیروز کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو وہ بات نہ بتاؤں جو مجھے حضرت ابن عباس سے پیش آئی تھی ابن مسیب نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں ضرور بتاؤ پھر میں نے ابن مسیب کو ابن عباس سے سوال و جواب کی پوری تفصیل بتائی، یہ سن کر ابن مسیب نے سائل سے فرمایا کہ دیکھو یہ ابن عباس ہیں جنہوں نے اس آیت کے سلسلے میں کچھ بتانے سے انکار کیا حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ علم والے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ سجدہ آیت ثم یعرج الیہ فی یوم الایۃ)

۵۲۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری کتاب المصاحف میں، ابن مردویہ اور حاکم سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں حطیم کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور مجھ سے ''والعدیت ضبحاً'' (قسم ان کی جو دوڑتے ہیں سینے سے آ نکلتی ہوئی کنزالایمان) مراد ان سے غازیوں کے گھوڑے ہیں جو جہاد میں دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے آوازیں نکلتی ہیں۔ (خزائن العرفان) کا معنیٰ پوچھا میں نے کہا کہ ان سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد کے وقت غبار آلود ہوتے ہیں وہ سائل میرے پاس سے اٹھ کر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پاس گیا حضرت علی سقایہ زمزم کے نیچے بیٹھے تھے ان سے اسی آیت کا معنیٰ پوچھا حضرت علی نے فرمایا کہ کیا تم نے مجھ سے پہلے بھی کسی سے یہ پوچھا ہے اس شخص نے کہا کہ ہاں میں نے اس کے متعلق حضرت ابن عباس سے پوچھا ہے انہوں نے یہ بتایا کہ ان سے وہ گھوڑے مراد ہیں جو جہاد میں غبار آلود ہوتے ہیں، حضرت علی نے فرمایا کہ جاؤ ان کو بلا کر لاؤ، ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت علی کے پاس جا کر کھڑا ہوا تو فرمایا کہ لوگوں کو ایسا فتویٰ دیتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں (فساق الحدیث) پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ''والعادیات ضبحاً'' کی تفسیر ان اونٹوں سے فرمائی جو

عرفہ سے مزدلفہ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پھر میں اپنی بات سے باز آیا اور علی مرتضیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(جامع البیان طبری۔ تفسیر ابن ابی حاتم، سورۃ العادیات)

۵۳۔ ابن منذر و حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی آپ فرماتے ہیں کہ بعض چیز ایسی ہے جو تم نہ قرآن میں پاؤ گے نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قضا و فیصلے میں وہ ملے گی لیکن لوگوں میں اسے رائج و مشہور پاؤ گے وہ یہ ہے کہ میراث میں سے لڑکی کے لئے نصف، اور بہن کے لئے نصف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء، ۱۷۶)

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (کنز الایمان) (حاکم مستدرک، کتاب الفرائض)

ابن منذر و حاکم اور عبدالرزاق و بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس میت کے بارے میں پوچھا گیا جو بیٹی اور بہن چھوڑے تو ان کے لئے میراث کا کتنا حصہ ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور بہن کے لئے کچھ نہیں، اس کے بعد جو بچے وہ اس کے عصبہ کے لئے ہے۔ ابن عباس سے کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو بہن کے لئے نصف حصہ مقرر کیا ہے، حضرت ابن عباس نے اس پر یہ فرمایا کہ تم کو زیادہ معلوم ہے یا اللہ عزوجل کو؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء، ۱۷۶)

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (کنز الایمان)

لیکن تم کہتے ہو کہ بہن کے لئے نصف ہے اگرچہ اس کی اولاد ہو۔

(حاکم مستدرک، کتاب التفسیر۔ سنن بیہقی، کتاب الفرائض)

بخاری اپنی صحیح میں ¹ اور دارمی، عبدالرزاق و حاکم اسود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد رسالت میں ہمارے درمیان بیٹی اور بہن کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ بیٹی کے لئے نصف ہے اور بہن کے لئے نصف۔ اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ حضرت ابن مسعود کی حدیث مرفوع آگے آئے گی۔

(بخاری کتاب الفرائض، باب میراث البنات۔ سنن دارمی، حدیث ۲۸۸۲)

۵۴۔ سعید بن منصور عطا سے روایت کرتے ہیں عطا کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ لوگ آپ کا اور میرا قول نہیں لیتے ہیں، ان پر عمل نہیں کرتے ہیں ہمارے اور آپ کے مرنے کے بعد وہ آپ کے قول کے مطابق میراث کی تقسیم نہیں کریں گے، ابن عباس نے فرمایا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے تاکہ کعبہ کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر گڑگڑا کر دعا کریں کہ ان کے حق میں اللہ کا حکم کیا ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب ولایۃ العصبۃ)

۵۵۔ ابن جریر، حاکم سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی سنن میں راوی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ دو بھائی، ماں کو ثلث مال سے محروم نہیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ (النساء، ۱۱)

پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی ہوں۔ (کنز الایمان)

کیونکہ ''اخوان'' آپ کی قومی زبان میں ''اخوۃ'' کو نہیں کہتے ہیں یعنی دو بھائیوں سے مراد چند بھائی یا بہن نہیں ہوتی۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں تو اسے رد

¹ دارمی کی روایت میں ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹی کے ساتھ حقیقی بہن کو کچھ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ ان سے اسود نے حدیث بیان کی کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف کی مستحق قرار دیا ہے تو ابن زبیر نے فرمایا کہ یہ بات تم عبداللہ بن عتبہ کو جا کر بتادو، عبداللہ بن عتبہ ان دنوں کوفہ کے قاضی تھے۔ ۱۲ منہ

نہیں کرسکتا جو مجھ سے پہلے ہوا، یہ شہروں میں ہوتا رہا اور لوگ اس پر عمل کرتے رہے۔

(سنن بیہقی، کتاب الفرائض باب فرض الام)

حاکم و بیہقی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ماں کو بھائیوں سے محجوب کر دیتے تھے یعنی بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو کچھ نہیں دیتے اور فرماتے کہ عرب والے "اخوین" کو "اخوۃ" سمجھتے ہیں۔ یعنی دو بھائی، تین بھائیوں کے مثل ہیں یعنی جو حکم دو بھائیوں کا ہے وہی تین بھائیوں کا بھی حکم ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

۵۶۔ عبد بن حمید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ "ان تجمعوا بین الاختین" کے متعلق ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دو آزاد بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لیکن دو باندی بہنوں کو ملک میں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ہاں دونوں سے صحبت و مباشرت کرنا جائز نہیں)

(درمنثور سیوطی، سورہ نساء)

عبدالرزاق عمرو بن دینار سے راوی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ "حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کے بارے میں فرمایا کہ ایک آیت نے اسے حلال کیا ہے اور دوسری نے حرام" ابن عباس یہ کہتے تھے کہ "الا ما ملکت ایمانھم" کے پیش نظر دو باندی بہنوں کو ایک ساتھ جمع کرنا جائز ہے کیونکہ یہ مطلق ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۲۷۳۷)

عبد بن حمید و ابن منذر عمرو بن دینار سے راوی کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک دو باندی سگی بہنوں کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(درمنثور سیوطی، سورہ نساء، آیت وان تجمعوا بین الاختین)

عبدالرزاق و بیہقی عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کے پاس دو باندی بہنوں کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ذکر کیا گیا اور کہا گیا

کہ حضرت علی نے فرمایا ہے کہ ایک آیت سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری سے حرمت، اس وقت حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک آیت حلال کرتی ہے اور دوسری حرام، مگر انہوں نے ان عورتوں کو ہمارے خویش و اقارب پر حرام کیا ہے اور انہیں ان کے بعض قریبی، رشتہ دار پر حرام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (النساء، ۲۴)

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں مگر کافروں کی عورتیں جو تمہاری ملک میں آجائیں۔

(کنز الایمان) (سنن بیہقی، کتاب النکاح)

ابن منذر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(درمنثور سیوطی، سورہ نساء آیت وان تجمعوا بین الاختین)

۵۷۔ ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ابن عباس سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسی ماں و بیٹی دونوں سے وطی کرے جو اس کی باندیاں ہوں آپ نے فرمایا' ایک آیت میں ایسا کرنے کی حرمت ثابت ہے اور دوسری میں حلت، لیکن میں ایسا نہیں کرتا (ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح)

قلت، حضرت علی مرتضیٰ و حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا عمدہ و احسن جواب دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی سے روایت کیا کہ ان سے اس سلسلے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ جب ایک آیت حلال کرتی ہے اور ایک حرام، تو اگر آیت حرام سے ملکیت ثابت ہو جائے پھر بھی ہمارے لئے اس میں دو آزاد عورتوں اور دو باندیوں کو ایک ساتھ رکھنے یا نہ رکھنے کی تفصیل نہیں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی مراد یہ آیت ہے **''الا ما ملکت ایمانکم''** جس طرح یہ آیت مطلق و مرسل ہے اسی طرح **''وان تجمعوا بین الاختین''** بھی مطلق ہے لہٰذا حرمت و تحریم کو ترجیح حاصل ہے۔ (حوالہ مذکور)

اور عبدالرزاق وابن ابی شیبہ، عبد بن حمید وابن ابی حاتم اور طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو دو باندی بہنوں کو جمع کرے تو انہوں نے ایسا کرنے کو برا بتایا اور کراہت کا اظہار کیا، پھر ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "الا ما ملکت ایمانکم" (مگر جو عورتیں تمہاری ملک میں آجائیں) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا اونٹ بھی تو تمہاری ملک میں ہے۔

(ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح باب فی الرجل یکون عندہ الاختان الخ)

حضرت ابی بن کعب کا قول

۵۸۔ دارمی عامر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک فتویٰ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ اے ابوالمنذر اس مسئلے میں آپ کا کیا خیال ہے: آپ کیا کہتے ہیں ابوالمنذر نے کہا اے میرے بیٹے کیا وہی مسئلہ ہے جو اس سے پہلے تو نے مجھ سے پوچھا تھا، ابی بن کعب نے کہا کہ یہ مسئلہ وہ نہیں ہے یہ سن کر ابوالمنذر نے فرمایا اگر وہ مسئلہ نہیں ہے تو مجھے مہلت دو میں غور و خوض کر کے تمہیں بتادوں گا۔
(سنن دارمی، باب من هاب الفتیا الخ)

حضرت عمار بن یاسر کا قول

۵۹۔ دارمی عامر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا تو فرمایا کہ کیا اس کے بعد اور بھی کوئی مسئلہ پوچھنا ہے؟ اس شخص نے کہا نہیں عمار بن یاسر نے فرمایا کہ ابھی رہنے دو جب ہم اس پر غور وخوض کر لیں گے تو تمہیں بتادیں گے۔
(دارمی، حدیث ۲۵:)

اگر قرآن امت کے لئے روشن بیان ہوتا تو پھر غور وفکر اور مشق ومحنت کی کیا ضرورت تھی ہاں غور وفکر اور مشق ومحنت تو خفی ومستور احکام ومعانی کے استخراج و استنباط میں ہوتی ہے۔

حضرت ابودرداء کے اقوال

۶۰۔ ابن عساکر اپنی تاریخ میں بواسطہ حماد بن زید، ایوب، ابوقلابہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابودرداء نے فرمایا اے ابوقلابہ جب تک قرآن کے معانی کو چند وجھوں سے نہیں دیکھو گے تو کامل فقیہ نہیں بن سکتے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں میں نے ایوب سے کہا کہ کیا حضرت ابودرداء کا قول آپ دیکھ رہے ہیں؟ کیا وہ قرآن کو چند وجوہ سے دیکھتے تھے اور اس پر اقدام سے انہیں خوف وہیبت ہوتی تھی؟ ایوب نے کہا ہاں یہی بات ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، الزبیدی۔ باب ۴ فی فہم القرآن)

اقول، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے اس کا دوسرا محمل گزر چکا ہے اور سب کے سب حسن وعمدہ ہیں وہ متوافق صورت میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن عظیم کی تفصیل میں کوئی شک وریب نہیں۔ اور یہ متنافی صورت میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ثلاثۃ قروء" یہاں لفظ قروء میں حیض وطہر دو متنافی معنی کا احتمال ہے۔

۶۱۔ دارمی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر علماء کرام کے اقوال وکلمات نہ ہوتے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

(دارمی، باب التوبیخ لمن یطلب الخ حدیث ۳۹۵)

۶۲۔ ابونعیم حلیہ میں مالک ویحیٰ بن سعید سے راوی کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ آپ بیت المقدس تشریف لایئے۔ حضرت سلمان نے ابودرداء کو لکھا کہ زمین کسی کو مقدس نہیں کرتی البتہ انسان کا اپنا عمل مقدس ہوتا ہے، اس کے بعد یہ لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ قاضی بننا چاہتے ہیں اگر آپ اس سے سبکدوش ہو جائیں تو بہت بہتر ہوگا اور اگر آپ قاضی بنے رہے تو کسی انسان کے قتل سے باز رہیں ورنہ دوزخ میں جانے کا امکان

ہے۔اس کے بعد حضرت ابودرداء جب دو آدمی کے درمیان کوئی فیصلہ کرتے تو ان کا رخ پھیر کر ان کی پیٹھ اپنی طرف کرا لیتے اور ان کی طرف دیکھتے رہتے پھر کہتے قسم خدا کی میری طرف رخ کرو اور اپنا معاملہ دوبارہ بیان کرو۔

(ابونعیم،حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۴ سلمان الفارسی)

حضرت عبداللہ بن عمر کے اقوال

۶۳۔ابوداؤد کتاب الناسخ والمنسوخ میں اور ابن مردویہ، خالد بن اسلم سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جگہ جارہے تھے ایک اعرابی ملا اور ابن عمر سے پھوپھی کی میراث کے بارے میں پوچھا، حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ سن کر اس اعرابی نے کہا کہ آپ حضرت عمر کے بیٹے ہیں اور آپ کو معلوم نہیں؟ ابن عمر نے فرمایا کہ ہاں تم علماء کی بارگاہ میں جاؤ اور ان سے پوچھو جب وہ اعرابی جانے لگا تو اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ ہاں آپ نے جو کہا وہ ٹھیک ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، باب ۶ فی آفات العلم)

دارمی ابوعبید بن جریج سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم مکہ معظمہ میں ایک دن حضرت ابن عمر کی مجلس میں بیٹھتے اور ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس میں جاتے، حضرت ابن عمر زیادہ تر سوالوں کے جواب میں کہتے کہ "مجھے یہ معلوم نہیں ہے" حالانکہ ان میں بعض مسائل وہ ہوتے جن پر ان کا فتویٰ موجود تھا۔ یہ ان کی احتیاط تھی۔

(سنن دارمی، باب من حاب الفتیا الخ حدیث ۱۵۷)

بطریق عبداللہ عمری حضرت نافع سے اور بطریق ھشام بن عروہ سے روایت ہے نافع وعروہ دونوں نے کہا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا، ابن عمر نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، پھر جب وہ شخص جانے لگا تو کہا کہ ہاں عمر کے بیٹے سے جب کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا ہے جو اسے معلوم نہیں تو وہ

کہتے ہیں کہ "مجھے معلوم نہیں" یعنی ابن عمر نے یہ خود ہی فرمایا۔

(سنن دارمی، باب التخیا ومافیہ عن الشدۃ، حدیث ۱۸۷)

قوت القلوب اور احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اگر دس مسائل پوچھے جاتے تو وہ صرف ایک مسئلے کا جواب دیتے باقی نو کے جواب میں سکوت فرماتے۔ یا یہ کہتے کہ مجھے معلوم نہیں۔ (قوت القلوب، ابوطالب مکی۔ فصل ۳۱)

ابو موسیٰ اشعری وسلمان بن ربیعہ کے اقوال

۶۴۔ بخاری وعبدالرزاق ودارمی اور حاکم وبیہقی ھزیل بن شرحبیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ بیٹی و پوتی اور حقیقی بہن کے حصے کتنے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹی کے لئے نصف اور بہن کے لئے نصف ہے اور عبداللہ بن مسعود کے پاس جاؤ ہوسکتا ہے ان کا بھی نظریہ یہی ہو۔ سائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی بات بھی بتائی یہ سن کر ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہوگی تو میں بہک جاؤں گا اور راہ راست پر نہ ہوں گا میں تو اس مسئلے میں وہی حکم دیتا ہوں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے چھٹا ثلثان کی تکمیل کے لئے اور جو باقی بچے وہ بہن کے لئے ہے۔ سائل نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس آکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات بتائی اس پر ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب تک ہمارے بیچ یہ علامہ ہیں مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔

(بخاری، کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

دارمی[1] کے لفظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے ابو موسیٰ اشعری وسلمان[2] بن ربیعہ رضی

---

[1] حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس کی نسبت نسائی کی طرف کی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] انہیں سلمان خیل بھی کہا جاتا ہے امام بخاری نے انہیں صحابہ میں شمار کیا لیکن ابن مندہ نے اس کا انکار کیا ہے: حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ سلمان بن ربیعہ کے بارے میں (بقیہ آگے)

اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا، اس کے بعد حدیث کا مضمون وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا نیز اس میں یہ زائد ہے کہ سائل سے یہ کہا گیا کہ عبد اللہ بن مسعود کے پاس جاؤ وہ ہمارے مطابق ہی جواب دیں گے ۔۔۔ الخ مگر اس روایت میں ابو موسیٰ اشعری کا یہ قول نہیں ہے کہ "جب تک یہ علامہ ہمارے درمیان ہیں ہم سے کچھ نہ پوچھنا"

(سنن دارمی، باب فی بنت وابنۃ ابن الخ حدیث ۲۸۹۴)

حضرت ابو ہریرہ کا قول

۶۵۔ امام احمد عبد الرحمٰن بن عتاب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو حالت جنابت میں صبح کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا، عبد الرحمٰن بن عتاب کہتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے مجھے اور ایک شخص کو حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجا تاکہ ہم ان سے یہ پوچھیں کہ رمضان میں غسل جنابت سے پہلے اگر صبح ہو جائے تو روزہ ہوگا یا نہیں؟ ان میں سے ایک نے یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت جنابت میں صبح کرتے پھر غسل کر کے روزہ کو پورا فرماتے تھے اور دوسری نے یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر احتلام کی جنابت میں صبح کرتے پھر غسل کے بعد روزہ کو پورا فرماتے۔

راوی نے کہا کہ یہ دونوں مروان کے پاس گئے اور حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بات انہیں بتائی، مروان نے عبد الرحمٰن بن عتاب سے کہا کہ جاؤ اور

بقیہ: مشہور یہ ہے کہ انہیں صحبت اقدس حاصل ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ کے دار القضاء کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (تقریب التہذیب، ترجمہ سلمان بن ربیعہ)

اقول، امام بخاری کے قول کی صحت پر یہ دلیل کافی ہے کہ اصابہ میں چند مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابی ہی کو حاکم و والی مقرر فرماتے تھے۔ دارمی کے ایک مطبوعہ نسخے میں سلمان کی بجائے سلیمان ہے غالباً یہ نسخہ کا فرق ہے۔ ۱۲ منہ

ابو ہریرہ کو حضرت عائشہ وام سلمہ کی یہ بات بتادو، یہ سن کر حضرت ابو ہریرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا تھا، مجھے تو ایسا ہی مظنون تھا کہ حالت جنابت میں صبح کرنے سے روزہ نہیں ہوتا ابو ہریرہ کی یہ بات سن کر مروان نے ان سے کہا کہ کیا آپ ظن وتخمین سے لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں؟ (مسند احمد بن حنبل، مرویات عائشہ)

حضرت جندب بن عبداللہ کا قول

۶۶۔ دارمی ولید بن مسلم سے راوی کہ طلق بن حبیب حضرت جندب بن عبداللہ (ابن عبداللہ بن سفیان بجلی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس آئے اور قرآن مقدس کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ کو مشقت وحرج میں ڈالا اگر میں کامل مسلمان ہوتا تو آپ میرے پاس سے اٹھ کر نہ جاتے یا یہ فرمایا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھاتے۔

حضرت عمران بن حصین کا قول

۶۷۔ امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ ہم سے صرف قرآن کی روشنی میں بات کیجئے عمران بن حصین نے اس سے فرمایا کہ تو احمق ہے کیا قرآن عظیم میں پنج گانہ فرائض کی تعداد رکعات کا بیان ہے کیا قرآن میں یہ ہے کہ فلاں فلاں وقت میں قرأت بالجہر کرو اور فلاں فلاں وقت میں آہستہ؟ اس شخص نے کہا کہ نہیں، حضرت عمران نے اسے دلیل دے کر خاموش وساکت کر دیا۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ، فصل بیان الذم من الائمۃ الخ)

---

[1] امام احمد کے یہاں بطریق ابو بکر عبدالرحمن بن حارث یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم دونوں سے حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ فرمایا انہوں نے کہا ہاں، ابو ہریرہ نے کہا کہ وہ دونوں مجھ سے زیادہ علم والی ہیں، مجھے تو یہ بات فضل بن عباس نے بتائی تھی۔ اس سے تقلید ثابت ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

حضرت عقبہ بن عامر کا قول

۶۸۔ ابن ابی شیبہ و دارمی اور ابن جریر ابوالخیر مرثد[1] بن عبداللہ یزنی سے راوی کہ ایک شخص نے عقبہ بن عامر (جہنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کلالہ کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کیا اس پر تعجب نہیں ہے کہ یہ مجھ سے کلالہ کے بارے میں پوچھ رہا ہے؟ صحابہ کرام کو کلالہ سے زیادہ کوئی چیز سخت و دشوار محسوس نہ ہوئی۔

(دارمی، حدیث ۲۹۷۷۔ طبری جامع البیان، سورہ نساء)

انتباہ

جن کے اقوال و آراء اوپر مذکور ہوئے یہ سب کے سب صحابہ کرام میں بڑے بڑے علماء ہیں امت مرحومہ میں وہ سب سے زیادہ علم والے ہیں ان پر علوم الٰہیہ کی ریاست و سرداری ختم ہوگئی، ان میں یہ حضرات ہیں

- حکیم الامت ابودرداء[2]
- علم فرائض میں فائق و ماہر زید بن ثابت
- عمدۃ القراء ابی بن کعب جن کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالمنذر تمہیں علم مبارک ہو۔ (مسلم، کتاب فضائل القرآن)
- حلال و حرام کے عالم کامل معاذ بن جبل
- سر سے پیر تک ایمان و یقین سے بھرے ہوئے عمار بن یاسر جنہیں دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے دونوں کے افضل و بہتر کو اختیار و پسند فرمایا اور وہ جہاں

---

[1] میم، راء اور ثاء کے ساتھ، دارمی کے ایک مطبوعہ نسخہ میں یزید ہے غالباً یہ ایک نسخہ ہے۔ ۱۲ منہ

[2] ابن عساکر جبیر بن نفیر سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت کا ایک حکیم ہوتا ہے میری امت کے حکیم ابودرداء ہیں۔ طبرانی اوسط میں شریح بن عبید سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے حکیم عویمر ہیں۔ دونوں روایت مرسل ہیں۔ ۱۲ منہ

گئے حق کے ساتھ گئے۔

● رئیس المفسرین ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس

● اس امت کے عالم کامل عبداللہ بن عمر [۳]

● خلفاء اربعہ کے بعد صحابہ میں سب سے زیادہ فقہ جاننے والے علم سے بھری ہوئی گٹھری عبداللہ بن مسعود وغیرہم

● اور ان حضرات صحابہ میں، منبر سلونی کے خطیب جنہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہزار ہزار ہزار علم سکھائے جو اپنے خطبہ میں فرماتے کہ مجھ سے پوچھو قسم خدا کی قیامت تک کے احوال مجھ سے جو بھی پوچھو گے [۴] وہ میں تمہیں بتادوں گا مجھ سے کتاب اللہ کی جس آیت کے متعلق پوچھو گے وہ میں تمہیں بتادوں گا کہ وہ رات کو نازل ہوئی یا دن کو، نرم زمین میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر، یہ فرمانے والے حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، باب فی ابتداء العالم الخ)

● رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیل، دنیا و آخرت میں حضور کے ولی و محب، جنت کے رفیق حضرت عثمان ذوالنورین۔

● حضرت عمر فاروق اعظم جنہوں نے علم کے دس حصوں میں سے نو حصوں [۵] کو حاصل فرمایا

---

۳ دارمی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۴ ابن الانباری کتاب المصاحف میں اور ابن عبدالبر کتاب العلم میں ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔۱۲ منہ

۵ ابن مسعود سے یہ روایت گزر چکی ہے اور دارمی ابواسحق وعمر بن میمون سے راوی انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے علم کا دو تہائی حصہ حاصل فرمایا، ابراہیم کے پاس جب اس بات کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ حضرت عمر علم کے دس حصوں میں نو حصے حاصل کئے، اسے دارمی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔۱۲ منہ

● حضرت ابوبکر صدیق ان میں سب سے زیادہ علم وفضل والے اور سب میں زیادہ کمال والے ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جب علم وفضل کے ان آفتاب و ماہتاب کے لئے قرآن عظیم تمام احکام دینیہ کا بیان نہیں ہے تو پھر کس کے لئے ہوگا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ اس سے اخص ہے جس سے خصوص کے قائلین نے آیات کی تخصیص کی ہے۔ جب اخص درست نہیں تو اعم کہاں سے درست ہوگا پھر عمومات کہاں سے صحیح ہوں گے؟ نسأل الله الهداية و الثبات۔

حضرت سعید بن مسیّب کا قول

۶۹۔ ابن جریر بطریق مالک یحییٰ بن سعید وسعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کسی قرآنی آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میں قرآن کے معاملے میں کچھ نہیں کہوں گا۔

نیز یزید بن ابی یزید رشک سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حلال وحرام کے بارے میں پوچھتے تھے تو وہ تشفی بخش جواب دیتے کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ اور جب ان سے ہم کسی آیت قرآنیہ کی تفسیر پوچھتے تو وہ خاموش رہتے گویا کہ سنا ہی نہیں۔

(طبری جامع البیان، مقدمۃ الکتاب)

حضرت ابن شہاب زہری کا قول

۷۰۔ دارمی ابو سہیل سے راوی انہوں نے کہا کہ میری بیوی نے مسجد حرام میں تین دن اعتکاف کی نذر مانی، میں نے عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا کہ کیا میری عورت پر روزہ بھی لازم ہے۔ ابن شہاب زہری عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یہ سن کر انہوں نے کہا کہ اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا، ابن شہاب سے حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے کہا کیا یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں، عمر بن عبدالعزیز نے کہا کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں، کیا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں، کیا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے؟ فرمایا نہیں اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میری رائے میں عورت پر روزہ نہیں ہے۔ ابوسہیل کہتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا تو حضرت طاؤس اور عطا بن ابی رباح سے ملاقات ہوئی میں نے ان دونوں سے یہی مسئلہ پوچھا، طاؤس نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک عورت پر روزہ نہیں ہے ہاں اگر وہ اعتکاف کے ساتھ روزہ کی نذر مانے تو اس صورت میں روزہ رکھنا ضروری ہے یہ سن کر عطا نے کہا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

(ابن شہاب زہری کا قول مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق ہے۔ اعتکاف کی نذر سے روزہ لازم ہو جاتا ہے)

(داری باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ، حدیث ۱۶۴)

حضرت مجاہد وعطا اور طاؤس وعکرمہ کے اقوال

۷۱۔ ابن عساکر بسند حسن مجاہد سے راوی مجاہد نے کہا کہ ہم لوگ یعنی عطا و طاؤس اور عکرمہ آپس میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ کیا آپ مفتی ہیں؟ میں نے اس سے کہا پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو، اس شخص نے یہ کہا کہ میں جب جب پیشاب کرتا ہوں تو اس کے بعد جوشیلا پانی نکلتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا وہ پانی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟ اس نے کہا ہاں وہی پانی، میں نے کہا اس سے تم پر غسل واجب ہے۔ وہ شخص اٹھا اور واپس جانے لگا حضرت ابن عباس نے بعجلت نماز پوری کر کے سلام پھیرا اور کہا

اے عکرمہ اس شخص کو بلاؤ، وہ شخص جب آ گیا تو ابن عباس ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے اس شخص کو قرآن عظیم سے فتویٰ دیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں، فرمایا کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت و عمل سے؟ ہم نے کہا نہیں، فرمایا کیا صحابہ کرام کے کسی قول سے؟ ہم نے کہا کہ اپنی رائے سے ہم نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ، شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا جب وہ پانی نکلتا ہے تو تم اپنے دل میں شہوت ولذت پاتے ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا کیا اس سے اپنے جسم میں سستی وکاہلی محسوس کرتے ہو؟ عرض کیا نہیں، فرمایا کہ یہ بدہضمی ہے اس سے تمہیں صرف وضو کافی ہے۔

(کنز العمال فصل فی نواقض الوضو حدیث ۲۷۰۸۳)

۷۲۔ دارمی میتب بن رافع سے راوی انہوں نے کہا کہ جب اصحاب ابن عباس یعنی مجاہد وعطا اور طاؤس وعکرمہ کے پاس کوئی مقدمہ درپیش ہوتا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا روایت نہ ہوتی تو اس کے حل کے لئے جمع ہوتے اور اجماع کرتے جو ان لوگوں کی رائے ہوتی وہ حق و درست ہوتا، ان کی رائے حق وصواب کے موافق ہوتی۔

(دارمی باب التورع عن الجواب فیما لیس فیہ الخ حدیث ۱۱۶۰)

حضرت قاسم بن محمد بن الصدیق کے اقوال

۷۳۔ ایوب کہتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد سے سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ قسم خدا کی جو تم لوگ پوچھتے ہو وہ ہم نہیں جانتے ہیں اگر ہم جانتے تو تم سے نہ چھپاتے اور نہ ہمارے لئے تم سے چھپانا حلال ہے۔

ابن عون کہتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد نے فرمایا کہ تم لوگ جن چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہو ہم ان چیزوں کے متعلق نہیں پوچھتے اور تم جن چیزوں کو کریدتے ہو ہم ان چیزوں کو نہیں کریدتے تھے اور تم ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھتے ہو جو مجھے معلوم نہیں کہ وہ آخر ہیں کیا؟ اگر ہم انہیں جانتے تو ہمارے لئے ان کا چھپانا حلال نہ تھا۔

(دارمی باب التورع عن الجواب فیما الخ حدیث ۱۲۰۔۱۱۳)

یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ یہ بات مجھ پر بہت سخت وگراں ہوتی ہے کہ آپ سے کچھ پوچھا جاتا ہے اور آپ کو وہ بات معلوم نہیں ہوتی حالانکہ آپ کے باپ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) خلیفہ وامام تھے یہ سن کر قاسم بن محمد نے فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت اللہ کے نزدیک اور اس کے نزدیک جو اسے اللہ کی طرف سے سمجھے یہ بات ہے کہ میں بغیر معلومات کے فتویٰ دوں یا غیر ثقہ راوی سے روایت کروں۔

(دارمی، باب التورع عن الجواب فیما الخ حدیث ۱۱۵)

حضرت عطا بن ابی رباح کا قول

۴۷۔ عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ حضرت عطا سے ایک چیز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، ان سے کہا گیا کہ اس میں آپ کی رائے کیا ہے؟ فرمایا مجھے اللہ عزوجل سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی کوئی رائے دوں جس سے اہل زمین میں کمزوری پیدا ہو۔ (دارمی باب التورع عن الجواب الخ حدیث ۱۰۸)

اقول، یعنی اظہار رائے وہاں پر ہوتا جہاں مسئلہ واضح نہ ہوتا اور اگر مسئلہ روشن و واضح ہوتا تو اس کے ماخذ و مرجع کی طرف نسبت کرتے ورنہ عطا کی بیشمار رائیں ہیں ابھی اوپر ان کا یہ قول گزرا کہ یہ میری رائے ہے۔

حضرت امام ابراہیم نخعی کا قول

۷۵۔ابراہیم نخعی سے آٹھ مسائل پوچھے گئے انہوں نے صرف چار کے جوابات دیئے اور چار کو چھوڑ دیا۔ان کے جواب سے خاموشی اختیار فرمائی۔

(دارمی باب من ھاب الفتیا حدیث ۱۳۲)

حضرت امام شعبی کے اقوال

۷۶۔عمر بن ابی زائدہ کہتے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں شعبی سے زیادہ میں نے کسی کو بکثرت یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ مجھے معلوم نہیں۔یعنی امام شعبی اکثر سوالوں کے جواب میں یہ کہتے تھے کہ ''مجھے معلوم نہیں''

(دارمی باب من ھاب الفتیا حدیث ۱۳۴)

مغیرہ سے روایت ہے کہ عامر (امام شعبی) سے جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو کہتے کہ مجھے معلوم نہیں، اگر دوبارہ پوچھا جاتا تو کہتے کہ اگر تم چاہو تو میں قسم کھا کر کہوں کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ (دارمی باب من ھاب الفتیا حدیث ۱۸۸)

۷۷۔ابونعیم حلیہ میں امام احمد بن حنبل وسفیان سے راوی کہ امام شعبی سے جب لوگ کسی مشتبہ امر کے بارے میں پوچھتے تو آپ فرماتے کہ یہ سخت سردی کے سات دنوں میں سے ایک دن کی بیماری ہے اس کی نہ پیروی کی جائے نہ اسے انکل سے ہانکا جائے اور اگر ایسے مشتبہ معاملے کے متعلق صحابہ کرام سے پوچھا جاتا تو ان پر بھی یہ دشوار و مشکل ہو جاتا وہ بھی جواب نہیں دیتے تھے۔

(ابونعیم حلیۃ الاولیاء ترجمہ عامر بن سراحیل شعبی)

حضرت سعید بن جبیر کا قول

۷۸۔دارمی جعفر بن ایاس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے عرض کیا کہ آپ طلاق کے بارے میں کچھ کیوں نہیں کہتے ہیں؟

سعید بن جبیر نے فرمایا کہ کوئی ایسی چیز باقی نہیں جس کے متعلق آپ نے پوچھا نہ ہو۔ لیکن میں اس بات کو برا جانتا ہوں کہ کسی حرام چیز کو حلال کر دوں یا کسی حلال شئ کو حرام کر دوں۔ (دارمی باب من حاب الفتیا حدیث ۱۳۶)

حضرت حمید بن عبدالرحمٰن کا قول

۷۹۔ امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن (ابن عوف احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے فرمایا کہ اگر میں کسی سوال کا جواب اپنے عجز و کمی کے سبب سے نہ دوں تو یہ میرے لئے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ جس بات کو نہیں جانتا ہوں اس کے لئے بلاوجہ تکلف کروں۔ اور اسے عقل و قیاس سے بتانے کی کوشش کروں۔

(دارمی باب من حاب الفتیا حدیث ۱۴۹)

حضرت امام ابن سیرین کے اقوال

۸۰۔ امام محمد بن سیرین ایسی فرج کے بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دیتے جس میں کچھ اختلاف ہوتا۔ (دارمی باب من حاب الفتیا حدیث ۱۵۴)

۸۱۔ عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ جن سے رائے کی شناخت میں بہت کچھ مروی ہے ان میں سرفہرست امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ہر اس رائے سے بری و بیزار ہیں جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو۔ مگر بعض متعصبین نے اس کے خلاف بات کی نسبت امام اعظم کی طرف کر دی ہے کہ وہ حدیث پر اپنے قیاس و رائے کو ترجیح و فوقیت دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے شخص کی رسوائی ظاہر و آشکارا ہو جائے گی جبکہ امام کا آمنا سامنا ہوگا کیونکہ جس کے دل میں نور ایمان ہوگا وہ کسی بھی امام کو برائی یا بے ادبی سے یاد کرنے کی جرأت و جسارت نہ کرے گا، اس کی وقعت کیا اور ان کا مقام کہاں ہے

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہیں جیسے آسمان میں نجوم و کواکب، ان کے علاوہ زمین پر بسنے والے دوسرے لوگ ایسے ہیں جو ستاروں کو نہیں پہچانتے مگر اس طرح جیسے سطح آب پر ان کی خیالی صورت۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ فصول فی بیان ماورد فی ذم الرای)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے اقوال

شیخ محی الدین (شیخ اکبر ابن عربی علیہ الرحمہ) فتوحات مکیہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے فرمایا کہ اللہ کے دین میں محض رائے سے کچھ کہنے سے اجتناب کرو اور تم پر سنت کی پیروی لازم ہے۔ جو اس سے نکل جائے وہ گمراہ ہو جائے گا۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفہ کا ایک شخص امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، کسی بات کے جواب میں اس کے سامنے حدیث پڑھی گئی اتنے میں اس شخص نے کہا کہ یہ حدیثیں رہنے دیجئے اس پر امام اعظم ابوحنیفہ نے اس شخص کو سختی کے ساتھ ڈانٹا اور فرمایا کہ اگر سنت و حدیث نہ ہوتی تو کوئی بھی قرآن کو نہ سمجھ سکتا، پھر اس شخص سے فرمایا کہ بندر کے گوشت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ قرآن عظیم سے اس کی دلیل کہاں ہے؟ وہ شخص خاموش ہو گیا اور امام اعظم سے عرض کیا کہ آپ بندر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام نے فرمایا کہ بندر کا گوشت نہیں کھایا جاتا وہ بھیمۃ الانعام میں سے نہیں ہے۔

(میزان الشریعۃ الکبریٰ فصول فی بیان ماورد فی ذم الرای)

حضرت سیدنا ربیعہ کا قول

۸۲۔ ابن ابی حاتم امام مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ربیعہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم نازل فرمایا اور اس میں کچھ مقامات سنت کے لئے چھوڑ دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنتیں رائج فرمائیں اور ان

میں کچھ مقامات رائے کے لئے چھوڑ دیئے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم سورۂ انعام، حدیث ۸۱۲۱)

یہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمن فروخ التیمی امام ثقہ ومشہور فقیہ صحاح ستہ وائمہ وتابعین کے رجال اور امام مالک کے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی کثرت رائے کے سبب سے ان کو" ربیعۃ الرائے" کہا جاتا تھا۔

حضرت امام مالک کا قول

۸۳۔ ابن وھب فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک نے فرمایا کہ جس حکم سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے وہ دو طریقے پر ہے۔

ا۔ جو فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہو وہ حکم درست ہوتا ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے اس سے روگردانی جائز نہیں۔

۲۔ وہ فیصلہ جس میں عالم خود محنت واجتہاد کرتا ہے ایسی بات میں جو قرآن و حدیث میں صراحۃً موجود نہیں، ہوسکتا ہے یہ فیصلہ قرآن وسنت کے موافق ہوجائے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ غیر معلوم بات میں تکلف و تصنع کرنا یا جو اس کے مشابہ ہے اس کے موافق نہ ہونے کا امکان ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کا قول

۸۴۔ ابونعیم حلیہ میں علی بن المدینی سے روایت کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ سے جب کچھ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں، سائل کہتا کہ ہم کس سے پوچھیں آپ فرماتے علماء کرام سے پوچھو اور اللہ عزوجل سے بھلائی کی توفیق مانگو۔

(ابونعیم حلیۃ الاولیاء، ترجمہ سفیان بن عیینہ)

حضرت امام شافعی کا قول

۸۵۔ امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالی

عنہ نے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے جو چاہو پوچھو میں تم کو قرآن کریم سے جواب دوں گا، ان سے کہا گیا کہ محرم کے لئے زنبور (بھڑ) کا مارنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر، ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(کنز الایمان)

اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی کرو۔

طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محرم کو زنبور مارنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی حاجی حالت احرام میں تکلیف دینے والے موذی جانوروں کو مار سکتا ہے یا ان فاسق جانوروں کو قتل کیا جا سکتا ہے حدیث میں جن کے مار ڈالنے کا حکم آیا ہے مثلاً چوہا، بچھو، پاگل کتا وغیرہ۔

(الاتقان، نوع ۶۵ فی العلوم المستنبطہ من القرآن)

دیگر ائمہ وعلماء کے اقوال

۸۶۔ امام عبدالوہاب شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے تمام ائمہ ومجتہدین کرام کو جزائے خیر عطا فرمائے اگر وہ لوگ امت کے لئے قرآن و سنت سے احکام ومسائل کا استنباط واستخراج نہ فرماتے تو ان کے علاوہ کوئی اس پر قادر نہ ہوتا اس سلسلے میں ائمہ کرام کی دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہے کہ حضور نے قرآن کے اجمال کی وضاحت فرمادی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

کیونکہ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے لئے طہارت ونماز اور حج وغیرہ کی کیفیت بیان نہ فرماتے تو امت کا کوئی فرد قرآن سے ان چیزوں کو نکال نہ سکتا اور نہ ہم فرائض ونوافل وغیرہ کی تعداد رکعات جانتے۔

۸۷۔ امام شعرانی میزان میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن وسنت کے اجمال کی تفصیل میں ہمارے لئے اگر حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مجتہدین کرام کا بیان نہ ہوتا تو اس پر کوئی قادر نہ ہوتا جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر اپنی سنت وعمل سے ہمارے لئے طہارت کے احکام ومسائل بیان نہ فرماتے تو ان کی کیفیت ہمیں قرآن پاک سے معلوم نہ ہوتی اور نہ ہم انہیں قرآن سے اخذ کر سکتے، یہی بات فرض ونفل نمازوں کی رکعات کے بیان میں ہے، یہی بات روزہ وحج وزکوٰۃ کے احکام اور زکوٰۃ کی کیفیت، اس کے نصاب وشرط اور ان کے فرض وسنت کے بیان میں ہے، یہی بات ان تمام احکام میں ہے جو قرآن کریم میں اجمالاً مذکور ہوئے ہیں اگر سنت سے ان کا بیان نہ ہوتا تو ہم انہیں جانتے تک نہیں۔ اللہ عزوجل کی اس میں کچھ اسرار وحکمتیں ہیں جنہیں عارفین واہل نظر ہی جانتے ہیں۔ (میزان الکبریٰ، فصل ولما یدلک علی الخ)

۸۸۔ میزان میں ہے امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر سنت وحدیث سے قرآن کے اجمال کا بیان نہ ہوتا تو کوئی عالم پانی وطہارت کے احکام ومسائل نکالنے پر قادر نہ ہوتا اور نہ یہ معلوم ہوتا کہ فجر میں دو رکعت ہیں، ظہر وعصر اور عشاء میں چار رکعات اور مغرب میں تین رکعات ہیں اور نہ یہ کہا جاتا کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ ہوگا ثناء کیسے پڑھی جائے گی تکبیر تحریمہ کا کیا طریقہ ہے رکوع وسجود میں کیا ذکر کیا جائے، قومہ وجلسہ میں تعدیل کا حکم کیا ہے دونوں قعدوں میں کیا پڑھا جائے۔ اور نہ نماز عیدین، نماز کسوف وخسوف، نماز جنازہ، نماز استسقاء کی کیفیت معلوم ہوتی نہ زکوٰۃ کے نصاب، روزے کے

ارکان، حج، بیع وشراء نکاح زخم، قضاواحکام اور تمام ابواب فقہ کی کیفیت معلوم ہوتی۔
(میزان الکبریٰ، بیان الذم من الائمۃ المجتہدین)

ان بیانات سے ظاہر ہوگیا کہ قرآن عظیم امت کے لئے احکام ضروریہ کا بھی بیان نہیں ہے تو پھر تمام احکام ومسائل اور ان تمام چیزوں کا جو دین سے متعلق ہیں، اور ان تمام چیزوں کا دنیا میں جن کی ضرورت پڑتی ہے پھر ہر شئی کا بیان کیسے اور کیونکر ہوگا۔ اور اس بات پر ایمان رکھنا قطعاً یقیناً واجب ولازم ہے کہ قرآن کریم ہر شئی کا بیان ہے اور یہ صرف حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

۸۹۔ امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب ''الجواہر والدرر'' میں فرماتے ہیں کہ لوگ تاویل کے محتاج نہیں ہیں مگر ان باریک ودقیق امور کے سمجھنے میں عاجز ہیں جنہیں صاحب شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ہیں۔

امام شعرانی اور فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل میں امت کو دسترس نہیں یہ تو صرف رسولان عظام علیہم الصلاۃ والسلام کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل، ۴۴)

تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا۔ (کنزالایمان)

اللہ عزوجل نے بندوں پر صرف کتاب عزیز نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ رسولان عظام کے بیان کی حاجت باقی رکھی اور انہیں بیان فرمانے کی تاکید کی گئی۔
(الجواہر والدرر، شعرانی باب ۸ فی ذکر ما سمعنا عنہ الخ)

۹۰۔ حافظ عسقلانی ''فتح الباری'' میں امام عینی ''عمدۃ القاری'' میں علامہ زرقانی ''شرح مواہب'' میں فرماتے ہیں کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بعض احکام مخفی وپوشیدہ ہیں بعض صحابہ جب کبھی ذکر کرتے ہیں تو احکام ظاہری ذکر فرماتے ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الحجۃ علی من الخ)

حاصل بحث

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ وہ سمندر ہے جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوگا لیکن میں چند امور کی نشاندہی کرتا ہوں جو بیان وتبیان کے منافی ہیں اور کوئی آنکھ والا ان کا انکار بھی نہیں کرسکتا وہ تمام امور احکام اور حرام وحلال کے مسائل میں ہیں تاکہ قائلین خصوص کی تخصیص منتفی ہو جائے جسے انہوں نے چند مقام پر بیان کیا ہے۔

فاقول و باللہ التوفیق

الاول: کثرت اختلاف جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جاری ہے یہاں تک کہ میراث وفرائض کے مسائل میں جن میں رائے کا دخل بہت ہی کم ہے یہاں تک کہ پانچ بڑے بڑے علماء صحابہ یعنی خلفاء اربعہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ہی مسئلے میں مختلف ہوئے اور پانچ طرح کے قول کئے وہ مسئلہ ام، جد اور حقیقی بہن کا مسئلہ ہے پانچوں مذاہب پر اس کی شکل یہ ہے۔

مسئلہ صدیق

ام	جد	اخت
۱	۲	کچھ نہیں

مسئلہ فاروق

ام	جد	اخت
۳	۴	۲

مسئلہ ذوالنورین

ام	جد	اخت
۱	۱	۱

مسئلہ مرتضیٰ

ام	جد	اخت
۲	۱	۳

مسئلہ ابن مسعود

ام	جد	اخت
۱	۲	۳

عبدالرزاق شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، عثمان بن عفان اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان جد، ام اور اخت حقیقی کے

بارے میں اختلاف ہوا

● حضرت علی نے فرمایا کہ اخت کے لئے نصف، ام کے لئے ثلث اور جد کے لئے سدس ہے۔

● حضرت ابن مسعود[1] نے فرمایا اخت کے لئے نصف، ام کے لئے سدس اور جد کے لئے ثلث ہے۔

● حضرت عثمان نے فرمایا ام کے لئے ثلث، اخت کے لئے ثلث اور جد کے لئے ثلث ہے۔

● حضرت زید نے فرمایا ام کے لئے ثلث اور جو باقی بچے اس کا ثلثان جد کے لئے اور ثلث اخت کے لئے۔

● حضرت ابن عباس نے فرمایا ام کے لئے ثلث اور جو باقی بچے وہ جد کے لئے، اخت کے لئے کچھ نہیں۔ (مصنف عبدالرزاق کتاب الفرائض حدیث ۱۹۰۶۹)

قلت، یہ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے افضل امت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کی ہے اور حضرت زید بن ثابت کا قول حضرت فاروق اعظم کے قول کے موافق ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام بخاری وغیرہ[2] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جد کو باپ کے حکم میں قرار دیا ہے۔

(بخاری کتاب الفرائض۔ دارمی حدیث ۲۹۱۴)

مصنف عبدالرزاق میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور ان سے جد کا حکم پوچھا (یہاں تک فرمایا کہ) حضرت عمر نے زید بن ثابت کا قول

---

[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہمارا مذہب ہے۔ ۱۲ منہ

[2] جیسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، سعید بن منصور، دارمی، دارقطنی و بیہقی۔ ۱۲ منہ

اختیار فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق باب فرض الجد، حدیث ۱۹۰۵۹)

نیز بخاری میں زہری سے مروی ہے کہ یہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرائض میراث ہیں ان کے بعد زید بن ثابت نے انہیں روایت کیا اور یہ انہیں سے مشہور ہوا۔

(مصنف عبدالرزاق باب فرض الجد، حدیث ۱۹۰۶۰)

الثانی: صحابہ کا آپس میں مناظرہ و مباحثہ اور بعض کا بعض پر رد و انکار کرنا اور اس کے بعد کافی زمانے تک اسی پر اس اختلاف کا باقی رہنا ہی شدت خفا و پوشیدگی کی علامت و نشانی ہے کہ قرآن کریم امت کے لئے واضح بیان نہیں ہے یہاں تک کہ تلاش بسیار و بحث و مباحثہ کے بعد بھی ظاہر و واضح نہ ہوا زمانہ صحابہ سے اب تک یہی سنت جاری ہے۔

خطیب رواۃ مالک میں، سعید بن میسب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضرت عمر فاروق و عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں آپس میں کسی مسئلہ کی تحقیق میں اس طرح جھگڑتے تھے کہ انہیں دیکھنے والا یہ کہتا کہ یہ دونوں اب کبھی آپس میں جمع نہیں ہوں گے مگر جب دونوں بحث کے بعد جدا ہوتے تو اچھائی و عمدگی سے جدا ہوتے اور دونوں ایک دوسرے سے راضی و خوش ہوتے۔

(کنزالعمال آداب العلم متفرقہ، حدیث ۲۹۵۱۳)

مسدد و ابوعوانہ اور طحاوی جری بن کلیب سے راوی انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی چیز سے منع کرتے ہیں میں نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ دونوں کے درمیان یہ بات تو اچھی نہیں ہے آخر ایسا کیوں؟ فرمایا کہ ہمارے درمیان یہ برائی نہیں بلکہ بھلائی و خیر ہے۔ اور ابن عباس کے جواب میں حضرت زید بن ثابت کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ آپ اپنی رائے سے کہتے ہیں اور میں اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ (داری باب فی زوج و ابوین حدیث ۲۸۷۸)

الثالث: ہر مجتہد سے خطا و غلطی اور صواب و درستگی ہوتی ہے ہر ایک سے اس

کے قول پر مواخذہ اور جواب کا مطالبہ کیا جائے گا مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مواخذہ و مطالبہ نہ ہوگا۔ حضور کی شان و عظمت اس سے بلند و بالا ہے۔

امام احمد و ائمہ ستہ سوا ترمذی کے عمرو بن العاص سے اور امام احمد و ائمہ ستہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حاکم جب اجتہاد کے بعد حکم صادر کرے اور وہ درست ہو تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ اور جب اجتہاد کے بعد حاکم حکم دے اور وہ غلط ہو پھر بھی اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(بخاری کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم۔ مسند احمد، حدیث الحرث الاشعری الخ)

حاکم سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن عمرو سے اور امام احمد و ابن سعد اور طبرانی کبیر میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی یہ حاکم کی حدیث ہے کہ دو آدمیوں نے کسی تنازعہ پر بارگاہ رسالت میں مقدمہ دائر کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص سے فرمایا کہ دونوں کے درمیان فیصلہ کردو، عمرو نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی موجودگی میں میں فیصلہ کروں؟ حضور نے فرمایا ہاں تم ہی فیصلہ کرو۔ اگر تم درست و صحیح فیصلہ کروگے تو تمہیں دس نیکیاں حاصل ہوں گی اور اگر تمہارے اجتہاد میں غلطی ہوگی پھر بھی تمہیں ایک نیکی ملے گی۔

(حاکم مستدرک، کتاب الاحکام)

ابن عدی عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص سے فرمایا کہ اجتہاد کرو اگر درست ہوا تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر وہ غلط ہوا تو ایک نیکی ملے گی۔ (کنز العمال باب فی القضاء حدیث ۱۵۰۱۹)

طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک سے اس کے اپنے قول پر مواخذہ ہوگا اور اسی پر وہ چھوڑا جائے گا۔ (معجم کبیر طبرانی، حدیث ۱۱۹۴۱)

بیہقی مجاہد و عطا سے راوی دونوں نے کہا کہ ہر ایک اپنے کلام ہی سے ماخوذ و

مردود ہوگا مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں حضور سے کسی چیز کا مواخذہ ومطالبہ نہ ہوگا۔ (الیواقیت والجواہر بحث ۴۹ بیان ان جمیع الائمۃ الخ)

عالم مدینہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ہر ایک اپنے کلام کے سبب سے گرفتار ہوگا اور اسی پر اس کو چھوڑا جائے گا مگر یہ قبر والے (یعنی حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس حکم سے مستثنیٰ ہیں حضور سے پرسش نہ ہوگی۔ (حوالہ مذکور)

الرابع: "**لا ادری**" (یعنی مجھے معلوم نہیں) کوئی صحابی، کوئی مجتہد، کوئی امام علم وفن اور کوئی مفتی ایسا نہیں جس نے کبھی یہ نہ کہا ہو کہ "مجھے معلوم نہیں" میں نہیں جانتا۔

● دارمی شعبی سے راوی انہوں نے کہا کہ "**لا ادری**" یعنی مجھے معلوم نہیں، کہنا آدھا علم ہے۔ (دارمی اول باب ۲۱ حدیث ۱۸۶)

● سعید بن منصور سنن میں اور ہروی "ذم الکلام" میں شعبی سے روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہو اور وہ چیز اسے معلوم نہ ہو تو کہے "لا ادری" یعنی مجھے معلوم نہیں، کیونکہ ایسا کہنا تہائی علم کی دلیل ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین باب ۶ آفات العلم)

اقول، ہر مسئلہ میں انسان کا حال یہ ہے کہ یا تو وہ اسے جانتا ہے یا نہیں جانتا۔ اگر اسے معلوم نہ ہو اور کہے مجھے معلوم نہیں تو یہ آدھا علم ہے۔ اور یہ کہ کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نص صریح کا سہارا لیا جاتا ہے یا استنباط صحیح کا، اس سے اگر مسئلہ حل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ **لا ادری** (مجھے معلوم نہیں) کہنا تہائی علم ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راس الفقہاء تھے انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو اس پر یہ کہنا کہ "مجھے معلوم نہیں" یہ تہائی علم ہے۔ امام شعبی نے کبھی اجتہاد نہ کیا نہ اپنی رائے سے کچھ کہا[1] وہ فرماتے ہیں کہ "مجھے معلوم نہیں" کہنا آدھا علم ہے۔

---

[1] ابن جریر شعبی سے راوی انہوں نے فرمایا کہ تین چیزوں کے بارے میں مرتے دم تک میں کچھ نہیں کہوں گا (۱) قرآن (۲) روح اور (۳) رائے۔ ۱۲ منہ

● امام دار الہجرت سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چالیس مسائل پوچھے گئے انہوں نے صرف چار کے جوابات دیئے اور چھتیس مسائل کے لئے فرمایا کہ "مجھے معلوم نہیں"

● امام اعمش سے پچاس مسائل پوچھے گئے انہیں کسی کا جواب معلوم نہ تھا انہوں نے امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کیا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کے جوابات دیئے یہ دیکھ کر امام اعمش نے فرمایا کہ ان مسائل کے جوابات آپ نے کہاں سے اخذ کئے؟ امام اعظم نے جواب دیا کہ انہیں احادیث سے جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ پھر امام اعظم نے تمام مسائل اور حدیث سے ان کے استخراج کا طریقہ ذکر کیا امام اعمش نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ بس کیجئے ہم نے جو حدیثیں آپ سے سو دن میں بیان کی ہیں آپ نے ان کو صرف ایک گھنٹہ میں بیان کر دیا۔ اے گروہ فقہاء! ہم دوا فروش اور آپ لوگ اطباء ہیں لیکن اے ابو حنیفہ آپ نے دونوں کو حاصل کر لیا ہے۔

(الخیرات الحسان، لابن حجر مکی، ص ۱۴۴)

● اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کئی مسئلے میں "لا ادری" (یعنی مجھے معلوم نہیں) کہنا ثابت ہے ان میں سے ختنہ کے وقت وغیرہ کا مسئلہ ہے اسے شیخ الاسلام ابن ابی شریف نے اس طرح نظم کیا ہے۔

حمل الامام ابو حنیفة دینه ان قال لا ادری تسعة اسئله

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دین کا بوجھ اس طرح اٹھایا کہ انہوں نے نو مسئلوں میں فرمایا کہ "مجھے معلوم نہیں"

(رد المحتار، ابن عابدین۔ مطلب فی المسائل التی توقف فیہا الامام)

علامہ شامی نے دس فرمائے بلکہ در مختار میں سراج سے منقول ہے کہ امام اعظم نے چودہ مسائل میں توقف فرمایا۔ (حوالہ مذکور)

● حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بر سر منبر ایک مسئلہ پوچھا گیا انہوں نے فرمایا کہ "مجھے معلوم نہیں" سائل نے کہا کہ آپ تو لوگوں سے اوپر ہیں اور آپ کو معلوم

نہیں؟ حضرت علی نے فرمایا کہ یہ تو وہ ہے کہ مجھے اپنے علم کی مقدار اور اس کا حال معلوم ہے اور اگر میں عدم علم کی مقدار کے مطابق بلند ہوتا تو آسمان سے اوپر پہنچ جاتا۔ یعنی جتنا مجھے علم ہے اس کے سبب سے مجھے جو بلندی حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ میں منبر کے اوپر کھڑا ہوں اور مجھے جن باتوں کا علم نہیں ان کے سبب سے اگر میں بلند ہوتا تو آسمان کے اوپر پہنچ جاتا یعنی علم سے جہل زیادہ ہے۔ یہ وہ فرماتے ہیں جو مدینۃ العلم کے دروازہ ہیں اور جنہیں بائے بسم اللہ کی تفسیر سے ستر اونٹ گراں بار کرنے کا سچا دعویٰ ہے۔

● قوت القلوب و احیاء العلوم میں ہے کہ فقہائے کرام میں زیادہ تر حضرات ایسے ہیں جنہوں نے یہ فرمایا کہ "مجھے معلوم نہیں" اور کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے یہ فرمایا کہ "مجھے معلوم ہے" "لا ادری" کہنے والے حضرات یہ ہیں سفیان ثوری، مالک بن انس، امام احمد بن حنبل، فضیل بن عیاض اور بشر بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(قوت القلوب اول ذکر العلم وتفصیلہ واوصاف العلماء)

الخامس: رجوع کرنا، ائمہ صحابہ و تابعین میں اکثر ایسے ہیں جنہوں نے پہلے کچھ کہا پھر بعد میں اس سے رجوع کیا اور دوسرا قول کیا، کبھی ایسا ہوا کہ پہلے قول سے رجوع کیا اور دوسرا قول اختیار نہیں فرمایا بلکہ صرف رجوع کیا اور خاموش رہے، ائمہ نے احتیاطاً ایسا کیا۔

● ابن ابی شیبہ و بیہقی اور ابن سعد و عبدالرزاق عبیدہ سلمانی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جد کے بارے میں سو مختلف فیصلے یاد رکھے ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان اوپر گزرا ہے کہ "میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے جد کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق باب فرض الجد حدیث ۱۹۰۴۳۔ سنن بیہقی کتاب الفرائض)

● دارمی حکم بن مسعود سے راوی انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں شرکت کا ایک معاملہ لے کر آئے انہوں نے شریک نہیں کیا پھر ایک سال

کے بعد ہم اسی معاملہ کو لے کر آئے تو انہوں نے ہمیں شریک کر لیا ہم نے ان سے عرض کیا کہ پہلے تو آپ نے منع کر دیا تھا پھر بعد میں کیوں شریک کیا؟ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ بھی ہمارا فیصلہ تھا یہ بھی ہمارا فیصلہ ہے یعنی پہلے کے فیصلہ سے ہم نے رجوع کیا۔ (داری باب الرجل یفتی بشئی ثم یری غیرہ، حدیث ۶۵۱)

● نیز طاؤس سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کبھی ایک رائے دی اور کبھی اسے چھوڑ دیا اور امام مطلبی عالم قریش شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہ میں قول جدید وقدیم کی کثرت ہے۔ (داری باب اختلاف الفقہا، حدیث ۶۳۶)

السادس: جو احکام صحابہ کے لئے ظاہر تھے ان سے وہ کبھی مطمئن نہ تھے بلکہ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ ہو سکتا ہے آئندہ اس کے خلاف کچھ ظاہر ہو۔ اس سلسلے میں صدیق و فاروق اور علم کی گٹھری عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال گزرے ہیں کہ اگر درست وصحیح ہوا تو اللہ عزوجل کی جانب سے ورنہ ہمارے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اور بعض ائمہ تابعین نے فتاویٰ کے لکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کیا معلوم کہ کل اس سے رجوع کرنا پڑے اس لئے فتاوے نہ لکھے جائیں۔

السابع: ظاہری نص میں تعارض وتضاد دیکھنا، جیسا کہ امام رازی کے حوالے سے گزرا، تعارض وتضاد کی صورت میں جسے ترجیح حاصل ہو اس پر عمل کرنا یا دونوں میں تطبیق وتوفیق کے بعد عمل کرنا، اس سلسلے میں عثمان وعلی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال دو باندی بہنوں کے جمع کرنے کے بارے میں گزرے کہ ایک آیت سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے اور دوسری سے حرمت۔ (سنن بیہقی، کتاب النکاح)

الثامن: تمام صحابہ کا احادیث کی طرف رجوع کرنا۔

التاسع: اگر احادیث میں حل نہ ملے تو رائے وقیاس کی طرف رجوع ہوگا، رائے اور قیاس کو بھی ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے جس طرح احادیث مبارکہ ضروریات دین وشرع ہیں۔

امام بخاری سے کشف بزودی میں ہے اسے امام غزالی نے بھی تحریر فرمایا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اجتہاد، قول بالرائے وقیاس اور قائلین رائے کے نظریات سے سکوت کرنا دلیل قطعی سے ثابت ہے اور مشہور واقعات میں یہ تواتر سے ثابت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ قول بالرائے سے علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور جو اس کے خلاف منقول ہے اس میں اکثر روایات مقطوع اور غیر ثقہ راوی سے مروی ہیں یہ روایتیں بذات خود ان صحیح روایات کے معارض ومنافی ہیں جو انہیں راویوں سے ان روایات کے خلاف مروی ہیں پھر اس قسم کی روایتوں سے علم ضروری کو کیسے چھوڑ دیا جائے گا۔۔۔الخ

کشف بزودی میں ہے کہ جس میں کوئی صریح نص نہ ہوتی تو صحابہ کا اس پر اجماع ہوتا اور ان کا اجماع واتفاق بلاشبہ حجت ہے۔

(کشف الاسرار، علاء الدین بن احمد بخاری ۳ باب القیاس)

فواتح الرحموت کے اوائل میں قیاس کے حجت وضروریات دین میں سے ہونے کی صراحت ہے یہ صاحب مسلم الثبوت اور ملک العلماء نظام الدین سے منقول ہے اور یہ ان کی روایت ہے جن کی روایت کو ملک العلماء نے اپنی بعض کتاب میں درج فرمایا ہے۔ ائمہ وعلماء کے محاورات واستعمال سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے لئے قرآن حکیم کے احکام ومسائل ظاہر وعیاں نہیں ہیں اس لئے کہ انہوں نے مسائل کی نسبت حدیث واثر یا قیاس کی طرف کی ہے یہاں تک کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ہر بات کا جواب قرآن عظیم سے دیں گے اس نے بھی احادیث وآثار کا سہارا لیا جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محرم کے زنبور قتل کرنے کا واقعہ گزرا۔

اسی سے ملتی جلتی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو دوسرے کے بال اپنے بالوں میں لگائے یہ سن کر بنی اسد کی ایک عورت نے ابن مسعود سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ ہاں میں اس پر

کیوں نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور یہ کہ یہ تو قرآن مقدس کا حکم ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے تو دو تختیوں کے درمیان جو ہے اس سب (یعنی قرآن) کو پڑھا ہے اس میں وہ حکم مجھے کہیں نہیں ملا جو تم کہہ رہے ہو، فرمایا اگر تم اسے پڑھتی تو یہ حکم اس میں ضرور ملتا کیا تم نے یہ نہیں پڑھا ہے؟

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر، ۷)

اور رسول جو تمہیں دیں اسے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔

عورت نے کہا ہاں کیوں نہیں یہ تو ہم نے پڑھا ہے ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

(بخاری ۲، کتاب التفسیر سورہ حشر)

العاشر: ہر مسئلہ اجتہادیہ میں مجتہدین کرام کو ظن و گمان ہی ہوتا ہے اپنے قول پر کسی مجتہد کو یقین و اعتماد کامل نہیں ہوتا اس کے باوجود اس کے مخالف پر ضلالت و گمراہی کا حکم لگایا جائے گا جیسا کہ اصول عقائد کے مخالفین پر ضلالت وطغیان کا حکم لگایا گیا ہے۔

اصولی وفروعی اختلاف میں یہی فرق ہے عہد صحابہ سے اب تک اس پر اجماع ہے۔ لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم مسائل غیر اجماعیہ میں پوری امت میں سے کسی کے لئے ہر شئی کا بیان نہیں بلکہ بہت سارے اجماعی مسائل میں بھی بیان نہیں ہے کیونکہ کبھی اہل اجماع کو صرف ظن ہی حاصل ہوتا ہے البتہ انعقاد اجماع کے بعد یقین وجزم حاصل ہوتا ہے اجماع سے پہلے نہیں۔

فواتح الرحموت تقسیم خبر کی بحث میں ہے کہ جس بات پر اجماع کیا گیا اس کے ثبوت میں وہ اجماع قطعی ہے اگرچہ اہل اجماع کو اس کا یقین نہ ہو۔

(فواتح الرحموت، فی الاصل الثانی السنۃ، مسألۃ اختلفوا فی عصمۃ الانبیاء)

اس سے پہلے ہم نے ۹۰ وجوہ ذکر کیے اس کے بعد یہ دس فوائد کا اضافہ کیا کل ملا کر سو پورے ہو گئے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

فصل

زعم تخصیص کا دیوالیہ

اس سے محذور کا ازالہ بالکل نہ ہوگا

قائلین تخصیص کو رستگاری حاصل نہ ہوگی یہ استدلال دوسرے طریقے سے ہے کہ قرآن کریم امت کے لئے ہر شئی کا بیان نہیں۔ اس سے پہلے جو بحث ہوئی وہ احوال علماء کے اعتبار سے تھی اور یہ نفس قرآن عظیم کے اعتبار سے ہے کہ ظاہر قرآن علماء کے لئے ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔

یاد رکھو کہ خصوص کے قائلین نے مختلف طریقے سے خصوص کے بیان و تقریر میں آپس میں اختلاف و نزاع کیا ہے، اس پر یہ بات صادق آتی ہے کہ قرآن کریم اگر غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں شدید و کثیر اختلاف ہوتا۔ بہت سارے خصوص کے قائلین نے لفظ ''کل'' کو دیکھ کر فیصلہ کیا اس لئے کہ یہ صیغہ عموم میں سب سے قوی تر ہے پھر بھی دعویٰ اور مبالغہ کی طرف پھیرنے کی جسارت نہ کر سکے بلکہ ''شئی'' کو علوم دینیہ سے خاص کر دیا ہے۔

پھر کبھی علوم کو مطلق رکھا، کبھی اس میں وسعت کی اور کہا کہ یہ ان چیزوں کو عام ہے جو دین سے متعلق ہیں، کبھی خاص طور سے وہ چیزیں مراد لیں جن کی دین میں ضرورت پڑتی ہے، کبھی علوم کی تفصیل علوم عقائد و اعمال اور تزکیہ باطن اور ذات و صفات و اسماء و افعال اور احکام کی معرفت و عرفان سے کی اور کبھی صرف حلال و حرام

اور فرائض واحکام پر اقتصار واکتفاء کیا جیسا کہ قائلین تخصیص کے پیش کردہ نصوص و دلائل سے معلوم ہوا۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اس سے ان کا معاملہ پورا نہیں ہوتا اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہر دینی حکم یعنی حلال وحرام کی تفصیل نہیں ہے چہ جائیکہ ان کے غیر کی تفصیل ہو تو وہ لوگ دو گروہ ہو گئے۔

منکرین قیاس نے ہر اس حکم کے انکار سے نجات حاصل کی قرآن میں واضح طور پر جس کا بیان نہیں اور استدلال یہ کیا کہ اصل بری الذمہ ہونا ہے لہٰذا جو حکم قرآن کریم کے اندر ہے وہی اللہ کا حکم ہے۔ جب ان کا یہ مدعا اہل سنت ومقلدین ائمہ کے حق میں حاصل نہ ہوا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن مقدس میں بعض علوم کا بیان تفصیلاً ہے اور بعض کا اجمالاً۔

اور جب اس پر بھی اعتراض ہوا کہ اجمال بیان کے منافی ہے تو باقی تینوں اصول (سنت، اجماع اور قیاس) کے حیلہ کا سہارا لیا یعنی تینوں اصول علوم دینیہ میں واضح طور پر موجود ہیں اس طور سے انہوں نے قرآن کو انہیں علوم پر محدود و منحصر کر دیا، اس طریقے سے بالواسطہ بیان کا راستہ نکالا۔ لفظ ''کل'' کو اس کی حقیقت پر باقی رکھنے میں قائلین تخصیص کی یہ انتہائی کوشش ہے۔ انہیں میں سے بعض نے قاضی بیضاوی پر اعتراض کیا کہ امور دین کی تخصیص مراد لینا اقتضائے مقام کے خلاف ہے اور واسطہ کی بات کرنا تکلف سے خالی نہیں اور اجمال وتفصیل جائز قرار دینے کی تاویل کرنا تو عبارت تفصیل کی متحمل نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''ہر شئی کی تفصیل ہے'' اور تم کہتے ہو کہ ایک شئی کی تفصیل ہے اور ایک شئی میں اجمال تمہارے زعم وگمان کے مطابق معاملہ نہیں ہے کہ لفظ ''کل'' یہاں پر احاطہ وتعمیم کے لئے ہو بلکہ تکثیر وتعظیم کے لئے ہے اس لئے کہ تبیان میں احاطہ وعموم مراد لینے میں بیان میں مبالغہ مقصود ہے۔ یہ قائلین تخصیص کے اقوال ودلائل کا خلاصہ ہے۔

ان دلائل وبیانات کی جب تحقیق وتفتیش کی جائے گی تو ظاہر وعیاں ہو جائے گا

کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ان کی مراد کے مطابق قرآن کریم اہم علوم دینیہ کا بھی بیان نہیں ہے مثلاً علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم فروع فقہیہ۔ جب ان علوم کا بیان نہیں تو دوسرے علوم کا کیونکر بیان ہوگا۔

لہٰذا عبد ضعیف (امام احمد رضا) پہلے ان امور کو ذکر کرے گا جو علم اصول دین وغیرہ سے متعلق ہیں پھر ان کے بقیہ کلام کو ظاہر کرے گا اس کے بعد رسالہ مذکورہ نے جو دعوے کئے انہیں کمزور و تباہ کرے گا۔

قرآن کریم جملہ اصول دین کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

فاقول و باللہ التوفیق

ا۔علم اصول دین، امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ پورا کا پورا قرآن مقدس کے اندر موجود ہے اس لئے کہ دلائل اصلیہ مکمل طور پر قرآن میں مذکور ہیں لیکن روایات مذاہب اور تفاصیل اقوال اگر مذکور نہیں تو ان کی حاجت بھی نہیں۔

(مفاتیح الغیب، امام رازی سورہ انعام آیت وما من دابۃ فی الارض الایۃ)

اقول، اولا۔ ہاں توحید و رسالت اور حشر و نشر کے دلائل سے تمہاری جو مراد ہے اس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے مگر اصول کے جملہ مسائل میں سے اکثر نظر نہیں آتے چہ جائیکہ ان پر دلائل و براہین قائم کئے جائیں جیسے یہ مسئلہ کہ عالم اپنے تمام ذرات واجزا کے ساتھ حادث ہے حالانکہ اس میں آسمان و زمین کی پیدائش بھی ہے اس لئے بعض قدماء نے ٹھوکر کھائی اور کہا گیا کہ عرش و کرسی قدیم ہیں۔ عارف نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس کی تاویل تحریر کی ہے جبکہ ان سے بعض حواشی میں لغزش بھی ہوئی ہے۔ ہم ان کی اس لغزش کو اس فصل کے آخر میں ذکر کریں گے۔

مسئلہ۔ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے حدوث متصف وقائم نہیں ہے۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ پر کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق کوئی چیز قبیح نہیں۔

اور مخالف کو اس بات کا اعتراف واقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا ارداہ فرماتا ہے اس کا حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور مخالف یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر کا ہی ارادہ فرماتا ہے، وہ حسن ہی چاہتا ہے۔

مسئلہ ۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام معصوم ہیں ان کی عصمت کا اعتقاد واجب ہے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام گناہ کبیرہ وصغیرہ عمداً وسہواً سے محفوظ ومعصوم ہیں ان کی یہ عصمت وعفت اعلان نبوت سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی۔

مسئلہ ۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا احکام خداوندی کی تبلیغ وارشاد میں کسل وکمی کرنا ممتنع ومحال ہے۔

فتنہ قبر وصراط کا مسئلہ بھی انہیں مسائل میں سے ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ یہ مسئلہ قرآن عظیم میں وارد نہیں ہوا۔

شفاعت کبریٰ اور اس کے حضور اقدس مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خاص ہونے کا مسئلہ وغیرہ مسائل کثیرہ ایسے ہیں جن کا صریح بیان قرآن مقدس میں نہیں ہے۔

ثانیا: قرآن کریم جن مسائل کے بیان کرنے میں بظاہر خاموش ہے ان میں گمراہوں کو وہم ہوا ہے ان کا یہ وہم وخیال راہ یاب وہدایت یافتہ لوگوں کے خلاف ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

● اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف، ۳)

ہم نے اسے عربی قرآن اتارا۔ (کنز الایمان)

● مِنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ (الانبیاء، ۲)

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نصیحت آتی ہے۔ (کنز الایمان)

● وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (آل عمران، ۱۴۲)

اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا۔ (کنز الایمان)

● فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت،۳)

تو ضرور اللہ سچوں کو دیکھے گا اور ضرور جھوٹوں کو دیکھے گا

● كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام،۵۴)

تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔ (کنزالایمان)

● وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم،۴۷)

اور ہمارے ذمہ کرم پر مسلمانوں کی مدد فرمانا۔ (کنزالایمان)

اور حضرت آدم وموسیٰ وداؤد علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں فرماتا ہے

● عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (التوبہ،۴۳)

اللہ تمہیں معاف کرے۔ (کنزالایمان)

اور فرماتا ہے

● لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ (الفتح،۲)

تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے۔ (کنزالایمان)

صفات باری تعالیٰ کے بارے میں جو آیات متشابہات ہیں جیسے استواء، ید، عین، وجہ، اور مجی کی نفی، "لیس کمثلہ شئی" سے نہیں ہوتی کیونکہ "مثل" کا معنی برابر و مساوی کے ہے۔

ثالثا: علم اصول دین میں جو ذکر کیا گیا اگر کبھی اسے لفظ محتمل سے ذکر کیا جائے جس میں تاویل کی گنجائش ہو تو مخالف پر اس کی عظمت ظاہر نہ ہوگی۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ جب خارجیوں سے مناظرہ کرو تو قرآن سے حجت قائم نہ کرنا کیونکہ قرآن میں چند معنوں کا احتمال ہے تم کسی آیت سے استدلال کروگے تو وہ بھی کریں گے۔ تم ان پر سنت وحدیث سے حجت قائم کرنا۔

(الاتقان، نوع ۲۹)

● اس کی مثال میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات،۹۶)

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔ (کنزالایمان)

● بتوں کے ذکر میں یہ آیا ہے

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (الصافات،۹۵)

کیا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو۔ (کنزالایمان)

گمراہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تم نے جو بت بنائے انہیں بھی پیدا کیا۔

● اور فرماتا ہے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الدھر،۳۰)

اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ (کنزالایمان)

● شروع زمانہ اسلام میں اسلام قبول کرنے والوں کے متعلق سورہ دھر میں یہ ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (الدھر،۲۹)

تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔ (کنزالایمان)

اور سورہ تکویر میں ہے

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (التکویر،۲۸)

اس کے لئے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے۔ (کنزالایمان)

اس پر گمراہوں نے کہا کہ یہ خیر میں ہے لیکن شر تو یہ انہیں کی طرف لوٹے گا۔

● اور فرماتا ہے

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ (الاعراف،۸)

اور اس دن تول ضرور ہونی ہے۔ (کنزالایمان)

اس پر گمراہوں نے کہا کہ امتحان و آزمائش اور جید وردی کے درمیان تفریق و امتیاز مراد ہے۔

● اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ،۲۳)

اپنے رب کو دیکھتے۔ (کنزالایمان)

جو لوگ دیدار رب سے محروم ہوں گے انہوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دیدار کے امیدوار و منتظر ہوں گے وغیرہ۔

مسلمانوں میں جو بھی فرقہ ہے خواہ وہ حقیقۃً مسلمان ہو یا اسے دعوے مسلمانی ہو سب کے سب قرآن عظیم ہی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم ان میں سے اکثر پر حجت ہے لیکن وہ جانتے نہیں۔

رابعاً: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت بیان گزر چکا ہے

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرۃ،۲۶)

اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے۔

(کنزالایمان)

اور امام حکیم ترمذی کی یہ حدیث بھی گزر چکی ہے جو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کچھ لوگ کتاب اللہ سے گمراہ و بددین ہوں گے۔

(نوادرالاصول، حکیم ترمذی اصل ۱۶۳)

نیز اسے ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں، عسکری نے مواعظ میں، ابونعیم نے حلیہ میں، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا اس کی سند کے ضعیف ہونے سے کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ یہ غیب کی خبر ہے اور واقعہ خبر کے مطابق ہے یہی اس کے صادق ہونے کی دلیل ہے اور اس کے راویوں میں کوئی ایسا بھی نہیں جس پر حدیث گڑھنے کی تہمت ہو یہاں تک کہ یہ گمان کیا جائے کہ اس نے کوئی ایسی چیز دیکھی اور اسی کے مطابق جھوٹ گڑھ لیا۔

اس کی نظیر یہ روایت ہے جسے خطیب نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دجلہ وفرات کے درمیان ایک شہر آباد ہوگا جس کا نام ''زوراء'' ہوگا اس میں بنی عباس میں سے ایک بادشاہ ہوگا اور اس میں ایسی ایسی خونریز لڑائی ہوگی کہ عورتوں کو قیدی بنالیا جائے گا اور مردوں کو بے دردی کے ساتھ ذبح کردیا جائے گا جس طرح بکریوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ خطیب نے کہا کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

(تاریخ بغداد، باب ذکر احادیث رویت الخ)

امام جلال الدین سیوطی جامع کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ خونریز لڑائی اور مردوں کا ذبح کیا جانا خطیب کی موت کے دوسو سال سے زیادہ مدت کے بعد واقع ہوا اس واقعہ سے صحت حدیث کو تقویت ملتی ہے۔ (جامع الاحادیث سیوطی ۴ حدیث ۱۰۵۸۰)

قلت ،اس کا اعتبار اسے کرنا چاہئے جو سند کی حالت پر جم جاتا ہے پھر اگر ایسی بات سامنے آئے جس سے تمسک نہ ہو تو وہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے ثابت ہونے کا انکار کردیتا ہے حالانکہ اس کو یہ کہنا چاہئے کہ یہ ثابت نہیں ہے نہ کہ اس کا انکار کیا جائے کیونکہ بہت ساری ضعیف روایات سے صحیح چیز کا ادراک ہوتا ہے اور بہت بھولنے والا کچھ چیزوں کو یاد کرلیتا ہے بلکہ جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے ہاں عقل سلیم یا نقل صریح یا حدیث حسن صحیح جس کی نفی کرے تو اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔

خامسا :امام رازی کا قول اس کی تفسیر میں کافی ہے اس کی تلخیص نیشاپوری نے ''رغائب'' میں اور امام سیوطی نے ''اتقان'' میں کی ہے اور دونوں نے اسے باقی و ثابت رکھا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ بے دین وملحدین نے قرآن عزیز میں طعنہ کیا ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مذہب والے نے اپنے مذہب کے مطابق استدلال وتمسک کیا ہے۔ (الاتقان، نوع ۴۳ فی المحکم والمتشابہ)

● جبریہ نے اس آیت سے استدلال کیا

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَہُوْہُ وَفِیْٓ اٰذَانِہِمْ وَقْرًا (الانعام،۲۵)

اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ۔ (ٹینٹ وہ چیز جس سے کان بہرے یا بوجھل ہو جائیں۔م) (کنز الایمان)

● قدریہ کہتے ہیں کہ یہ کفار کا مذہب ہے

قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ (حم سجدہ،۵)

بولے ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اور ہمارے کانوں میں ٹینٹ ہے۔ (کنز الایمان)

● رویت باری تعالیٰ کے قائلین و مثبتین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (القیامہ،۲۲-۲۳)

کچھ منہ اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے۔ (کنز الایمان)

● رویت باری کے منکرین یہ آیت پیش کرتے ہیں

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ (الانعام،۱۰۳)

آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں۔ (کنز الایمان)

● اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت کرنے والوں کی دلیل یہ آیت ہے۔

یَخَافُوْنَ رَبَّہُمْ مِّنْ فَوْقِہِمْ (النحل،۵۰)

اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

● اور اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں

اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طٰہٰ،۵)

وہ بڑی مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

(کنز الایمان)

● جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ،۱۱)

اس جیسا کوئی نہیں۔ (کنزالایمان)

پھر ہر فرقہ اپنے مذہب کے موافق آیات کو محکم کہتا اور جو آیات ان کے مخالف ہیں ان کو متشابہ مانتا ہے۔ اور کبھی ترجیحات خفیہ و وجوہ ضعیفہ کی طرف بعض کی ترجیح میں معاملہ الٹ جاتا ہے۔ لہٰذا حکیم مطلق کے لئے یہ کیسے لائق ہے کہ کتاب کو قیامت قائم ہونے تک ہر دینی مسئلہ میں اسی کی طرف لوٹایا جائے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر قرآن کریم ظاہر و واضح ہوتا اور متشابہات سے خالی ہوتا تو حصول مقصود سے زیادہ قریب ہوتا۔

نزول متشابہات کے فوائد وحکم

علمائے کرام نے متشابہات کے فوائد میں چند وجہیں ذکر فرمائی ہیں۔

الاول: جب آیات متشابہ ہوں گی تو حق کا سراغ لگانے میں سخت دشواری وشدید مشقت ہوگی اور جس بات میں زیادہ محنت ومشقت ہو اس میں ثواب زیادہ ہے۔

الثانی: اگر پورا قرآن کریم محکم ہوتا تو یہ ایک مذہب کے سوا تمام مذاہب کے مطابق ہوتا اور صریح ہونے کے سبب سے ایک مذہب کے علاوہ سب کو باطل کر دیتا اگر ایسا ہوتا تو دیگر مذاہب والے اس سے متنفر ہوتے اور اس کو قبول کرنے سے دور بھاگتے۔ اور جب قرآن کریم متشابہات پر مشتمل ہے تو ہر مذہب والے کو یہ طمع وامید ہے کہ اس میں ایسی چیز مل جائے گی جس سے اس کے مذہب کو تقویت حاصل ہوگی لہٰذا جملہ مذاہب کے لوگ قرآن مقدس کو دیکھیں گے اور اس میں غور وفکر کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب ایسا کرنے لگیں گے تو آیات محکمات، متشابہات کی تفسیر وتوضیح ہو جائے گی اس طریقے سے اہل باطل کو باطل سے چھٹکارا ملے گا اور وہ حق کی طرف پہنچ جائیں گے، انہیں حق کا سراغ لگ جائے گا۔

الثالث: قرآن عظیم دیکھنے والے کو عقلی دلیل کی مدد واستعانت کی ضرورت ہوگی ایسی صورت میں وہ تقلید کی ظلمت وتاریکی سے نکل کر استدلال وبینات کے روشن میدان میں پہنچ جائیں گے لیکن اگر پورا قرآن محکم ہوتا تو انہیں دلیل عقلی کی حاجت نہ ہوتی اور وہ جہالت وتقلید کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

الرابع: بعض پر بعض کی ترجیح اور تاویلات کے طریقے سیکھنے کی ضرورت ہے

اس کے لئے علوم کثیرہ مثلاً علم لغت، علم نحو، علم اصول فقہ وغیرہ کی حاجت ہے اگر قرآن ایسا نہ ہوتا تو انسان کو ان علوم کثیرہ کی ضرورت نہ پڑتی اور لوگ ان علوم کو حاصل نہ کرتے۔

الخامس: اور قوی تر بات یہ ہے کہ قرآن پاک عوام وخواص کی دعوت وارشاد پر مشتمل ہے اور عوام کی طبیعتیں اکثر معاملے میں حقائق کے ادراک وعلم سے قاصر ہیں۔ عوام میں پہلے پہل جب کوئی یہ سنے گا کہ وجود موجود کا ثبوت ہے مگر وہ جسم نہیں ہے، وہ کسی حیز و مکان میں نہیں، اس کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا تو اس سے وہ یہ سمجھے گا کہ یہ معدوم ہے اگر ایسا اعتقاد ہو جائے تو وہ صفات باری تعالیٰ کے منکرین میں سے ہو جائے گا۔

(مفاتیح الغیب، رازی آل عمران۔ الاتقان نوع ۴۳ فی المحکم والمتشابہ)

لہٰذا مناسب اور صحیح بات یہ ہے کہ انہیں ایسے الفاظ سے مخاطب کیا جائے جو ان کے وہم وخیال کے بعض مناسب معاملات پر دلالت کرے اور وہ ایسی چیز سے مخلوط ہو جو حق صریح پر دلالت کرے۔ پہلی شق متشابہات ہے اور دوسری شق جس میں نتیجۂ ان کے لئے احوال منکشف ہوتے ہیں وہ محکمات ہے۔

اس پوری عبارت سے اس حقیقت وکنہ کی نفی ہو جاتی ہے جس نے لوگوں کے لئے تمام اصول دین کو ایسا واضح وجلی وروشن انداز میں بیان کیا جس میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر قرآن تمام اصول دین کا روشن بیان ہوتا تو یہ پانچوں فائدے وجود میں نہ آتے۔

قرآن کریم، اصول کا بیان امت کے لئے نہیں ہے

۲۔علم اصول فقہ: تمہیں معلوم ہے کہ قرآن کریم میں عام لوگوں کے لئے علم اصول فقہ کے مسائل کی تفصیلات کا بیان نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ان مسائل کا مرجع وموافقت ہی اصول اربعہ کی حجت ہے اور ظاہر کتاب، خبر احاد، جملہ قیاس، اجماع سکوتی اور وہ اجماع جو احاد سے منقول ہے سب کے سب ظنی ہیں انہیں پر عام مسائل فقہ کا دارومدار ہے اور قرآن عظیم میں ان میں سے کسی چیز کے حجت ہونے کا بیان نہیں ہے بلکہ قرآن میں تو وہ بیان ہے جس سے مخالف نے ان کے حجت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (یونس، ۳۶)

بیشک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔ (کنز الایمان)

● اور فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ (الاسراء، ۳۶)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ (کنز الایمان)

● وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (النجم، ۲۸)

اور انہیں اس کی کچھ خبر نہیں وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں ظن کے علم ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ بڑے بڑے شافعیہ اور ان کے موافقین پر معاملہ تو عظیم تر ہے کہ انہوں نے عام کو ظنی کہا ہے جبکہ کوئی حکم شرعی ایسا نہیں جس کا عموم میں دخل نہیں۔ ایک عادل شخص کی خبر کے حجت ہونے پر اس آیت

کے مفہوم سے استدلال کیا گیا ہے۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات، ٦)

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔ (کنزالایمان)

اقول ،اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ خبر واحد حجت ہے تو محدثین کے نزدیک قبول کے جو شرائط ہیں ان کی نفی ہو جائے گی مثلاً حفظ وضبط ہونا اور شاذ، منکر، علۃ بالاتفاق، مرسل، منقطع، معضل اور عنعنہ مدلس نہ ہونا۔ اور عادل کی طرح مستور شخص کا قول بھی قبول کرنا واجب ہو جائے گا۔ دیکھو اجماع قطعی حجت ہے مگر جب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے قرآن کریم سے اسے تین دن غور وفکر کرنے کے بعد ثابت کیا اور اس آیت سے استخراج کیا۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء، ١١٥)

اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔ (کنزالایمان)

یہ تبیان کی شان نہیں کہ تین دن غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑی پھر یہ کہ شبہات کثیرہ کی مزاحمت کے بعد یہ ہوا۔ فواتح الرحموت میں اس پر آٹھ وجہیں ذکر کی گئی ہیں پھر سات وجہوں کا یہ جواب دیا گیا کہ بعض نامناسب اور بعض قوی ہے اور آٹھواں یہ ہے کہ اگر ہر اعتبار سے اس کی دلالت تسلیم کرلی جائے تو ظاہر ہے حالانکہ وہ مظنون ہے اور اس کا استدلال وتمسک اجماع سے ثابت ہے پھر اس کے بعد جو دلیل ہے وہ اس سے ثابت نہیں یعنی قیاس۔ (فواتح الرحموت، امام عبدالعلی ۲، الاصل الثالث الاجماع)

قیاس کے حجت ہونے پر ''فاعتبروا'' کی دلالت نہایت باریک وخفی ہے حجیت قیاس پر مطارحات (وہ قول جس کی طرف توجہ نہ کی جائے) کا تصادم اکثر وواضح ہے پھر کہاں سے تبیان ہوگا؟ حق یہ ہے کہ ظواہر وعمومات، خبر احاد اور اجماع وقیاس سب کی حجیت معلوم ہے اور یہ کہ جس نے اس کے لئے محنت کی، اس کے نزدیک ضروریات دین میں سے ہے اور وہ مشاہدہ کرنے والوں میں ہے لہٰذا مطلب ثابت و عیاں ہوگیا کہ قرآن مبین میں علم اصول فقہ کا بیان نہیں ہے۔

قرآن حلال وحرام وغیرہ احکام فقہیہ ومسائل ارکان اسلامیہ کا بیان، امت کے لئے نہیں

۳۔علم الفروع: علماء کا اجماع واتفاق ہے (اور یہ کہ ظاہر وعیاں سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں) کہ قرآن کریم میں بہت سارے مسائل بلکہ اکثر مسائل کا اجمالی بیان ہے اور اجمال وتبیان میں منافات ومغایرت ہے

اقول، خفاو پوشیدگی کی تین وجہیں ہیں اور وہ سب کی سب قرآن میں مذکور و موجود ہیں۔

الاول: بالکلیہ ذکر چھوڑ دینا، ایسا اکثر مسائل میں ہوا ہے۔نماز کا حکم دیا گیا لیکن نماز کے شرائط، ارکان کی ترتیب، تعداد رکعات، اوقات کی تعیین وتحدید اور مفسدات نماز کی تفصیلات بیان نہیں کی گئی ہیں جب ان چیزوں کا ذکر نہیں تو نماز کے سنن ومستحبات، ذکرو دعا اور مکروہات کا بیان کہاں سے ہوگا بلکہ قرآن میں یہ بھی نہیں ہے کہ نمازیں پانچ ہیں البتہ وجوہ بعیدہ سے مجتہدین نے نماز پنج گانہ کا قرآن سے استنباط کیا ہے مگر وہ مکمل نہیں۔اگر اس بحث پر مزید اطلاع مقصود ہو تو محقق ابن امیر الحاج کی "حلیہ" کی طرف رجوع کرو وہاں پر اس بحث کی قدرے تفصیل ہے۔

اور قرآن کریم میں سائمہ جانوروں اور اموال تجارت کی زکوۃ کا بیان نہیں اور نہ زکوۃ کا نصاب واضح ہے نہ سونے چاندی کا نصاب مذکور نہ حولان حول ونمو کی شرط موجود، ہاں صرف اتنا ہے کہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ کہ جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، ہم پر ان تمام چیزوں کا بیان مخفی ہے جس طرح حضرت ابوذر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مخفی رہا انہوں نے فرمایا کہ سود کو حرام کیا گیا مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ آخر ہے کیا یہاں تک کہ مجھ پر ربوا کا معاملہ مشتبہ ہو گیا جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سود کا معاملہ غیر واضح رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فضل وزیادتی کے بارے میں حضرت عمر کی مخالفت کی۔

جو لوگ حرمت ربوا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ربوا کا حکم ادھار بیع کے مثل ہے اور ان کا اختلاف اس بات پر ہے کہ سود پہلے چھ چیزوں کے ساتھ خاص تھا اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اشیاء ستہ کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی ربوا ہو گا ان کا اختلاف اس بات پر ہے کہ اس کا دارومدار قدریت وجنسیت یا طعمیت وثمنیت وغیرہ پر ہے۔ اسی پر تمام ابواب ومسائل کا قیاس کیا جا سکتا ہے جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شیخ الاسلام زکریا انصاری، سیدی علی خواص اور عارف شعرانی قدست اسرارہم کے کلام سے فصل سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

الثانی: ایسا لفظ ذکر کرنا جس میں چند معانی کا احتمال ہو اور احتمال کا ہجوم بیان وتبیان کے منافی ہے مثلاً قرآن کے یہ الفاظ

- ''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' (البقرۃ، ۲۲۸) لفظ قروء میں حیض وطہر دو معنی کا احتمال ہے۔
- ''اَرْجُلَكُمْ'' (المائدۃ، ۶) لام میں نصب وجر دو قرأت کا احتمال ہے۔
- ''حَتّٰى يَطْهُرْنَ'' (البقرۃ، ۲۲۲) تخفیف وتشدید دو قرأت سے اس کو پڑھا جاتا ہے۔
- ''اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ'' (النساء، ۴۳) لمس سے بھی ہو سکتا ہے اور ملامست سے بھی، لمس کے معنی چھونا اور ملامست کے معنی جماع کرنا لہٰذا اس میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔
- ''اَنّٰى شِئْتُمْ'' (البقرۃ، ۲۲۳) لفظ انی میں کیف واین دونوں معنی میں ہونے کا احتمال ہے۔
- ''بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ'' (البقرۃ، ۲۳۷) جس کے ہاتھ میں نکاح کی

گرہ ہے اس سے مراد شوہر بھی ہے اور ولی بھی۔

● " اَوْ نِسَآىٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ " (النور، ۳۱) یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں۔ نسائھن کے مفہوم سے یہ استثناء کی طرح ہے یعنی وہ کسی عورت کے لئے زینت وسنگار ظاہر نہ کریں ہاں اگر انہیں میں سے مسلمہ عورتیں ہوں تو کوئی حرج نہیں۔" یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں" سے مراد باندیاں ہیں اگر چہ وہ کافرہ ہوں۔

یہ تو عبد ضعیف (امام احمد رضا) کے لئے فیض ربانی سے ظاہر ہوا یہاں تک کہ میں نے ابن جریج سے ایسا ہی مروی دیکھا اور ان کے علاوہ دوسرے اطلاقات کا بھی احتمال ہے، ان آیات سے علماء کے درمیان جو اختلافات برپا ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں اور اس آیت کے معنی کے بعد مطلب متعین نہیں ہوتا۔

● اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (النور، ۳۱)

یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں۔ (کنزالایمان) واللہ تعالیٰ اعلم

الثالث: جس کا ذکر کرنا سخت دشوار ہو، اس طرح سے کہ خلاف مقصود کی طرف ذہن کی رسائی ہو مثلاً

● اللہ تعالیٰ کا فرمان

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا (النور، ۳۳)

تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو۔ (کنزالایمان)

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ (النساء، ۲۳)

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں۔ (کنزالایمان)

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیوی کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے انہیں فتویٰ دیا کہ وہ اپنی عورت کی بیٹی سے

نکاح کرلیں اس پر مالک بن اوس نے عرض کیا کہ پھر آیت کریمہ وربائبکم، کا کیا مطلب ہوگا، حضرت علی نے فرمایا کہ وہ تمہاری گود میں نہیں ہے، یہ بات (یعنی حرام) تو اس وقت ہے جبکہ لڑکی تمہاری گود میں ہوتی۔ اسے عبدالرزاق و ابن ابی حاتم نے سند صحیح کے ساتھ مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ (النساء،۱۷۶)

اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول گزر چکا ہے۔

● اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (النساء،۱۰۱)

(الی قولہ تعالیٰ) فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (النساء،۱۰۳)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بیشک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہئے کہ ان میں ایک جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر تم سے پیچھے ہو جائیں اور اب دوسری جماعت آئے جو اس وقت تک نماز میں شریک نہ تھی اب وہ تمہارے مقتدی ہوں اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار

ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو اور اپنی پناہ لئے رہو بیشک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز پوری کرو۔ (کنز الایمان)

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم مجاہد سے اور ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم وعبد الرزاق قتادہ سے اور بخاری کے علاوہ ائمہ ستہ یعلی بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (النساء ۱۰۱)

تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔ (کنز الایمان)

اور اب لوگوں کو تو امن ہو گیا ہے؟ حضرت عمر نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری طرح مجھے بھی اس سے تعجب لاحق ہوا تھا تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا حضور نے فرمایا کہ نماز قصر تم پر اللہ تعالیٰ کا تصدق ہے جو اس نے تم پر صدقہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ (مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین)

تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی لفظ کی نسبت دو مفہوم کی طرف ہو اور وہ دونوں میں برابر صادق آئے تو ذہن کو کچھ توقف ہوگا مثلاً ''قروء'' کی نسبت حیض وطہر دونوں کی طرف ہے تو لفظ ''قروء'' دیکھنے یا سننے کے بعد ذہن حیض وطہر دونوں معنی کی طرف جائے گا۔ ہاں مشکل یہ ہے کہ لفظ، اصل وضع میں ایک معنی میں راجح ہو اور دوسرے معنی میں مرجوح، پھر راجح باطل ہو جائے اور مرجوح حق وثابت ہو۔ اس کی مثال یہ آیت مبارکہ ہے

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (الاسراء ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

یہاں پر ظاہر کلام یہ ہے کہ انہیں فسق کا حکم دیا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (الاعراف، ۲۸)

بیشک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ (کنز الایمان)

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (التوبہ، ۶۷)

وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ (کنز الایمان)

اس کا ظاہر نسیان ہے جو علم کی ضد ہے اور اس کا مرجوح متروک ہے اس کے لئے آیت محکمہ یہ ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم، ۶۴)

اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں۔ (کنز الایمان)

جان لو کہ یہ عظیم مقام ہے اور ہر مذہب والا یہی دعویٰ کرتا ہے کہ جو آیات ان کے مذہب کے موافق ہیں وہ محکم ہیں اور جو آیات اس کے مخالف کے موافق ہیں وہ متشابہ۔۔۔الخ (تفسیر کبیر، سورہ آل عمران)

یہ بات جب دین کے اصول وفروع میں ہے کہ قرآن میں ان کا واضح بیان نہیں ہے تو پھر یہ تمہارے لئے کس چیز کا بیان ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خصوص کے قائلین نے جو قصد کیا ہے تخصیصات میں سے کسی شئی پر اس کی استقامت نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہوگی تو قرآن کریم تو ضائع وبیکار ہو کر رہ جائے گا حالانکہ قرآن عظیم بے مقصد و بے معنی ہونے سے پاک ومبرا ہے۔ یعنی قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں حکمت الٰہیہ موجود ہے اگرچہ یہ عام انسان کی سمجھ میں نہ آئے۔

احالہ کے ذریعہ حیلہ کے بطلان پر کلام

۴۔ رہا سنت و اجماع اور قیاس پر حدیث احالہ کا اطلاق، تو میں کہتا ہوں

اولاً: امام رازی اسماء قرآن کے بیان میں آیت کریمہ "الم ذلک الکتب" کے تحت فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا نام "قیم" اس لئے رکھا گیا کہ وہ بیان و افادہ میں بالذات قائم ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ بقرہ)

جو خود بیان نہ کرے، بلکہ دوسرے پر انحصار ہو تو اس معنی کے اعتبار سے وہ قیم نہ ہوگا۔

ثانیاً: احالہ بالذات، واضح و جلی اور بلیغ بیان کی دلیل نہیں ہے تو وہ تبیان نام رکھے جانے کا مستحق کیونکر ہوگا۔

ثالثاً: مثال کے طور پر کسی عالم سے ایک ہزار مسائل پوچھے جائیں وہ صرف ایک سوال کا جواب دے کر کہے کہ یہ فرض ہے اور باقی کوئی فرض ہے کوئی سنت اور کوئی مکروہ ہے، کوئی حرام۔ اس عالم کے لئے یہ کہنا درست نہیں کہ اس نے ایک ہزار میں سے ہر شئی کو بیان کر دیا ہاں اس نے ایک کو بیان کیا اور باقی کے احکام مبہم و پوشیدہ رکھے مگر اس سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ ان سب کا حکم یکساں نہیں اور یہ فائدہ بھی ہوا کہ وہ چار (یعنی فرض سنت حرام اور مکروہ) احکام پر منقسم و مشتمل ہیں۔ اور یہ فائدہ بھی ہوا کہ ان میں سے کوئی دو، ایک جیسے نہیں۔ لیکن اسی طرح اگر کوئی ہزار سوالوں کا صرف ایک جواب دے اور کہے کہ باقی کا حکم علماء سے پوچھ لو اس نے تو اتنا بھی فائدہ نہ دیا جتنا اس عالم نے دیا تھا۔ اس صورت میں پہلے سے زیادہ ابہام و خفاء ہے پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ اس نے ہر شئی کو بیان کر دیا۔

رابعاً: بیان کرنے والے کے لئے اگر حیلہ و احالہ تبیان ہوتا تو ہر وہ گنوار و جنگلی

جو کچھ نہیں جانتا ہے ہر شئی کو بیان کرنے پر قادر ہو جاتا۔

خامسا: اگر کوئی شخص پورے شہر کے لوگوں کو جمع کر کے کہے کہ مجھ سے جو چاہو پوچھو میں تمہارے لئے ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کو واضح و روشن انداز میں بیان کر دوں گا، لوگوں نے ایک ہزار اشیاء کے بارے میں سوالات کئے اس شخص نے صرف ایک سوال کا جواب دیا اور ہر سوال کے جواب میں کہتا رہا کہ علماء سے پوچھو تو کیا کسی شخص کو یہ وہم ہوگا کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہر شئی، ہر سوال کی تفصیل بتادی بلکہ اس شخص کا ایسا کہنا یا تو جرأت بے جا ہے یا جہالت و نادانی یا مذاق و تمسخر اور استہزاء ہے۔ پھر اس قسم کی باتوں کو اس پر محمول کرنا کیسے جائز ہوگا جس کی قرآن نے خود تعریف کی ہے۔

سادسا: اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو جس پر احالہ کیا گیا ہے اس سے ہر شئی کی تفصیل اور ہر شئی کا واضح و بلیغ بیان حاصل نہ ہوگا۔ جیسا کہ فصل سابق میں خصوصاً وجوہ عشرہ کے آخر میں بیان کیا گیا ہے پھر ہر شئی کا بیان اور ہر شئی کی تفصیل کہاں سے درست ہوگی اگرچہ واسطہ سے ہو؟

سابعا: بیان اس راستہ کو کہتے ہیں جو فہم و علم کی طرف پہنچا دے۔ اور تبیان، سب سے قریبی اور واضح راستہ کو کہتے ہیں جس میں نہ تھکن ہے نہ ٹھہراؤ۔ جو اسے پہنچائے وہی بیان کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ یہاں پر کچھ پہنچانے والے دوسرے راستے بھی ہیں لہٰذا ان راستوں پر چل کر دیکھو۔ ان کی طرف بہت باریکی سے اشارہ کیا اور ان راستوں کی علامتیں اور پہنچانے والے راستوں کی نشانیاں بیان نہیں کی ہیں یہاں تک کہ سننے والوں کو اس بات پر اختلاف ہوا کہ ان راستوں پر دلالت ہے یا نہیں؟ اور دلالت سے کیا مراد ہے؟ کچھ لوگ اس سے باز رہے اور باقی لوگ ان راستوں پر چلنے لگے جو ان کے لئے مشکل و دشوار ہیں۔ راستے تین طرح کے ہو گئے۔ ۱۔ موصلہ، ۲۔ مزلہ، ۳۔ منضلہ۔

التباس و اشتباہ اور عدم تبیان کے سبب سے کشادہ راستوں پر چلنے والے ان

راستوں پر پڑے رہ گئے اور کہنے والا حکیم، علیم اور رحیم ہے اس کی حکمت اس بات کی مقتضی ہے اس نے جس کے لئے چاہا اس کے لئے پردۂ غیب سے اپنی رحمت مقدر کر دی جسے نہ وہ دیکھتے ہیں نہ دوسرے چلنے والے، تو بچھڑے ہوؤں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور انہیں ضلالت و گمراہی کے راستوں سے بچا کر سیدھی راہ پر ڈال دیا گیا اور دوسرے کو اپنے عدل و حکمت سے گمراہی میں رہنے دیا اور وہ تاریک وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ پھر وہ لوگ جوان کے ساتھ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے ان میں سے بعض کو چھوڑ دیا جن کے قدم ڈگمگاتے رہے اور وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے اور بعض کی تائید کی گئی وہ لغزش پا کا شکار نہ ہوئے۔ پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ جب میں نے راستوں کو بتایا تو گویا کہ منزل تک پہنچا دیا۔

بلکہ وہ فرماتا ہے" میں نے اپنی حکمت کاملہ سے اجمال رکھا اور وضاحت و صراحت کے بغیر دلالت کی، پھر اپنی رحمت سے بعض کو پہنچا دیا اور اپنے عدل و انصاف سے بعض کو گمراہ چھوڑ دیا اور بعض پہنچنے والے نے ٹھوکر کھائی پھر اسی لغزش پر میں نے اسے منزل تک پہنچا دیا" میری حیات کی قسم قرآن کریم کی یہی شان ہے اس سے بہت گمراہ ہوتے اور بہت ہدایت پاتے ہیں۔

مجتہد سے لغزش و خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی، اگر وہ چاہتا تو ہر شئی کو روز روشن اور آفتاب نیمروز سے زیادہ ظاہر کر دیتا اور ہر التباس و اشتباہ کو زائل کر دیتا، ہر اندازہ و تخمین کو دور کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا اگر ایسا کر دیا جاتا تو تمام علوم باطل ہو جاتے اور کوئی شبہ والتباس نہ ہونے کے سبب سے سب لوگ برابر و یکساں ہو جاتے جس سے حکیم مطلق کا نادر و بے مثال نظام خلل انداز ہو جاتا جس طرح اگر سب لوگ معاش وغیرہ میں برابر ہوتے تو دنیا کا نظام بگڑ جاتا۔ اللہ کے کرم پر ایسے راستے کا بیان کرنا ہے جو سیدھا اور حق تک پہنچانے والا ہو اور ان راستوں میں سے کوئی راستہ ٹیڑھا ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دیتا اور اگر وہ چاہتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر

دیتا اور وہ جاہل نہ رہتے۔

ثامنا: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے پھر بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بیان کے ساتھ بالذات قائم ہو وہ تفصیل و بیان کی فضیلت میں اس سے زیادہ مستحق ہے جس کا انحصار دوسرے پر ہے۔ پھر تو مقدمات صغار میں سے کوئی ایک قرآن عظیم سے زیادہ اس بات کا مستحق ہو جائے گا کہ اس میں ہر شئی کا بیان اور ہر شئی کی تفصیل ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) مقدمات صغار میں سے مفتی ثقلین امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ''متن عقائد'' اور امام ابوالحسن کا فقہ میں ''مختصر قدوری'' ہے۔

قرآن عظیم معنی کے اعتبار سے بھی معجز ہے

تاسعا: احالہ کے قول سے قرآن عظیم کا معنی کی حیثیت سے معجز ہونا باطل ہو جاتا ہے جس کے دل میں قرآن کی عظمت جاگزیں ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ایسا سمندر ہے جس کے عجائب و غرائب منتہی اور ختم نہیں ہوں گے پھر انسان اس کے موتیوں کا پتہ اور اس کی کنہ و حقیقت کا احاطہ کیسے کر سکے گا اس لئے یہاں پر کہا جائے گا کہ قرآن مقدس معنی کے اعتبار سے بھی معجز ہے۔

علامہ شمس فناری ''**فصول البدائع فی اصول الشرائع**'' میں اور علامہ مولیٰ خسرو'' **مرقاۃ الاصول الی مرأۃ الوصول** '' میں آیات کریمہ '**تبیانا لکل شئی**' اور '**ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین**' کے تحت میں فرماتے ہیں یہ لفظ فناری کے ہیں

کتاب مقدس صرف لفظ کے اعتبار سے بیان نہیں بلکہ وہ معنی کے اعتبار سے بھی بیان ہے خواہ معنی جلی ہو یا خفی، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ معنی کی حیثیت سے تبیان اور لفظ کی حیثیت سے بیان ہے اس صورت میں قرآن کے نظم و معنی دونوں کی تعظیم و تکریم ہے

مولیٰ خسرو نے یہ زیادہ کیا کہ، ایک قول کے مطابق کتاب مبین لوح محفوظ کا نام ہے اگر اس سے قرآن ہی مراد لیا جائے تو ہماری تحریر کردہ وجہ مسلم ہے کہ قرآن میں

بعض اشیاء کا بیان لفظی ہے اور بعض کا معنوی۔

عاشر ا: امام رازی بذات خود اس کا بکثرت رد کر چکے ہیں وہ ہمیں کافی ہے انہوں نے جب قول احالہ ذکر کیا تو اس کے بعد ہی فرمایا کہ مگر میں کہتا ہوں کہ آیہ کریمہ " **مافر طنا فی الکتاب من شئی** " کو اس وجہ پر محمول کرنا جائز نہیں اس لئے کہ لفظ '**مافرطنا** ' قرآن کی مدح وثنا میں مقام تعظیم ومبالغہ میں ذکر کیا گیا ہے اگر اس آیت کو اس معنی پر محمول کیا جائے تو اس سے تعظیم واجلال کا ثبوت نہ ہوگا۔ اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اجماع وخبر واحد اور قیاس پر عمل کرو تو جو معنی مذکور ہوا وہ اس لفظ سے حاصل ہو جائے گا۔ اس تھوڑے سے لفظ سے جس معنی کا حصول ممکن ہے اسے قرآن کی مدح وثنا کا موجب قرار دینا ممکن نہ ہوگا اس سبب سے کہ قرآن اسی پر مشتمل ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ معنی مذکور تعظیم قرآن کے لئے مفید نہ ہوگا اور یہ کہنا واجب ہے کہ آیت کو اس معنی پر محمول کرنا جائز نہیں۔ (تفسیر کبیر تحت مافرطنا فی الکتاب من شئی)

امام رازی نے حق بات کھلم کھلا بیان کردی ہے۔ بالفرض اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ ان تینوں (یعنی اجماع، خبر واحد وقیاس) پر عمل کرو تو اس سے زیادہ واضح ہوتا جو قرآن میں نظر آتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان اصول کے حجت ہونے میں قرآن میں جو دلالت ہے وہ بہت ہی خفی اور بہت ہی بعید ہے۔ لیکن جس رسالہ یعنی غایۃ المامول کا ذکر ہوا ہے اس نے تفسیر کبیر سے اس مقام کی عبارت شروع سے آخر تک نقل کی اور جب اس رد کے پاس آیا تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور وہ کود گیا اور اسے اپنی بات کا پل بنالیا یہاں تک کہ یہ سب چھوڑ کر گزر گیا اور عبور کر گیا۔ اس قسم کی باتیں اس چھوٹے سے رسالہ میں تواتر وتسلسل کے ساتھ ہیں جو دو جزء بھی نہیں ہے یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس میں جو بھی ہے وہ سب جھوٹ اور وہابیہ کے خونی ہاتھوں کا کام ہے۔

۵۔ جن تصریحات پر احکام ومسائل کا اقتصار وانحصار ہے وہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔

منکرین قیاس کے زعم کا رد

فــاقول، منکرین قیاس نے فساد کیا، فساد کا دروازہ کھولا ان کے زعم کا سہارا لینا عقل وآگہی اور فکر و یقین سے بہت ہی بعید ہے۔

اولاً: یہ بہکے ہوئے لوگوں کا قول ہے وہ لوگ عہد صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اب تک ائمہ دین کا جس بات پر اتفاق و اتحاد ہے اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کی طرف تو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لئے رہنمائی فرمائی ہے۔ پھر اس سے استناد و اعتماد کیسے جائز ہوگا جس نے بزعم خویش ہدایت یافتگان میں اپنا قدم رکھا؟ امام رازی نے آیت نحل کے تحت میں فرمایا کہ یہ منکرین قیاس کا قول ہے اور ان کے کلام کے آخری مرحلے میں فرمایا کہ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اللہ کی جانب سے صرف انہیں باتوں کا مکلف ہے جو قرآن میں وارد ہوئی ہیں۔ جب ایسا ہوگا تو قیاس کا قول باطل ہو جائے گا اور قرآن مکمل طور پہ تمام احکام و مسائل کا بیان ہوگا۔ (تفسیر کبیر سورہ نحل، آیت ونزلنا علیک الکتاب)

ثــانیــا: ان لوگوں نے جھوٹ کہا کہ وہ صرف قیاس کے منکر ہیں بلکہ اس سے حدیث و اجماع کا بھی باطل ہونا لازم آئے گا اور وہ اس فرمان اقدس کے مصداق ہو جائیں گے "کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔ اور اس فرمان اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہوں گے" سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل۔ حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ

نے حرام فرمائی۔ سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دیئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن ہی کی حرام فرمائی ہوئی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں۔ یہ سب فرمودات اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ (ابوداود، کتاب السنۃ)

یہ لوگ ائمہ کرام سے علانیہ عداوت و دشمنی کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باطنی طور پر اور قرآن کریم سے لزومی طور پر بغض رکھتے ہیں۔ اس پر قرآن کے ان فرمودات سے اشارہ ہو رہا ہے۔

- وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر، ۷)

اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

(کنزالایمان)

- مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔ (کنزالایمان)

- مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ ۲۹)

جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے۔ (کنزالایمان)

- قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (الاحزاب، ۳۶)

اللہ و رسول حکم فرمادیں۔ (کنزالایمان)

- وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ (النساء ۸۳)

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے۔

(کنزالایمان)

- اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(کنزالایمان)

یہاں لفظ ''اطیعوا'' کا رسول کے ساتھ اعادہ کیا گیا ہے ''اولی الامر'' کے ساتھ نہیں، اس میں جو نکتہ ہے اسے بھولنا نہیں چاہئے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (کنزالایمان)

ثالثاً: اللہ کا شکر ہے کہ قرآن نے ان کے لئے مذکور مسائل بھی واضح نہیں فرمائے، قرآن فرماتا ہے ''اقیموا الصلوٰۃ'' کیا قرآن میں یہ ہے کہ نمازیں کتنی ہیں؟ اوقات کیا ہیں، تعداد رکعات کیا ہے، ارکان اصلیہ وزائدہ اور مکملہ کتنے ہیں، خارجی وداخلی شرائط کیا کیا ہیں، نماز کی صفت اور اذکار وادعیہ کیا ہیں اور نماز کے مفسدات ومکروہات کتنے ہیں؟

قرآن فرماتا ہے ''آتوا الزکوۃ'' کیا قرآن میں یہ ہے کہ کس چیز کی زکوۃ دی جائے؟ کب اور کتنی اور کن شرائط سے زکوۃ فرض ہوتی ہے؟ اسی پر دیگر مسائل کا قیاس کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا منکرین قیاس کا قرآن کریم پر تمام احکام ومسائل کا انحصار واقتصار کرنا دین کے بطلان اور انسان کو بیکار وضائع چھوڑنے کی طرف مفضی ہے۔ جب دونوں وجہیں باطل ہو گئیں تو ہلاکت وبربادی کے سوا تخصیص کا کوئی حصہ باقی نہ رہا۔

لفظ ''کل'' کے تکثیر کے لئے ہونے کا بطلان

۶۔قائلین تخصیص میں سے تھوڑے لوگ باقی رہ گئے جنہوں نے ایسی تخصیص سے راہ فرار اختیار کی جو لفظ 'کل' کو اس کی وضع اور حال تکثیر ہونے سے روکتی ہے۔

فاولا: ان کا یہ کہنا ہمیں کافی ہے کہ انہوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ اسے رد کر دیا ہے کہ جب تک کلمہ کل کو استغراق حقیقی پر محمول کرنا ممکن ہو تو دوسرے معنی پر اسے محمول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ 'عنایۃ القاضی' میں ہے۔ (عنایۃ القاضی، الخفاجی۔سورہ یوسف)

واقول ثانیا یہ بالکل نئی بات ہے آثار سلف میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔

ثالثا: اگر دونوں وجہوں کو جمع کر دیا جائے تو کلام امور دین سے مخصوص ومتعلق ہو جائے گا اور لفظ 'کل' کا تکثیر پر محمول کرنا نہ درست ہو گا نہ کچھ مفید۔ کیونکہ جن احکام و مسائل کی قرآن کریم میں تصریح ہے ان ہزاروں ہزار احکام میں سے کوئی ایک حکم بھی احادیث واجتہاد سے ثابت نہیں اگر اس سے انکار ہو اور یہ بات تسلیم نہ ہو تو آیات احکام کو چن لو اور انہیں مذاہب اربعہ کی مبسوط وطویل کتب فقہ وفتاویٰ سے تقابل کر دو تو تمہیں میری بات کی صداقت وحقانیت معلوم ہو جائے گی۔ جو ہزاروں مسائل میں سے صرف ایک مسئلہ بیان کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ اس نے ہر چیز کی تفصیل و وضاحت کر دی، کچھ نہیں تو کم سے کم اس کی یہ بات ہزل ومذاق پر مبنی محمول ہوگی۔اور قرآن کریم ہزل وتمسخر سے بلند وبالا ہے۔ بیشک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے کہ حق و باطل میں فرق وامتیاز کر دیتا ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں جو نکمی اور بیکار ہو۔لیکن اس نے امور دین کی تخصیص کو پسند نہ کیا اور دینی ودنیاوی امور سے بیان کو عام کر دیا پھر یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب میں دنیا ودین کی ہر چیز

بیان کردی اور ہر ایک کی واضح تفصیل کردی ہے اور اس نے یہ تکثیر و تعظیم کے سبب سے فرمایا ہے اللہ کی پاکی ہے کہ عین تعظیم و تفخیم اور استکثار کا لحاظ کیا جائے گا جو ہزاروں ہزار میں سے ایک نہیں ہے۔

اس قسم کی قلت شدیدہ میں بالذات کثرت نہیں ہے ورنہ جو شخص دریا میں گیارہ یا بارہ گز تیر کر جائے اس کے لئے یہ کہنا جائز ہو جائے گا کہ میں نے پورے دریا کو تیر کر پار کرلیا اس لئے کہ گیارہ کثرت ہے بلکہ جمع کثرت کا مصداق ہے، اس پر جمع کثرت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کے کلام کو اس قسم کے دعووں پر کتاب مجید کی مدح میں محمول کرنا بہت ہی بعید ہے کوئی متقی و پرہیزگار اور حیادار شخص اس بات کو پسند نہ کرے گا۔

گویا کہ اس نے اس قسم کی باتوں سے دھوکا دینا چاہا ہے جو ابوالفضل مرسی کے حوالے سے گزر چکا کہ قرآن کریم ان علوم کو حاوی ہے جو سب سے پہلے ایجاد و رائج ہوئے۔

قرآن کریم میں صراحۃً جن علوم کا تذکرہ ہے وہ یہ ہیں

- علم ہندسہ " ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ " (المرسلات، ۳۰) (جس کی تین شاخیں۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے
- علم نجوم " اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ " (الاحقاف، ۴) (یا کچھ بچا کھچا علم۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔

اور قرآن عظیم میں صنعت و حرفت کے اصول و مبادی ہیں

- کپڑا وغیرہ سینے کا علم " طَفِقَا یَخْصِفٰنِ " (الاعراف، ۲۲) (اپنے بدن پر جنت کے پتے چپٹانے لگے۔ کنزالایمان) سے ظاہر ہے۔
- علم آہنگری " اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ " (الکھف، ۹۶) (میرے پاس لوہے کے تختے لاؤ۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔
- علم نجاری " وَاصْنَعِ الْفُلْكَ " (ھود، ۳۷) (اور کشتی بناؤ۔ کنزالایمان) سے

ثابت ہے۔

● تاگا کاتنے کا علم "نَقَضَتْ غَزْلَهَا" (النحل،۹۲) (جس نے اپنا سوت ریزہ ریزہ کردیا۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔

● کپڑا وغیرہ بننے کا علم "كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا" (العنکبوت،۴۱) (مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا۔ کنزالایمان) سے ظاہر ہورہا ہے۔

● کاشتکاری کی حرفت "اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ" (الواقعہ،۶۳) (تو بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔

● فن غواصی "كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ" (ص،۳۷) (ہر معمار اور غوطہ خور۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔

● زرگری کی صنعت "مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا" (الاعراف،۱۴۸) (ایک بچھڑا بنا بیٹھی۔ کنزالایمان) سے ظاہر ہورہی ہے۔

● شیشہ گری کی حرفت "اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ" (النور،۳۵) (وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ کنزالایمان) سے معلوم ہورہی ہے۔

● کشتی رانی کا فن "اَمَّا السَّفِيْنَةُ" (الکھف،۷۹) سے سامنے آیا۔

● روٹی پکانے کی حرفت "اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا" (یوسف،۳۶) (میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں۔ کنزالایمان) سے وجود میں آئی۔

● گوشت وغیرہ پکانے کی حرفت وصنعت "بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ" (ھود،۶۹) (ایک بچھڑا بھنا لے آئے۔ کنزالایمان) سے معلوم ہوئی۔

● کپڑا وغیرہ دھونے کی صنعت "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (المدثر،۴) (اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ کنزالایمان) سے آشکارا ہوئی۔

● قصائی کی حرفت "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" (المائدۃ،۳) (مگر جنہیں تم ذبح کرلو۔ کنزالایمان) سے ثابت ہے۔

● رنگریزی کا علم " صِبْغَةَ اللّٰهِ " (البقرۃ،۱۳۸) سے ثابت ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ ان کلمات کے ان علوم وفنون کے تبیان و بیان ہونے کا وہم کسی بھی عقلمند کو نہ ہوگا بلکہ کسی عقل ورائے والے کو یہ وہم بھی نہ ہوگا کہ ان کلمات میں ان علوم کی افادیت کا اشارہ بھی ہے اگرچہ اجمالاً ہی سہی۔ اگر تم کلمہ " او اثارۃ من علم " کو روزانہ مرتے دم تک ہزار مرتبہ بار بار دہراؤ پھر بھی تم کو علم نجوم کے ایک مسئلہ پر بھی اطلاع نہ ہوگی۔ اور اگر لفظ " اما السفینة " یا پوری سورہ کہف کو عمر بھر بار بار پڑھو اس کے باوجود تمہیں کشتی رانی کی ایک بات بھی معلوم نہ ہوگی۔ اسی پر دوسرے علوم و فنون کا قیاس و اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر صرف کسی چیز کا ذکر ہی اس کے تمام علوم کا بیان ہوتا تو ہر شئی کے بیان و تفصیل میں لغات کی ہر کتاب قرآن سے زیادہ جامع و عظیم ہوتی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اس قسم کے ذکر و تذکرہ کو ہر شئی کا بیان قرار دینا اگرچہ اجمالاً ہی ہو اور " تبیانا لکل شئی " اور تفصیل کل شئی کو اس پر محمول کرنا ایسا ہے جیسے قرآن عظیم کو بے دین و ملحدین کے مذاق واستہزاء کے لئے پیش کرنا۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

قائلین تخصیص کے بقایا کلام کا اظہار

۷۔امام رازی آیات پنج گانہ(۱۔**ما فرطنا فی الکتاب من شئی** ۔۲۔**و تفصیل الکتاب لاریب فیه من رب العلمین** ۔۳۔**ولکن تصدیق الذی بدیه و تفصیل کل شئی** ۔۴۔**ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ ۵۔**وکل شئی فصلناه تفصیلا**) میں سے پہلی آیت کے تحت میں فرماتے ہیں کہ لفظ 'مافرطنا' کا بیان اشیاء سے مخصوص ہونا ضروری ہے جن کی معرفت واجب ولازم ہے اس کے بیان کی دو صورتیں ہیں۔

اول: لفظ تفریط کا استعمال وہاں پر ہوتا ہے جس کا بیان کرنا واجب وضروری ہے کیونکہ جس بات کا بیان کرنا ضروری نہیں اس کی تفریط وکمی کی طرف کسی کی نسبت نہیں ہوتی۔

ثانی: تمام آیات قرآنیہ یا اکثر آیات کی دلالت اس بات پر مطابقی ہے یا تضمنی یا التزامی کہ اس کتاب کے نزول سے مقصود دین کا مکمل بیان اور ذات باری و احکام الٰہیہ کی معرفت وپہچان ہے۔ پورے قرآن سے جب یہ قید معلوم ہوگی تو یہاں پر مطلق[1] اسی مقید پر محمول ہوگا۔ (مفاتیح الغیب، رازی سورہ انعام)

اقول، اولا: رب عزوجل کی طرف یہ نسبت جائز نہیں کہ اس نے کسی چیز کا بیان چھوڑ کر کمی کی ہے حالانکہ اس پر کچھ واجب نہیں وہ تو بے نیاز وحمید ہے۔ اگر وہ کوئی

---

[1] مطلق کو مقید پر محمول کرنا ہمارے مذہب میں نہیں ہے ہمارے علماء نے اس پر دلائل وبراہین قائم فرمائے جن سے حجت تمام ہوگئی۔۱۲منہ

کتاب نازل نہ فرماتا، کوئی رسول نہ بھیجتا، کوئی بیان نہ فرماتا بلکہ اگر کسی مخلوق ہی کو بالکلیہ پیدا نہ فرماتا تو اس کی طرف کسی تقصیر و کمی کا انتساب نہ ہوتا نہ کسی فضیلت کے چھوڑنے کی بات ہوتی۔ پھر اس کی طرف کسی ضروری چیز کے چھوڑنے کا انتساب کیونکر جائز و روا ہوگا جیسا کہ اس کی طرف ازل سے ابد تک کسی چیز کے چھوڑنے کی نسبت نہیں کی جاسکتی وہ تو مخلوق یا کسی امر یا کسی شئی کے اکتساب سے بلند و بالا ہے، پھر اس سے کسی نقص و کمی کا ازالہ کیوں کیا جائے وہ تو بے عیب ہے۔ جس پر اس بحث کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ مکمل طور پر ساقط و تباہ ہوگیا۔

بیشک مافرطنا کا معنی ماترکنا ہے یعنی ہم نے کچھ نہیں چھوڑا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی تفسیر فرمائی ہے جسے ابن جریر و ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے علی بن طلحہ سے روایت کیا۔ (جامع البیان طبری۔ سورہ انعام)

ثانیا: حاجت سے اللہ تعالیٰ کی حاجت مراد لینا ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حاجت سے غنی و بلند و بالا ہے بلکہ اس سے مخاطبین کی حاجت مراد ہے۔ لہٰذا اس سے مراد یا تو یہ ہے جس کا دین میں ہونا ضروری ہے کہ اس کے بغیر دینی امور میں خلل واقع ہو جیسا کہ "یجب معرفتها یجب ان یبین" سے معلوم ہو رہا ہے، یا ہر وہ چیز مراد ہے جو دین میں نفع بخش ہے جیسا کہ تیسری آیت میں فرمایا گیا کہ اس سے مراد حلال و حرام اور دین کے تمام متعلقات و مقتضیات ہیں۔ (مفاتیح الغیب رازی، سورہ یوسف)

● اول یعنی "جس کا دین میں ہونا ضروری ہے" باطل ہے کیونکہ یہ جملہ اپنے ماقبل آیت کی تقریر و ثبوت کے لئے واقع ہوا ہے، وہ آیت یہ ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم

(الانعام، ۳۸)

اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندکہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔ (کنزالایمان)

اس میں کوئی شک نہیں کہ چوپائے اور پرندے ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو امور دین میں کوئی خلل نہ پڑتا، حالانکہ تم سے یہ منقول ہے اور تم اقرار کر چکے ہو کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کتاب حکیم میں ان تمام چیزوں کو شمار فرمایا ہے جو انسانی احوال سے متعلق ہیں مثلاً عمر، رزق، موت، سعادت وشقاوت وغیرہ اسی طرح کتاب حکیم میں جملہ حیوانات کے تمام احوال وکوائف کو شمار فرمایا ہے، اس دعویٰ پر یہ آیت مبارکہ دلیل ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔

چونکہ یہ آیت کریمہ "الا امم امثالکم" کے بعد مذکور ہے اس لئے اس میں وہی فوائد ہیں جو ہم نے تحریر کئے۔ (مفاتیح الغیب، امام رازی۔ سورہ انعام)

● شق ثانی (یعنی جو امور دین میں مفید ہیں) کی بنیاد پر تمام ما کان و ما یکون کا احاطہ واجب ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ عزوجل کے وجود کی علامت ونشانی ہے ورنہ بعض چیز عالم نہ ہوگی رب کے ماسوا جو بھی چیز ہے وہ عالم ہے۔ عالم میں اس کی قدرت باہرہ، اس کی صنعت بدیعہ اور اس کی حکمت بالغہ پر عظیم دلائل ہیں لہٰذا ان چیزوں کا دینی معاملات میں نفع بخش ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ ہر ذرہ اور ہر حالت کے علم کی دین میں ضرورت ہے اور کوئی علم دوسرے علم سے کبھی بھی بے نیاز ومستغنی نہیں ہوتا۔

ثالثاً: بحث مذکور سے روز روشن اور آفتاب سے زیادہ ظاہر وآشکارا ہو چکا کہ قرآن کریم اصول عقائد میں ہر شئی کا بیان تمہارے لئے نہیں ہے نہ احکام شرعیہ وارکان اسلام کا بیان تمہارے لئے ہے، پھر کہاں سے چھٹکارا ملے گا؟

لطیفہ نفیسہ

قرآن عظیم سے دکانیں، موٹر گاڑیاں اور ہوائی جہاز کا استخراج

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان صادق ہے وہ صادق و مصدوق ہیں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کے عجائب منتہی نہیں۔ علمائے کرام ہمیشہ قرآن عظیم سے ایسی چیزوں کا استخراج فرماتے رہے جو نو ایجاد اور دنیا میں رائج ہو رہی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ ابن سراقہ نے کتاب الاعجاز میں ایک حکایت بیان کی ہے جو ابو بکر بن مجاہد سے مروی ہے انہوں نے ایک دن فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز قرآن پاک کے اندر موجود ہے ان سے کہا گیا کہ دکانوں کا ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ دکانوں کا ذکر اس آیت میں ہے۔

- لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

(النور، ۲۹)

اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے۔ (کنز الایمان)

جو گھر کسی خاص سکونت کے لئے نہیں وہی دکانیں ہیں۔ (اتقان، نوع ۶۵)

اسی سے ملتا جلتا بعض علماء سے موٹر گاڑیوں کے بارے میں سوال ہوا جو ابھی حال کی ایجاد ہیں انہوں نے کہا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(النحل، ۸)

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے اور وہ پیدا کرے گا (ایسی عجیب وغریب چیزیں) جس کی تمہیں خبر نہیں۔ (کنز الایمان)

یہ موٹر گاڑیاں وہ چیزیں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔

اور جب ہوائی جہاز ایجاد ہوئے تو اس عبد ضعیف (امام احمد رضا) غفرلہٗ نے اس آیت سے ان کا استخراج کیا، آیت یہ ہے۔

● وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام، ۳۸)

اور نہ کوئی پرندکہ اپنے پروں پر اڑتا ہے۔ (کنز الایمان)

مفسرین کرام ہمیشہ[1] یہ سمجھتے رہے کہ یہ قید صرف تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے "رأیت بعینی" "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور" قلت بفمی "" میں نے اپنے منہ سے کہا۔

جب یہ طیارے ایجاد ہوئے تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ قید بھی ان مقولوں کے مثل احترازی ہے کیونکہ یہ طیارے بغیر پروں کے اڑتے ہیں اور یہ ہمارے مثل امت نہیں ہیں۔

[1] امام رازی نے اس کی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔ آیت میں "یطیر بجناحیه" ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس سے فرشتے نکل جائیں جو دو سے زائد پروں والے ہیں۔ اقول، اس قید سے فرشتے کیسے نکلیں گے جبکہ ان کے لئے لفظ "مثنی" یعنی دو دو پروں والے استعمال ہوا ہے ۱۲ منہ

قائلین تخصیص کے کلام کا تتمہ

۸۔ قاضی بیضاوی آیت کریمہ ' ما فرطنا فی الکتاب من شئی ' کے تحت فرماتے ہیں کہ '' من '' زائدہ اور '' شئی '' موضع مصدر میں ہے نہ کہ مفعول بہ کی جگہ، کیونکہ '' فرط '' بالذات بغیر واسطہ کے متعدی نہیں ہوتا۔

(انوار التنزیل، بیضاوی، سورہ انعام آیت وما من دابۃ الایۃ)

شہاب خفاجی فرماتے ہیں، ابو البقاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان کی پیروی کی ہے کہ آیت میں اس کے لئے حجت نہیں ہے جس کا گمان یہ ہے کہ کتاب حکیم ہر شئی کے ذکر کو محیط وحاوی ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے

لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا (آل عمران، ۱۲۰)

تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔ (کنز الایمان)

یہاں پر، شیئا ضیرا، مصدر کے معنی اور مصدر کی جگہ پر واقع ہے۔

ملتقط، میں اس پر یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب مصدر پر نفی کا تسلط ہو تو جہت عموم پر منفی کا اثر ہوگا اور اسے انواع مصدر اور اس کے تمام افراد کی نفی لازم ہے، اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کریم سے تفریط وکمی کے تمام انواع واقسام کی نفی ہو جائے گی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن میں کوئی تقصیر وکمی نہیں ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن پاک میں ہر چیز کو ذکر کیا جائے۔

مصنف کے قول، امر الدین، سے ایسی تاویل کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ مذکور اختیار کرنے کی صورت میں، کوئی ضرورت نہیں، جیسا کہ ' لا یضر ' کے متعدی ہونے کی اس سے نفی کی ہے جس نے کہا کہ وہ معنی مفعول بہ کو شامل ہے۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی۔ سورہ انعام)

اقول، اولاً: امام رازی نے تفریط کے بارے میں جو فرمایا ہے اس پر نگاہیں اٹھی ہیں۔ اور تمہیں اس کا رد معلوم ہو چکا ہے۔ کسی اعتبار سے کسی بھی چیز پر قرآن کی طرف تقصیر و کمی کی نسبت نہیں کی جائے گی حالانکہ ترک ثابت ہے بالفرض اگر کوئی چیز بیان سے رہ جائے وہ پھر نہیں سکتی۔ ملتقط، میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

ثانیاً: قاضی بیضاوی نے اس صورت کے اختیار کرنے کی وجہ ظاہر کی ہے کہ 'فرط' خود بخود متعدی نہیں ہوتا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ تاویل کی طرف احتیاج سے کوئی چھٹکارا نہیں مگر یہ ایسا خلا ہے جس کا سد باب نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی ضرورت ہے جس کو دفع نہیں کیا جا سکتا اگر چہ مکمل طور پر حیلہ تراشی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے پھر بھی قرآن کی شان یہ ہے کہ ہر اعتبار سے اس سے استدلال کیا جائے گا پھر اس قول کے جائز ہونے کی کوئی راہ نہیں کہ " آیت میں حجت باقی نہیں ہے"، لیکن یہ کہنا کہ اس کا معنی یہی ہے اور دوسرے معنی کا احتمال نہیں تو شہاب خفاجی نے خود ہی اس کے رد کرنے کی ذمہ داری نبھائی ہے۔

۹۔ فاضل نیشاپوری نے اس آیت کے تحت امام رازی کا ماخذ و مسلک اپنایا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی ضرورت پڑے اور مزید یہ فرمایا کہ جس کی ضرورت پڑتی ہے وہ اصول و قوانین ہیں وہ فروع مراد نہیں جنہیں ضبط تحریر میں لایا جائے نہ وہ متناہی ہوں، کوئی علم ایسا نہیں جس کی اصل قرآن میں نہیں اور قرآن ہی سے ہر علم کو شرف و فضل حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

● كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف، ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔ (کنز الایمان)

یہ آیت علم طب کے لئے ہے۔

● اور، وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (الانعام، ۶۲)

اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے (کنز الایمان)

یہ آیت علم حساب کے لئے ہے

● اور، خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (الاعراف،۱۹۹)

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

(کنزالایمان)

یہ آیت علم اخلاق کے لئے ہے۔

پھر فاضل نیشاپوری نے فروعات کی وہی تفصیلات تحریر فرمائیں جو امام رازی نے منکرین قیاس اور قیاس کو ثابت کرنے والوں کے اقوال کی توضیح فرمائی ہے۔

(غرائب القرآن، امام نظام الدین حسن۔ آیت و ما من دابۃ الایۃ)

اقول، اولا: جن فروعات کی ضرورت پڑتی ہے ان کو نکال دینا عجیب بات ہے بلکہ اصول دین کے بیان کے بعد فروعات کا بیان تو ان مقاصد میں سب سے زیادہ اہم واعظم ہے جو کتابوں کے نزول اور رسولوں کے بھیجنے میں کار فرما ہیں۔

ثانیا: ذات باری تعالیٰ کے اس کلام میں بحث ہے جس کا علم ہر شئی کو محیط ہے اور ہر شئی کو اس نے شمار کر رکھا ہے پھر یہ تعلیل کیسے درست ہوگی کہ اس نے فروعات کو چھوڑ دیا ہے اور فروعات ایسے ہیں جن کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔

ثالثا: یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حوادث و مسائل جن سے احکام تکلیفیہ متعلق ہیں وہ قیامت سے چالیس سال پہلے ہی ختم ہو جائیں گے، اس پر اگر ہم یہ کہیں کہ کفار فروعات کے مخاطب نہیں تو پھر یہ احکام وغیرہ غیر متناہی کیسے ہوں گے؟

رابعا: عام مسائل فقہ قوانین واصول ہیں یعنی ان کے لئے قاعدہ کلیہ ہے ان میں قضیہ شخصیہ بہت ہی کم پایا جاتا ہے بلکہ مسائل فقہ کا رجوع قضایا کلیہ کی طرف ہوتا ہے البتہ اکثر مسائل کو عنوان کلی سے ذکر کیا جاتا ہے اگرچہ ان مسائل کے رجوع میں قضیہ شخصیہ بھی جائز ہے جیسے فقہاء کرام کا قول ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے، میت کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا مستحسن ہے اگرچہ ان مسائل کا مرجع قبلہ ہی

ہے اور یہ کہ کعبہ ہی زندگی میں ہمارا قبلہ ہے اور مرنے کے بعد بھی انشاء اللہ تعالیٰ کعبہ ہی قبلہ ہوگا۔ ہاں اصول دین میں اکثر قضایا شخصیہ ہیں جیسے وہ عقائد جو ذات باری تعالیٰ، قرآن عظیم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم آخرت، جنت و دوزخ، صراط وحوض، ابوبکر صدیق کے بعد عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اور جن فروع کو نکالنے کا ارادہ کیا گیا وہ، قوانین میں داخل ہیں۔

خامسا: جس قضیہ کے غیر متناہی ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ قضایا شخصیہ فرعیہ ہیں جیسے زید پر نماز فرض ہے اور عمرو بکر پر بھی فرض ہے یہاں تک کہ قیامت تک جتنے مسلمان پیدا ہوں گے سب پر نماز فرض ہے۔ قانون کلی کے بعد اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں کہ زید و عمرو وغیرہ پر نماز فرض ہے قانون یہ ہے،

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء، ۱۰۳)

بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ (کنز الایمان)

اس قانون سے تمام جزئیات اس طرح واضح و آشکارا ہوئے کہ کوئی خفاء و پوشیدگی باقی نہ رہی اگر ناموں کی تفصیل کی جاتی تو کلام طویل ہو جاتا اور کوئی فائدہ مرتب نہ ہوتا، جیسا کہ "للذكر مثل حظ الانثيين" کے تحت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر فروع سے مراد یہی جزئیات ہیں تو ان کے منافع معدوم اور وہ بحث سے بالکل خارج ہیں ورنہ اس بحث کو ضبط تحریر میں نہ لایا جاتا یا کتب فقہ میں جو ہزاروں مسائل مذکور ہیں ان کے ترک کی جو بھی وجہ ہوتی اس کی بحث غیر متناہی ہوتی۔

سادسا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف، ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں تمام اصول طب اور اس کی دونوں قسمیں نظری و عملی کہاں ہیں؟ اور اس میں علتیں، علامات، نبض اور پیشاب دیکھنے کے مسائل اور دیگر اسباب و علاج

اور پرہیز وغیرہ کہاں ہیں؟ دواؤں کا ذکر، ان کی طبیعت ومراتب، کیفیات وخواص، پینے کی مقدار، نفع وضرر، مصلح وبدل وغیرہ کا بیان کہاں ہے؟ جن پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ حد اعتدال تک کھانے پینے والے لوگ مریض کم ہوتے ہیں اور جو لوگ حد سے تجاوز کرتے اور کھانے پینے میں اعتدال کا خیال نہیں رکھتے وہ مریض زیادہ ہوتے ہیں اور اعتدال پسند لوگ ان امراض سے محفوظ رہتے ہیں جو کھانے پینے کی بے احتیاطی سے لاحق ہوتے ہیں۔ بیماریوں کے اسباب وعلل انہیں چیزوں پر مقصور نہیں بلکہ بدن انسان کے اندرو باہر امراض کی بے پناہ کثرت ہے اس لئے انبیاء واولیاء کو امراض لاحق ہوتے ہیں حالانکہ یہ حضرات ہر طرح کے اسراف سے پاک ہیں، علیہم الصلاۃ والسلام

سابعا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ (الانعام، ۶۲)

اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا۔ (کنز الایمان)

ان لوگوں پر تعجب ہے جنہوں نے اس آیت کو اصول حساب کا بیان قرار دیا، اس میں قواعد حساب کا کون سا حرف ہے؟ جب اس میں علم حساب کا ایک حرف بھی نہیں تو اصول حساب کے تمام قواعد وضوابط کا احاطہ کہاں سے ہوگا؟ مثلاً جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، مفردات، مرکبات، تجذیر (عدد کا جذر حاصل کرنا) تکعیب (چوگنے کا حاصل ضرب جیسے آٹھ دو کا مکعب ہے) مربعات (حاصل ضرب جو کسی عدد کو اسی سے ضرب دے کر حاصل ہو جیسے ۴×۴=۱۶ تمام قوی متصاعدہ ومتنازلہ، کسور عامہ (ایک سے کم جیسے تہائی چوتھائی اور اس کے مقابلہ میں صحیح ہے) اعشاریہ، اربعہ متناسبہ، عکس کرنا، لکیریں کھینچنا، جبر ومقابلہ اور لوگارثم وغیرہ۔

جب ہم اس قسم کی باتوں کو سنیں تو "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہنا زیادہ ٹھیک ہے اسی سے اس آیت (ما فرطنا فی الکتاب من شیء) کی تشریح وتوضیح ہو جائے گی۔

۱۰۔تفسیر کبیر میں آیات خمس میں سے دوسری آیت (وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العلمین) کے تحت ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ علوم کی دو قسمیں ہیں دینیہ، غیر دینیہ۔

علوم دینیہ، بلند و بالا ہیں علوم دینیہ میں عقائد و اعمال کے علم ہیں۔

● علم عقائد میں ذات باری تعالیٰ، فرشتے، کتابوں، رسولوں اور روز قیامت کی معرفت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی ذات اور صفات جلال وصفات اکرام سے ہوتی ہے۔ اور اس کے افعال واحکام اور اسماء کی معرفت سے ذات باری کا عرفان ہوتا ہے۔ قرآن کریم انہیں مسائل کے دلائل وتفریعات اور تفصیلات پر مشتمل ہے۔

● علم اعمال، سے یا تو علم فقہ مراد ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام فقہاء کرام فقہ کے مباحث ومسائل قرآن ہی سے اخذ کرتے ہیں، یا صفائی باطن کا علم مراد ہے، قرآن مقدس میں تزکیہ باطن کے وہ علوم ومباحث ہیں جو دوسری جگہ مل نہیں سکتے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم تمام علوم شریفہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے خواہ عقلی ہوں یا نقلی اور ایسا کہ دنیا بھر کی تمام کتابوں میں ان کا حصول و وجود ممتنع ہے اس حیثیت سے قرآن معجز ہے، آیت کریمہ، و تفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العلمین، سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر رازی، سورہ یونس آیت وما کان ھذا القرآن الآیۃ)

اقول، اللہ کا شکر ہے امام رازی پر اللہ کی رحمت ہو اور رب عزوجل انہیں جزائے خیر عطا فرمائے وہ ہمیشہ حق پر قائم رہے یہاں تک کہ انہوں نے اقرار کیا کہ کتاب کریم جب ان علوم پر مشتمل ہے تو پھر کون سی چیز اور کون سے علوم باقی ہیں اگر قرآن عظیم میں صرف افعال الٰہیہ کی معرفت ہی ہوتی پھر بھی وہ تمام علوم ما کان و ما یکون کو حاوی ومحیط ہوتا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس طریقے سے کسی بھی شئی کا علم علوم دینیہ سے کبھی خارج و باہر نہیں ہے۔

زمخشری کا قول بہت ہی عمدہ ہے اس نے پہلی آیت یعنی، وما فرطنا فی

الکتاب من شئی' کے تحت پرندے و چوپائے کی امتوں کے ذکر کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب[1] اس کی عظمت قدرت، اس کے علم کی باریکی اور اس کی سلطنت و تدبیر کی وسعت و کمال پر دلیل ہیں، یہ تمام مخلوق الگ الگ جنس اور بکثرت اقسام و انواع پر مشتمل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا اور ان کی ضروریات کا محافظ و نگہبان اور ان کے احوال و کوائف کا دیکھنے والا ہے اسے کسی کی کفالت و نگرانی دوسرے کی نگہبانی سے مشغول نہیں کرتی۔ (تفسیر کشاف، زمخشری۔ سورہ انعام)

اور تمہاری بات بھی ٹھیک ہے کہ غیر قرآن سے ان سب کا حصول ممتنع و مشکل ہے قرآن اس اعتبار سے بھی معجز ہے۔ حق و یقین کی بات یہی ہے کہ قرآن ہر اعتبار سے معجز ہے لیکن ہمارے ذکر کردہ اصولوں کے مطابق ہی یعنی قرآن عظیم ہر شئی کا روشن و واضح بیان ہے اس میں کسی شئی کی تخصیص نہیں بلکہ عموم ہے۔ اور اگر قرآن کو اس طریقے پر دیکھا جائے جس سے عموم کی نفی ہوتی ہو اور ظاہر قرآن میں علوم و فنون کی تلاش و جستجو کی جائے تو تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس طور پر بہت سارے اصول دین اور ارکان اسلام میں جو احکام ضروریہ ہیں ان کو قرآن عظیم حاوی نہیں ہوگا جب اس میں مکمل طور پر اصول دین کا بیان نہ ہوگا تو دوسرے علوم کہاں اور کیسے ہوں گے؟

اس میں شک نہیں کہ تشریح افلاک اور بدن انسان دو جلیل و شریف اور دینی علم ہیں یہاں تک کہ امام حجۃ الاسلام نے فرمایا کہ جو ان دونوں علموں میں نامرد ہے وہ معرفت الٰہی میں نامرد و نامراد ہے قرآن کریم نے ایک سے زائد آیتوں میں ان دونوں علموں کے لئے دعوت فکر دی ہے اور آپ کہتے ہو کہ قرآن کریم تمام علوم شریفہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے خواہ عقلی ہوں یا نقلی، قرآن میں علم الافلاک کی تفصیلات کہاں ہیں؟ مثلاً افلاک کی تمثیلات، ان کے جزئیات، بروج و حوامل،

---

[1] اس کے لفظ یہ ہیں 'سوال' پرندے اور چوپائے کے ذکر سے مقصود کیا ہے؟ جواب اس کی عظمت قدرت، اس کے علم کی باریکی وغیرہ پر دلیل ہے۔ یہاں پر لفظ 'غرض' کا استعمال کیا گیا ہے جو بے احتیاطی پر مبنی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ۱۲ منہ

تدویرات ومیلان، ستاروں کی فضا و مدیرات، اوجات وحضیضات (وہ نقطہ جو اوج کے مقابل ہے) مناطق (تین ستاروں کے نام) قطب (فرقدین اور جدی کے درمیان ایک ستارہ کا نام جس سے قبلہ کی تعیین ہوتی ہے) رؤس واذناب، حرکات و جہات، مقدار و نطاق (جوزاء کے درمیان کے تین ستارے جن کو عرب نظم بھی کہتے ہیں) ستاروں کے مقامات، ستاروں کی چال، نظرات، اتصالات (قمری مہینے کی آخری راتیں) شعاعوں کے پڑنے کی جگہ، تناظرات، اوساط، تقویم، مراکز، تعدیلات، ابعاد واجرام، ست و تیز، رجوع اور ٹھہراؤ، وقوف و دورہ، عروض، انحرافات و میلان، کسوف وثوابت، سیارات ومفردات، مرکبات وغیرھا جو علم الافلاک سے متعلق ہیں ان کا پتہ ونشان قرآن میں کہاں ہے؟[1]

۱۱۔امام رازی نے تیسری آیت (**ولکن تصدیق الذی بین یدیہ و تفصیل کل شئی**) کے تحت کچھ بھی ذکر نہیں کیا مگر یہ کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو دین سے متصل ومتعلق ہے اور امام واحدی سے منقول ہے کہ یہ وہ عام ہے جس سے خاص مراد ہے جیسے آیات کریمہ

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف ۱۵۶)

اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔ (کنزالایمان)

وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (النمل ۲۳)

اور اسے ہر چیز میں سے ملا ہے۔ (کنزالایمان)

کل شئی سے ہر چیز مراد لینا اور ان آیات کو "**ورحمتی وسعت کل شئی**" میں داخل ماننا جائز ہے۔

اور تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو دین کے مقاصد و معاملات کو بیان نہیں کیا گیا ہے پھر تمام مقاصد اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ کس طرح ہوں گے؟ اور

---

[1] مذکورہ تمثیلات اگر درست ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ ان غلطیوں کو دور کرنے کے لئے قرآن کی طرف حاجت شدید ہوگی۔۱۲منہ

جو بالذات نہیں بلکہ دین سے متعلق ہو کر پائے جاتے ہیں وہ کہاں سے ہوں گے؟

اور ہم اس کا انکار بھی نہیں کرتے کہ عام سے کبھی خاص مراد لیا جاتا ہے، مثال میں مناقشہ وتنازع کی کوئی حاجت نہیں لیکن 'امر' سے مراد دین ہے۔

فاقول، آیہ کریمہ، رحمتی وسعت کل شئی ، میں لفظ شئی ، مشئی کے معنی میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی رحمت ہر مخلوق کو گھیرے ہے کیونکہ اس کا پیدا فرمانا ہی رحمت ہے پھر ہر وقت ہر آن اس کا بڑھنا، پھیلتا رہنا اور آغاز وجود سے آخر تک اسے جس چیز کی ضرورت ہے سب میں اس کی بے شمار ولاتعداد رحمتیں و نعمتیں ہیں اس سے کوئی چیز یہاں تک کہ کافر بھی خالی و مستثنیٰ نہیں۔ مگر یہ کل شئی اور فنعم ر کل شئی، کا'' رحمتی وسعت کل شئی ''میں داخل رہنا جائز ہے کیونکہ اللہ کی رحمت پر کوئی شئی مانع نہیں لہذا اس فرمان مقدس سے عموم مرد ا ہوگا اور یہی حق وصواب ہے۔

ابوالشیخ عطا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے آیہ کریمہ'' رحمتی وسعت کل شئی '' کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں تمام مخلوق پر ہوتی ہے ہر مخلوق اس میں تصرف کرتی ہے۔ (درمنثور، سیوطی۔ تفسیر سورہ اعراف)

۱۲۔ چوتھی آیت (و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی) کے تحت امام رازی کے قول کا خلاصہ وہی ہے جو پہلی آیت (مافرطنا فی الکتاب من شئی) کے تحت گزرا مگر یہ کہ اس میں ایک افادہ کی زیادتی ہے کہ ' کل شئی' میں جو حصر ہے وہ منکرین قیاس کا قول ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہ ہمارے بیان پر آگاہ و مطلع نہ ہوئے کہ اس صورت میں صرف قیاس کی نفی پر انحصار و اقتصار نہیں بلکہ وہ سنت واجماع کی بھی نفی ہے، کسی مسلمان کے لئے ایسی جرأت وجسارت جائز نہیں کہ وہ ادلہ شرع کا انکار کرے۔

۱۳۔ امام رازی نے پانچویں آیت (و کل شئی فصلناہ تفصیلا) کے تحت عجیب چیز بیان کی انہوں نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آیات لیل ونہار

کے احوال بیان فرمائے کہ رات ودن توحید باری تعالیٰ پر ایک طرح سے دلیل قاطع ہیں اور دوسرے اعتبار سے دنیا والوں پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو عظیم وجلیل نعمتیں ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے لیل ونہار کے احوال کی تشریح فرمائی اور رات ودن میں خالق کائنات پر دلالت کرنے کے جو وجوہ اور مخلوق پر جو عظیم نعمتیں ہیں ان وجوہ کی تفصیل فرمائی تو یہی تفصیل نافع اور بیان کامل ہوگیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وکل شیء فصلناہ تفصیلا**" یعنی ہر وہ چیز جس کی تمہیں دین ودنیا کی مصلحتوں میں ضرورت ہے ہم نے اس کی تفصیل وتشریح کردی ہے، یہ بعینہ ان فرمودات الٰہیہ کی مثل ہے۔

● مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام، ۳۸)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (کنزالایمان)

● وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل، ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنزالایمان)

● تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا (الاحقاف، ۲۵)

ہر چیز کو تباہ کر ڈالتی ہے اپنے رب کے حکم سے۔ (کنزالایمان)

ہاں کلام کو مؤکد وثابت کرنے کے لئے 'تفصیلا' کو مصدر کی صورت میں ذکر کیا گیا گویا یہ فرمایا گیا کہ ہم نے اس کی اس طور پر تفصیل وتوضیح کردی ہے کہ اس سے زیادہ کی اب گنجائش نہیں۔ (مفاتیح الغیب رازی، سورہ اسراء)

اقول، ہاں آیت کریمہ میں آیت لیل کا محو اور آیت نہار کا ابصار مذکور ہے وہ فاعل مختار پر دلیل ہے تاکہ بندے رزق تلاش کریں اور اس سے سال وحساب کا عدد معلوم ہو جائے اب اس آیت کا مطلب درست ہو جائے گا کہ یہ تفصیل نافع اور بیان کامل ہے لیکن اسے ہر اس چیز کی تفصیل قرار دیا جس کی بندوں کو دین ودنیا میں ضرورت ہے اور یہ کوئی درمیانی تفصیل نہیں بلکہ مکمل طور پر اس کا استقصاء واحاطہ کیا گیا ہے۔ تمام حوائج ضروریہ کی تشریح میں متناہی ہے اور اس انداز سے ہے کہ اس پر کسی زیادتی کی کوئی گنجائش

نہیں یہ چیز عجیب حیرت انگیز اور قابل تعجب ہے گویا کہ بندے دین و دنیا میں انہیں چیزوں کے محتاج ہیں جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں جب تو بقیہ قرآن عظیم پورا کا پورا اس سے مستغنی ہو جائے گا کیونکہ جس بیان کے بعد کسی زیادتی کی گنجائش نہ ہو اس کا بیان نہیں ہوتا بلکہ تمہیں معلوم ہے کہ اس آیت کریمہ میں جو مقدار مذکور ہے وہ ان چیزوں کے ہزاروں حصے میں سے ایک حصے کی جگہ واقع نہیں جن کی بندوں کو دینی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے چہ جائیکہ وہ چیزیں جن کی بندوں کو دین و دنیا میں ضرورت محسوس ہوتی ہے پھر اس کی تعبیر 'کل شئی' سے کرنے کی صورت میں اس کی صحت کی کوئی وجہ نہیں یہاں تک کہ اس دعویٰ کی بنیاد پر بھی نہیں جو قریبی تمسک ہے اور کتاب کریم کی دونوں آیتوں سے استشہاد و استدلال کرنا مصادرۃ و مطالبہ کی قبیل سے ہے، اور تیسری آیت سے جو استدلال کیا گیا اسے دوسرے لوگوں نے بھی ناقص وادھورا چھوڑ دیا ہے۔

اقول، امر کی قید سے غفلت ہوئی ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ جس چیز کو اللہ نے تباہ کرنے کا حکم فرمایا وہ تباہ ہو جاتی ہے اور اللہ نے اسی چیز کو تباہ کرنے کا حکم دیا جو ہلاکت کو قبول کرے اور ہلاک ہونے کے لائق ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

(الرعد،۱۱)

آدمی کے لئے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مطلقاً انسان کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہوتا تو کسی انسان کو کبھی کوئی بلا و مصیبت نہ لاحق ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جن چیزوں سے حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے فرشتے ان سے ہی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں اسی طرح جو چیز ہلاک ہونے کے لائق ہے اسی کو ہلاک کرنے کا حکم فرمایا ہے

قاضی بیضاوی پر چار اعتراضات

۱۴۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بعض نے قاضی بیضاوی پر چار وجہوں سے اعتراض کئے ہیں

اول: مقام، تخصیص کا مقتضی نہیں ہے۔

ثانی: واسطہ کی حدیث تکلف ہے۔

ثالث: تفصیل کی عبارت تاویل کی متحمل نہیں ہے۔

رابع: تعمیم کے ساتھ تبیان صادق نہیں آتا کیونکہ اگر چہ دینی ہی ہو ہر چیز کو وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا کہ اس میں کوئی خفا و پوشیدگی نہ رہے اور اسے اگر چہ لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کرنے کے مقام استدلال میں ذکر کیا گیا ہے، ایسی صورت میں اعتراض وارد اور درست ہو جائے گا جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔ شہاب خفاجی نے دونوں واسطوں کو تیسری آیت کے تحت میں ذکر کیا اور دوسری آیت کا کچھ جواب نہیں دیا اور تیسری کا جواب یہ دیا کہ تفصیل یہاں پر تبیین کے معنی میں ہے۔ علم لغت میں یہی صراحت ہے لہذا تفصیل، اجمال کے منافی نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی خفاجی سورہ یوسف)

اقول، اولا: تبیین، بین سے ماخوذ ہے جس کا معنی انقطاع اور جدا کرنا ہے جیسے تفصیل، فصل سے ماخوذ ہے فصل اور تفصیل کے درمیان وہی فرق ہے جو قطع اور تقطیع کے درمیان ہے جو اس کے ارد گرد ہوگا وہ دوسرے سے ممتاز و جدا ہو جائے گا۔ اور کوئی ایسی تفصیل نہ سنی گئی جس کے مقابلے میں اجمال نہ ہو اور کوئی ایسا اجمال نہیں سنا گیا جس کے لئے تفصیل مطلوب نہ ہو، اگر چہ بیان ایسے اجمال کو بھی شامل ہوتا ہے جس میں کچھ وضاحت اور بعض سے امتیاز ہو، اس میں بھی وسعت و گنجائش ہے، بیان

کی اصل یہ ہے کہ بلیغ لفظ سے مقصود کو ظاہر کرنا بیان کہلاتا ہے جیسا کہ نہایہ، درنثیر اور مجمع البحار میں ہے۔ (نہایہ ابن اثیر، باب الباء، مجمع بحارالانوار باب الباء)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فحش گوئی اور بیان، نفاق کی دو باتیں ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی امامۃ)

یہاں پر مطلقاً اظہار مقصود، مراد نہیں ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامۃ۔۱۹)

پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کی دلالت اس بات پر ہے کہ اجمال، بیان نہیں ہے

ثانیا: اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**تبیانا لکل شئی**" (ہر چیز کا روشن بیان ہے) تو یہاں پر بھی یہی مراد ہے کیونکہ قرآن کی بعض آیت بعض کی تفسیر ہے۔ اس لئے امام راغب اپنی مفردات میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وکل شئی فصلناہ تفصیلا**" پھر اس کے بعد فرمایا "**فصلت من لدن حکیم خبیر**" (حکیم مطلق کی جانب سے اس کی تفصیل کی گئی ہے) اس سے یہی اشارہ ہے کہ قرآن عظیم ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

(المفردات فی غرائب القرآن، راغب اصفہانی: الفاء مع الصاد)

ثالثا: اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے آیت (**تبیانا لکل شئی**) کا کیا مطلب ہوگا؟ یہ تو قرآن کریم کا وصف ہے جو قطعی طور پر ثابت ہے اور اجمال یقینی طور پر تبیان کے منافی ہے اگرچہ تمہارے نزدیک اجمال، تفصیل کے منافی نہیں۔

۱۵۔ امام رازی نے اس تیسری توضیح کو چوتھی آیت (**ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**) کے تحت دہرایا اور جب یہاں پر اجمال کو تبیان میں داخل نہ کیا جاسکا تو قاضی بیضاوی کے قول احالہ کو اس کا جواب قرار دیا۔ قاضی بیضاوی

نے فرمایا کہ "تبیانا" سے بیان بلیغ مراد ہے اور "لکل شئی" سے تفصیلی طور پر امور دین مراد ہیں یا سنت یا قیاس کے احالہ سے اجمال مراد ہے۔

(انوار التنزیل بیضاوی، سورۃ النحل)

خفاجی فرماتے ہیں کہ بیضاوی کا قول احالہ، اعتراض کا جواب ہے (کیونکہ اجمال، بیان بلیغ کے منافی ہے) اس طور پر کہ جب سنت نے بیان کیا یا قیاس سے معلوم ہوا تو یہ معلوم منہ، مبین بہ ہوا۔ اور اس کے بعض بیان میں ایجاز و اختصار اور راسخین کی ابتلاء و آزمائش اور علماء کا امتیاز پسند کیا گیا ہے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی سورہ نحل)

اقول ،حدیث احالہ سے معلوم ہوگیا کہ اس میں کیا احالہ ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اگر قرآن میں اجمال نہ ہوتا تو اس میں ایجاز و اختصار کہاں سے ہوتا اور ابتلاء و امتیاز کہاں سے آتا؟

۱۶۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بہت سارے مسائل بالکلیہ قرآن کریم کے ظاہر سے متروک ہو گئے ہیں۔ جب کچھ مسائل کو سرے سے ہی چھوڑ دیا گیا ہے تو ان کا اجمالی ذکر کہاں سے ہوگا اور متروک کا بیان میں داخل ہونا محال ہے تو وہ تبیان میں کہاں سے داخل ہوگا۔ پھر ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

سوال: امور دین میں سے وہ ہے جو ابتدا ًسنت و حدیث سے ثابت ہو،

جواب: اس کا ازالہ اس طرح کیا جائے کہ یہ دوسرے کی بہ نسبت بہت ہی کم ہے تو تکثیر کے باعث معاملہ آخرت میں لوٹے گا۔

نکتہ: احالہ سے مراد کشاف میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم اور اجماع پر ابھارنا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت کے لئے صحابہ کی پیروی کو پسند کرنا احالہ ہے اور صحابہ کرام نے قیاس کئے اور قیاس کے راستے سہل و آسان کئے۔ لہٰذا سنت و قیاس کی نسبت قرآن کریم کے تبیان کی طرف ہوگی۔ وفیہ تامل۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی۔ سورہ نحل)

اقــول، اس پر اللہ کی رحمت ہو جس نے انصاف کیا اور اشارہ کیا کہ احالہ اس سے پورا نہیں ہوگا اور تمہیں اس کا بطلان و رد معلوم ہو چکا ہے۔ بعض نے اجمال کا دعوٰی کیا اور دوسرے پر تفصیل کا حیلہ کیا اور بعض نے بالکلیہ چھوڑ دیا اور دوسرے پر ذکر کرنے کا حیلہ کیا لہٰذا یہ بیان کے نام سے بھی بہت دور ہے چہ جائیکہ اس کا نام تبیان رکھا جائے اور جن پر احالہ کیا گیا ہے ان سے بھی تبیان حاصل نہیں ہوتا لہٰذا اس کی کوئی صحت نہیں ہے اگر چہ واسطہ ہی سے ہو لیکن ہر گری ہوئی چیز کا کوئی اٹھانے والا ہے اس کے پیش نظر جو ماقبل میں مذکور ہوا اس سے اس کا استدلال سمجھ میں آتا ہے کیونکہ جواب میں 'وفیہ تامل' کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پھر سب سے پہلے سوال کا جو جواب دیا گیا وہ دوسرے کی بہ نسبت بہت ہی قلیل ہے اور اس کا رد اس طرح کیا گیا کہ جس سے فرار تھا اسی پر قرار ہوا یعنی لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کرنا ہے تعمیم پر نہیں۔

فاقول، اس کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ متروک، مذکور سے درجوں زیادہ ہے اور حدیث شریف سے یہ گزرا ہے کہ 'انہا کمثل القرآن او اکثر' یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام فرمادیا ہے وہ قرآن کے حرام فرمودہ کی مثل ہیں بلکہ ان سے زیادہ ہیں، یہاں پر لفظ 'او' 'بل' کے معنی میں ہے۔ جیسے آیت مبارکہ "الی مائۃ الف او یزیدون" میں، او، بل، کے معنی میں ہے۔ (الصافات، ۱۴۷)

۱۷۔ چاروں ایرادات واعتراضات میں سے اول ورابع کو چوتھی آیت (ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی) کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور چوتھے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ کمیت ومقدار کے اعتبار سے ہے کیفیت وحالت کے اعتبار سے نہیں۔

(عنایۃ القاضی خفاجی، سورہ نحل)

بلیغ انداز میں اس کا سیر حاصل رد وابطال گزر چکا ہے۔

۱۸۔ ظاہر ہوگیا کہ ان تینوں ایرادات کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا یہی حال اعتراض اول

کا ہوتا اگر اعتراض کا منشاء بالذات اول نہ ہوتا۔ اور کلمہ 'کل' کو تکثیر کے معنی میں کر دیا گیا ہے ایسا اس لئے کہ اگر اس بات کو اس پر محمول کیا جاتا جو قائلین تخصیص کے لئے ظاہر قرآن سے ظاہر ہوئی اور امور کو عام کر دینے کے وقت تکثیر کے گمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے دنیاوی امور مراد ہیں جس کا بطلان ظاہر کر دیا گیا ہے تو تخصیص سے کوئی پناہ ورستگاری نہیں ہوتی۔ اس پر یہ قرینہ کافی ہے جس کا معترض نے اعتراف کیا کہ تعیم وعموم میں بیان کا جو مبالغہ ہے وہ تبیان میں نہیں ہے اس صورت میں یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ اعتراض دفع ہو گیا اگر چہ اس کا رد مستقبل میں فائدہ نہ دے، جو معلوم ہو چکا ہے کہ تخصیص بھوک سے بے نیاز نہ کرے گی اسی سے شہاب خفاجی کا جواب بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی سوال و جواب باقی نہیں رہتا۔ شہاب خفاجی کا قول یہ ہے کہ، یہ شق انہوں نے لفظ ''کل'' کو اپنے معنی حقیقی پر باقی رکھنے کے لئے اختیار کی ہے لیکن عموم شئی کو کسی قید یا کسی وصف مقدر سے قرینہ مقام سے خاص کر لیا گیا ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت دین وشریعت کے بیان کے لئے ہوئی ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم دنیا کے امور و معاملات مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اس لئے چاند سے متعلق سوالات کے جوابات وہی ہیں جو ہیں۔ (آگے اس کا بیان آرہا ہے) (عنایۃ القاضی، خفاجی۔ سورۃ النحل)

اقول. اولا: مقام کا تخصیص کو چاہنا دو چیزوں سے متعلق ہے

اول: عموم سے تخصیص درست نہیں

دوم: خصوص سے درست ہے۔

کیونکہ جو تخصیص کی صلاحیت نہ رکھے اور دوسرے سے بے نیاز نہ کرے اس کے اقتضاء کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ اور تبیان اس کے لئے قرار دیا گیا ہے جس ذات گرامی پر قرآن عظیم نازل ہوا اس اعتبار سے عموم قطعی طور پر درست ہے اور اس سے تخصیص کی رگیں کٹ جاتی ہیں اور لوگوں کے لئے ایسا کر دیا گیا ہے جس سے عموم

میں رخنہ وخلل آتا ہے مگر خصوص کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے لہٰذا تخصیص کا اقتضاء ہر صورت سے باطل ہے۔

ثانیاً: چاند سے متعلق سوالات والی حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے علم معانی کے جاننے والوں نے اسی کی متابعت و پیروی کی ہے کہ سوال سبب حدوث سے متعلق تھا مگر جواب[1] اس کی حکمت کے بارے میں دیا گیا اس میں تنبیہ یہ ہے کہ یہی ان لوگوں کے لئے لائق واہم ہے اور انہیں اسی کا اہتمام اور اسی پر دھیان دینا چاہئے اور بعض نے آگے بڑھ کر یہ کہا کہ جن لوگوں نے سوال کیا تھا وہ لوگ ریاضیات کی باریکیوں پر مطلع نہ تھے۔ شہاب خفاجی نے اسی کو اختیار فرمایا اور ان کی اصلاح کا ارادہ اس قول سے کیا کہ وہ لوگ اس قسم کی باریکیوں پر واقف وآگاہ نہیں تھے جو علم نجوم اور ادلہ فلسفیہ پر موقوف ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سے ان کا مرتبہ گھٹانا مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم وخیال ہوا ہے۔ (عنایۃ القاضی خفاجی، سورۃ بقرہ)

اقول، چاند کے مختلف شکلوں میں ہونے کے سبب کا ادراک کیا مشکل ہے؟ علم نجوم اور ادلہ فلسفیہ پر کون سا توقف ہے اس کا اظہار تو اس گنوار وجنگلی کے لئے بھی ممکن ہے جو رصد ونجوم کا نام بھی نہیں جانتا اور فلاسفہ کے مزخرفات وبکواس کے ایک حرف سے بھی آشنا وآگاہ نہیں پھر اس کی بنیاد اس بات پر ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان باریکیوں کے ادارک وعلم کے اہل نہ تھے، یہ تو صحابہ کی بے ادبی اور ان کے عظیم مقام ومرتبے کی عظیم تنقیص وتوہین ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام معارف الٰہیہ کی باریکیوں سے ایسے آگاہ وآشنا ہیں کہ فلاسفہ ہزاروں سال میں اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ پھر یہ ہرگز

---

[1] شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے چاند کے بڑھنے گھٹنے کے سبب کے بارے میں پوچھا تھا مگر جواب بیان غرض کا دیا گیا اس پر تنبیہ یہ ہے کہ ان کے حال سے مناسب وبہتر بات یہ تھی کہ وہ غرض کے بارے میں پوچھتے سبب کے بارے میں نہیں۔ اقول، شہاب پر یہ لازم تھا کہ دونوں جگہ لفظ 'غرض' کو فائدہ اور حکمت سے تبدیل کر دیتے۔ ۱۲ منہ

ثابت نہیں کہ سوال، چاند کے کم زیادہ ہونے کے سبب کے بارے میں تھا۔

ہاں ابن ابی حاتم کے نزدیک ابوالعالیہ سے، عبد بن حمید و ابن جریر کے نزدیک قتادہ سے، اور ابن جریر کے نزدیک ابن جریج و ربیع بن انس سے تصریح ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ چاند کو اس طرح سے کیوں پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کبھی گھٹتا اور کبھی بڑھتا ہے؟ یہ سوال چاند کے اس طرح ہونے کی حکمت کے بارے میں تھا اختلاف شکل کے سبب کے بارے میں نہیں۔

(جامع البیان طبری، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الایۃ)

ابن عساکر بطریق سدی صغیر کلبی و ابو صالح اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ (آیت مبارکہ یسئلونک عن الاھلۃ الایۃ) حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمہ[1] کے جواب میں نازل ہوئی ان دونوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاند کا کیا حال ہے؟ ابتدا میں بہت باریک نکلتا پھر روز بروز بڑھتا ہے یہاں تک کہ پورا روشن ہو جاتا ہے پھر گھٹنے لگتا اور یہاں تک گھٹتا ہے کہ پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے وہ ایک حال پر نہیں رہتا؟ (درمنثور سیوطی، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الایۃ)

حافظ ابن حجر نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں کذب و دروغ کا تسلسل ہے لہٰذا قطع نظر اس کی سند کے اس بات پر کون سی دلیل ہے کہ سوال سبب کے بارے میں تھا حکمت سے متعلق نہیں تھا؟ کیونکہ[2] لفظ میں دونوں کا احتمال ہے حدیث مرسل سے

---

[1] اصابہ میں ہے کہ 'عنمہ' کا عین و نون مفتوح ہے اور معالم' خازن' بیضاوی' تفسیر کبیر میں اور نیشاپوری و ابوالسعود کے نزدیک 'غنم' غین معجمہ اور نون کے ساتھ قفل کے وزن پر ہے شہاب نے بھی یہی تحریر کیا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بدل گیا ہے یا یہ کہ پردادا کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے، ان کا نسب نامہ یہ ہے ثعلبہ بن عنمہ بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ انصاری سلمی خزرجی بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ منہ

[2] قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ صحابہ نے حکمت سے متعلق سوال کیا تھا۔ شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ

اس کی وضاحت ہو چکی ہے لامحالہ مفاتیح الغیب، لباب التاویل اور ارشاد الساری وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کا جواب سوال کے مطابق تھا، ابن جریر نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، حدیث مذکور کے ذکر کرنے کے بعد یہ تفسیر کبیر کے لفظ ہیں جان لو کہ آیت کریمہ "یسئلونک عن الاھلۃ" (تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں) میں اس بات کا بیان نہیں ہے کہ صحابہ نے کس چیز کے بارے میں سوال کیا تھا؟ مگر جواب ہی اس بات کی دلیل و علامت ہے کہ ان کا سوال فائدہ اور حکمت کے طور پر تھا لہٰذا قرآن اور حدیث دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ سوال حکمت ہی کے بارے میں تھا۔ (تفسیر کبیر، سورہ بقرہ آیت ویسئلونک عن الاھلۃ الآیۃ)

(بقیہ): اگر یہ مراد ہو کہ سوال غایت و فائدہ کے بارے میں تھا تو سبب نزول میں جو مذکور ہے وہ اس کے موافق نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے اور یہ کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ سوال کی عبارت اس کے منافی نہیں ہے۔ اسی لئے علامہ شہاب نے ازراہ تعجب فرمایا کہ 'ان کے چاند کا کیا حال ہے" کہنے کی کون سی دلالت ہے کہ سوال سبب و فاعل کے بارے میں تھا غایت و حکمت کے متعلق نہیں۔ مصنف نے اس کو اسی پر محمول کیا ہے کیونکہ یہی ان کے لائق تھا، اس قسم کی باتوں کا سوال ان سے بعید از قیاس نہیں ہے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی۔ البقرۃ آیت ویسئلونک عن الاھلۃ الآیۃ)۔
اول، علامہ شہاب کے کلام میں لفظ 'فاعل' ہے اس کا محل یہ نہیں ہے کیونکہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور سبب پر فاعل کا اطلاق فلاسفہ کی بھی اصطلاح نہیں ہے۔ اور شہاب کے قول 'اذ مثلھم الخ' سے دوسری بات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو مستحسن و عمدہ نہیں۔ یعنی انہوں نے غرض کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں جو حکمت ہے وہ ظاہر و عیاں ہے پوشیدہ نہیں، لیکن اس قسم کا سوال مستبعد بھی نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

حضور علیہ السلام کی بعثت ہمارے دین ودنیا کی اصلاح کے لئے ہوئی ہے

ثالثا: اس میں شک نہیں کہ ہمارے نبی تاجدار عرب وعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہمارے دین و دنیا دونوں کی اصلاح کے لئے ہوئی اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام عبادات ومعاملات تمام احکام لے کر تشریف لائے اور جس طرح حضور نے نماز، روزہ، حج وزکوۃ کے احکام کی ہدایت ورہنمائی فرمائی اسی طرح خرید وفروخت، اجارہ ومزدوری، زراعت، معاملات، ہبہ وشرکت، تقسیم شفعہ، مضاربت اور وصیت کے احکام بتائے اور کھانے پینے، پہننے، سوار ہونے، سونے، نکاح کرنے کی مصلحتیں بیان فرمائیں۔ ارواح واجسام اور سیاست مدنیہ وتدبیر منزل کے منافع بیان فرمائے، اعراس ومحافل میں حاضر ہونے کے آداب سکھائے، آباء واجداد بھائی بہن، زوجین و اولاد، خویش واقارب، انجان واجنبی، دوست واحباب، دشمن ومخالف، پڑوسی وقریبی اور دور والے سے معاشرت وحسن سلوک کے طریقے سکھائے۔ کھڑے ہونے، ٹیک لگانے، بیٹھنے لیٹنے، ہنسنے رونے، غم وخوشی یہاں تک کہ مزاح وخوش طبعی کے آداب و اصول سکھائے۔ لہٰذا دین ودنیا میں ہم جو بھی قدم اٹھاتے اور رکھتے ہیں اس میں ہم پر شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے احکام عائد ونافذ ہوتے ہیں جو ہمیں بھلائی کا راستہ دکھاتی اور نقصانات سے روکتی ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دونوں جہان کی رحمت بنا کر بھیجا اگر حضور نہ ہوتے تو ہمارے دین و دنیا کی اصلاح نہ ہوتی۔ اور یہود ونصاریٰ کی طرح ہمیں رہبانیت سے منع فرمایا اور

ہمیں حکم فرمایا کہ ہم روزہ چھوڑ دیں اور روزہ رکھیں اور سوئیں اور رات کو جاگیں، قیام کریں، بیویوں اور باندیوں کو برتیں یہاں تک کہ دینی امور میں شدت اور مشقت کو ناپسند سمجھا گیا۔[1]

ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں وہ بہتر نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے چھوڑ دے اور نہ وہ بہتر ہے جو آخرت کو دنیا کے لئے ترک کردے یہاں تک کہ وہ دنیا و آخرت دونوں سے فائدہ حاصل کرے کیونکہ دنیا، آخرت تک پہنچانے والی ہے اور تم لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔

(کنزالعمال، علی المتقی۔ حدیث ۶۳۳۴)

امام بخاری ادب المفرد میں ابونضرہ[2] سے راوی کہ ہم میں سے ایک شخص نے کہا جسے جابر[3] یا جو یبر کہا جاتا ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان

---

[1] یہ اشارہ حدیث بیہقی کی طرف ہے جو شعب الایمان میں مطلب بن عبداللہ سے روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھیل کود بھی کرد کیونکہ میں دین میں بے جا شدت وسختی کو ناپسند کرتا ہوں۔ (بیہقی، حدیث ۶۵۴۲)

ادب المفرد میں بخاری کی حدیث یہ ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بنی ارفدہ! پکڑو۔ حضور نے اپنی امت کو کھیل کی بھی اجازت دی ہے تا کہ یہود و نصاریٰ جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت و گنجائش ہے۔ ۱۲ منہ

[2] کنزالعمال مطبوعہ ہندوستان اور منتخب کنزالعمال مطبوعہ مصر میں ابونضرہ کے بجائے ابوبصرہ ہے غالباً یہ تغیر ہے کیونکہ ابونضرہ صحابی ہیں۔ قبیلہ غفار کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حاجت عرض کی اور ان کے صحابی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص نے کہا۔ ۱۲ منہ

[3] کنزالعمال، منتخب کنزالعمال میں جبر یا جبیر ہے۔ یہ سب تغیر ہے۔ ادب المفرد میں جابر یا جو یبر ہے یہی درست ہے۔ جابر یا جو یبر میں شک راوی آیا ہے، اس حدیث کو ان سے ابونضرہ منذر بن مالک نے روایت کیا یہ دونوں اوساط تابعین میں سے ہیں اور ابونضرہ سے مروی ہے کہ سعید بن ایاس جریری صغار تابعین میں سے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے زمانہ خلافت میں ایک حاجت عرض کی پھر میں رات کو مدینہ منورہ پہنچا اور عمر فاروق
کی خدمت میں حاضر ہوا میں زبان دانی وفصاحت وادراک میں ماہر ہوں یا کہا کہ مجھے
منطق دی گئی ہے میں دنیا پر کلام کرنے لگا تو اسے حقیر وکمتر ثابت کردیا پھر اسے میں نے
چھوڑ دیا کہ اس کے برابر کوئی چیز نہیں۔ حضرت عمر فاروق کے قریب سفید بال اور اجلے
کپڑے والے ایک مرد بیٹھے تھے میرے کلام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے کہا
کہ تمہاری ہر بات تقریباً درست ہے مگر دنیا میں پڑنے کے بارے میں جو بات ہوئی وہ
درست نہیں کیا تم جانتے ہو کہ دنیا کیا ہے؟ بیشک دنیا ہمارے لئے آخرت میں پہنچنے کا
ذریعہ اور آخرت کا توشہ ہے اور دنیا میں ہم جو عمل کریں گے آخرت میں ہمیں اس کا بدلہ
ملے گا۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں وہ شخص پڑا جو ہم سے زیادہ علم والا ہے۔ حضرت جابر یا جویبر
کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے قریب یہ شخص کون ہیں؟ امیر
المومنین نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سردار ابی بن کعب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(الادب المفرد، بخاری۔ حدیث ۴۷۶)

جب یہ بات ہے تو بھلائی دنیا وآخرت دونوں سے ملی ہوئی ہوگی اور انبیاء کرام
علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت مبارکہ بھلائی ہی کی رہنمائی کے لئے ہوئی ہے۔ نیز دنیا
آخرت کا راستہ اور آخرت تک پہنچانے والی ہے اور جو کسی مقصد کے لئے بلائے اس
کے لئے اس کے طریقے کا بیان ضروری ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ
والسلام کی بعثت دین کے ساتھ دنیا کے بیان کے لئے بھی ہوئی ہے۔

● حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا ملعون ہے دنیا میں جو
ہے وہ ملعون ہے مگر جس سے اللہ کی رضا وخوشنودی مقصود ہو وہ ملعون نہیں۔

(مجمع الزوائد، الہیثمی، کتاب الزہد باب ماجاء فی الریاء)

اسے طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت کیا۔

● حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اور جو دنیا میں ہے وہ ملعون ہے مگر جو اللہ عزوجل کے لئے ہو وہ ملعون نہیں۔

(ابونعیم حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۳۰ محمد بن المنکدر)

اسے ضیا مقدسی نے مختارہ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں سند حسن کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

جو دنیا اللہ عزوجل کے لئے ہے اس کا بیان ضروری ہے اور احادیث میں دینی مصلحت اور بدنی منفعت میں اتنے ارشادات ہیں اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک عظیم کتاب تیار ہو جائے۔

● امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات باہرہ میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے لئے علوم و معارف جمع فرمائے اور دین و دنیا کی تمام مصلحتوں کی اطلاع سے حضور کو خاص فرمایا۔

(شفاء شریف، فصل اہن معجزاتہ الباہرۃ)

● نیز امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتراً منقول ہے کہ حضور کو امور دنیا کی معرفت اور مصلحت دنیا کی باریکیاں اور اہل دنیا کا سیاسی فرق معلوم ہے کہ عام انسان میں یہ وصف نہیں بلکہ عام انسان ان چیزوں کی معرفت سے عاجز و قاصر ہے۔ (شفاء شریف، فصل ہذا حالہ فی جسمہ)

فرمان باری تعالیٰ وکل شئی فصلناہ تفصیلا کے تحت ارشاد العقل، خازن، جمل، کرخی، کشاف، مدارک، بیضاوی، رازی اور نیشاپوری کے اقوال گزر چکے ہیں سب نے دین و دنیا کے امور میں بیان کو عام قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے نصوص سے معلوم ہو چکا ہے۔

اور 'غرائب القرآن' میں ہے کہ 'کل شئی' سے مراد وہ ہے جس کی دنیا و دین میں ضرورت ہوتی ہے، ہم نے اسے واضح طور پر بیان کیا ہے جس میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے۔ (رغائب القرآن، نیشاپوری، سورہ اسراء آیت وکل شئی فصلناہ تفصیلا)

مومن کی دنیا سراسر دین ہے

رابعا: شاید تمہیں شک وتردد نہ ہو کہ مومن کی دنیا سراسر دین ہے۔ مومن کا کھانا پینا، پہننا، سوار ہونا، زینت کرنا، خوشبو لگانا، خرید وفروخت اور تجارت کرنا، کاشتکاری کرنا، اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا، گھوڑ دوڑ کرنا، یہاں تک کہ بیوی کے ساتھ مسابقت کرنا اور بھائیوں، دوستوں کے ساتھ خربوزے کا چھلکا پھینکنا[1] سب کے سب دین میں داخل ہیں۔

امام احمد بخاری مسلم ابوداؤد و ابن ماجہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک مال ہرا ابھرا اور میٹھا ہے اور خوش بخت مسلمان وہ ہے جو مسکین ویتیم اور مسافر وابن السبیل کو اپنا مال دے، جو اپنے حق سے لے اور مال کا حق ادا کرے تو وہی معونت ومدد عمدہ وبہتر ہے اور جو کوئی مال بغیر حق کے لے تو وہ اس کی مانند ہے جو کھائے اور سیراب وآسودہ نہ ہو اور وہ اس پر قیامت کے دن گواہ ہوگا۔ (بخاری، کتاب الجہاد۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ)

امام احمد وترمذی ابوکبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھو، بیشک دنیا چار لوگوں کے لئے ہے۔

ا۔ ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال اور علم عطا فرمایا پھر وہ اللہ سے ڈرتا رہا اور صلہ رحمی کرتا رہا اور اس نے یہ یقین رکھا کہ اللہ کا بھی اس میں حق ہے۔ یہ تمام منزلوں میں سب سے بہتر منزل ہے۔

---

[1] بخاری ادب المفرد میں بکر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خربوزے کا چھلکا ایک دوسرے پر پھینکتے تھے۔ اگر واقعۃً ایسا تھا تو وہ سب کے سب مرد ہوتے تھے۔ ۱۲ منہ

۲۔ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے علم عطا فرمایا اور مال نہ دیا اور وہ نیت صادق رکھتا ہو وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ایسا کام کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا اس کا اور پہلا بندہ دونوں کا اجر وثواب برابر ہے۔

۳۔ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے مال عطا فرمایا اور علم نہ دیا وہ اپنے مال میں بغیر علم کے تصرف کرتا رہا نہ رب سے ڈرا نہ صلہ رحمی کی اور نہ اس نے یہ یقین رکھا کہ اللہ کا بھی اس میں حق ہے، یہ تمام منزلوں میں سب سے بدتر و بری منزل ہے۔

۴۔ایک بندہ وہ ہے جسے اللہ نے مال وعلم عطا نہ فرمایا وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں فلاں کام کرتا اسے اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا اس کا اور تیسرا بندہ دونوں کا بدلہ برابر ہے۔ (ترمذی، ابواب الزھد، مسند احمد، مرویات ابی کبشہ)

حاکم و ابن لال اور رامہرمزی کتاب الامثال میں طارق بن اشیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا اس کے لئے بہتر ہے جس نے دنیا میں سامان آخرت جمع کیا یہاں تک کہ اس کا رب اس سے راضی ہو گیا۔ اور دنیا اس کے لئے بری ہے جسے آخرت سے روک دے اور رب کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے میں تقصیر و کمی واقع ہو۔ اور جب بندہ کہتا ہے کہ اللہ نے دنیا کو برا بنایا ہے تو دنیا کہتی ہے کہ اللہ اسے برا کرے جس نے اپنے رب کے لئے میری مخالفت کی۔

(حاکم مستدرک، کتاب الرقاق)

دیلمی و ابن نجار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کو برامت کہو کیونکہ مومن کی اچھی وعمدہ سواری وہ ہے جس پر سوار ہو کر وہ بھلائی کو پہنچے اور برائی سے نجات پائے۔

(مسند الفردوس، باب لام الف۔ حدیث ۷۲۸۸)

ابن لال و دیلمی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے تقویٰ پر عمدہ معین ومددگار، مال ہے۔

(مسند الفردوس، باب النون۔ حدیث ۶۷۵۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ دین پر عمدہ[1] مددگار سال بھر کا نفقہ ہے۔ اسے دیلمی نے معاویہ بن حیدہ قشری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
(مسند الفردوس باب النون، حدیث ۶۷۵۵)

اور منافق کا دین سراسر دنیا ہے یہاں تک کہ منافق کا روزہ، نماز، حج، صدقہ، پرہیزگاری و عاجزی وغیرہ بھی دنیاداری کا حصہ ہیں، نیتوں کے بغیر منافق کی دنیا اور آخرت میں امتیاز نہ ہوگا۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے۔
(معجم کبیر طبرانی، ترجمۃ یحییٰ بن قیس، حدیث ۹۵۹۴۲)

اگر امور دین سے وہ مراد لیا جائے جو خالص دین کے لئے ہو دنیا کا اس میں کچھ دخل نہ ہو تو یہ تخصیص واضح طور پر باطل ہے اور اگر امور دین سے وہ مراد لیا جائے جن کا دین میں کچھ اعتبار ہے تو ایسی صورت میں تخصیص و تعمیم دونوں برابر ہیں۔

خلاصہ: تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ افعال مکلف میں سے کوئی چیز (خواہ دین میں ہو یا دنیا میں) حکم شرعی سے خالی نہیں، مستحب سے فرض تک یا مکروہ سے حرام یا مباح تک، ان سب کا بیان کرنا نبوت ہی کی شان ہے مگر یہ کہ نبی مباحات میں مخالفت نہیں کرتے ہیں ہاں نبی کی شان مباحات میں یہ ہے کہ نبی امت کے لئے ایک میزان اعتدال قائم کرے جس سے امت ان احکام کی حفاظت کرے اور نبی ان احکام کو بیان کردے جو امت پر شریعت میں خود اس کی ذات پر عائد ہوتے ہیں خواہ امت کے اپنے حقوق ہوں یا اللہ عزوجل کے حقوق۔ اگر نبی بعض چیزوں میں اس طرح اشارہ کریں کہ وہ واجب و لازم نہیں اور نفس کا میلان عادی ہونے کے سبب سے دوسرے

---

[1] اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں سہل بن سعد سے اور عسکری نے نواس بن سمعان سے اور دیلمی نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور سب کے سب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

بخاری کی ادب المفرد میں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرو اچھا مال وہ ہے جو نیک مرد کے لئے ہو۔ ۱۲ منہ

کی طرف ہو اور اس صورت میں میزان اعتدال سے نکلنا نہ پایا جائے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ان چیزوں میں ان کی رسی ان کی گردنوں پر ہے یعنی وہ خود ذمہ دار ہیں، یہی اس حدیث مذکور کا اشارہ ہے کہ ''تم امور دنیا مجھ سے زیادہ جانتے ہو'' مباحات دینیہ میں نبی کا امت کے ساتھ یہی طریقہ ہے جو شریعت کے مطابق ہے۔

کیا تم حدیث قرطاس اور اس سلسلے میں صحابہ کا اختلاف اور حضرت عمر کا قول نہیں دیکھ رہے ہو؟ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مرض و تکلیف کا غلبہ ہے یعنی حضور کو لکھنے کی تکلیف دینا مناسب نہیں ہمارے پاس کتاب اللہ ہے وہی ہمیں کافی ہے، حضور نے انکار نہ فرمایا نہ ان پر سختی فرمائی بلکہ انہیں ان کے حال اور ان کی پسند پر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ کہ میرے پاس تنازع و اختلاف مناسب نہیں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(بخاری اول، باب کتابۃ العلم، کتاب العلم)

رہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صنعت و حرفت اور تجارت و کاشتکاری کے طریقوں کا بیان نہ کرنا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی ان چیزوں کے ادراک میں مستقل طور پر صلاحیت رکھتی ہے اور لوگ ان چیزوں میں مشغول و متوجہ بھی ہیں، ان کی گہرائی تک پہنچے ہوئے ہیں یہاں تک کہ یہاں پر اگر کوئی ضروری چیز ہوتی اور اس کے۔ لئے عقل رہبری نہ کرتی تو شریعت مطہرہ اس چیز کو ضرور بیان کر دیتی۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو کھیتی اور بننے کا طریقہ سکھایا گیا اور سیدنا داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زرہ بنانے کی تعلیم دی گئی، قرآن کہتا ہے

صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنۢ بَأْسِكُمْ (الانبیاء، ۸۰)

ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے۔ (کنز الایمان)

یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع بلاغت وغیرہ کا بیان نہ فرمایا حالانکہ یہ سب دینی علوم میں سے ہیں، اس

کی وجہ یہ ہے کہ لوگ ان علوم کو جانتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام معلم کائنات بنا کر بھیجے گئے مگر ان کا مقصود اعظم علوم غیبیہ کی تعلیم دینا ہے جن کا ادراک حس اور عقل نہیں کر سکتی۔ اس لئے علوم دین میں سے علم اصول فقہ کو بھی چھوڑ دیا گیا اور اس علم کے قواعد کی بنیاد اور اس کے فوائد کا اظہار بھی چھوڑ دیا گیا ہے البتہ امت کے لئے فروعات میں کچھ اصول قائم کئے گئے اور کچھ ظنی چیزیں بھی بتائی گئی ہیں پھر انہیں اجتہاد و استنباط کی اجازت دے دی گئی۔ حل مسائل کا راستہ سہل و آسان کر دیا گیا ہے۔

سادسا: اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ یہی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان و عظمت ہے اس میں جس کے ساتھ وہ امت کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن انبیاء کی اپنی ذات کے بارے میں تو حجت قائم ہو چکی ہے کہ عالم کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی معرفت و نشانی ہے جو اس کے غیر میں نہیں ہے۔ انبیاء کی شان یہ نہیں کہ وہ اللہ کی کسی نشانی سے غافل ہوں، انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ما کان و ما یکون کی تمام لغات کی معرفت و آشنائی ضروری ہے اس لئے انبیاء کرام کو آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی دکھائی گئی جیسا کہ قرآن کریم حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے فرماتا ہے

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام،۷۶)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(کنز الایمان)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث تمام انبیاء کرام کے حق میں گزر چکی ہے۔ اگر یہ تخصیص کا قرینہ ہو تو آیات کو ہر شئی کے تبیان پر محمول کرنا عام لوگوں کے لئے ہوگا اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل تو اس کے بطلان پر ناطق و شاہد ہے جب تو خصوصیت پر کوئی قرینہ ہی نہ ہوگا اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ نصوص ظاہری اشیاء پر جاری ہیں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

رسالہ غایۃ المامول کی مبالغہ آرائی

۱۹۔ اللہ کا شکر ہے کہ نصوص کو خصوص کی طرف پھیرنے کی کوششوں کا کھوٹا پن ثابت کر کے ہم فارغ ہو گئے اور رسالہ مذکورہ پر یہ بہت زیادہ رد ہو گیا اگر چہ یہ رد خاص طور سے مستقلاً نہیں بلکہ تبعاً ہوا اس لئے کہ رسالہ نے جن نقول کا تذکرہ کیا، ان سے استدلال کیا، ان پر وثوق واعتماد کیا مگر کوئی چیز انہیں خاص کر دے یہ رسالہ کو پسند نہ آیا۔ تو میں نے شہاب خفاجی کی اس عبارت کا قصد کیا جو چوتھی آیت (**کل صغیر و کبیر مستطر**) کے تحت ہے پھر ان اقوال کی نقل کی تلخیص کا ارادہ کیا جو پہلی (**ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**) اور چوتھی آیت کے تحت میں ہے۔

اول کی تلخیص اس لئے کی کہ رسالہ نے اسے دشوار و مشکل سمجھا تو میں نے اس کی وضاحت کا ارادہ کیا اور رسالہ پر اس کا سمجھنا پیچیدہ ہو گیا تو اسے تختی سے روند ڈالا۔ اور ثانی کی تلخیص اس لئے کی تا کہ ان کے اقوال کی مراد و معنی پر استشہاد ہو جائے اور رسالہ ان کے درمیان امتیاز وتفریق نہ کر سکا تو انہیں خلط ملط کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم سب کے رد سے فارغ ہو گئے اور اب ہم اس کے اظہار کا قصد کر رہے ہیں جو عام فہم اور سمجھ سے دور ہے اور رسالہ نے جو غلطی کی ہے ہم اسے بھی ظاہر کریں گے۔

فاقول، اولا : آپ کو معلوم ہو چکا کہ شہاب خفاجی نے یہاں پر جاعل (معترض) کی طرف سے لفظ 'کل' کو تکثیر کے لئے لینے میں بیضاوی پر دو اعتراضات کئے ہیں یہ دونوں اعتراض ان چاروں اعتراضات کے دو کنارے ہیں۔

اور اول کا جواب قرینہ تخصیص کے اظہار سے دیا اور ثانی کا جواب کیف سے کم کی

طرف عدول واعراض سے دیا۔ پھر بیضاوی کے قول بالا حالہ کے تحت میں تیسرا اعتراض ذکر کیا اور اسے اس کا جواب قرار دیا اور اپنی تقریر "وفیہ تامل" کہہ کر ختم کر دی۔ پھر رسالہ مذکورہ نے بیضاوی کا قول (اذ مافی الاحاطة والتعمیم مافی التبیان من المبالغة فی البیان (عنایۃ القاضی خفاجی۔ سورہ نحل) (یعنی لفظ احاطہ وتعمیم میں وہ بات نہیں جو لفظ تبیان میں ہے۔یعنی مبالغہ در بیان) نہیں سمجھا تو اسے حذف کر دیا جو مفہوم شرح عبارت سے ظاہر ومتوجہ ہو رہا تھا اور اس پر رسالہ نے کچھ ملامت بھی نہ کی۔

وثانیا: رسالہ نے دیکھا کہ شہاب خفاجی دونوں اعتراض ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ تمہیں دوسرے اعتراض کا رد معلوم ہے کہ تخصیص اقتضائے مقام نہیں ہے۔شہاب نے فرمایا کہ پہلا اعتراض جو احاطہ اور تعمیم کے بارے میں ہے اسے رد کر دیا گیا ہے کہ وہ کمیت کے اعتبار سے ہے کیفیت کے اعتبار سے نہیں۔

(عنایۃ القاضی خفاجی، سورہ نحل)

تو رسالہ نے دونوں اعتراض کے اظہار سے کوئی چارۂ کار نہ پایا اور اول کو سمجھا ہی نہیں تو تیسرے اعتراض کا قصد کیا جسے اس کے بعد بیان کیا گیا اور اسے دوسرا اعتراض قرار دیا اور کم اور کیف کے جواب کو اس سے ملا دیا حالانکہ شہاب خفاجی نے اسے احالہ کا جواب قرار دیا ہے۔

وثالثا: جب اول کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر حذف کر دیا اور تیسرے اعتراض کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا تاکہ دو اعتراض ہی رہیں تو لامحالہ دوسرا اعتراض پہلا ہو جائے گا اور تیسرا دوسرا، اسی طرح سے کر دیا اور سمجھا نہیں کہ شہاب فرماتے ہیں کہ اول کا رد کر دیا گیا ہے تو شہاب خفاجی کے کلام کی ترتیب بدل دینے سے دوسرا اعتراض پہلا کیسے ہو جائے گا۔

ورابعا: دونوں آیتوں کے بارے میں جو اقوال ائمہ ہیں ان کی تلخیص میں رسالہ نے کہا کہ دونوں آیتوں کے معنی مراد میں لوگوں کے تین قول ہیں

۱۔علوم دینیہ وغیرہ مراد ہیں

۲۔صرف علوم دینیہ مراد ہیں

۳۔کتاب عزیز صرف احکام دینیہ پر مشتمل ہے

اس کلام مذکور کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ رسالہ نے احکام کو خاص طور سے مسائل فرعیہ کے معنی میں لیا پھر اخیر دونوں قول میں تفریق کر دی کہ ثانی سے مراد تمام علوم دینیہ ہیں خواہ اصلیہ ہوں یا فرعیہ۔اور تیسرے نے زیادہ تنگی کی اور صرف فرعیہ مراد لیا۔ یہ بلا شبہ فرار ہے، بلکہ تمام علوم دینیہ مراد لینے میں دونوں قول متفق ہیں ہاں فرعیہ کے احالہ کی وجہ میں اختلاف ہے۔ رسالہ میں جو مذکور ہے وہ امام رازی سے منقول ہے کہ قرآن کریم میں پورے علم اصول موجود ہیں اور فروعات کے علم سے متعلق یہاں پر علماء کے دو قول ہیں تو غور کرو کہ اختلافی بات کو فروع سے کیسے خاص کر دیا، میں رسالہ مذکورہ کو وہ بات سمجھانے کی تکلیف نہیں دوں گا جس کو وہ سمجھ ہی نہ سکے بلکہ اسے دیکھو جو ہم نے قول ثالث کے بیان میں خاص طور سے دوبارہ نقل کیا کہ علوم دینیہ اصول وفروع دونوں ہیں۔علم اصول مکمل طور پر قرآن کریم میں موجود ہے لیکن بندہ اس علم فروع کا مکلف ہے جو قرآن عظیم میں بیان کیا گیا ہے۔

(مفاتیح الغیب، رازی سورۂ نحل آیت ونزلنا علیک الکتاب الایۃ)

اور اگر مطلقاً احکام مراد لئے جائیں تو تمام علوم دینیہ شامل ہو جائیں گے اور دونوں قول متحد و متفق ہو جائیں گے کیونکہ لفظ 'کل' دونوں میں معنی حقیقی پر ہے اور مطلقاً علوم دینیہ کی تخصیص سے کلام درست وصحیح ہو جائے گا اگر چہ بعض کے طریقۂ تصحیح میں دونوں قول مختلف ہوں۔البتہ رسالہ پر یہ کہنا لازم وضروری تھا کہ دونوں آیت کے معنی میں ان لوگوں کے دو قول ہیں۔

۱۔لفظ 'شئ' اپنے اطلاق پر اور لفظ 'کل' تکثیر کے لئے ہے۔

۲۔لفظ 'کل' اپنے معنی حقیقی پر اور لفظ شئ مطلقاً امور دینیہ سے مخصوص ہے۔

پھراس قول کے قائلین نے فروع کے احاطہ کی تصحیح میں اختلاف کیا۔ کچھ لوگوں نے احالہ سے تعبیر کی ہے۔ اور قرآن مقدس میں جس کی صراحت ہے اس میں کچھ لوگوں نے حصر مراد لیا ہے۔

خامسا: پہلے کے دونوں قول کے بارے میں رسالہ نے کہا کہ ان دونوں قول کے قائلین اس بات پر متفق ومتحد ہیں کہ کتاب عزیز میں ان علوم کے ہر جزئیہ پر تفصیلی طور پر تنصیص نہیں ہے بلکہ بعض میں تفصیل ہے بعض میں اجمال اور بعض میں رمز واشارہ۔

یہ بات اگر صرف سمجھ وقیاس کی بنیاد پر ہے تو خالص جھوٹ اور بہتان ہے۔ جبکہ قول اول کے قائل نے لفظ 'کل' کو تکثیر پر محمول کیا اور لفظ 'کل' کے کل پر شامل ہونے سے راہ فرار اختیار کی اگر چہ یہ شمول بعض میں بطور اجمال ہی کیوں نہ ہو۔

سادسا: یہ بات رسالے سے رہ گئی کہ یہ بیضاوی پر رد ہے جنہوں نے سمجھا کہ بعض میں اجمال ہے کیونکہ اجمال بیان کے منافی ومناقض ہے اور تفصیل کی عبارت اس پر محمول نہیں ہے پھر اس زعم کی بنیاد پر موافقت کیسے ہوگی۔

سابعا: پھر رسالہ نے کہا کہ اسی سے بلاشبہ خوب خوب وضاحت ہوگئی کہ پہلے کے دونوں قول اجمال کے وجود پر متفق ہیں اور بلاشبہ یہ بھی خوب واضح ہو گیا کہ یہ باطل ہے اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

ثامنا: رسالہ نے کہا کہ تیسرا قول احکام شرعیہ پر عموم میں منحصر ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔ یعنی احکام شرعیہ سے صرف فرعیہ مراد ہیں یا بخلاف ثانی کے کہ وہ قول اول کی طرح علوم شرعیہ وغیرہ کو عام ہے اور سب کے سب بہتان وجھوٹ ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔ اللہ کو پاکی ہے کہ جو واضح باتوں کو سمجھ نہیں سکتا وہ علوم قرآن اور علوم حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کلام کرنے چلا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اہم تنبیہ

پورا عالم حادث ہے عرش وغیرہ کسی غیر اللہ کو قدیم کہنا مطلقاً کفر ہے

امام بخاری اپنی صحیح میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ تھی۔

دوسری روایت میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آفرینش خلق اور عرش کی تخلیق بیان کرنے لگے۔

(بخاری کتاب الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ وھو الذی یبدأ الخلق)

امام احمد اور ترمذی بافادۂ تحسین اور ابن ماجہ وغیرہ ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پانی پر پیدا فرمایا۔ (ترمذی ابواب التفسیر سورہ یونس)

اور ضروریات دین میں ثابت ہو چکا کہ پورا عالم حادث ہے پہلے اس پر عدم طاری تھا، پہلے نہیں تھا پھر موجود ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شئی قدیم نہیں۔ صفات باری جیسی ہیں نہ اس کا غیر ہے نہ اس کا عین، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ یعنی صفات باری بھی قدیم ہیں۔

اس مسئلے میں کسی بھی کلمہ گو کو اختلاف نہیں ہے خواہ وہ گنہگار بدعتی کیوں نہ ہو بلکہ

آسمانی مذہب وملت والوں میں بھی کوئی اس کا منکر نہیں۔ اور ضروری کے لئے کسی سند خاص اور کسی نص کی کوئی ضرورت نہیں اور اس میں کوئی تاویل نفع بخش ومسموع نہ ہوگی۔

امام ابوزکریا نووی ''روضہ'' میں پھر امام ابن حجر ''اعلام'' میں فرماتے ہیں

درست یہ ہے کہ مجمع علیہ مسئلہ کے انکار سے کفر مقید ہے جو دین اسلام میں ضروری طور پر معلوم ہو اخواہ اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔

(الاعلام بقواطع الاسلام، ابن حجر مکی الہیثمی)

اور شرح مقاصد میں ہے کہ جو دین کی بات قطعی طور پر معلوم ہو وہ اپنے ظاہر ہی پر رہے گی اس میں تاویل کرنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

(شرح المقاصد، تفتازانی، ۲ بحث ۶ الکفر عدم الایمان)

اس لئے جو اس مسئلے میں اختلاف کرے اس کے کفر میں علماء کا اتفاق ہے۔

امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ جو عالم کو قدیم کہے یا اس میں شک کرے ہم اس کے کفر میں جزم کرتے ہیں، (یہاں تک فرمایا کہ) ان کے کفر میں قطعاً اجماعاً کوئی شک نہیں ہے۔ (شفا شریف، فصل فی بیان ما ھو من الخ)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی الٰہیت ووحدانیت کا معترف ومقر ہو لیکن اس کے سوا کسی چیز کے قدیم ہونے کا معتقد وقائل ہو وہ مسلمانوں کے اجماع سے کافر ہے۔ (حوالہ مذکور)

ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں کہ جو پورے یا بعض عالم کو قدیم کہے ہم اس کے کفر پر جزم ویقین کرتے ہیں۔

(شرح شفا، علی قاری، بیان ما ھو من المقالات کفر)

نسیم الریاض میں ہے کہ ارباب شرع نے ان کی تکفیر اس لئے کی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب وانکار ہے۔

(نسیم الریاض خفاجی، بیان ما ھو من المقالات کفر)

امام ابن حجر مکی کی تصنیف ''الاعلام بقواطع الاسلام'' میں ہے کہ جو بات کفر ہے خواہ وہ اعتقاد یا عناد کے طور پر صادر ہو یا مذاق و استہزاء کے طور پر اس کے قائل کو کافر کہا جائے گا اسی طرح جو عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

(الاعلام بقواطع الاسلام، ابن حجر مکی)

اسی میں ہے کہ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنا یا اس کے بعض اجزاء کو قدیم کہنا کفر ہے جیسا کہ علماء کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ (حوالہ مذکور)

امام محقق علی الاطلاق کی '' مسایرہ'' میں ہے کہ اس کے مخالف کی تکفیر میں اختلاف ہے جبکہ اس پر اتفاق ہے کہ جو بات اصول دین اور ضروریات دین میں سے ہے اس کے مخالف کو کافر کہا جائے گا جیسے عالم کو قدیم کہنا اور اجسام کے حشر و نشر کا انکار کرنا۔ (المسامرۃ بشرح المسایرۃ، ابو شریف شافعی۔ حل شرط فی الایمان الخ)

اسی میں ہے کہ سبب تکذیب، ان تمام باتوں کا انکار کرنا ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ضروری طور پر ثابت ہیں جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھنا، اور استحقاق عبودیت میں دونوں جہان پر حضور کو ممتاز و منفرد سمجھنا مگر حضور کے منفرد ہونے سے حضور کا قدیم ہونا ضروری نہیں۔ (المسامرۃ، الکلام فی متعلق الایمان)

عارف باللہ امام محمد سنوسی کی تصنیف ''شرح ام البراہین'' میں ہے کہ ایجاب ذاتی ہی فلاسفہ کے کفر کی اصل ہے اس لئے فلاسفہ نے کہا کہ عالم قدیم ہے اور عالم کے حادث ہونے پر جو برہان قطعی ہے اسے لغو قرار دیا۔

قاضی بیضاوی کی ''طوالع الانوار'' میں ہے کہ ذوات قدیمہ کا قول کفر ہے۔

طوالع الانوار اور اس کی شرح مطالع الانوار میں ہے کہ کثرت قدماء کا قول کرنا بالاجماع کفر ہے یعنی کئی چیزوں کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔

(طوالع الانوار، بیضاوی، الباب الثانی فی صفات اللہ)

مواقف میں ہے کہ ذوات قدیمہ کا اثبات کفر ہے۔

(کتاب المواقف، جز ۸، موقف ۵، مقصد ۱)

شرح مواقف میں ہے کہ چند ذوات قدیمہ کا اثبات بالاجماع کفر ہے۔

(المواقف شیخ فتاوی، جز ثامن)

اسی میں ہے کہ اجسام ذوات جوہریہ وصفات عرضیہ کے ساتھ حادث ہیں اور یہی حق ودرست ہے۔ تمام مسلمان اور لاکھوں یہود ونصاریٰ اور مجوس کا یہی قول ہے۔

(شرح مواقف، شیخ جرجانی۔ مرصد ثانی فی عوارض الاجسام)

منح الروض میں ہے کہ جو اجسام کے حشر، عالم کے حدوث اور باری تعالیٰ کے جزئیات کے عالم ہونے کے دلائل ونصوص میں تاویل کرے تو اسے کافر کہا جائے گا۔

(منح الروض، علی قاری۔ الایمان ھوالتصدیق والاقرار)

جمع الجوامع اور اس کی شرح پھر بحرالرائق اور طحطاوی علی الدر میں ہے جو اپنی بدعت کے سبب سے اہل قبلہ سے خارج ہو جیسے حدوث عالم کے منکرین، تو ان کے کفر میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں، اس میں بعض ان ضروری چیزوں کا انکار ہے جن کے بابت معلوم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔

(شرح الجلال، شمس الدین المحلی۔ مسائلہ اختلف فی اصول الدین)

امام ابن امیر الحاج کی ''شرح التحریر'' پھر ردالمحتار میں ہے کہ ضروریات اسلام کے مخالف کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے مثلاً حدوث عالم اور اجسام کے حشر اور اللہ تعالیٰ کے جزئیات جاننے کا انکار کرنا، اگرچہ وہ اہل قبلہ سے ہو اور اس کی لمبی عمر، طاعت وبندگی پر مواظبت میں گزری ہو۔

(التقریر والتحبیر شرح التحریر، ابن امیر الحاج۔ المقالۃ الثالثۃ)

امام یوسف اردبیلی کی ''کتاب الانوار'' میں ہے کہ جو عالم کے قدیم اور صانع کے حادث ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

علامہ سعد کی ''مقاصد'' میں ہے کہ آدمی اگر کسی ضروریات دین کا مخالف نہیں تو کافر نہیں ہوگا جیسے حدوث عالم اور اجسام کے حشر ونشر کا اعتقاد رکھنا ضروریات دین سے ہے۔ (شرح القاصد تفتازانی۔ جز ۲ بحث ۷)

علامہ سعد کی شرح مقاصد میں ہے کہ ان اہل قبلہ کے کفر میں کوئی اختلاف ونزاع نہیں جو عالم کے قدیم، حشر کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات وغیرہ کا انکار کریں اگر چہ ان کی لمبی عمر عبادت وبندگی پر مواظبت ومداومت میں گزری ہو۔ (حوالہ مذکور)

خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں نصوص ودلائل بہت زیادہ ہیں ان کے احاطہ و استقصاء کی مجھے خواہش نہیں۔ حدوث عالم کے مخالف کے کفر میں بعض متاخرین محشین کو شک ہوا تو یہ ایسی لغزش وٹھوکر ہے جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ کہ رب ذوالجلال کی رحمت وغفران اس کا تدارک وحل کر دے۔ ہم اللہ سے سلامتی اور حسن انجام کا سوال کرتے ہیں۔

حاشیہ نابلسی کا بلیغ رد

اگر وہ حاشیہ (جسے عارف باللہ عبدالغنی نابلسی نے کتاب حدیقہ ندیہ کی بحث بدعت فی الاعتقاد میں نقل کیا ہے) طبع اور شائع نہ ہوتا تو وہ لپیٹ دینے کے لائق تھا اور اسے بیان نہ کیا جاتا لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں اس پر کم علم والے مطلع ہوں اور وہ گمراہ نہ ہو جائیں اور منکر و برائی کا ازالہ فرض ہے۔ میں اس حاشیہ کا کلام ذکر کر کے مکمل طور پر اس کا رد کروں گا پھر اس کے بعد عارف نابلسی کی تاویل، ان کی مراد وضاحت کے ساتھ ذکر کروں گا۔ وباللہ التوفیق

حاشیہ مذکورہ نے امام سعد کا کلام نقل کیا جو شرح مقاصد میں مذکور ہے پھر اس کے بعد یہ ذکر کیا کہ ''ہو سکتا ہے کہ نفی حشر کے ساتھ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد کفر ہے''
(الحدیقۃ الندیہ نابلسی۔ بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

اقــول: یہ تاویل کتنی قبیح اور یہ تحویل وتبدیل کتنی بری ہے۔ اس کی مثال تو اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس دو شیشے ہوں، ایک اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ بذات خود نشیب میں ہو اور دوسرا شیشہ اس نشیب کے اوپر رکھا ہو پھر اوپر کا شیشہ گرنے لگے اسے ٹوٹنے کا خوف ہو اور وہ اپنے ہاتھ کے شیشہ سے اسے واپس کرنے کے لئے مارے تو دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ جائیں گے۔ تو یہ بھی ایسا ہی ہے کہ انہوں نے عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد اس وقت کفر قرار دیا جبکہ اس کے ساتھ حشر کا انکار شامل ہو۔ لہٰذا حشر کا انکار بھی تنہا کفر نہیں ہوگا جب تک عالم کے قدیم ہونے کا قول اس سے شامل نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد ہی کفر ہوتا تو اس کے ساتھ اس کو ملا دینا لغو وبیکار ہوگا جو کفر نہیں، اور کلام کو لغو اور مہمل ہونے سے بچایا جائے گا لہٰذا تاویل کی جائے گی کہ ان دونوں (قدم عالم اور نفی حشر) میں کوئی ایک مستقلاً کفر نہیں ہاں جب دونوں ایک ساتھ جمع ہوں گے تو کفر ہوگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انہوں نے جب اجماع کے حجت ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء، ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (کنز الایمان)

اور سختی سے حساب لگایا گیا کہ وعید دونوں کے مجموعہ پر ہے تو علماء نے جواب دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلاف کرنا مستقلاً وعید کا سبب ہے، تو اتباع کو شامل کرنا لغو ہو جائے گا۔ لہٰذا اول کی طرح اس کا مستقل ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں پر جب قدیم ہونے کا اعتقاد فرض کر لینا کافی نہیں تو ضروری ہے کہ حشر کا انکار بھی کفر میں کافی نہ ہو ورنہ اول لغو ہو جائے گا اور یہ تو بہت برا شمول اور بہت بڑی نرمی ہے۔

عارف نابلسی نے فرمایا کہ بہت سارے حکماء اسلام بعض اجسام کے قدیم ہونے کی طرف گئے ہیں۔ (الحدیقۃ الندیہ، نابلسی بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

اقول، اگرانہوں نے حکماء سے مدعی اسلام فلاسفہ مراد لئے ہیں تو ان سے کوئی مطالبہ نہیں اور اگر حکماء سے مراد وہ ہیں جو مسلمان اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہیں تو ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی چیز قدیم ہے

عارف نابلسی نے فرمایا کہ ارباب مکاشفہ میں سے بہت سارے جوانمرد عرش و کرسی کے قدیم ہونے کی طرف گئے ہیں مگر تمام افلاک کے قدیم ہونے کے وہ بھی قائل نہیں ہیں۔ (حوالہ مذکور)

اقول، یہ قطعایقیناباطل اور بے بنیاد حکایت ہے۔ اگرانہیں سہو یا شبہ نہیں ہوا تو یہ بلاشبہ جھوٹ ہے۔ ارباب مکاشفہ میں کون ایسے جوانمرد ہیں جن کا کلام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جامع اور زیادہ ناطق ہوگا؟ حالانکہ شیخ اکبر نے فتوحات کے متعدد مقامات پر حدوث عالم کی صراحت کی ہے۔ فتوحات کے باب ۶۹ میں ہے کہ پورا عالم عدم سے موجود ہوا اور اس کا وجود کسی موجد کی ایجاد سے ہوا، موجد اللہ تعالیٰ ہے، تو عالم کے وجود کا ازلی ہونا محال ہے کیونکہ موجد کی حقیقت یہ ہے کہ وہ معدوم کو موجود کردے، ایسا نہیں کہ جو موجود ہے اسی کو موجود کرے کیونکہ موجود کو موجود کرنا محال ہے۔

(فتوحات مکیہ، باب ۶۹ معرفۃ اسرار الصلاۃ)

یہ سیدنا ابوبکر شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارباب احوال و مکاشفہ کے سردار ہیں ان سے آیت کریمہ، الرحمٰن علی العرش استویٰ، کے بارے میں سوال ہوا۔

انہوں نے فرمایا کہ رحمٰن ازلی ہے، عرش حادث ہے اور عرش رحمٰن سے قائم ہے۔

اسے امام اجل ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ قشیریہ شریف میں بیان فرمایا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم قشیری۔ بیان اعتقاد ھذہ الطائفۃ الخ)

اس کلام کی دلیل جو اولیاء کرام سے ظاہر شرع کے خلاف منقول ہے

اس میں چار وجوہ ہیں

اس ناقل نے اگر لوگوں میں سے کسی کو ایسا پایا جو اسے وہم وگمان ہوا تو اس کا نام کیوں ذکر نہیں کیا صرف اس نے اس کا کلام نقل کیا جبکہ کلام میں تاویل کا احتمال ہے۔ کیونکہ قدم کا اطلاق کبھی زمانہ ماضی میں طویل مدت پر ہوتا ہے جیسے ابد کا اطلاق زمانہ مستقبل میں دراز مدت پر ہوتا ہے۔ اور کبھی قدم سے وہ مراد لیتے ہیں جو اللہ عزوجل کے علم قدیم میں ہے اور کبھی قدم سے وہ عین ثابتہ مراد لیتے ہیں جس نے وجود کی بو نہیں سونگھی، یہ عرش وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پوری کائنات اس میں برابر ویکساں ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسری تاویلات ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ورنہ جس کی طرف اس کا انتساب کیا گیا اس پر یہ افتراء ہے۔ یا یہ کہ وہ بات ان سے بغیر اختیار اور بے سمجھے، غلبہ حال میں صادر ہوئی، یا یہ کہ ان سے یہ بات ابتدائے حال میں صادر ہوئی پھر رب تعالیٰ کی ہدایت وارشاد سے اس کا تدارک ہو گیا۔ اولیاء کرام سے یہ سب واقع ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں بہت ساری حکایات وروایات ہیں ان کا ذکر کافی طویل ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ الربانی میزان میں فرماتے ہیں کہ جو ائمہ کا کلام بغیر تحقیق کے نقل کرتے ہیں ان کے کلام میں یہ بات بہت زیادہ ہے اور وہ عالم کے ابتدائی و درمیانی زمانہ کے قول اور انتہائی زمانہ کے قول میں کچھ امتیاز وفرق نہیں کرتے ہیں۔

(میزان الکبریٰ، بیان تقریر قول من قال الخ)

استاذ امام جمال الاسلام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ رسالہ شریف میں فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوبکر بن فورک سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان غربی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں حدیث جہت کے بارے میں کچھ اعتقاد رکھتا تھا پھر جب میں بغداد آیا تو یہ کیفیت میرے دل سے زائل ہوگئی اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں کو مکہ میں لکھا کہ میں اب نیا مسلمان ہوا ہوں۔

(رسالہ قشیریہ، بیان اعتقاد ھذہ الطائفۃ فی مسائل الاصول)

نیز امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ امام ابواسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ میں جب بغداد سے آیا تو نیشاپور کی جامع مسجد میں مسئلہ روح کا درس دے رہا تھا اور اس بات کی شرح و وضاحت کر رہا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ اور ابوالقاسم نصر آبادی ہم سے کچھ دور بیٹھے ہوئے میرے کلام کی طرف کان لگائے ہوئے تھے۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد ایک دن وہ ہمارے پاس سے گزرے تو میری طرف اشارہ کر کے محمد فراء سے کہا کہ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں اس آدمی کے ہاتھ پر اسلام کی تجدید کرتا ہوں۔ (حوالہ مذکور)

ابوالقاسم قشیری، سیدی ابوبکر شبلی اور سیدی ابوعلی رودباری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجلہ اصحاب میں سے ہیں، دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے فیوض و برکات سے نفع دے۔ آمین

یہ چار وجوہ ہیں، ان میں سے اگر کچھ نہ ہو بلکہ یوں ہو کہ اس کا قول ثابت ہو اور اس نے اسے قصداً اختیاراً کہا اور وہ اس سے رجوع نہ کرے اور اس کی کوئی صحیح تاویل و توضیح نہ ہو اور اس بات پر قوم کی کچھ اصطلاح بھی نہ ہو کیونکہ اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں ہوتا تو اس کا قائل مسلمان نہ ہوگا اگرچہ وہ شیطانی کشف و الہام والا ہو۔ کیونکہ اولیاء کرام کا کلام ایک گہرا سمندر ہے اس کی گہرائی و گیرائی تک اولیاء کرام ہی پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا جس کی ولایت ثابت ہو اس کے لئے ہم یقین کریں گے کہ اس کا وہ مطلب ہے جہاں تک

ہماری سمجھ کی رسائی نہیں۔ جیسے قرآن کریم کے متشابہات، کہ ان کے معانی ومطالب تک انسانی فہم وادراک کی رسائی نہیں ہوسکتی مگر ان پر یقین وایمان رکھنا لازم ہے کہ ان کی جو مراد ہے وہ حق ودرست ہے۔ اور جس کا معاملہ ایسا احتمال رکھے جو کسی دلیل وبرہان سے پیدا ہو تو ہم صرف اس کے قول پر حکم شرع نافذ کریں گے اور قائل کے معاملے کو اللہ عز وجل کے سپرد کردیں گے۔ ہم تو اسی سے توفیق ومدد مانگتے ہیں۔

عارف نابلسی نے فرمایا کہ عالم کو قدیم ماننے میں تکفیر کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب وتوہین نہیں ہے۔

(الحدیقۃ الندیۃ، باب ا فصل ۲ بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

اقول: کیوں نہیں ہے ہاں اس میں تکذیب ہے کیونکہ اس میں ضروری کی تکذیب ہے اور ہر ضروری کی تکذیب اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اگرچہ اس میں کوئی دلیل ونص نہ ہو جیسا کہ اس سے پہلے گزرا جبکہ اس مسئلہ میں صحاح کی احادیث نصوص ہیں ان کے اعتقاد پر امت کا اتفاق واتحاد ہے۔

اور نسیم الریاض کا قول گزرا کہ اہل شرع نے قدم عالم کے قائل کی تکفیر اس لئے کی کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب ہے۔

(نسیم الریاض ۴ باب ۳ بیان ما ھو من المقالات کفر)

عارف نابلسی نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ عرش وکرسی کے قدیم ہونے سے ان کی مراد یہ ہو کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ایجاد کی طرف نسبت کرتے ہوئے قدیم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل ہی میں ان کا موجد ہے جہاں پر زمانہ کی ابتدا ہی نہیں ہوئی جس میں عرش وکرسی کے وجود کی ابتدا ہوئی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر زمانہ نہیں گزرتا ہے۔ جس زمانے میں عرش وکرسی کے وجود کی ابتدا ہوئی اس زمانہ کے موجود ہونے سے پہلے ہمارے اعتبار سے ان دونوں کا کوئی وجود نہ تھا اس لئے یہ دونوں ہمارے نزدیک حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی ان کا کوئی

وجود نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں جس میں ان دونوں کے وجود کی ابتدا ہوئی تو وہ دونوں ہمارے نزدیک حدوث کے طریقے سے موجود ہیں اور دونوں کی ابتدا ہمارے زمانہ سے مقید کرنے کے سبب سے ہے۔ اور یہ دونوں اس زمانے میں اللہ کے نزدیک بھی موجود ہوئے مگر حدوث وابتدا کے طریقے سے نہیں بلکہ ازلی طور پر۔ اور اللہ تعالیٰ زمانہ سے مقید نہیں کیونکہ زمانہ محدثات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ ازلی ہے۔ اور اس کا فعل حادث نہیں بلکہ اس کا مفعول حادث ہے یہ ہماری طرف دیکھتے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے نہیں کہ بغیر زمانہ کے ہی سارے زمانے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہیں جبکہ زمانہ کسی سے مقید ہوتا ہے۔ پورے زمانے کا حاضر نہ ہونا یہ ہمارے اعتبار سے ہے کیونکہ ہم صرف ایک ہی زمانہ سے مقید ہیں۔ عرش وکرسی کے قدیم ہونے کے یہ قائل ارباب مکاشفہ میں پرانے بزرگ ہیں زمانہ سے مقید کرکے یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں حادث ہیں جیسے علماء کرام کہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ تمام افلاک قدیم نہیں ہیں کیونکہ تمام افلاک میں خصوص ہے وجود زمان کے عموم میں، یہ صرف عرش وکرسی نہیں بلکہ تمام افلاک کی طرف دیکھتے ہوئے ہے اور حدوث کا منشاو مدعا زمانہ ہے لیکن یہ امتیاز اللہ تعالیٰ سے عالم کے صادر ہونے میں معرفت الٰہیہ سے خاص ہے دوسرے کو جس کی معرفت نہیں ہوتی۔ اور عرش وکرسی سے دو کلی عالم مراد لیتے ہیں اور ان دونوں کا شمول واطلاق جن چیزوں پر ہوتا ہے وہ تمام نفوس اور اجسام ہیں اور یہی پورے عالم کا مجموعہ ہے۔ اور زمانہ سے مقید کرکے عالم کے کسی شئی کے قدیم ہونے کا حکم لگانا بلا اختلاف کفر ہے جیسے فلاسفہ اور ان کے ماننے والوں کا قول ہے کہ عرش وکرسی قدیم ہیں۔ (الحدیقۃ الندیۃ، نابلسی باب ا فصل ۲ بحث البدعۃ فی الاعتقاد)

حدوث وقدم میں کلام نابلسی کی تحقیق

اقول، توفیق اللہ ہی سے ہے اور تحقیق کی بلندی وبالائی تک اسی کی مدد سے

پہنچنے کی امید ہے۔ اس عمدہ کلام کی تحقیق و تدقیق میں عبد ضعیف (امام احمد رضا بریلوی) کے لئے یہ ظاہر ہوا کہ کسی شئی کے حدوث کے دو معنی ہیں۔

اول: شئی کا فی نفسہ حادث ہونا، اور یہ اس کے عدم کے بعد موجود ہونا ہے اور صفحۂ ہستی میں شئی کا مرتسم ہونا بعد اس کے کہ اس میں کچھ نہیں تھا۔ ویسا نہیں جیسا کہ خود ساختہ سفہاء فلاسفہ نے کہا "وعاء دہر" وہ کہتے ہیں کہ ہر شئی اس میں اپنے زمانہ میں ازلاً وابداً موجود ہے البتہ حدوث تو اقبال زمانہ کے ساتھ غیر کے لئے ظاہر ہونا ہے۔ اور اس کی فنا، پیچھے چھپ جانا ہے جیسے کھینچی ہوئی زنجیر۔ جب جب شئی کا کوئی جزء تمہارے سامنے اور مقابل ہوگا تو وہ تمہارے لئے ظاہر ہوگا جب تقابل ختم ہو جائے تو وہ شئی تم سے پوشیدہ و غائب ہو جائے گی۔ بیشک یہ سفیہ کا قیاس و سفسطہ اور فلسفیانہ فساد و وسوسہ ہے۔ اس کے بطلان پر قرآن عظیم واحادیث متواترہ ناطق و شاہد ہیں میں نے اس مسئلے کو اپنی کتاب "مقامع الحديد على خد المنطق الجديد" میں بیان کیا ہے۔ بلکہ یہ فلسفیانہ موشگافیاں ضروریات دین کے مخالف ہیں۔

فواتح الرحموت میں اس مسئلے میں فرمایا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمومات میں داخل ہیں بعد اس کے کہ ہمارے مشائخ کرام نے اسے فلاسفہ سے نقل کیا ہے اسے وہ سفسطہ اور قیاسی استدلال سمجھتے ہیں سفسطہ حقائق لمیہ کی بنیاد کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ امور شرعیہ کی بنیاد کی صلاحیت و استعداد رکھے۔

(فواتح الرحموت، امام عبدالعلی مسالۃ الخطاب التنجیزی)

ثانی: شئی کا اس کے غیر کے پاس حادث ہونا، اس معنی سے کہ وہ غیر کے لئے حادث ہو اس کے حدوث سے کوئی علم یا حال پیدا ہو جس طرح تم کہتے ہو کہ آج ہمارے پاس ایک مہمان آیا یعنی مہمان کا وجود تو پہلے ہی سے تھا لیکن ہمارے پاس وہ آج موجود ہوا۔ اسی معنی میں یہ آیت کریمہ ہے

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ (الانبیاء ۲)

جب ان کے رب کے پاس سے انہیں کوئی نئی نصیحت آتی ہے۔ (کنزالایمان)
اور معنی اول وثانی دونوں کے درمیان عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ کبھی شئی اپنے غیر کے پاس حادث ہوتی ہے اس کے لئے جدید طور پر حاصل ہوتی ہے لیکن فی نفسہٖ حادث نہیں ہوتی جیسا کہ نص قرآن سے معلوم ہوا۔ بلکہ اسی سے آج کے دن مہمان کا آنا ہے جبکہ وہ آج فی نفسہٖ حادث نہیں ہوا۔ اور کبھی شئی فی نفسہٖ حادث ہوتی ہے اور اپنے غیر کے پاس نہیں ہوتی جبکہ اپنے غیر میں حادث ہونے سے کوئی شئی متجدد نہیں ہوتی نہ علم نہ حال۔ اس کی مثال ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کا حدوث دوجود ہے رب تبارک وتعالیٰ نے حضور کے نور کو اپنے نور سے تمام اشیاء سے پہلے پیدا فرمایا۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ یہ نور تو پیدا ہوا اور اس کے پیدا ہونے سے اس کے غیر کے پاس کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی اس لئے کہ اس وقت عالم میں نور نبی کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔
(کشف الخفاء، اسماعیل عجلونی۔ حرف الھمزہ حدیث ۸۲۷)

جس طرح حدوث کے دو معنی ہیں اسی طرح یہ قدم کے مقابل میں بھی بولا جاتا ہے۔ قدم فی نفسہٖ یہ ہے کہ اس کے وجود سے پہلے عدم نہ ہو اور اس کے حدوث سے اس کے غیر کے پاس کوئی شئی متجدد نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو پیدا فرمایا بعد اس کے کہ کچھ نہیں تھا اور ہر چیز کو اس کے زمانہ حادث میں پیدا فرمایا اس سے پہلے صفحہ ہستی میں نہ وہ چیز تھی نہ اس کا زمانہ۔ لیکن اس کے حدوث دوجود سے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شئی متجدد نہیں ہوتی نہ علم نہ حضور نہ ایجاد اور نہ معیت، ان کے سوا اور کوئی چیز معقول ومتبادر نہیں۔

علم اس لئے قدیم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ازلاً وابداً جانتا ہے اور حضور شئی اس لئے قدیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر شئی ازلاً وابداً حاضر ہے، حضور سے مراد شئی کا علم ہے عین شئی نہیں۔ جیسا کہ سفہاء فلاسفہ وعاء دہر کے قائل ہیں۔

شرح مواقف میں اس کی توضیح وتشریح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب مکانی نہیں تو اس کی نسبت تمام مکانوں کی طرف برابر و یکساں ہوگی۔ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مکانوں میں قریب، دور اور متوسط کا قیاس نہیں ہوگا اسی طرح جب وہ اور اس کی صفات حقیقیہ زمانی نہیں تو ماضی، مستقبل اور حاضر کا اس کی طرف قیاس کرتے ہوئے وہ زمانے سے متصف نہیں ہوگا بلکہ تمام زمانوں کی طرف اس کی نسبت برابر ہوگی۔ ازل سے ابد تک تمام موجودات ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور اس کے علم میں تھا، ہے، اور ہوگا کا اطلاق نہیں ہے بلکہ تمام زمانے ہمہ وقت اس کے پاس حاضر ہیں۔

(شرح المواقف، جرجانی۔ جز ۸ باب ۵ مرصد ۴ فی الصفات الوجودیۃ)

قوشجی نے شرح تجرید میں ان کی پیروی کی اور اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی معلوم ہوا کہ زمانہ اپنی تمام چیزوں کے ساتھ ازل میں معدوم ہونے کے باوجود اللہ عز وجل کے نزدیک حاضر ہے ازلاً و ابداً اس کے سامنے اور اس کی رویت میں ہے کوئی ذرہ اس سے دور اور جدا نہیں اس بنا پر کہ رویت کی صحت وجود بالفعل ہے، وجود کی خصوصیت فی الحال نہیں ہے جیسا کہ اسے حدیقہ ندیہ میں اختیار کیا گیا اور عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ "تمام زمانے اللہ عز وجل کے پاس حاضر ہیں"۔

اس کے صفات افعال بھی قدیم ہیں

ایجاد قدیم ہے اس لئے کہ مکونات حادث ہیں اور تکوین ہمارے نزدیک قدیم ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق ہے اور رزق دینے سے پہلے بھی رازق ہے۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ صفات فعلیہ یعنی تخلیق، ترزیق، انشاء ابداع اور صنع وغیرہ ازلی ہیں، اس کے اسماء اور صفات ازلی ہیں اس کا کوئی اسم وصفت حادث نہیں۔ وہ اپنے علم سے ازلی طور پر عالم ہے اور علم ازلی صفت ہے، وہ اپنی قدرت سے ازلی طور پر قادر ہے اور قدرت ازلی صفت ہے، وہ

ازل میں اپنے کلام سے متکلم ہے اور کلام ازلی صفت ہے، وہ ازل میں اپنی تخلیق سے خالق ہے اور تخلیق ازلی صفت ہے، اور اپنے فعل سے ازلی فاعل ہے اور فعل ازلی صفت ہے، مفعول مخلوق ہے اور اللہ عزوجل کا فعل مخلوق نہیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں متکلم تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام نہیں تھا وہ ازل میں خالق تھا اور مخلوق نہیں تھی۔

(فقہ اکبر، امام اعظم ابوحنیفہ)

امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدے کے بیان میں فرماتے ہیں کہ یہ بات نہیں ہے کہ جب سے مخلوق بنی تب اسم خالق مستفاد ہوا اور یہ بھی نہیں کہ مخلوق کے حادث ہونے سے اسم باری تعالیٰ مستفاد ہوا۔ اس کے لئے ربوبیت کا معنی تھا اور مربوب نہیں تھا اور خالقیت کا معنی تھا مخلوق نہیں تھی۔

(امام ابوجعفر طحاوی، فی عقیدتہ مع شرح الخالق الباری)

عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا فعل حادث نہیں بلکہ اس کا مفعول حادث ہے"

معیت قدیم ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمانہ سے بلند و بالا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس حادث کا زمانہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ازل میں حدوث کے سبب سے نہیں تھا پھر جب زمانہ حادث ہوا تو اس کے ساتھ موجود ہوا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ زمان میں تھا نہ ہوگا جس طرح وہ مکان میں تھا نہ ہوگا۔ مگر معیت علیہ اسے ازل ہی سے حاصل ہے یہ بات اسی بیان مذکور و موصوف کے طریقے پر ہے۔ اور عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ "اللہ عزوجل پر زمانہ نہیں گزرتا ہے۔"

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر حادث فی نفسہ حادث ہوتا ہے اور مخلوق اول کے سوا جو حادث ہے وہ دوسرے حادث کے پاس ہے اس لئے کہ جو نہیں تھا اس کے حدوث سے شئی متجدد ہوگی۔ وہ شئی معیت زمانیہ کے مثل یا تو علم ہے یا حال۔ اور معنی مذکور کے

اعتبار سے باری تعالیٰ کے پاس کوئی چیز حادث نہیں۔ لہٰذا پورا عالم اسی کے پاس ہے یعنی اسی کے حکم میں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران۔۱۹)

بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ عالم حادث ہے اور کوئی شئی اس کے یہاں حادث نہیں یعنی اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے حادث نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شئی اپنے حدوث کے سبب سے متجدد نہیں ہوتی، جیسا کہ ماسبق میں توفیق الٰہی سے میں نے بیان کیا۔ عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ عرش وکرسی دونوں کا قدیم ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف دونوں کی ایجاد کی نسبت کرتے ہوئے ہے۔

یہ سوال پھر بھی باقی رہے گا کہ اس میں عرش وکرسی کی کیا تخصیص بلکہ ہر شئی اسی طرح ہے؟

اس کے دو جواب ہیں

اول: یہ قول موجب کے اعتبار سے ہے تو عرش وکرسی دونوں سے وہ مراد ہیں جو عالم کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے احاطہ میں پورا عالم ہے۔ عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ وہی پورے عالم کا مجموعہ ہے۔

قدم زمان کے قائلین کو جس نے گمراہ کیا اس کا انکشاف

فائدہ: حدوث کا اعتبار لوگوں نے زمانے کے اعتبار سے کیا ہے اس لئے کہ لوگ زمانہ کے دائرہ سے خارج وباہر نہیں ہیں تو وہ عدم زمان سمجھ ہی نہیں سکتے وہ صرف زمانے کا وجود ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کی تعبیر اس سے کی جاتی ہے کہ زمانہ حادث ہوا بعد اس کے کہ وہ نہیں تھا اور اس بعدیت میں قبل وبعد جمع نہیں ہوں گے۔ اور یہ تو صرف بعدیت زمانیہ ہے تو زمانہ سے پہلے زمانہ ہونے کا وہم ہوگا، اسی بات سے سفہاء فلاسفہ گمراہ وبددین ہوئے، انہوں نے کہا کہ زمانہ قدیم ہے اسے قدم حرکت لازم ہے

جو حرکت کی مقدار ہے اور اس سے متحرک کا قدیم ہونا لازم ہے متحرک فلک اعلیٰ ہے اور اس سے ان سب کا قدیم ہونا لازم ہے جو افلاک و عناصر کے جوف و درمیان میں ہیں کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک خلاء محال و ناممکن ہے۔ یہ صرف وہم و خیال کی اپج ہے فلاسفہ کا اس سے نکلنا مشکل ہے۔ جس طرح بعد کے تصور سے وہم کبھی ختم نہیں ہوگا جو فلک اعلیٰ کے محدب (دیکھنے میں آسمان جھکا ہوا محسوس ہوتا ہے اسی کیفیت کو محدب کہتے ہیں) سے خارج و باہر ہو اس لئے کہ وہ جسم متناہی ہے اور متناہی انقطاع ہی سے ہوتا ہے اور وہم کسی چیز کے انقطاع کا تصور نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کا ماوراء اس سے خالی ہو، اگر خالی نہ ہو تو جسم منقطع نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تک باقی رہے گا لہٰذا منقطع ابعاد کا ماوراء بعد کے تصور سے بالکل جدا و دور نہ ہوگا۔ عقل کہتی ہے کہ یہ اجتماع نقیضین ہے لیکن وہم کسی چیز کے انقطاع سے مانوس و آگاہ نہیں ہے مگر جبکہ اس کا ماوراء خالی ہو، انتہائے ابعاد کے بعد تصور بعد کے بغیر وہم راضی نہیں۔

اسی طرح جب سوال کیا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوسرا آسمان بنانے پر قادر ہے؟ تو اثبات میں جواب دیئے بغیر خصوصاً مسلمان کو کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا اس کے اوپر ایک فضا کے تصور سے کچھ مانع اور حائل نہیں جس میں دوسرے آسمان کی تخلیق ہو جائے اگرچہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ابعاد متناہی ہیں اس کے ماوراء میں کوئی بعد بالکل ثابت نہیں۔

اقول، ہم اس شئی کا بیان کریں جس میں فلاسفہ ہم سے متفق ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حوادث کے وجود پر مقدم ہے تقدم ذاتی پر بدیہی طور پر ایک زائد چیز ہے کیونکہ وہ ہر قدیم و حادث کو حاصل ہے اور یہ حادث کے ساتھ خاص ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور زید نہیں تھا۔ اور ہمارا یہ کہنا درست و صحیح نہیں کہ اللہ عزوجل تھا اور اس کا علم نہیں تھا۔ یا فلاسفہ کے طریقے پر یہ کہو کہ زید کا وجود باری تعالیٰ کے وجود کے بعد ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک یہ کہنا درست نہیں کہ عقل اول کا وجود، وجود باری تعالیٰ کے وجود کے بعد ہے ورنہ علت تامہ سے معلول کا بعد میں ہونا لازم آئے گا، وہم کے لئے

اس تقدم کا تصور ممکن نہیں مگر یہ کہ ایک غیر متناہی مدت فرض کی جائے جس میں اللہ کا وجود حوادث کے وجود سے پہلے ہو، ہمارے اجماع و اتفاق سے یہ عین زمانہ ہے۔ بعض فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ زمانہ سے بلند وبالا ہے اور اس کا زمانے میں ہونا محال ہے۔ وہم جب زمان اصلی کا عدم تصور کرے تو وہ اس پر قادر نہ ہوگا مگر یہ کہ ایک ایسا زمانہ تصور کرے جس میں عدم زمان کا وجود ہو پھر اس کے بعد زمانہ پیدا ہو تو زمانہ سے پہلے زمانہ کا ہونا لازم آئے گا اور یہ نہیں ہے مگر مقام وہم کی تنگی، اور یہ زمانہ کے دائرہ سے نکل نہ سکنے کی دلیل ہے اس کا یقین کرو یہی خالص حق وراستی ہے۔ وللہ الحمد۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو عرش وکرسی کی تخلیق زمانہ پیدا ہونے سے پہلے ہوگی کیونکہ زمانہ آسمان نہم کی حرکت کی مقدار کا نام ہے نہم آسمان کو فلک اطلس کہتے ہیں فلک اطلس کے اوپر کرسی اور کرسی کے اوپر عرش ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ اوپر کا فلک (اطلس) ہی عرش ہے جیسا کہ فلاسفہ سمجھتے ہیں اور ظواہر نصوص سے اس کا رد ثابت ہے، تو اس کے اول حدوث ہونے میں کوئی شک وریب نہیں جو غیر متحرک ہے کیونکہ حرکت یہ ہے کہ دوسرے کون میں ہو، دوسرے مکان میں ہو، یا دوسری وضع پر ہو، لہٰذا عرش و کرسی کے وجود کی ابتدا میں کوئی حرکت اور کوئی زمانہ نہ تھا اسی وجہ سے ان دونوں کو تمام افلاک میں خصوصیت حاصل ہوئی اس لئے دونوں کا وجود زمانہ کے وجود سے پہلے ہے جس کے حساب سے حدوث معتبر ہے، عارف نابلسی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ ”زمانہ کا وجود تمام افلاک کو دیکھتے ہوئے ہے عرش وکرسی کے اعتبار سے نہیں، عارف نابلسی کے کلام کی یہی تحقیق ہے۔ وللہ الحمد

سنی کی طرف منسوب گمراہ کلمہ کے بارے میں عمل

اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ محشی اس کے کلام کی تاویل مراد لیتے ہیں جس سے انہوں نے اپنے حاشیہ میں نقل کیا۔ ارباب مکاشفہ میں سے جس نے امر مذکور کا قول کیا (یہ اس صورت میں ہے جبکہ ان سے یہ بات ثابت ہوجائے) اس کی تاویل میں

انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے "ان کی مراد" یہ نہیں کہا کہ "محشی کی مراد"۔ اور ایسی توجیہ کی کلام میں جس کا احتمال نہیں کہ عرش وکرسی سے مراد پورا عالم ہے یا زمانہ سے پہلے حدوث مراد ہے لہٰذا محشی کے لئے تاویل مفید و نفع بخش نہیں۔

یہ کیونکر ہے یہ تو شرح مقاصد کے کلام کا معارض و منافی ہے اور یہ یقین وجزم سے معلوم ہے کہ ان کا کلام اس حدوث سے متعلق ہے جو معنی اول کے اعتبار سے حدوث ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس معنی کے اعتبار سے عالم کی کسی شئی کے حدوث کا انکار کفر اور تکذیب ہے جیسا کہ خود عارف نابلسی نے دوسرے مقام پر اس کی صراحت ووضاحت کی ہے۔ اس بات میں محشی کا کوئی عذر ملنا معلوم نہیں ہوتا ہاں یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض وہ لوگ جنہیں خدا کا خوف نہیں انہوں نے ان کے کلام میں مکر وسازش کردی اور اپنی طرف سے موہوم بات کا اضافہ کردیا، جیسا کہ ایسے ناخداترس لوگوں نے بہت سارے بندگان خدا کے ساتھ ایسا کیا۔ سیدی عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اور میری کتاب "البحر المورد" میں بھی سازش ودسیسہ کاری کی گئی ہے۔

(الیواقیت والجواہر فصل ا، بیان شیخ محی الدین)

لہٰذا وہی تحریف شدہ نسخہ سیدی نابلسی کے ہاتھ لگا، وہی یا اس کا دوسرا نسخہ مطبع والوں کے ہاتھ لگا اور وہی محرف بات رائج ومشہور ہوگئی جیسا کہ فتوحات مکیہ وغیرہ میں تحریف وتبدیل واقع ہوئی ہے۔ حفظ وامان صرف اللہ کے یہاں ہے۔

تحریف وترمیم کی سازش سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان تمام کتابوں سے حفظ وامان اٹھ جائے جو قرأت متصلہ سے مروی نہیں، اس کی طرف رجوع صرف اس لئے کیا گیا تاکہ علماء کرام میں سے چند لوگوں سے بڑا مفسدہ زائل ودور کیا جائے۔ یہ تو اس باب سے ہے کہ جو دو بلاؤں میں گرفتار ہو وہ ان کا آسان تر اختیار کرے، بلکہ یہ تو اس باب سے ہے جس میں یقین واعتماد کی حاجت ہے کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس

کا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ علم وفضل بھی مشہور ہے اور اس کی کوئی بدعت و بدعقیدگی معلوم نہ ہوئی نہ اس پر ضلالت و گمراہی کا الزام لگا۔ اور اس بات میں ہمارے لئے قریب قریب کوئی سند متصل نہیں اور نہ اس بات کا ان کے زمانے میں مشہور ہونا معلوم ہوا کہ ان پر مواخذہ و گرفت کی جائے اور وہ جواب کا قصد و ارادہ کرے یا سکوت اختیار کرے تا کہ ہم ان سے اس بات کی حجت پر استدلال کرسکیں۔ اور اس میں واسطہ در واسطہ ایک غیر معلوم شخص کی نقل بھی کافی نہیں اور نہ طبع کا مشہور ہو جانا بے نیاز کرے گا کیونکہ اس کی نسبت ایک مجہول و نا معلوم شخص کی طرف ہے اور اس کے اوپر جو واسطے ہیں وہ مجہول ہیں۔ ہاں حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ اس نقل پر وثوق و اعتماد کیا جائے تو یہاں اتنا ہی کافی ہے جہاں حسن ظن پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

لیکن اس سے پہلے جس بات سے تکفیر کی گئی وہاں کفر کا سبب موجود تھا کیونکہ ظن حق سے کسی شئی کو بے نیاز نہیں کرتا اور حسن ظن تو نقل مجہول میں ثابت ہوگا کفر کی صریح و واضح بات میں نہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب آفات اللسان میں صراحت کی ہے کہ بغیر ثبوت و تحقیق کے کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں، ہاں[1] یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ابولولو نے عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر و تسلسل سے ثابت ہے۔ اسے پہچانو اور اس پر گامزن رہو۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (احیاء العلوم، کتاب آفات اللسان)

---

[1] ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں منقول ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ابولولو نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت نہیں ہے۔

یہ تحریف شدید ہے شرح کے بعض ناقل سے ایسا واقع ہوا یا احیاء العلوم کے نسخہ میں ایسا ہوا اور وہی نسخہ ملا علی قاری کو ملا یا شروع میں تو درست نقل کیا پھر بعد میں سہو ہوا۔ منہ۔

(منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر۔ الکبیرۃ لا یخرج المومن من الایمان)

فصل

حضور علیہ السلام کے عموم علم میں نقض کرنے والوں کا رد

اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے نصوص کا عموم ثابت کر دیا اور خصوص کے رد و ابطال سے فارغ ہو گئے اب ہم ان شبہات پر کلام کرنا چاہتے ہیں جن سے رسالہ مذکورہ نے عموم کے کمزور وضعیف ہونے پر جلد ہجوم کرنے کے لئے استدلال کیا ہے۔ اگر تم ہماری کتاب پر غور کرو تو ظلمات و تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور آفتاب ہدایت سے بادل ہٹ جائیں گے۔ یہ شبہات اس لئے لاحق ہوئے کہ رسالہ نے ابتدا اور نقل میں ابن قیم سے استشہاد و استدلال کیا جو اپنے دین و مذہب میں چودہ چیزوں سے متہم و معتوب ہے اس رسالہ کی سعی و کوشش کی یہی انتہا ہے اس کا نصف حصہ ابن قیم سے منقول ہے۔

ابن قیم کی طرف چودہ باتیں جو منسوب ہیں جن سے وہ متہم ہوا ہے یہ ہیں:

ا۔ حالانکہ اسی (رسالہ کے ص ۴ پر) قیامت کے بارے میں جو نصوص ہیں ابن قیم نے انہیں زوردار انداز میں بیان کیا ہے۔

۲۔ ابن قیم سے (ص ۲۸ پر) اس آیت کریمہ کے بارے میں ہے

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ (التوبہ ۱۰۱)

(ترجمہ) اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق۔ تم انہیں نہیں جانتے۔

(کنزالایمان)

ابن قیم نے کہا کہ یہ سورہ برأت کی آیت ہے اور یہ نزول میں سب سے آخری آیت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور منافقین، مدینہ میں ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔

یعنی کہنا چاہتا ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آخر عمر شریف کے قریب اپنے قریبی پڑوسی کو نہیں جانا تو دوسرے کا حال حضور کو کیا معلوم ہوگا؟

۳۔ ابن قیم سے (ص ۲۹ پر) اس آیت کے بارے میں ہے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الانعام، ۵۰)

(ترجمہ) تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔ (کنز الایمان)

۴۔ ابن قیم کا قول (ص ۲۹ پر) اس آیت سے متعلق ہے

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ (الاعراف، ۱۸۸)

(ترجمہ) اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی۔ (کنز الایمان)

۵۔ (ص ۲۹ پر) حدیث افک کے بارے میں ابن قیم سے نقل کیا

۶۔ ابن قیم سے، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہار گم ہونے کی حدیث کے بارے میں نقل کیا کہ جب اسے تلاش کرنے کے لئے بھیجا تو اونٹوں کو دوڑادیا۔

۷۔ ابن قیم سے (ص ۲۹ پر) تلقیح تمر یعنی نر اور مادہ کھجور کے شگوفہ ملانے کی حدیث کے بارے میں نقل کیا۔

۸۔ (ص ۱۹ پر) حدیث شفاعت میں ہے، میں اپنے رب کی وہ حمد وثنا کروں گا جو اس نے مجھے سکھائی۔

۹۔ (ص ۱۸ پر) وفات اقدس سے پہلے جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ قیامت کا علم میرے رب کے پاس ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

۱۰۔ (ص ۲۲ پر) بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو لڑکیاں گا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں "فینا نبی یعلم ما فی غد" "ہم میں وہ نبی تشریف فرما ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ رہنے دو اسے نہ کہو، کہ کل کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۱۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں درود وسلام پہنچنے اور حضور پر امت کے اعمال پیش ہونے کی احادیث۔

رسالہ مذکورہ نے ان میں سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو نقل کیا کہ اللہ کے کچھ فرشتے میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

اور بکر بن عبداللہ مزنی کی حدیث مرسل میں ہے "جب میں وفات پاؤں تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔"

اور باقی حدیثوں کے لئے شفاء السقام کا حوالہ دے دیا۔

رسالہ نے (ص ۱۶ پر) کہا یہ احادیث ناطق ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے درود وسلام پر جو قبر شریف سے دور ہیں مطلع نہیں ہیں اور نہ اپنی امت کے اعمال پر آگاہ ہیں ہاں فرشتوں کے پہنچانے کے بعد مطلع ہوتے ہیں۔

۱۲۔ (ص ۲۵ پر) ابن جدیر سے روایت ہے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کی کنجیوں کے سوا ہر چیز دی گئی ہے۔

۱۳۔ (ص ۲۵ پر) امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم سے اولین وآخرین کے علوم کی کیا نسبت وتعلق ہے اللہ کا علم تو سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ حد ونہایت سے خارج وباہر ہے یہاں تک کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ

اس کے علم سے جدا و دور نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو خطاب کیا اور فرمایا

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء، ۸۵)

اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ (کنزالایمان)

بلکہ اگر زمین و آسمان والے اس بات پر جمع ہوں کہ ایک چیونٹی اور مچھر جیسی مخلوق کی تفصیل میں اس کے علم و حکمت کا احاطہ کریں تو اس کے عشر عشیر (دسواں حصہ) پر مطلع و آگاہ نہیں ہو سکتے۔

۱۴۔ ائمہ کے کلام میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ قرآن کریم میں وہ علوم ہیں جنہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، ان میں سے متشابہات کو شمار کیا گیا ہے۔

اقول، جو میری کتاب کے پانچ حرف پر بھی یقین و اعتماد رکھے تو اس پر ان شکوک و شبہات کا رد کرنا آسان و سہل ہو جائے گا اگرچہ یہ شبہات اور کئی گنا ہوں۔

اول: اثبات و نفی کے نصوص و دلائل کے درمیان جو توفیق و تطبیق ہم نے بیان کی وہ تمام آیات اور نمبر ۱۰ کے جواب کو کافی ہے۔

ثانی: ہمارے مقصود و مدعا کی تحریر یہ ہے کہ ذات و صفات کے علوم کا احاطہ اور بعض وہ شئی جو بالفعل غیر متناہی ہیں وہ مخلوق کے لئے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں۔ بیشک قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم روز اول سے لے کر روز آخرت کے تمام ما کان و ما یکون کو محیط ہے اور اس پر مزید اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے علوم کا اضافہ فرمایا۔ دنیا تو روز اول سے روز آخرت تک کو کہتے ہیں اور آخرت وہ ہے جس کا شمار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا وہ جانتا ہے جسے اللہ و رسول محبوب و مقرب رکھتے ہیں، جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ بات تمہیں نمبر ۸ اور نمبر ۱۴ کے جواب کے لئے کافی و وافی ہے۔

ثالث: یہ بات عنقریب کتاب میں آئے گی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم نزول قرآن مکمل ہونے کے وقت جامع اور مکمل ہوئے۔ یہ تمہیں پہلے

سات اور نمبر ۹ اور ۱۰ کے جواب کو کافی ہے۔

رابع: احتمالی شئی سے صریح کا رد کرنا مردود، باطل ہے، یہ اکثر بات کے جواب کو کافی ہے خاص طور سے نمبر ۳، ۴، ۱۰، ۱۱، ۱۲، اور ۱۳ کے جواب کو کفایت کرے گا اور نمبر ۲ اور نمبر ۸ کے علاوہ ہر ایک کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو۔

خامس: قرآن کریم کے نصوص، احادیث احاد کے معارض نہیں ہیں، آیات کے علاوہ ہر ایک کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے۔

ابن قیم اور اس کے متبعین نے میری کتاب کو نہیں سنا تو وہ اپنے فہم وفراست کی کمی اور اس پر متنبہ و آگاہ نہ ہونے کے سبب سے معذور ہیں۔ لیکن رسالہ مذکورہ کے لئے کوئی عذر نہیں ہے لہٰذا جو انصاف پسند ہے اسے اتنا ہی کافی ہے اور دوسرے اور چودھویں شبہ کا تشفی بخش رد گزر چکا، پہلے شبہ کے بارے میں قول فیصل آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور میں مزید بعض باقی کو واضح و روشن کرنا چاہتا ہوں تا کہ آفتاب نیمروز سے زیادہ ظاہر و آشکارا ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

آیت مبارکہ "لا تعلمهم نحن نعلمهم" اور تین جواب

فاقول: (۱) ابن قیم کے لئے ایک بار اور رسالہ مذکورہ کے لئے تین بار تعجب و افسوس ہے کہ دونوں نے منافقین کے بارے میں اس آیت کریمہ کو یاد کر لیا

لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبہ، ۱۰۱)

تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اور وہ دونوں اس آیت مبارکہ کو بھول گئے

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران، ۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔ (کنز الایمان)

ابن منذر و ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کے بعد منافقین کا حال بتا دیا پھر حضور نے منافقین میں سے ہر شخص کا نام لے کر بلایا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ محمد حدیث ۱۸۵۹۰)

ابن جریر و ابن ابی حاتم اور طبرانی اوسط میں اور ابوالشیخ و ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمانے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کہ تو منافق ہے پھر انہیں نام بنام آواز دے کر نکال دیا گیا۔

(جامع البیان طبری۔ سورہ توبہ آیت و ممن حولکم الایۃ)

ابن مردویہ ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم اس سے پہلے ایسے پرشکوہ خطبہ میں کبھی حاضر نہ ہوئے، حضور نے فرمایا کہ اے لوگو بیشک تم میں کچھ لوگ منافق ہیں تو میں جس کا نام لوں وہ فوراً کھڑا ہو جائے، اے فلاں کھڑا ہو جا، اے فلاں کھڑا ہو، یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے ۳۶ لوگ کھڑے ہوئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں سے، بیشک تم میں سے، لہٰذا تم اللہ سے راحت و عافیت کا سوال کرو۔ (درمنثور، سیوطی۔ سورۂ توبہ)

اللھم انا نتوسل الیک بجاہ حبیبک ھذا المرتجیٰ لکل ھول، ونسألک العفو و العافیۃ فی الدین و الدنیا و الاخرۃ وصل وسلم و بارک علیہ وعلیٰ الہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ اجمعین آمین یا ارحم الرحمین۔

آیت مبارکہ

ولو نشاء لا رینا کھم فلعر فتھم بسیمھم، کے تحت امام بغوی کی تعلیقات

اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ان کو دکھادیں کہ تم ان کی صورت سے پہچان لو۔

(کنزالایمان)

امام بغوی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منافقین کا کوئی حال مخفی و پوشیدہ نہ تھا حضور انہیں ان کی صورتوں سے پہچانتے تھے۔ (معالم التنزیل بغوی، سورہ توبہ)

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رازدار اور اسرار کی عظیم زنبیل ہیں وہ منافقین کے ایک ایک شخص کو ان کی صورت و سیرت سے بخوبی پہچانتے تھے۔

ابن عساکر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا میرے قریب سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے حذیفہ! بیشک فلاں (منافق) تو مر گیا، تم اس پر گواہ ہو جاؤ۔ پھر عمر فاروق مسجد کے اندر گئے یہاں تک کہ جب مسجد سے نکلنے لگے میری طرف توجہ فرمائی اور مجھے بیٹھا دیکھا، انہیں معلوم ہو گیا اور میری طرف تشریف لائے اور فرمایا اے حذیفہ! میں تم سے اللہ کے واسطہ سے پوچھتا ہوں کیا میں انہیں لوگوں میں سے ہوں، میں نے عرض کیا اللہ کا شکر ہے کہ آپ ان میں سے نہیں ہیں اور آپ کے بعد میں کسی کی برأت بیان نہیں کروں گا۔ حذیفہ کہتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا کہ عمر خود میرے

پاس آئے۔ (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر۔ محمد بن مکرم ترجمہ حذیفہ بن یمان رقم ۱۵۰)

رستہ کتاب الایمان میں حمید بن ہلال سے راوی عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے پاس آئے جس کی نماز جنازہ ہو رہی تھی حضرت عمر نے اس پر نماز پڑھنے کے لئے وضو کے واسطے پانی منگایا وہاں پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے حذیفہ نے بہت زور سے حضرت عمر کی چٹکی لی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے بارے میں بغیر بتائے ہی سمجھ گئے اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ پھر عمر نے فرمایا اے حذیفہ! کیا میں انہیں میں سے ہوں؟ حذیفہ نے عرض کیا کہ نہیں آپ ان میں سے نہیں ہیں، عمر نے فرمایا کیا میرے عمال و امراء میں سے کوئی ان میں سے ہے؟ حذیفہ نے کہا ہاں ایک شخص ہے۔ گویا کہ حذیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس شخص کے بارے میں بتایا یہاں تک کہ تفصیل بتائے بغیر ہی وہاں سے انہوں نے عمر کو کھینچ لیا۔ اور جنازہ پر نماز پڑھنے کی مہلت نہیں دی۔

(کنز العمال، ترجمۃ حذیفہ۔ حدیث ۳۶۹۶۱)

نیز رستہ کتاب الایمان میں زید بن وھب سے راوی، ایک منافق کی موت ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر نماز نہیں پڑھی، حذیفہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کیا یہ انہیں لوگوں میں سے ہے کہا ہاں، حضرت عمر نے حذیفہ سے فرمایا میں اللہ کے واسطے سے تمہیں پوچھتا ہوں کیا میں انہیں میں سے ہوں؟ حذیفہ نے کہا نہیں آپ ان میں سے نہیں ہیں اور آپ کے بعد میں یہ بات ہرگز کسی سے نہیں کہوں گا۔ (کنز العمال، ترجمۃ حذیفہ۔ حدیث ۳۶۹۶۲)

فرمان اقدس

سلونی فواللہ لا تسألونی عن شئی الااخبر تکم بہ مادمت فی مقامی ھذا

مجھ سے پوچھو قسم خدا کی میں جب تک اس جگہ ہوں تم جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے وہ میں تمہیں بتادوں گا۔

ابن جریر سدی سے مختصراً متفرق مقامات سے راوی اور بغوی نے تعلیقاً پوری حدیث کو طوالت کے ساتھ روایت کیا سدی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت ان صورتوں میں پیش کی گئی جو آب وگل میں تھیں جس طرح انہیں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پر پیش کیا گیا مجھے معلوم ہوگیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، یہ بات جب منافقین کو معلوم ہوئی تو انہوں نے ازراہ مذاق واستہزاء کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ وہ مومن وکافر کوان کی پیدائش سے پہلے ہی جانتے ہیں۔اور ہم تو ان کے ساتھ ہیں مگر وہ ہمیں نہیں پہچانتے، یہ خبر جب حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی حضور منبر اقدس پر جلوہ فرما ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ میرے علم پر طعن کرتے ہیں ابھی سے قیامت تک کی جس شئی کے بارے میں تم مجھ سے پوچھو گے وہ میں تمہیں بتادوں گا، یہ سن کر عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حضور کا یہ جلال وغضب دیکھ کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہم اللہ سے راضی ہیں کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہم اسلام سے

راضی ہیں کہ وہ ہمارا دین ہے اور ہم قرآن سے خوش ہیں کہ وہ ہمارا امام ہے اور ہم نے آپ کو یا رسول اللہ برضا و رغبت اللہ کا نبی مان لیا ہے آپ ہمیں معاف فرمادیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجات و مراتب بلند و بالا فرمائے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اب باز رہو گے؟ اس کے بعد حضور منبر انور سے نیچے تشریف لائے اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الایۃ۔ (آل عمران،۱۷۹)

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو۔ (کنزالایمان)

(معالم التنزیل بغوی، سورہ آل عمران)

اور اصل حدیث صحیحین و ترمذی اور نسائی میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر کے وقت تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد منبر اقدس پر جلوہ فرما ہوئے قیامت اور قرب قیامت کے بڑے بڑے امور کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جو کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ پوچھ لے قسم خدا کی جب تک میں اس جگہ تشریف فرما ہوں مجھ سے جو پوچھو گے وہ میں تمہیں بتادوں گا۔ (بخاری کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرۃ السوال)

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ مجھ سے جو پوچھو گے وہ میں بیان کردوں گا۔

(مسلم کتاب الفضائل باب توقیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

ابن جریر کی روایت میں ہے آج مجھ سے جو پوچھو گے میں وہ سب بیان فرمادوں گا۔

ابن جریر کی دوسری روایت میں مجاہد سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے سوال کرو، جو آدمی مجھ سے اس مجلس میں جس چیز کے بارے میں پوچھے گا میں اسے بتادوں گا اگرچہ وہ اپنے باپ سے متعلق پوچھے میں وہ بھی بتادوں گا۔

(ابن جریر، جامع البیان۔ المائدۃ آیت لاتسئلوا عن اشیاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ بکثرت گریہ وزاری کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا دوزخ میں، پھر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ حذافہ ہیں۔

(بخاری کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرۃ السوال۔ مسلم کتاب الفضائل)

بخاری نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ زیادہ کیا کہ پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ سالم مولیٰ شیبہ ہیں۔

(بخاری حوالہ مذکور)

ابن جریر کے یہاں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا میرے باپ کہاں ہیں؟ فرمایا دوزخ میں۔

(جامع البیان طبری، المائدۃ آیت لاتسئلوا عن اشیاء)

حدیث انس کا بقیہ حصہ یہ ہے کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار بکثرت فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو، یہ شان جلال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوگئے اور عرض کیا ہم اللہ سے راضی ہیں اسے رب مان کر اور ہم اسلام سے راضی ہیں اسے دین سمجھ کر اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہم نے برضا و رغبت رسول مان لیا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش کی تب حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہوئے، سکوت اختیار فرمایا۔

(بخاری، کتاب الاعتصام باب ما یکرہ من کثرۃ السوال)

مرسل سدی میں متفرق طور پر ابن جریر کے حوالے سے ہے کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے حضور کے پائے اقدس کو بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ سے راضی ہیں وہ ہمارا رب ہے اور آپ سے خوش ہیں آپ ہمارے نبی ہیں اور اسلام ہمیں محبوب و پسند ہے وہ ہمارا دین ہے اور قرآن عظیم سے ہمیں رغبت

ہے وہ ہمارا امام و پیشوا ہے آپ ہماری خطائیں معاف فرما دیں اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج و مراتب بلند و بالا فرمائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار بتکرار یہی عرض کرتے رہے یہاں تک کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی وخوش ہوگئے۔

(جامع البیان طبری۔ المائدۃ آیت لاتسئلوا عن اشیاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے قبضۂ تصرف میں میری جان ہے ابھی جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو اس دیوار کے ایک گوشے میں مجھ پر جنت و دوزخ کو پیش کیا گیا تو میں نے آج کے مثل اچھا اور برا منظر کبھی نہیں دیکھا یعنی جنت کا منظر اچھا اور عمدہ تھا، دوزخ کا منظر برا اور قبیح۔ (بخاری کتاب الاعتصام۔ مسلم کتاب الفضائل)

حافظ ابن حجر فتح میں ان سوالات کے بیان میں فرماتے ہیں جو لوگوں نے پوچھے، پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب و جلال میں آگئے اور فرمانے لگے مجھ سے پوچھو، مجھ سے سوال کرو، قسم خدا کی مجھ سے جس چیز کے بارے میں پوچھو گے وہ میں تمہیں بتادوں گا۔

● ان سوالات سے اس کا سوال بھی معلوم ہوا جس نے کہا تھا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟

● اور جس نے بحیرہ اور سائبہ کے بارے میں پوچھا تھا۔ (بحیرہ اور سائبہ ان جانوروں کا نام جنہیں مشرکین بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے)

● اور جس نے وقت قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا۔

● اور جس نے حج کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا حج ہر سال واجب ہے؟

● اور جس نے کوہ صفا کو سونے میں تبدیل کردینے کا سوال کیا تھا؟

(فتح الباری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء نے فرمایا ہے کہ حضور سید کونین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان (مجھ سے پوچھو) اس بات پر محمول ہے کہ حضور پر وحی ہوئی اور حکم الٰہی نازل ہوا ورنہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر غیب کی ہر بات اور ہر سوال کا جواب حضور نہیں جانتے ہیں۔ (شرح مسلم نووی، کتاب الفضائل)

قلت، قسم خدا کی اگر اس وقت حقیقت روح کے بارے میں صحابہ کرام سوال کرتے تو حضور انہیں ضرور بتا دیتے، یا حروف مقطعات کے معانی و مطالب کے بارے میں پوچھا جاتا تو انہیں تعلیم فرما دیتے، یا وقت قیامت سے متعلق سوال ہوتا تو ضرور خبردار و آگاہ فرما دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان سوالات اور ان باتوں سے پھیر دیا اور وہ ان باتوں میں لگ گئے کہ میں کہاں ہوں، میرے باپ کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ اور میرے باپ کون ہیں؟ حالانکہ اس سے پہلے وہ لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے تھے اور اس کے بعد بھی پوچھا لیکن اس جگہ ان کے دلوں میں قیامت کے بارے میں پوچھنے کا کوئی خیال و وسوسہ نہ ہوا۔ یہ تو اللہ عز وجل کی طرف سے پھیر دینا معلوم ہو رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے پورا فرما دے جو ہونے والا ہے اور وہ جان لیں کہ سارا کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے علاوہ ان کے لئے کوئی بھلائی نہیں اور اللہ کی مشیت و ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمارے مخالفین کو اس ارشاد اقدس کے پیش نظر احتراز و اجتناب کرنا چاہئے جو حدیث میں گزرا کہ آقائے کائنات نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں لہٰذا ان سے اجتناب کرو جن کے قول منافقین کے قول کے مشابہ و مماثل ہیں۔ نسأل الله العفو و العافية۔

اور وہ بھی احتراز کریں جو اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روز پیدائش ہی سے ہر چیز کو جانتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اس بات پر آیت کریمہ (لا تعلمهم نحن نعلمهم) سے استدلال کیا کہ حضور پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہو گا جس میں حضور منافقین کو نہیں جانتے تھے۔ نسال الله السلامة۔

آیت مبارکہ

لا اعلم الغیب، اور پانچ جواب

۲۔آیت کریمہ، قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ

(الانعام، ۵۰)

(تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔ کنزالایمان) میں علماء کرام کے چند مسلک ہیں۔ ان مسالک نے رسالہ مذکورہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ہے۔ ان میں سے ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر بالذات علم غیب کی نفی ہے۔

علامہ نیشاپوری (رسالہ مذکورہ نے ان کی طرف بار بار انتساب کیا اور انہیں امام کے لقب سے متصف کیا ہے) فرماتے ہیں

اس بات کا احتمال ہے کہ جملہ ''لا اعلم الغیب'' کا عطف ''لا اقول'' پر ہو یعنی آپ فرماؤ کہ میں غیب نہیں جانتا ہوں، اس میں یہ دلالت ہوگی کہ مستقلاً غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اللہ کے خزانوں کا حضور کے پاس ہونا اور حضور کا فرشتہ ہونا، تو ہوسکتا ہے کہ یہ مقامات حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوں مگر ان کا اظہار فرمایا نہ گیا۔ (غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورہ انعام آیت قل لا اقول لکم)

اسی سے علم کی دو قسمیں نکلتی ہیں۔ ذاتی وعطائی

جسے رسالہ مذکورہ نے فلسفیانہ باریکی قرار دیا ہے۔ علماء شرع اور عقل سلیم رکھنے والوں نے شروع سے آخر تک اسے غیر معتبر سمجھا ہے۔ اور بیضاوی کے قول کا یہی مطلب ہے کہ جب تک مجھ پر وحی اور دلیل قائم نہ ہو میں غیب نہیں جانتا۔

(انوارالتنزیل، بیضاوی۔ سورہ انعام)

شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ غیب عام ہے عدم وحی اور نصب دلیل کی مدت سے مقید ہے۔ (عنایۃ القاضی۔سورہ انعام)

لباب التاویل میں ہے، مطلب یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ جس پر اللہ نے مجھے اطلاع دی اور میرے لئے جسے مقدر فرمایا، میں اسے جانتا ہوں۔فتوحات الٰہیہ میں بھی یہی ہے۔ (لباب التاویل۔سورہ اعراف)

۳۔ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت میں تمام معلومات الٰہیہ کے احاطہ کی نفی ہے

امام رازی آیات کریمہ **واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا**، اور **قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ**، کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ آیات اس بات کے اعتراف واقرار پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مقدورات پر قادر نہیں ہیں۔اور آیت کریمہ، **ولا اعلم الغیب**، اس بات کے اعتراف پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام معلومات کے عالم نہیں ہیں۔ (تفسیر کبیر۔سورۃ بقرہ واذقلنا للملئکۃ)

اور تفسیر نیشاپوری میں آیت مبارکہ، **لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب**، کے تحت میں ہے یعنی مجھے تمام مقدورات پر قدرت اور تمام معلومات پر علم کا دعویٰ نہیں ہے۔ (غرائب القرآن، سورہ بقرۃ)

یہ علم کی دوسری تقسیم ہے جسے رسالہ نے بڑے زوردار انداز اور گھن گرج میں بیان کیا ہے۔

۴۔ایک مسلک یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتانے سے پہلے کی ہے۔

''تحفۃ المرید شرح جوھرۃ التوحید'' میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان تمام چیزوں سے مطلع وآگاہ فرمادیا جنہیں مبہم رکھا تھا مثلاً روح وغیرہ کے وہ علوم جو انسان کے لئے ممکن ہیں۔مگر یہ مطلب نہیں کہ تمام معلومات الٰہیہ پر اطلاع ہوئی ورنہ حادث وقدیم کے

درمیان مساوات و برابری لازم آئے گی۔ اور جو دلیل اس بات کے خلاف ہے جیسے **لا اعلم الغیب** وغیرہ، تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہ حضور کے لئے تمام چیزوں کے انکشاف سے پہلے کی بات ہے۔

اقول، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم بلکہ جملہ مومنین ابدالآباد تک ہمیشہ اللہ کی ذات وصفات کے علم میں ترقی کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس کی نشأۃ ثانیہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علوم ومعارف حاصل ہوئے وہ حد وشمار سے خارج وباہر ہیں اور ان سب کا شمار نہیں کیا جا سکتا جو علوم انسان کے لئے ممکن ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا درست ومناسب ہے کہ ما کان وما یکون میں روز اول سے روز آخر تک جو علوم حضور پر مبہم وپوشیدہ تھے وہ سب حضور کو حاصل ہو گئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں غیر متزلزل اور دائمی حق کی ہدایت عطا فرمائی اور ایسا قانون وضابطہ دیا جو نہ ٹوٹے نہ اس میں خلل پڑے۔

۵۔ ایک مسلک یہ ہے کہ جو خازن نے ''**لباب التاویل**'' میں فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اپنی ذات اقدس سے ان چیزوں کی نفی میں اللہ عز وجل کے لئے تواضع وانکسار اور عبودیت کا اعتراف واقرار ہے۔ اور یہ کہ لوگ حضور سے بڑی بڑی نشانیاں طلب نہ کریں اس لئے انکار کیا گیا۔

(لباب التاویل، علاء الدین علی بن محمد۔ سورہ انعام)

قلت، یعنی اس بات کا سد باب مقصود ہے جیسا کہ علامہ علی قاری کی مرقات کے باب **مایحل اکله**، میں ہے مسلم شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، ایک شخص کو سانپ نے ڈس لیا اور اس کا انتقال ہو گیا۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم اسے بارگاہ رسالت میں لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ رب عز وجل سے دعا فرما دیں کہ یہ زندہ ہو جائے حضور نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کے لئے استغفار کرو۔

اس حدیث سے معجزہ دکھانے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عاجزی ومجبوری

ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اس بات کا سد باب مقصود ہے کہ جب جب کسی کی موت ہوا سے بارگاہ بیکس پناہ میں لے آئیں اور اسے زندہ کرنے کی گزارش کریں۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الصید والذبائح حدیث ۴۱۱۸)

۲۔ ایک مسلک یہ ہے اور وہ بہت ہی احسن و عمدہ ہے جو اس آیت سے متعلق علامہ نیشاپوری نے فرمایا ہے، رسالہ مذکورہ نے جن کے امام ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں، آیت کریمہ قل لا اقول لکم میں یہ نہیں فرماتا کہ میرے پاس اللہ کے خزائن نہیں ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے خزانے اشیاء کے حقائق و ماہیات کا علم ہے۔ یہ علم حضور کو اللہ کے دکھانے سے حاصل ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (حم السجدۃ، ۵۳)

اور یہ علم حضور کو اس دعا کی قبولیت سے حاصل ہوا جس میں حضور نے عرض کیا الٰہی ہمیں چیزیں دکھا دے جیسی وہ ہیں لیکن لوگوں کی عقل و آگہی کے مطابق کلام کیا جاتا ہے ولا اعلم الغیب، یعنی میں تم سے یہ نہیں کہتا ہوں حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے بتانے سے ماضی اور مستقبل کی خبریں دی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ میرے دہن اقدس میں ایک قطرہ ٹپکا جس سے مجھ پر ما کان و ما یکون اور ماضی و مستقبل کے علوم و معارف منکشف ہو گئے۔

ولا اقول لکم انی ملک، (اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں) بیشک میں تو فرشتہ کے مقام سے تجاوز و عبور کر چکا ہوں، شب معراج سدرۃ المنتہیٰ میں جبریل سے میں نے فرمایا کہ آگے آؤ انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں ایک انگلی کے برابر آگے بڑھوں تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔

ان اتبع الا ما یوحی الی، (میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے) کہ میں انہیں بتاؤں۔

اور آپ کہو ھل یستوی الاعمیٰ والبصیر، (کیا برابر ہو جائیں گے اندھے اور انکھیارے) یعنی اندھے اور انکھیارے کا کلام برابر و مساوی نہیں، تو میں تمہیں ان چیزوں کی خبر کیسے دوں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھوں کو اندھا بنایا ہے حالانکہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ علامہ نیشاپوری کو اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ و افضل مقام عطا فرمائے۔ (غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورہ انعام آیت قل لا اقول لکم)

رسالہ مذکورہ کو خود اپنے اوپر رونا چاہئے۔ نسأل الله العفو و العافية۔

آیت مبارکہ

لو کنت اعلم الغیب، اور سات جواب

۷۔ اس آیت کریمہ،

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ

(الاعراف، ۱۸۸)

(اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔ کنزالایمان) میں بھی علماء کرام کے چند مسالک ہیں، ان میں سے ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت میں احاطہ کلیہ کی نفی ہے۔

سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں کہ تمام غیوب پر مطلع ہونا نبی کے لئے لازم وضروری نہیں اس لئے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم نے فرمایا کہ اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔ (شرح مواقف، جرجانی۔ موقف ۶ فی السمعیات)

یہ تو علم کی دونوں تقسیموں میں سے ایک تقسیم ہے جن پر رسالہ مذکورہ کڑک کے ساتھ بجلی بن کر گرا۔

۸۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اس آیت مقدسہ میں علم ذاتی کی نفی ہے

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء شریف میں " ذکر خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و من ذلک ما اطلع علیہ من الغیوب و مایکون " میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں حدیثوں کا ایک سمندر ہے جس کی گہرائی وگیرائی کا ادراک واندازہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوگا۔ اور حضور کے معجزات

میں سے یہ مشہور معجزہ ہے یقین و وثوق سے معلوم ہے کہ اس کی خبر ہم تک راویوں کی کثرت کے سبب سے تواتر و تسلسل کے ساتھ پہنچی اور غیب پر اطلاع ہونے پر ان احادیث کے معانی و مطالب آپس میں متحد و متفق ہیں۔ (شفاء شریف، فصل مذکور)

نسیم الریاض میں ہے، یہ توضیح ان آیات قرآنیہ کے منافی و متعارض نہیں جن میں یہ دلالت و ارشاد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

آیت کریمہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر، میں بغیر واسطہ کے علم ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلع ہونا ثابت و متحقق ہے اس کی دلیل یہ آیت مقدسہ ہے

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن، ۲۶، ۲۷)

اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنز الایمان)(نسیم الریاض خفاجی، فصل و من ذلک ای من الخ)

یہ پہلی دونوں تقسیموں کی تقسیم اول ہے یعنی عطائی

۹۔ ایک مسلک یہ ہے جو امام خازن نے لباب التاویل میں آیہ کریمہ اذ قال ربک للملئکۃ اسجدوا کے ضمن میں فرمایا

سوال: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیوب کی خبریں دیں اور صحیح حدیثیں بھی اس سلسلے میں آئی ہیں اور یہ حضور کا عظیم و مشہور معجزہ ہے، لہٰذا ان احادیث و آثار اور آیہ کریمہ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر، کے مابین جمع و تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب: اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تواضع و ادب کے طور پر فرمایا ہو اور مطلب یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ اللہ نے جس کی مجھے اطلاع دی اور جو میرے لئے مقدر و مقرر فرمایا میں صرف اسی کو جانتا ہوں۔ (لباب التاویل، سورہ اعراف آیت قل لا املک لنفسی الایۃ)

۱۰۔ایک مسلک یہ ہے کہ فی الحال کی نفی مستقبل کی نفی پر دلیل نہیں ہے۔امام خازن کا قول جو ابھی گزرا یہ اسی کا ماحصل وخلاصہ ہے۔اور اس آیت کے معنی میں یہ احتمال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم غیب پر مطلع ہونے سے پہلے یہ فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو علم غیب کی اطلاع دی تو حضور نے اس کی خبر دی جیسا کہ یہ آیت مبارکہ اس پر شاہد ہے

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن، ۲۶، ۲۷)

اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنزالایمان)(حوالہ مذکور)

۱۱۔ایک مسلک یہ ہے کہ یہ کلام کفار کے سوال کے جواب میں صادر ہوا۔پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیوب کے اشیاء پر حضور کو قابو وغلبہ دیا تو ان کی خبر دی تاکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ اور صحت نبوت پر دلیل وبرہان ہو جائے۔(حوالہ مذکور)

اقول،اشیاء غیبیہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی خبر دینے کی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجازت عطا فرمائی۔اس پر لفظ"فاخبر عنها"(پھر حضور نے ان کی خبر دی) واضح قرینہ ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا

(الکہف، ۷۹)

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا۔

(کنزالایمان)

یعنی کشتی سے مراد یہاں پر درست وثابت کشتی ہے اس پر لفظ"اعیبها"(اسے عیب دار کردوں) کی واضح دلالت موجود ہے۔

ورنہ گزشتہ وجہ میں تقصیر وکمی واقع ہو جائے گی جبکہ اسے مستقل وجہ قرار دیا ہے یعنی اگر اللہ کی اجازت واطلاع سے حضور کا بتانا مراد نہ لیا جائے تو آیات نفی کی وجہ میں تقصیر وخلل ہوگا،مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جب غیب کی خبریں طلب کیں تو حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اس کے سدباب کے لئے فرمایا پھر جب بعض باتوں کے بتا دینے کا اذن وحکم ملا تو حضور نے انہیں بتادیا۔ **فافھم واعلم۔**

۱۲۔**وانا اقول اولا**: احاطہ کلیہ مراد لینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اس لئے کہ جسے بعض غیوب کا علم ہوگا اس سے برائی پہنچنے کی نفی درست نہ ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ایسی بات بیان کی جواسے خود معلوم نہیں۔

۱۳۔**ثانیا**: بلکہ علم ذاتی مراد لینے سے بھی کچھ مانع وحائل نہیں ہے کیونکہ کسی آنے والی بلا کا علم حاصل ہوجانے سے اس کا زائل و دور ہوجانا ضروری نہیں اور علم عطائی ہر تکلیف وضرر دینے والی چیزوں سے دوری کو مستلزم نہیں۔ ہاں ذاتی علم کا کمال تو یہ ہے کہ وہ عالم کو جملہ مصیبت کی باتوں سے بری و دور کردے کیونکہ اسی کا نام الوہیت ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا کہ میں الہ ومعبود نہیں ہوں گا یہاں تک کہ میرا علم تمام غیوب کو گھیر لے اور جملہ غیوب پر میرا قبضہ واختیار ہوجائے اور غیب کی خبریں دینے میں مجھے کسی کے اذن وحکم کی کوئی ضرورت نہ پڑے۔ پھر جب جب تم مجھ سے کچھ پوچھو گے تو میں تمہیں جواب دیدوں گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے بعض مرض اور رنج والم لاحق ہوا اور بعض لڑائیوں میں میرے اصحاب کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے اور اگر میں ذاتی طور پر غیب جانتا تو یہ چیزیں نہ ہوتیں۔ آیت کریمہ کے آغاز میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (الاعراف،۱۸۸)

تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ (کنزالایمان)

لا املک، سے ذاتی قدرت کی نفی کی گئی پھر استثناء سے عطائی قدرت ثابت کی گئی۔ اس کے بعد مذکورہ صورتوں کے پیش نظر علم ذاتی کا انکار کیا گیا اور اس آیت سے علم ثابت کیا گیا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (الاعراف ۱۸۸)

میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (کنزالایمان)

یعنی میں نبی ہوں مجھے میرے رب نے نبوت سے سرفراز ومکرم فرمایا ہے۔

غیب پر اطلاع کا نام نبوت ہے

غیب پر اطلاع کے بغیر نبوت نہیں ہوتی۔ نبی غیب داں ہوتے ہیں۔

امام قاضی عیاض شفا شریف میں باب المعجزات کے آغاز میں اور علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اسماء مبارکہ کے معنی کے بیان میں فرماتے ہیں کہ 'نبی' اور 'نبوت' 'نبأ' سے ماخوذ ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب پر مطلع فرمایا۔

پھر دونوں بزرگوں نے نبی اور رسول کے معنی میں فرق و امتیاز کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں نبوت میں مجتمع ہیں اور غیب پر اطلاع کو نبوت کہتے ہیں، یعنی غیب کی خبریں دینا ہی نبوت کی اصل و جان ہے اور اسی پر نبوت کی چکی گردش کرتی ہے۔ جیسے حج وقوف عرفہ کا نام ہے اور ندامت ہی توبہ ہے اسی طرح غیب پر مطلع ہونا نبوت ہے۔

(شفا شریف باب ۴ فیما اظہرہ علی یدیہ من المعجزات)

حدیث

"تلقیح التمر" اور سات جواب

۱۴۔ نر اور مادہ کھجور کے پودوں اور شگوفوں کے ملانے کی حدیث میں بھی علماء کے چند مسالک ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض بات جو حضور کو معلوم نہ ہوئی اس کی وجہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی ایسی عبادات میں مشغول ہوتے جو زائد اور حضور کے لئے مخصوص تھیں اور رب عزوجل کے مشاہدۂ جلال میں اس طرح مستغرق و محو رہتے کہ غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض باتیں وقتی طور پر حضور کے علم میں نہ آئیں۔

اس سے حضور کے علم میں نقص و کمی لازم نہیں آتی اور نہ اس سے علم اقدس کا دائرۂ کمال تنگ ہوگا۔ بحمدہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری و منزہ ہیں۔

انبیاء علیہم السلام پر کسی وقت بعض اشیاء کے مخفی رہنے کا سبب

عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی، الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں شیخ محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انبیاء کرام واولیاء عظام علیہم وعلیہم الصلاۃ والسلام پر بعض احوال دنیا کے مخفی وپوشیدہ رہنے کا سبب یہ ہے کہ ان کے قلوب واذہان پر اللہ عزوجل کے مشاہدۂ جلال کی عظمت غالب ومستولی رہتی ہے اسی سبب سے وہ عالم وجود کی تدبیر سے پیچھے رہتے ہیں اگر یہ جلال وعظمت حائل ومانع نہ ہوتی تو وہ دنیا کے امور ومعاملات تمام لوگوں سے زیادہ جانتے۔ لیکن یہ بات بھی مخفی نہیں کہ عالم وجود کی تدبیر واصلاح سے ان کا حجاب ہر وقت نہیں بلکہ صرف بعض وقت اور کبھی کبھی ہوتا ہے حدیث فرماتی ہے

لی وقت لا یسعنی فیه غیر ربی (الیواقیت والجواہر، ۲/ بحث ۳۱)

میرا ایک مخصوص وقت ہے اس میں میرے رب عزوجل کے علاوہ کسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

سیدنا عارف باللہ امام محمد رومی بلخی جلال الدین مولوی معنوی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی جسے انہوں نے مثنوی شریف کے دفتر ثالث کے دو تہائی حصہ کے اوائل میں اس طرح تحریر فرمایا ہے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرما کر جب موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا آسمان سے ایک باز آیا اور حضور کے دست اقدس سے موزہ لے کر اوپر چلا گیا اور اسے پلٹ دیا تو اس سے ایک سانپ نکلا پھر وہی باز موزہ کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس جرأت و ہمت پر معذرت و معافی طلب کی حالانکہ یہ جرأت ضرورت کی بنا پر تھی، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

مولوی معنوی قدس سرہٗ نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے۔ ع

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود　　　دل دراں لحظہ بخود مشغول بود

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر غیب دکھلا دیا مگر میرا دل اس وقت اپنے ہی میں مشغول تھا۔

(مثنوی، دفتر سوم)

حدیث

ان اللہ تعالیٰ اطلعنی علی کل غیب

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر غیب پر اطلاع بخشی لیکن دل اس وقت اپنی ذات میں مشغول و مائل تھا۔ بازنے کہا یا رسول اللہ آپ تو غفلت و بے توجہی سے پاک ومنزہ ہیں مجھے یہ مقام و کرامت کہاں حاصل ہے کہ میں ہوا میں اڑتے ہوئے موزے کے اندر ڈھکے چھپے سانپ کو دیکھ سکوں، بلاشبہ مجھے جو اس مخفی و پوشیدہ بات پر اطلاع و آگاہی ہوئی وہ تو آپ کے علوم غیبیہ کی شعاعوں سے مجھ پر ایک شعاع کی تجلی اور چمک ہے۔

مثنوی شریف کے شارحین میں ایک شخص محمد رضا کہتے ہیں کہ اس وقت دل بدن کی طرف ملتفت ومتوجہ نہیں تھا اور استغراق وفنائیت کے سبب سے بعض غیوب انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے پردۂ خفا میں رہتے ہیں۔

(مکاشفات رضوی شرح مثنوی، ص ۲۳۵)

ملک العلماء، بحر العلوم شارح مذکور کی اس بات کو نقل کرنے کے بعد اپنی شرح میں فرماتے ہیں

شعر کا مطلب یہ ہے کہ دل اس وقت اپنے نفس کے مشاہدہ میں مشغول تھا اور ذات اقدس جملہ اسماء کی احدیت کے ساتھ مشغول تھی اور اسماء دل میں تجلی و جلوہ گستر تھے لہٰذا اس شہود وحضور میں مستغرق ومنہمک ہونے کے سبب سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام عالم وجود کی طرف مائل ومتوجہ نہ ہوئے اسی وجہ سے بعض چیزیں شعور وادراک سے جدا و باہر رہیں۔ ملک العلماء فرماتے ہیں کہ یہ درست اور صحیح وجہ ہے۔

(بحر العلوم، دفتر ثالث۔ ص ۱۴۹۔۱۵۰)

حضور علیہ السلام کو ایک شہود دوسرے شہود سے بالکل مشغول نہیں کرتا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضور کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کرتی۔ (فیوض الحرمین، ولی اللہ دہلوی۔ مشہد آخر لا شمۃ فی ان الخ)

۱۵۔ ایک مسلک یہ ہے کہ مشغولیت کی یہ بات بھی ابتدائے امر میں تھی پھر اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدر مبارک کو ایسا کھولا جو بیان و اندازہ سے باہر ہے۔ پھر حضور خالق و مخلوق دونوں کا مشاہدہ و معائنہ ساتھ ساتھ کرنے لگے دونوں شہودوں میں سے کوئی ایک شہود نے دوسرے سے حضور کو مشغول نہیں کیا۔

عارف شعرانی فرماتے ہیں کہ بعض عارفین نے فرمایا کہ وفات اقدس تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات روز افزوں ہوتے رہے اور حضور دنیا و آخرت کے امور و معاملات کی تدبیر فرمانے لگے اور رب عزوجل کے مشاہدۂ جلال و عظمت نے دنیا و آخرت کے امور کی تدبیر سے مشغول نہیں کیا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیک وقت اللہ عزوجل اور مخلوق دونوں پر ساتھ ساتھ متوجہ و راغب ہونے کے مکلف تھے۔ حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے مخلوق کا حجاب حائل نہ ہوتا تھا۔

(الیواقیت والجواہر ۲، بحث ۳۱)

اقول، اور نہ حق تعالیٰ کا مشاہدۂ جمال مخلوق سے محجوب ہوتا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک پر اقتصار و اکتفا کیا جائے تو اس پر بھی اقتصار ہو گا یعنی خالق و مخلوق میں سے کوئی کسی کے لئے حاجب و حائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا مقصود و مدعا صرف اللہ کی

محبت ودوستی ہے اور مخلوق کو دیکھتے ہوئے یہ تبعی ہے اور اگر چہ تبع اصل سے محجوب نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ رب عزوجل نے حضور شہنشاہ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام کے بارے میں فرمایا

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور، ۳۷)

وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد سے۔

(کنزالایمان)

ہاں شرح صدر کی شان یہ ہے کہ اصل میں مستغرق ہونا تبع کی طرف التفات سے حجاب نہیں یعنی خالق ومخلوق دونوں کی جانب توجہ ہوگی۔ اور مقام تکمیل میں یہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور ان کے وارثین کاملین کی شان ہے یہ شان انہیں اسی تفاوت وتفریق پر حاصل ہوگی جو ان کے مدارج ومراتب میں فرق وامتیاز ہے یعنی ہر نبی کو اس کے مقام رفعت کے اعتبار سے یہ شان وعظمت ہوگی۔ محاسن وکمالات کی بلندی سید الانبیاء ومولائے رسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہے۔

حضور علیہ السلام کا علم عرش سے فرش تک ہر ذرہ کو محیط ہے

حافظ الحدیث سیدی احمد سجلماسی قدس سرہ اپنے بزرگوار شیخ سیدی عبدالعزیز بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمان الٰہی "وعلم آدم الاسماء کلھا" (اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے) کے بارے میں فرمایا

اسماء سے مراد اسماء عالیہ ہیں اسماء نازلہ مراد نہیں۔ کیونکہ ہر مخلوق کے دو نام ہیں ایک اسم عالی دوسرا اسم نازل۔

● اسم نازل وہ ہے جو سب میں مسمٰی کا فرق و امتیاز بتاتا ہے

● اور اسم عالی وہ ہے جو اصلی مسمٰی کی تاثیر و فوائد بتاتا ہے۔ مثلاً ایک تیشہ کو دیکھنے کے بعد یہ باتیں سامنے آئیں گی کہ یہ کس چیز سے بنا ہے، اس مسمٰی کا فائدہ کیا ہے، تمام استعمالی چیزوں میں یہ تیشہ کس کام کی صلاحیت رکھتا ہے اس کے اندر کیا کمال ہے اور اسے حداد کے بنانے کی کیفیت کیا ہے۔ صرف اس لفظ کے سننے سے ہی تیشہ سے متعلق تمام علوم و معارف کا حال معلوم ہو گیا۔ ہر مخلوق کا یہی حال ہے۔

الاسماء کلھا، سے مراد وہ اسماء ہیں جن کی آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو طاقت و وسعت تھی اور تمام انسانوں کو جن کی ضرورت ہے یا انسانوں سے ان کا تعلق و ربط ہے اور یہ اسماء ان تمام مخلوقات کے تھے جو عرش کے نیچے سے زمین کے اندر تک ہیں۔ اس میں جنت، دوزخ، ساتوں آسمان اور جو آسمانوں اور ان کے درمیان اور جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور جو زمین میں آباد و ویران، وادیاں و سمندر اور درخت ہیں

سب داخل ہیں۔ ہر ناطق و جامد مخلوق کو حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام اس کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ وہ تینوں امور ہر مخلوق کی اصل ہیں یعنی اس کا فائدہ۔ اس کی ترتیب کی کیفیت۔ اور اس کی شکل وصورت کی وضع وہیئت۔

لہٰذا جنت کے نام سے معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے پیدا کی گئی، اور کس شئی کے لئے بنی، اور اس کے مراتب کی ترتیب اور اس میں جو حور وغیرہ ہیں اور بعث ونشر کے بعد جو لوگ اس میں رہیں گے ان کی تعداد کیا ہے۔ اور لفظ 'نار' سے بھی اسی طرح کے احوال معلوم ہوئے۔ اور لفظ 'سماء' سے بھی انہیں کیفیات کا علم ہوا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس چیز کے لئے پہلا آسمان اپنے محل میں اور دوسرا آسمان اپنے مقام میں ہے اسی طرح ہر آسمان کے بارے میں خیال ہوگا کہ وہ کیوں کس لئے اور کہاں ہے۔ اور لفظ 'ملائکہ' سے معلوم ہوا کہ وہ کس چیز سے پیدا کئے گئے اور ان کی تخلیق کی کیفیت اور ان کے مراتب کی ترتیب کیا ہے؟ اور کس سبب سے یہ فرشتہ اس مقام کا مستحق وحقدار ہوا اور دوسرے فرشتے کو دوسرے مقام پر کس وجہ سے رکھا گیا وہ اس مقام کا مستحق کس طرح ہوا اسی طرح ہر فرشتہ کے متعلق یہ معلوم ہوگا جو عرش سے زمین کے نیچے تک ہیں۔

یہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے علوم اور ان کی اولاد میں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علوم ومعارف ہیں۔ اور خاص طور سے آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہی کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ سب سے پہلے انہیں کو یہ علوم سکھائے گئے اور ان کی اولاد وذریت میں جس کو ان اسماء کا علم ملا تو آدم علیہ السلام کے بعد ہی ملا۔ اور یہ مراد نہیں کہ صرف آدم علیہ السلام ہی نے ان اسماء کا علم سیکھا۔ ہاں خاص طور سے اسماء کے علوم اس لئے سکھائے گئے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو انہیں کی ضرورت وحاجت تھی اور انہیں کی ان کے اندر طاقت ووسعت تھی تاکہ عدم تخصیص سے معلومات الٰہیہ کا احاطہ وتحدید لازم نہ آئے۔

ان اسماء کے علوم ومعارف ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آدم وجملہ انبیاء

علیہم الصلاۃ والسلام کو حاصل ہیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آدم وغیرہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے علم میں فرق ہے۔ انبیاء کرام جب ان علوم کی طرف توجہ فرماتے ہیں تو انہیں حق تعالیٰ کا مشاہدہ خواب کے مثل حاصل ہوتا ہے اور جب مشاہدۂ حق کی طرف مائل و متوجہ ہوتے ہیں تو یہ علوم انہیں خواب کی مانند حاصل ہوتے ہیں اور ہمارے نبی گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قوت و ادارک کے سبب سے کسی ایک کے مشاہدہ و توجہ کی بنا پر دوسرے سے مشغول نہیں ہوتے لہٰذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب حق تعالیٰ کی جانب متوجہ و راغب ہوتے ہیں تو حضور کو مشاہدۂ تامہ و کاملہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ حضور کو ان علوم وغیرہ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے جو دوسرے کی طاقت و وسعت سے خارج و باہر ہے۔ اور جب ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو حضور کو ان علوم کے ساتھ حق تبارک و تعالیٰ کا مشاہدۂ جمال بھی حاصل ہوتا ہے لہٰذا الخلوق کے مشاہدہ سے حق کا مشاہدہ محجوب نہیں ہوتا اور نہ حق سبحانہ کے مشاہدہ سے مخلوق کا مشاہدہ پردۂ خفا میں ہوتا ہے۔

(ابریز شریف، احمد بن مبارک۔ باب ۷، فی تفسیرہ رضی اللہ عنہ)

۱۶۔ ایک مسلک یہ ہے جو مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ'' میں فرمایا ''تم دنیاوی معاملات مجھ سے زیادہ جانتے ہو'' یعنی دنیا سے مجھے مشغولیت نہیں اور نہ میں اس کی طرف ملتفت و متوجہ ہوں، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا و آخرت کے تمام امور و معاملات سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ (اس کا پس منظر یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ کھجور کے پودوں میں نر اور مادہ تصور کر کے انہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملا دیتے خیال یہ تھا کہ اس سے پھل زیادہ آئیں گے، لوگ اسی طرح کرتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ حضور نے اس سے صحابہ کو منع فرمایا تو قدرت کی مشیت سے اس سال پھل کم آئے اور کھجور خراب نکلی صحابہ نے شکوہ کیا تو حضور نے فرمایا انتم الخ۔) (اشعۃ اللمعات، کتاب الایمان باب الاعتصام)

۱۷۔ایک مسلک یہ ہے جو نسیم الریاض میں ہے، حضور سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلامتی عقل اور شدت مہارت کا تقاضا یہی ہے کہ حضور دنیاوی امور میں بھی سب لوگوں سے زیادہ علم والے ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل مبارک جملہ انسانوں سے زیادہ کامل ومکمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو جملہ وجود کے اسرار ورموز پر آگاہی واطلاع عطا فرمائی ہے خواہ وہ وجود مذموم ہو یا محمود۔ اور فرمان اقدس کہ ''دنیاوی معاملات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو'' اس سے صحابہ کرام کی دلجوئی مراد ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع وانکساری کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اپنی ذات اقدس کی بڑائی بیان نہ کریں۔

(نسیم الریاض ج۲باب۲فیما یختص فی الامور الدینیة)

۱۸۔ایک مسلک یہ ہے جو عمدہ وحسین اور مومنوں کے جگر کی ٹھنڈک ہے جسے شیخ محمد سنوسی نے افادہ فرمایا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منفعت وبھلائی کے خلاف پر برانگیختہ کرنا چاہا تاکہ توکل پر کامل وثوق واعتماد ہو، مگر انہوں نے تسلیم تو کیا لیکن صبر نہ کیا، کاش وہ صبر کرتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا کہ وہ حضور کی بات مان لیتے اور دو سال یا کچھ زیادہ صبر کرتے اگر وہ ایسا کر لیتے تو وہ ان کے لئے کافی ہوتا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو اور دوسری باتوں کو صحابہ سے زیادہ جانتے ہیں۔

(نسیم الریاض ج۴ من معجزاتہ الباھرة)

خفاجی نے فرمایا کہ یہ مسلک غور وفکر کرنے والوں کے لئے انتہائی عمدہ واحسن ہے۔

(حوالہ مذکور)

ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ انتہائی لطیف وباریک ہے۔

(شرح الشفا علی قاری ج۳ من معجزاتہ الباھرة)

ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم اس بات کے ظن وگمان میں یقیناً صواب ودرستگی پر تھے اگر صحابہ بھی حضور کی بات پر ثابت وقائم رہتے تو اس فن میں وہ سب سے فوقیت لے جاتے اور ان کی مشق ومعالجہ کی کلفت وتکلیف ختم ہو جاتی البتہ یہ تغیر وتبدل عادت جاری ہونے کے حساب سے ہوا کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے کھانے یا پینے کا عادی ہو جائے پھر کسی وقت وہ چیز مفقود ومعدوم ہو جائے اور اس شخص کو وہ چیز نہ ملے تو اس کی حالت بدل جائے گی۔ لہٰذا اصحابہ کرام اگر ایک یا دو سال کے نقصان وکمی پر صبر وشکر کرتے تو کھجور کے درختوں کی پہلی حالت واپس ہو جاتی اور اس پر وثوق واعتماد سے اس میں اضافہ ہوسکتا تھا۔ (شرح الشفا علی قاری ۳ فصل حذا حالہ فی جسمہ)

امام ابن ابی شریف کے کلام کا اشارہ بھی اسی کی طرف ہے انہوں نے فرمایا کہ کھجور کے پودوں اور شگوفوں کو ملانا مسبب کو سبب سے مربوط ومتعلق کرنا ہے۔ ہمارا تو اعتقاد ویقین یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو درختوں کے ملائے بغیر ہی وہ پھل دینے لگیں، اور حضور کا فرمان اقدس کہ تم زیادہ جانتے ہو اس کے منافی ومعارض نہیں ہے۔

(حوالہ مذکور)

اقول ، ایسا فرمانا بھی اعراض وروگردانی، ترک تعرض اور اعتراض کے معنی میں ہوتا ہے جیسے تم اپنے بیٹے کو اپنی معلومات کے مطابق اس بات کا حکم دو جو اس کے لئے مفید ونفع بخش ہو مگر وہ کچھ کرنے کی بجائے گھر کے اندر ہی بیٹھا رہے تو تم اس سے یہی کہو گے کہ بھئی تم جانو تمہارا کام جانے۔

حدیث ''انتم اعلم بامور دنیا کم '' کی تائید امام احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عروہ سے بروایت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ آوازیں سنیں فرمایا یہ کیسی آوازیں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ کھجور کے پودوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہیں حضور نے فرمایا اگر وہ ایسا نہ کریں تو بہتر ہے۔ پھر اس سال صحابہ نے پودوں کو آپس

میں نہیں ملایا تو پھل کم آئے اور کھجوریں خراب نکلیں۔ صحابہ نے حضور سے اس واقعہ کا ذکر کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی دنیاوی چیز ہو تو اس کا معاملہ تم جانو اور جب دینی بات ہو تو وہ میرے ذمہ ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا)

فتاویٰ ظہیریہ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے، عورت کا ولی اس کا نکاح کر دے پھر اسے نکاح کی خبر ہو اور اگر وہ کہے کہ "تم جانو" تو یہ رضامندی نہ ہوگی لہٰذا نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اور اگر عورت کہے کہ "وہ تو تمہاری طرف ہے" تو یہ رضامندی کی دلیل ہے اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ کتاب النکاح باب ۴ فی الاولیاء)

امام فقیہ النفس کے فتاویٰ خانیہ میں قاضی شرق وغرب امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت امام ناطفی سے منقول ہے کہ غلام نے اپنے آقا سے نکاح کی اجازت طلب کی تو آقا نے کہا کہ "تم جانو" تو یہ اجازت نہیں ہے۔ (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان کہ "دنیاوی امور تم زیادہ جانتے ہو" یہ نفی علم کی دلیل نہیں ہے یعنی صحابہ نے جب حضور کی بات نہ مانی تب حضور نے فرمایا کہ تم جانو)

(فتاویٰ قاضی خان کتاب النکاح فصل فی شرائط النکاح)

شہاب خفاجی نے نقل کیا کہ یہ کہنا زیادہ اولیٰ وانسب ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو ترک اسباب سے خواص کے توکل پر تنبیہ وتاکید فرمائی کیونکہ ترک اسباب صرف انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مخصوص مقامات رفیعہ ہیں یہ مقامات ان کے علاوہ دوسرے کو حاصل نہیں۔

(نسیم الریاض ۴ باب ۲ حالہ فی جسمہ)

اقول: اس کا اولیٰ وانسب ہونا درکنار یہ تو درست بھی نہیں۔

اولاً: بالکلیہ اسباب کا ترک کر دینا انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا مقام نہیں بلکہ ان کا مقام ظاہری طور پر اسباب کا سہارا لینا اور باطنی اعتبار سے ان کی طرف ملتفت و

متوجہ نہ ہونا ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ اونٹ کو باندھ دو اور اللہ پر توکل رکھو۔ اونٹ کا باندھنا یہ ظاہری سبب کا سہارا لینا ہے۔ ایسا کیونکر ہو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تو شارع بنا کر بھیجے گئے ہیں ان کی پیروی و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور امت میں کمزور و ضعفاء کی تعداد زیادہ ہے اور کمزور شخص اسباب کو چھوڑ نہیں سکتا۔

ثانیا: ترک اسباب کو اگر درست و حق مان لیا جائے تو یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایسے مرتبہ و منزل پر برانگیختہ کرنا چاہا جو مرتبہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے ان کے علاوہ دوسروں کو حاصل نہیں۔

۱۹۔ اگر ان توجیہات و توضیحات میں کسی کو درست نہ مانا جائے تو وہ حدیث انتم اعلم الخ، تو بذات خود خبر واحد ہے جیسے ہار گم ہونے والی حدیث اور رب عزوجل پر ثناء و تحمید والی حدیث اور جو بھی ان دونوں کے علاوہ اخبار واحاد ہیں ان سے باب عقائد کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہوگا چہ جائیکہ نمبر ۱۳ و ۱۴ کے اقوال، (جن سے ابن قیم معتوب و متہم ہوا)

یاد رکھئے کہ افک (تہمت) اور ہار گم ہونے وغیرہ واقعات کی طرف میں نے توجہ نہ کی اور ان میں اسی کافی، وافی، شافی، نافی جواب پر اکتفا کیا کہ وہ سب نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی باتیں ہیں اور بلاشبہ اس کا بھی (یعنی انتم اعلم الخ) یہی جواب کافی ہوگا کیونکہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لانے کے وقت کی بات ہے۔

مسلم شریف میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے پودوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں

(مسلم، کتاب الفضائل۔ باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا)

لیکن میں نے چاہا کہ اس کی تفصیل کی جانب توجہ دوں اور ان بھائیوں کا بازو

تھاموں جو دینی معاملہ میں کمزور ہیں تاکہ وہ مخالفین کی ہرزہ سرائی سے دھوکہ اور فریب میں نہ پڑ جائیں اور وہ سمجھنے لگیں کہ دنیاوی مصلحتوں اور ضرورتوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم و معلومات ناقص و کم ہیں۔ حضور کی شان اقدس کو دیکھتے ہوئے یہ بات کیسے جائز و درست ہو سکتی ہے؟ حضور کی شان و عظمت اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔

حضور علیہ السلام پورے ملک خدا پر اس کے خلیفہ اعظم اور قاسم رزق ہیں

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ مخلوقات الٰہی پر اللہ کے خلیفہ اکبر اور اس کے رزق کے تقسیم فرمانے والے ہیں، دین و دنیا یا عقبیٰ میں کسی کو کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ حضور ہی سے اور حضور ہی کے دست کرم و رحمت سے ملتی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیشک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (بخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ فان للہ خمسہ الایۃ)

اور بیشک میں نے (یعنی امام احمد رضا بریلوی نے) اپنی کتاب "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ" میں ائمہ کرام و علماء اعلام کے اقوال و ارشادات اس سلسلے میں بکثرت نقل کیے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر شئی کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

شہاب خفاجی فرماتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جملہ مخلوقات پر امانت عظمیٰ اور ان کے درمیان حکم و فیصلہ اور خدا کی طاعت و بندگی کی طرف مخلوق کو بلانے کی ذمہ داری فرض فرمائی تو حضور کے لئے لوگوں کے تمام دینی و دنیاوی احوال و کیفیات کا علم ہونا لازم ہے۔ البتہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ خالق کے مشاہدۂ جمال میں استغراق اور عدم التفات کی بنیاد پر کچھ امور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مخفی رہ جائیں (اس کا تفصیلی بیان گزر چکا ہے) پھر شرح صدر مبارک کے

ذریعہ اللہ تعالٰی نے علوم و معارف کا ایسا اضافہ و افاضہ فرمایا کہ ان کے بعض کے بعض کے تصور و ادراک سے عقول و اوہام عاجز و قاصر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابدالآباد تک ایک شہود کے سبب دوسرے شہود[1] سے مشغول نہیں۔

(نسیم الریاض، خفاجی ۴۔ فصل ھذا حالہ فی جسمہ)

[1] صاحب حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک شان سے دوسری شان مشغول نہیں کرتی ہے۔ یہ بات ہندوستانی وہابیوں پر بڑی آفت اور سخت مصیبت ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

وفات اقدس سے ایک مہینہ قبل علم قیامت کا سوال اور چھ جواب

۲۰۔ رسالہ غایۃ المامول کو جس دلیل سے سب سے زیادہ فرحت وخوشی ہوئی وہ مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے علم قیامت کے بارے میں مروی ہے جس میں تاریخ کی صراحت ووضاحت ہے کہ یہ حدیث وفات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مہینہ پہلے کی ہے رسالہ نے سمجھا کہ اسے ایک چیز میں کامیابی ملی جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر نزول قرآن تکمیل ہونے کے بعد پوشیدہ رہی لیکن اسے اس کی حقیقت کچھ معلوم نہیں یوں ہی اٹکلیں دوڑاتا ہے۔

اولاً: تمہیں کس نے بتادیا کہ مولیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات سے ایک مہینہ قبل ہی وحی کا سلسلہ منقطع کردیا تھا۔ جب وہ اس بات کو ثابت نہ کرسکیں تو حدیث میں جو ہے ان کے لئے وہ مفید ونفع بخش نہیں ہے۔

۲۱۔ **ثانیا**: بلکہ ثابت وواضح تو یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضور کی وفات اقدس تک وحی کا سلسلہ منقطع نہ فرمایا۔

ابن جریر نے فرمایا کہ اہل علم اس بات کا دفاع نہیں کریں گے کہ وصال اقدس تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وحی منقطع نہیں ہوئی بلکہ اس کا اثبات کریں گے کہ وفات سے پہلے بار بار لگاتار وحی نازل ہوتی رہی۔ (جامع البیان طبری، المائدۃ)

قلت، ابن جریر نے سچ فرمایا، امام احمد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے وفات اقدس سے پہلے بلکہ وفات تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پے در پے لگاتار وحی نازل فرمائی اور جس دن رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس روز ہر دن سے زیادہ وحی نازل ہوئی۔

(مسند احمد مرویات انس بن مالک)

پھر تمہارے لئے یہ کہاں سے ظاہر ہوا کہ وہ وحی قرآن نہیں تھا جبکہ ابن جریر نے تو اسی سے لگاتار نزول قرآن پر استدلال کیا ہے، عنقریب اس کا بیان آئے گا اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ جسے کچھ علم و معرفت نہیں اس کا تعلق اسی سے ہو جس میں کہا گیا کہ سب سے آخری آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" نازل ہوئی۔

بیشک صحیحین وغیرہما میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ اور ترمذی بافادۂ تحسین اور بزار بسند صحیح ابن عباس سے، اور ابن جریر وابن مردویہ امیر المومنین علی سے، اور ابن جریر وطبرانی امیر معاویہ سے، اور بزار وطبرانی وابن مردویہ سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت (الیوم اکملت الایۃ) عرفہ میں جمعہ کے دن نازل ہوئی۔

(بخاری ۲ ترمذی ۲ کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ)

اور وہ حدیث حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات اطہر سے ایک مہینہ پہلے کی ہے۔ اور ابن جریر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ اس آیت (الیوم اکملت الایۃ) کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکاسی راتیں دنیا میں تشریف فرما رہے۔ (بخاری ۲ ترمذی ۲ کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ)

یہ اس قول کی بنا پر ہے جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف ۲ ربیع الاول شریف کو ہوئی ہو۔ اور ۸ ربیع الاول کے قول کی بنیاد پر جو اکثر محدثین کا مختار و پسندیدہ ہے چھ دن اور بڑھ جائیں گے اور ۱۲ ربیع الاول شریف کے قول کی بنا پر جو جمہور کے نزدیک مشہور ہے، یا ۱۳ ربیع الاول کے قول کی بنیاد پر کہ تحقیقی طور پر بھی ثابت ہے، اور رویت ہلال میں اختلاف کے باعث تطبیق کی صورت اختیار کی جائے گی جیسا کہ ہم نے علم ہیأۃ و علم استقلال کے دلائل سے فتاوی رضویہ کی نویں جلد

(جو موجودہ ترتیب میں فتاویٰ رضویہ قدیم کی ۱۲ ویں جلد ہے) میں اس کی تفصیل کی ہے یہ مدت تین مہینے سے زیادہ ہو جائے گی لہٰذا اس حدیث کی تاریخ نزول قرآن مکمل ہونے کے دو مہینے بعد کی ہوگی یہ رسالہ مذکورہ کے وہم و تقریر کا خلاصہ ہے۔

جواب: آیت کریمہ، **الیوم اکملت** قرآن کے نزول میں آخری آیت نہیں اور یہ کسی ایسے شخص کے قول سے ثابت بھی نہیں جو لائق اتباع و تقلید ہو۔ ہاں ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی پھر اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نازل نہ ہوا۔ اور اس میں یہ بھی نہیں ہے کہ یہ نزول کے اعتبار سے آخری آیت ہے اور ہمیں خاص طور سے نزول احکام کا وہم بھی نہیں بلکہ ہمیں مطلقاً نزول قرآن کافی ہے اور وہ اس کا نافی نہیں بلکہ اس کے مفہوم و مراد کو ثابت کرتا ہے۔ بلکہ سدی سے بذات خود بھی اس کی صراحت آئی ہے سدی نے کہا کہ سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہ ہے " **واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله** " (البقرۃ، ۲۸۱) اسے ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے روایت کیا۔

(بخاری ۲ ترمذی ۲ کتاب التفسیر، جامع البیان المائدۃ)

یہ مطلق ہے اور وہ حلال و حرام سے مقید ہے لہٰذا سدی کے اپنے ہی قول سے ثابت ہوا کہ **اکملت لکم** نزول میں آخری آیت نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول بھی اسی کے موافق ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ " **واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله** " ہے۔ اسے نسائی اور ابو عبید نے فضائل قرآن میں اور عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر و ابن الانباری و ابن مردویہ و طبرانی اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں متعدد سندوں سے روایت کیا۔ اسی کے مثل ابن ابی شیبہ و ابن جریر نے عطیہ عوفی سے اور ابن الانباری نے کتاب المصاحف میں ابو صالح و سعید بن جبیر سے روایت کیا بلکہ ابن جریر نے سدی کے اس قول کا انکار اور اس کا دفاع کیا جیسا کہ اوپر گزرا۔

(طبری جامع البیان۔ البقرۃ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نزول قرآن میں آخری آیت ''**یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ**'' (النساء ۱۷۶) ہے اور یہ آیت احکام ہے۔ اور سدی کے قول پر اسے ترجیح دی کہ نفی پر کوئی شہادت نہیں اور مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے اور دین کے مکمل ہونے کا مطلب یہ قرار دیا کہ مسلمین و مشرکین سب لوگ ساتھ ساتھ حج کرتے تھے پھر سورہ برأت نازل ہوئی تو مشرکین کو بیت اللہ سے روک دیا گیا اور مسلمان حج کرنے لگے اور مشرکین میں سے کوئی بیت الحرام میں مسلمانوں کا شریک و سہیم نہ ہوا اسی سے نعمت الٰہیہ تام و کامل ہوئی ہو **اتممت علیکم نعمتی** ۔ اسے ابن جریر نے بروایت علی مرتضیٰ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ (حوالہ مذکورہ)

امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ جاہلیت کی علامات و نشانیاں منہدم ہو گئیں، ان کے طور و طریقہ کو ختم کر دیا گیا اور شرک کو نیست و نابود کر دیا پھر کسی برہنہ شخص نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر اعلان کر دیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدۃ ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

(کنز الایمان)

اسی طرح ابن جریر نے اسے حکم و قتادہ اور سعید بن جبیر سے روایت کیا۔

(حوالہ مذکورہ)

یہ ابن جریر کی روایات کا خلاصہ و ماحصل ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری نے ابن عباس سے اور بیہقی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ نزول میں آخری آیت ربوا کی آیت ہے۔

(بخاری ۲ کتاب التفسیر آیت و اتقوا یوما ترجعون فیہ)

ابن جریر بسند صحیح بر شرط مسلم سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ سب سے آخر میں عرش الٰہی سے جو قرآن میں سے نازل ہوا وہ آیت دین ہے۔ (جامع البیان طبری، البقرۃ آیت مذکورہ)

ابن شہاب نے دونوں روایتوں کو جمع کر دیا یعنی ابن جریر اور ابو عبید کی فضائل قرآن والی روایت کو، وہ فرماتے ہیں کہ زمانہ نزول کے اعتبار سے قرآن کی آخری آیت جو عرش سے نازل ہوئی وہ آیت ربا اور آیت دین ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں احکام کی آیات ہیں۔ (فضائل القرآن، ابو عبیدہ۔ باب منازل القرآن الخ)

امام جلال الدین سیوطی نے عمدہ و احسن انداز میں جمع و تطبیق کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک آیت ربا، آیت **و اتقوا یوما** اور آیت دین والی روایات میں کوئی منافات و تعارض نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیات ایک ہی دفعہ اسی ترتیب سے نازل ہوئیں جو مصحف کی ترتیب ہے کیونکہ ان آیات کا نزول ایک ہی قصہ میں ہوا لہٰذا ہر ایک نے ان میں سے بعض آیت کے بارے میں کہا کہ یہ آخر میں نازل ہوئی اور وہ درست و صحیح ہے اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ آخر میں "**یستفتونک**" نازل ہوئی یعنی فرائض کے باب میں یہ آیت آخر میں نازل ہوئی۔

(الاتقان، نوع ۸ معرفۃ آخر ما نزل)

پھر فتح الباری سے سورہ بقرہ کی آیت، **واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله**، میں اس کی ترجیح نقل کی اور اس سے وفات اقدس کی طرف اشارہ کیا گیا جو اس بات کو مستلزم ہے کہ نزول کا خاتمہ ہو گیا اور قرآن مکمل ہو چکا۔ (حوالہ مذکور)

۲۲۔ **ثالثاً**: بلکہ ہمارے نزدیک اللہ کے فضل سے نزول قرآن کی تاریخ اس سے بھی زیادہ قریب کی ہے۔

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، پورے قرآن میں سے جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ "**واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله**" ہے اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو راتیں دنیا میں جلوہ

قلق رہے پھر ربیع الاول شریف کی ۲ رتاریخ کو وصال فرمایا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم سورہ بقرہ آیت ۲۸۱ حدیث ۲۹۴۴)

ابن جریر، ابن جرید سے راوی، علماء فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نو راتیں ٹھہرے، شنبہ کے روز مرض وصال کی ابتدا ہوئی اور پیر کے روز انتقال فرمایا۔ (جامع البیان طبری، البقرۃ آیت واتقوا یوما الایۃ)

یہ روایت اس کے معارض ومنافی نہیں ہے جسے فریابی نے بروایت کلبی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ آیہ کریمہ "واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ" سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے درمیان اکاسی (۸۱) دن کا فاصلہ تھا۔ یہ روایت کلبی کی کس طرح ہوسکتی ہے شاید انہیں سہو ہوا اور آیت 'الیوم اکملت ' کی بجائے 'واتقوا یوما ' یاد رہی۔ کیونکہ ابن جریج نے الیوم اکملت میں یہ مدت بیان کی ہے، یہی درست ہے جیسا کہ گزرا۔ (درمنثور، سیوطی البقرۃ آیت واتقوا یوما الایۃ)

امام بغوی معالم میں تعلیقاً فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکیس (۲۱) دن دنیا میں جلوہ افروز رہے اور ابن جریج نے کہا کہ نو راتیں اور سعید بن جبیر نے کہا سات (۷) راتیں۔

(معالم التنزیل بغوی البقرۃ)

اسی کے مثل خازن کی لباب التاویل میں بھی ہے اور تفسیر مدارک، بیضاوی، کبیر، نیشاپوری، ابوسعود، جمل، کشاف اور زاہدی وغیرہا میں بھی سات راتوں کا قول نقل کیا گیا ہے اور سب نے یہ بیان کیا کہ یہ آیت (واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ) وفات اقدس سے ۳ ساعات پہلے نازل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بہما۔

(تفسیر بیضاوی البقرۃ)

۲۳۔ یہ بات واضح وظاہر ہے اور ہم عنقریب اس کی تحقیق پیش کریں گے کہ اللہ

عزوجل کی طرف علم کی نسبت کرنا بندے کے علم عطائی کے منافی ومناقض نہیں ہے۔
ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر اس سے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جسے وہ جانتا ہے اور معلومات کے باوجود جواب نہ دے اور کہے کہ بیشک علم تو اللہ عزوجل کو ہے تو اس میں نہ کوئی حرج ہے نہ اس پر عتاب ہوگا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم عطا کیا گیا وہ یہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ حضور کو اس کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ حال یہ تھا کہ لوگ بڑی دلچسپی سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خدام کے سامنے ان چیزوں کے بیان کرنے کو ناپسند ومکروہ رکھتے جو انہیں ناگوار خاطر ہوں۔ لہٰذا ان کی دلجوئی کے لئے حضور نے جواب میں علم قیامت کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف کردی۔
اس لئے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب مقرر کیا ''فی اخفاء بعض العلم مخافة الفتنة'' یعنی فتنہ کے سبب سے بعض علم کو چھپانا۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ فرمایا کہ وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھوں۔

اس کلام پر غور کرو اس میں دو وجہوں کا احتمال ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض مجالس میں اس بات کو چھپاتے تھے یعنی اسے بیان نہیں کرتے تھے۔ علماء اور مفتیان کرام کے درمیان تو یہ ایک سنت مستمرہ اور طریقہ متوارثہ ہے جیسے قاتل کی توبہ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ چھپایا جاتا اور قصاص کا حکم دیا جاتا ہے۔

۲۴۔ **خلاصہ:** اگر ہم سب سے قطع نظر کرتے ہوئے نیچے اتر کر جواب دیں تو یہ کہیں گے کہ وفات اقدس سے ایک مہینہ قبل قیامت کے بارے میں سوال کا ہونا تو خبر واحد ہی ہے۔ خبر واحد کا حکم ہر ایک کو معلوم ہے۔

۲۵۔ یہ سب اس قول کی بنیاد پر ہے کہ ''کل شئی'' میں علم قیامت داخل ہو اور مجھے اس کا دعویٰ نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ربیع بنت معوذ کی حدیث اور چھ جواب

۲۶۔ بخاری کے یہاں کتاب المغازی و کتاب النکاح میں اور ابوداؤد و ترمذی کے یہاں ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں بطریق بشر بن المفضل صرف "دعی هذه" و "قولی بالذی کنت تقولین" کے لفظ ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان گانے والی بچیوں سے فرمایا (جب وہ کہہ رہی تھیں "وفینا نبی یعلم ما فی غد" اور ہم میں وہ نبی تشریف فرما ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں) اسے رہنے دو وہی کہتی رہو جو اس سے پہلے کہہ رہی تھیں، یا اس کے ہم معنی لفظ ارشاد فرمائے جیسے یہ نہ کہو یا اس سے خاموش رہو۔

روایت مذکورہ کا سیاق وسباق ابن ماجہ کے نزدیک بطریق حماد بن سلمہ خالد سے مروی ہے اور محدثین نے حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے دنیا و آخرت میں متمتع فرمائے) کے بارے میں فرمایا کہ آخر عمر میں ان کی یادداشت کچھ ناقص ہوگئی تھی۔ امام بخاری نے ان سے احتجاج واستدلال نہیں کیا بلکہ صرف تعلیقات میں بیان کیا ہے اور امام مسلم نے بھی ان سے استدلال نہیں کیا۔ سوائے ان احادیث کے جو ثابت سے مروی ہیں کیونکہ ثابت ثبت و ثقہ ہیں بلکہ لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ ہیں اور ثابت کے علاوہ حماد بن سلمہ کی بہت ہی کم حدیثیں شواہد میں بیان کی گئی ہیں۔ ابن معین نے کہا کہ جو حماد بن سلمہ سے کسی قسم کی بات سنے تو وہ سمجھ لے کہ اس میں اختلاف ہے اور اگر ان سے کوئی منسوخ بات مسموع ہو تو وہ درست و صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ۳ ترجمہ ۱۴ حماد بن سلمہ)

امام بیہقی نے فرمایا کہ حماد بن سلمہ ائمہ مسلمین میں سے ایک ہیں جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی تو ان کی یادداشت خراب ہوگئی اس لئے امام بخاری نے انہیں ترک کردیا

لیکن امام مسلم نے انتہائی سعی وکوشش کی اوران حدیثوں کوالگ کردیا جو ثابت نے ان کی یادداشت بگڑنے سے پہلے ان سے سنی تھی اور ثابت کی روایت کے علاوہ جو حدیثیں حماد بن سلمہ سے مروی ہیں وہ بمشکل بارہ ہیں جنہیں شواہد میں بیان کیا گیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ۳ ترجمہ ۱۴۔ حماد بن سلمہ)

معاذ اللہ! ہم ان کا بلند رتبہ گھٹانا نہیں چاہتے بلکہ ہمیں اظہار بیان مقصود ہے، کیونکہ حدیث کواس کا منافی ومناقض فرض کیا جائے جو قرآن عظیم سے ثابت ہے تو خبر واحد ہونے سے زیادہ اس میں معاملہ آسان وسہل ہو جائے گا جیسا کہ وہ اپنے زعم میں سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ عنقریب تمہیں معلوم ہوگا اور تم بہت جلد دیکھو گے۔

۲۷۔ حدیث اگرچہ صحت کے اعلیٰ وانتہائی مرتبہ پر فائز ہو مگر قرآن سے نہیں بڑھ سکتی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل، ۶۵)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

(کنزالایمان)

اس میں ان آیات کی نفی نہیں ہے جن میں تفصیل سے علم غیب کو ثابت کیا گیا ہے لہٰذا حدیث سے نفی پر احتجاج کیونکر ہوگا؟ اسی کی طرف حافظ ابن حجر نے فتح میں اشارہ فرمایا ہے کہ اس آیت میں از خود علم حاصل ہونے کا انکار کیا گیا ہے یعنی حضور کے لئے ذاتی علم غیب ثابت کیا جائے اس آیت میں اسی بات کا انکار ہے، حضور کے لئے مطلقاً علم غیب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مخصوصہ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن چیزوں کے لئے غیب کی خبریں دیں ان کا علم حضور کو اللہ عزوجل کے بتانے سے ہے، ان کا علم حضور کو مستقل طور پر بالذات نہیں بلکہ عطائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

(الجن،۲۶،۲۷)

غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (کنز الایمان)(فتح الباری، کتاب النکاح باب ضرب الدف الخ)

یہ علم کی دو تقسیمات میں سے پہلی تقسیم ہے (یعنی علم عطائی) جن پر رسالہ غایۃ المامول نے آوازہ کسا اور بلند بانگ دعوے کئے۔

۲۸۔اس قسم کا جو واقعہ ہو جس طرح کا ہو وہ نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے ہی کا ہوگا۔

اللہ کے بتانے سے غیر اللہ کی طرف علم غیب کی نسبت جائز ہے

۲۹۔اقول، جو بچیاں دف بجا کر حضور کی توصیف وثنا گا رہی تھیں وہ نوعمر لڑکیاں تھیں اور وہاں پر کچھ عورتیں بھی تھیں اس خیال کا خوف دامنگیر ہوا کہ یہ کہیں حضور کے لئے مستقلاً بالذات علم غیب ثابت نہ کریں اس لئے حضور نے انہیں منع فرمایا کہ یہ نہ کہو۔

علامہ سید شریف حواشی کشاف میں فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی طرف مطلقاً بغیر قید کے علم غیب کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے ذہن کی رسائی اس بات کی طرف ہو سکتی ہے کہ علم کا تعلق ابتداءً ہے اگر ایسا ہو تو وہ آیت کریمہ کے مناقض ومنافی ہو جائے گا لیکن جب قید لگا کر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیب سکھایا یا اسے غیب پر اطلاع بخشی تو اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے۔

(حاشیہ کشاف، میر سید شریف اول، البقرۃ آیت الذین یؤمنون بالغیب)

ایہام کے سبب سے کبھی حق بات سے روکا جاتا ہے

علامہ ابن منیر مالکی نے "کتاب الانتصاف علی حاشیۃ الکشاف" میں سورہ اسرا کے اواخر میں فرمایا کہ کتنی حق باتیں وہ ہیں کہ ایہام غیر کے خوف سے ان کو بیان نہیں کیا جاتا جن کا اعتقاد جائز نہیں لہذا اعتقاد و اطلاق کے درمیان کوئی رابطہ نہیں اور اس کا معتقد لائق اکرام نہیں اور جو اس سے چمٹ رہا وہ ہلاکت سے محفوظ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(کتاب الانتصاف، الاسراء آیت قل لئن اجتمعت الایۃ)

۳۰۔ امام محمد بن اسحق اپنی مغازی میں روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابو وجزہ یعنی یزید بن عبید سعدی نے حدیث بیان کی اور کہا کہ جب حنین کے کفار و مشرکین کو شکست ہوئی مالک بن عوف بھاگ کر طائف چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میری بارگاہ میں مسلمان ہو کر آئے تو ہم اس کے مال و اہل کو اسے واپس کر دیں گے۔ یہ خبر جب مالک بن عوف کو پہنچی تو وہ بارگاہ رسالت میں اس وقت آئے جب حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جعرانہ سے روانہ ہو چکے تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا حضور نے انہیں ان کے مال و اہل واپس فرما دیئے اور مزید سو اونٹ بطور انعام عطا فرمائے اس کے بعد مالک بن عوف نے اپنے قصیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کیا۔

غیب کی خبر دینے پر حضور علیہ السلام قادر ہیں

مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قصیدۂ نعتیہ میں فرمایا ۔

ما ان رأیت ولا سمعت بواحد　　فی الناس کلھم کمثل محمد

اوفی فاعطی الجزیل لمجتد　　ومتی تشاء یخبرک عما فی غد

میں نے انسانوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل کسی کو دیکھا نہ سنا، وعدہ وفا فرماتے ہیں اور بغیر مانگے سائل کو عظیم وجزیل انعام واکرام عطا فرماتے ہیں۔ اور تم جب چاہو وہ تمہیں غیب کی خبریں دیتے ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمانوں اور قبائل ثمالہ وسلمہ وفہم پر سردار مقرر فرمایا، اور وہ قوم ثقیف سے جنگ وقتال کرتے تھے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۳ حرف المیم قسم اول رقم الترجمہ ۷۶۸۳)

معانی کتاب الجلیس والانیس میں بطریق حرمازی ابوعبید سے راوی، مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ ہوازن کے سردار تھے اسلام لانے کے بعد وفد کی شکل میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ اشعار پڑھے، اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر دی اور خلعت (کپڑوں کا جوڑا) عنایت فرمایا۔　　(حوالہ مذکور)

اقول: ان صحابی جلیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے حسن کلام کے تصرف کو دیکھو انہوں نے لفظ ''متی یشاء'' استعمال نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے لئے صادق ہوگا جسے علم کبھی کبھی ملتا ہے اس کے پاس موجود نہیں ہوتا نہ وہ اس پر قادر ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لئے یہ کہنا درست ہے کہ وہ جب چاہے غیب کی خبر دے کیونکہ وہ اسی وقت چاہے گا جب اسے ملے۔ لیکن لفظ ''متی تشاء یخبر'' اس کے لئے بولا جائے گا جس کے پاس علم کا

خزانہ جمع ہو اور وہ اس پر قادر ہو۔

جیسے کسی کے پاس بادشاہ کی طرف سے وقفہ وقفہ سے کبھی کبھی دس ہزار درہم آیا کرے اور وہ بادشاہ کے خزانہ سے کوئی چیز لینے پر قادر نہ ہو تو وہ فقیروں کو یہ کہہ سکتا ہے کہ جب میں چاہوں تمہیں دس ہزار درہم دیدوں، اس کے لئے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ تم لوگ جب چاہو تو میں تمہیں دیدوں۔

اس حدیث میں یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے وصف سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی کہ حضور کل کی بات جانتے ہیں اور حضور کو معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ ان کی تحسین کی ان کے لئے دعائے خیر کی اور انہیں خلعت عطا فرمایا۔

کسی بات کے خوف سے کسی قول کے قائل پر کبھی انکار تو کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت انکار مقصود نہیں ہوتا

ان نو خیز بچیوں پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار ان کے دین کی حفاظت وصیانت کے لئے تھا تا کہ وہ حرام کی طرف تجاوز نہ کر جائیں یعنی غیر اللہ کے لئے ابتداءً ذاتی علم کا ادعا حرام ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس خطیب پر انکار فرمانا جس نے اپنے خطبے میں کہا

من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فقد غویٰ۔

جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت وپیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہوگیا اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ بددین ہوا۔

یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو بہت برا خطیب ہے، تم اس طرح کہو

ومن یعص اللہ ورسولہ

یعنی جس نے اللہ کی اور رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا

اسے مسلم واحمد وابوداؤد اور نسائی نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (مسلم کتاب الجمعۃ)

ابوداؤد کے لفظ یہ ہیں حضور نے فرمایا کہ اٹھ یا فرمایا کہ جا تو بہت برا خطیب ہے۔

(ابوداؤد ابواب الجمعہ)

اس ممانعت کی وجہ ظاہر کرتے ہوئے امام قاضی عیاض وغیرہ دیگر علماء کرام بیان فرماتے ہیں کہ ضمیر ''ھما'' میں اللہ ورسول دونوں کو شریک کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار فرمایا کیونکہ ضمیر ''ھما'' میں مساوات وبرابری کا ایہام وشائبہ ہے۔ اور حضور نے اللہ عزوجل کی عظمت وتکریم کے لئے عطف کرنے کا حکم فرمایا تاکہ باری تعالیٰ کا اسم مبارک مقدم رہے۔

(شرح مسلم نووی، کتاب الجمعہ۔ فصل فی ایجاز الخطبۃ الخ)

حالانکہ یہی لفظ بعینہٖ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ میں بھی ثابت و موجود ہے۔

من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہ۔

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کی وہ راہ یاب ہوا اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی اس نے اپنے کو ہی نقصان وضرر میں ڈالا۔

اسے ابوداؤد نے بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(ابوداؤد، ابواب الجمعہ)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک اور خطبہ میں یہ لفظ ہیں

ومن یعصھما فقد غویٰ

جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

ابوداؤد نے اسے بھی ابن شہاب سے مرسلاً روایت کیا۔ (ابوداؤد، ابواب الجمعہ)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا

ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما۔

(احمد، مرویات انس بن مالک)

یعنی اس کے نزدیک اللہ ورسول زیادہ محبوب ہوں ان تمام چیزوں سے جو ان دونوں کے سوا ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں سے احادیث صحیحہ میں اس لفظ (ضمیر ھما) کی تکرار موجود ہے جیسا کہ امام ابوزکریا نووی نے اسے بیان فرمایا۔ اور انہوں نے اسے اس توجیہ پر محمول کیا کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ خطبوں کا حال یہ ہے کہ انہیں شرح وبسط اور وضاحت وصراحت سے پیش کیا جاتا ہے۔ اشارات وکنایات اور رموز واسرار سے اجتناب واحتراز کیا جاتا ہے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان اقدس "ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما" حکم کی تعلیم پر محمول ہے۔ جب جب لفظ کم اور مختصر ہوگا تو ذہن وحافظہ سے قریب اور یاد کرنے میں سہل و آسان ہوگا۔ بخلاف ان خطبوں کے جن میں وعظ وتذکیر ہوتی ہے ان کا محفوظ و یاد رکھنا مقصود نہیں ہوتا صرف ان کے ذریعہ پند ونصیحت مقصود ہوتی ہے۔

(شرح مسلم کتاب الجمعۃ فصل فی ایجاز الخطبۃ الخ)

اقول، ضمیر کا استعمال ترک کر دینا خطبہ کے واجبات وضروریات میں سے نہیں اور نہ ضمیر کی جگہ پر اسم ظاہر کو رکھ کر وضاحت وصراحت کی شرط ہے۔ ہاں ضمیر کے استعمال سے اظہار مقصود ومدعا میں وہاں رخنہ وخلل پڑتا ہے جہاں پر التباس واشتباہ کا خوف ہو۔ اور یہاں پر (یعنی ومن یعصھما میں) کسی سے کوئی مشابہت نہیں ہے۔

پھر یہ اس بات کا مقتضی کیسے ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خطیب سے ذم وبرائی کا سامنا کیا اور اس سے فرمایا جاؤ، یا اٹھو۔ حالانکہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام جس طرح خود کسی مکروہ بات کا سامنا نہیں کرتے اسی طرح کسی مسلمان کے بری بات کا سامنا کرنے کو برا سمجھتے تھے یعنی حضور کو بری بات سے ناگواری ہوتی تھی یوں ہی حضور کی یہ خواہش رہتی تھی کہ کسی مسلمان کو کوئی برائی والی بات درپیش نہ ہو۔

جب کسی سے کوئی فعل یا کوئی قول سرزد ہوتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس

سے منع فرمانا چاہتے تو کنایہ اور اشارہ سے کہتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسا ایسا کہتے یا ایسا کرتے ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام میں ایسے ایجاز و اختصار کو پسند فرماتے جس سے افہام و تفہیم میں خلل نہ ہو۔ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا آدمی کی سمجھ و دانائی کی علامت و پہچان ہے تو تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو، بیشک بعض بیان جادو ہے۔ اسے احمد و مسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

(مسلم کتاب الجمعۃ، باب فی ایجاز الخطبۃ۔ مسند احمد، حدیث عمار بن یاسر)

پھر یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبات و ارشادات میں اس قسم کی مثالوں کے ملنے سے اس وجہ وجیہ کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ تو وہی ہے جسے امام قاضی عیاض اور ان کے ساتھ دیگر علماء اعلام رحمھم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ اور یہ بھی ثابت و واضح ہو گیا کہ شئی کبھی بذات خود درست و صحیح ہوتی ہے لیکن کسی ضعیف احتمال و خوف کی بنا پر اس سے ممانعت کی جاتی ہے۔

وباللہ التوفیق۔ اس قسم کی مثال کے لئے احسن و عمدہ محمل حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان اقدس ہے کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔ جبکہ ایک طرف یہ ارشاد والا ہے کہ میں روز قیامت اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ فخر نہیں۔ اسے امام احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، الزبیدی۔ اصل ۷۔ ترمذی ابواب المناقب۔ احمد، مرویات ابن عباس)

پوری مخلوق میں حضور علیہ السلام کا افضل ہونا مجمع علیہ اور اصول دین میں سے ہے

حضور سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد آدم میں سب سے بہتر پانچ حضرات ہیں، حضرت نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور ان میں سب سے بہتر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اسے بزار نے بسند صحیح اور ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (کشف الاستار، باب فی منزلتہ)

امام [1] ابن حجر مکی کے فتاوی حدیثیہ میں ہے کہ "یہ مسئلہ اصول دین میں سے

[1] انہوں نے اسے امام سراج الدین بلقینی سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ اصول دین کے مسائل میں سے ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت کا اجماع واتفاق ہے کہ بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم سب سے افضل ہیں۔
(مفاتیح الغیب، البقرۃ ورفع بعضهم درجات)

اسی کے مثل نیشاپوری کی رغائب الفرقان میں اور امام زندوستی کی روضہ میں پھر بحرالرائق و منح الغفار اور ردالمحتار میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ پوری مخلوقات میں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام افضل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیاء کرام میں افضل ہیں۔ (رغائب الفرقان، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب تفضیل البشر علی الملئکۃ)

زرقانی علی المواہب میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جملہ انبیاء و مرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین میں بالاجماع افضل ہیں۔ اسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ عزوجل کے نزدیک پوری مخلوق میں مکرم ہیں اسی طرح لاتعداد و بے شمار لوگوں کا اجماع واتفاق نقل کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام پوری مخلوقات میں افضل واکرم ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے"۔ بحمدہ تعالیٰ ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت وصراحت اپنی کتاب "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں دس آیات قرآنیہ اور سواحادیث نبویہ سے کی ہے۔

افضلیت ثابت کرنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ تفضیل سے مفضل علیہ کی تنقیص شان کا وہم ہو یعنی ایک نبی کی ایسی افضلیت ثابت کرنا جس سے دوسرے نبی کی تخفیف شان ظاہر ہو یہ ممنوع وحرام ہے بلکہ اگر توہین وتنقیص مقصود ہو تو کفر ہے۔

نیشاپوری نے آیہ کریمہ "ورفع بعضهم درجت" کی تفسیر میں اسی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ کسی شئی کی ممانعت ونہی سے واقع میں اس کا عدم مطابقت لازم وضروری نہیں۔ کیونکہ کبھی شئی درحقیقت حق ودرست ہوتی ہے مگر دوسری مشغولیت کے سبب سے اس سے منع کیا جاتا ہے۔

(غرائب القرآن، الحسین القمی البقرۃ، آیت ورفع بعضهم درجات)

تمہیں معلوم ہے کہ عاقل بالغ بلیغ آدمی کے نزدیک ضمیر تثنیہ (ھما) سے مساوات وبرابری کا وہم اس ایہام استقلال سے زیادہ بعید ہے جو نوخیز لڑکیوں کے پاس حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف بغیر اعطائے رب علم غیب کی نسبت کرنے میں ہے۔

۳۱۔ اس بات سے ان بچیوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منع کرنے میں علماء کے نزدیک ایک دوسری وجہ بھی ہے۔

● حجۃ الاسلام امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ یہ تو نبوت کی شہادت ہے حضور نے بچیوں کو اس بات سے ڈانٹا اور اسی گانے کی طرف پھیر دیا جو بطور لہو وہ گا رہی تھیں کیونکہ علم غیب کے ادعا سے حضور کی توصیف وثنا خالص عظمت وبزرگی ہے لہٰذا اسے لہو ولعب کی صورت میں ملا کر بیان کرنے سے منع فرمایا۔

(احیاء العلوم آداب السماع باب ۲ مقام ثانی)

اور جو منح الروض میں ہے کہ "بعض انبیاء کی تفضیل بعض پر اجمالی اعتبار سے قطعی ہے اور تفصیلی طور پر ظنی، اور معتمد عقیدہ یہ ہے کہ مخلوق میں افضل ہمارے نبی حبیب کبریا ہیں۔ اور بعض کو اس پر اجماع کا دعوی ہے" وہ خطائے فاحش اور واضح غلطی ہے اس سے اجتناب واحتراز واجب ولازم ہے۔ نسأل اللہ تعالیٰ السلامۃ امنہ) (منح الروض، علی قاری۔ تفضیل بعض الانبیاء علی بعض)

● ابن التین نے فرمایا انہیں اس لئے منع فرمایا کہ حضور کی مدح وثنا حق ہے اور نکاح کی محفلوں میں لہو مقصود ومطلوب ہے جب عظمت وبزرگی کو لہو ولعب میں شامل کر دیا تو اس سے روک دیا گیا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح باب ضرب الدف)

● ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت مکروہ ہونے کے سبب سے ان بچیوں کو منع کیا گیا کیونکہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا ہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان غیوب کو جانتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے حضور کو خبر دی ہے۔ یا دف بجانے اور مقتولین بدر کے مرثیہ کے درمیان بیان کرنے کی کراہت کے سبب سے منع فرمایا کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب نبوت اس سے بلند وبالا ہے، کھیل کی محفل میں حضور کا ذکر مناسب نہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح۔ کتاب النکاح باب اعلان النکاح والخطبۃ۔ حدیث ۳۱۴۰)

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے پہلے ایہام استقلال کے سبب سے منع کی طرف اشارہ فرمایا اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے بتانے سے غیب جانتے ہیں۔ پھر بعد میں مرثیہ اور گانے کی مجلس میں ذکر ہونے کے سبب سے جائز قرار دیا مگر نامناسب سمجھا۔ اسی طرح امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں بیان فرمایا ہے۔

نیز امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ اس میں منع کرنے کا ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضور کا وصف جمیل لہو ولعب کے درمیان بیان کیا گیا جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب جلیل ومقام شریف یہ ہے کہ حضور کے فضائل وکمالات عظمت والی محفلوں میں بیان کئے جائیں۔ (ارشاد الساری ۸، کتاب النکاح)

اقول، حافظ ابن حجر نے جو اعتراض کیا اس کا جواب اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس واقعہ کا سیاق وسباق یہ بتاتا ہے کہ بچیاں اگر مرثیہ ہی کہتی رہتیں تو حضور انہیں منع نہ فرماتے کیونکہ احسن وعمدہ مرثیہ وہ ہے جس میں عظمت وبزرگی ظاہر کی جائے اسے

بطور لہو ولعب کے بیان نہ کیا جائے یعنی جائز مرثیہ میں اظہار عظمت مقصود ہوتا ہے لہو و لعب مطلوب نہیں ہوتا۔ (فتح الباری، کتاب النکاح۔ باب ضرب الدف الخ)

کیونکہ مقصود یہی ہے کہ لہو ولعب کی مجلس میں حضور کا ذکر نہ کیا جائے بلکہ حضور کا ذکر تو مجلس عظمت میں کرنا چاہیے کیونکہ حضور سرور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رتبہ عالی جلیل و عظیم ہے۔ اور آباء و اجداد کے مرثیہ کی عظمت اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم وسلم کی عظمت مدح دونوں برابر کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟

رہا حافظ ابن حجر کا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے اس فرمان سے استدلال کرنا ''کہ آئندہ کل کا حال اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا'' اور ان کا تعلیل منع کی طرف اشارہ کرنا، تو میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ایسی علت پر اقتصار فرمانا جو رب عز وجل کی تعظیم و تکریم سے متعلق ہے وہاں کسی دوسری علت کی نفی نہیں کرتا جو حضور کی تعظیم شان سے متعلق ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بچیوں سے کچھ نہیں کہا بلکہ ان سے چشم پوشی فرمائی اس کا مشہور و معروف سبب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنی ذات کریم کے حقوق میں آسانی و نرمی کا مظاہرہ فرماتے یعنی اپنے نفس کے لئے کسی سے قصاص و بدلہ نہیں لیتے تھے مگر شریعت کی حدود تعزیر میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے۔ **فافهم واستقم والحمد لله رب العلمين۔**

درود و اعمال پیش ہونے کی احادیث اور نو جواب

۳۲۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال پیش ہونے کی احادیث میں سے درود وسلام پہنچنے کی حدیثیں ہمارے نزدیک مسلم ومقرر ہیں اور وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، اور اللہ کا شکر ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی قباحت و برائی نہیں ہے جس سے ہمارے مخالفین کو فائدہ ونفع ہو، کیونکہ اعمال امت کا بارگاہ رسالت میں پہنچنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو پہلے سے ان کا علم نہیں تھا۔ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ ان پر قضیے اور حالات پیش کیے جاتے ہیں حالانکہ وہ انہیں جانتے ہیں۔ اعمال کا پیش ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ پہلے سے وہ چیز معلوم نہیں، یہ تو حضور اور بادشاہوں کی بات ہے خود اللہ عزوجل پر اعمال پیش ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ بارگاہ رب العزت میں صبح وشام بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں پھر ہر ہفتہ کے اعمال دو بار یعنی پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ پھر سال بھر کے اعمال شب برأت میں اور عمر بھر کے اعمال اس دن پیش ہوں گے جس دن تم بارگاہ ذوالجلال میں حاضر کیے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن، تمہاری کوئی چیز اس سے مخفی و پوشیدہ نہ رہے گی ہر چیز اور جملہ اعمال ظاہر و عیاں ہو جائیں گے۔

رسالہ مذکورہ نے اس بیان کو سمجھنے کی کوشش کی پھر اسے ذکر کر کے (ص ۶ پر) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تاویل واجب ہے کیونکہ اس کے حق میں کسی ایک شئی کا بھی علم نہ ہونا اجماعاً محال ہے لیکن اس کی وہ تاویل جو حضور سرور کونین صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق ہے اسے حضور کے حق میں وہ بات محال نہ ہونے کے سبب سے حضور کی طرف پھیرا نہیں جائے گا بلکہ اسے اپنے ظاہر پر باقی رکھنا واجب ہے کیونکہ تاویل کی طرف لے جانے والی کوئی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ نصوص شرع میں قاعدہ مقررہ ہے۔

اقول، رسالہ مذکورہ نے جواب کا مقصد ہی نہیں سمجھا، یہ مقصود نہیں ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ تاویل واجب ہے اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں واجب ہو، یہاں تک کہ ایسا جواب دیا جائے جس سے دونوں کے درمیان فرق واضح و آشکارا ہو جائے۔ بلکہ مراد و مقصود یہ ہے کہ اعمال کا پیش ہونا پہلے سے علم نہ ہونے پر موقوف و منحصر نہیں بلکہ علم و معلومات کے باوجود اعمال پیش ہوتے ہیں جیسا کہ رب تبارک و تعالیٰ پر بندوں کے اعمال صبح و شام پیش ہوتے ہیں جبکہ اس کو ہر شئی کا علم ہے۔ پھر اگر اعمال کا پیش ہونا پہلے عدم علم کو مستلزم ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی محال ہوتا لیکن یہ تو محال و ممتنع نہیں بلکہ واقع ہے، ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا ثابت و واضح ہو گیا کہ جس پر اعمال پیش ہوں یہ اس کے عدم علم پر دلیل نہیں ہے اور عرض اعمال کی احادیث سے مستدل کا استدلال باطل ہو گیا اس احتمال کے سبب سے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے علم ہے، یہ جواب کا مفہوم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ رسالہ کے کلام نے اس جواب کو ہاتھ تک نہ لگایا، یہ تو پردہ کے پیچھے سے نداد خطاب کے مترادف ہے۔ اور رسالہ نے آخر میں کہا کہ یہ جواب ظاہر ہے۔ جبکہ نہ یہ قابل تسلیم ہے نہ وہ جواب ظاہر ہے جیسا کہ بادشاہوں کے حالات سے معلوم ہوا۔ اور اس پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں جس نے بادشاہوں کے معاملات کا تجربہ کیا ہے۔

۳۳۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ عرض اعمال سے قبل حضور کو ان کا علم نہ تھا تو ظاہر حال اس کے دفع میں حجت ہے حقیقۃً نہیں، لہٰذا یہ مستدل کے لئے مفید نہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ احتمال سے استدلال باطل و قطع ہو جاتا ہے اگرچہ احتمال اکثر ظاہر کے

خلاف ہوتا ہے۔

۳۴۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اعمال پیش ہونے سے پہلے حضور کو ان کا علم حاصل نہ تھا تو اس کا ظاہر ظنی ہے جو قطعی کے معارض و منافی نہیں۔ بیشک ظن و گمان حق سے کچھ بے نیاز نہ کرے گا۔

۳۵۔ اگر تسلیم کرلیا جائے پھر بھی رسالہ نے اعتراف و اقرار کیا کہ کسی قرینہ صارفہ سے ظاہر متروک ہو جاتا ہے اور یہ استحالہ میں موقوف و منحصر نہیں بلکہ ظاہر سے پھیرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن عظیم اور احادیث صحاح کے عمومات اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر شئی کا علم حاصل ہے۔ ''ہر شئی'' میں سے اعمال اور درود و سلام بھی ہیں اور ان کے پیش ہونے سے پہلے ہی حضور کو ان کا علم ہے۔

۳۶۔ اگر مذکورہ شبہ تسلیم کرلیا جائے تو آیات کریمہ کا ظاہر عموم ہے اور تمہارے زعم و خیال میں ان احادیث کا ظاہر خصوص ہے تو ظاہر قرآن پر کس نے حکم صادر کیا؟ حدیث کے سبب سے ظاہر قرآن کا چھوڑنا اضعف ہے۔ کیا نصوص شرع میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر ہے جس سے کتاب کریم کے نصوص خارج و باہر ہوں؟

حضور علیہ السلام پر درود پاک دس بار اور جملہ اعمال پانچ بار پیش ہوتے ہیں

۳۷۔ یہ ثابت و واضح ہے کہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام اور اعمال امت کی پیشی بار بار بتکرار ہوتی ہے اور احادیث کی جمع و ترتیب سے میرے لئے یہ ظاہر و آشکارا ہوا کہ درود پاک بارگاہ رسالت میں دس بار پیش ہوتا ہے اور درود کے علاوہ دیگر اعمال پانچ بار پیش ہوتے ہیں۔ دربار نبوت میں درود پیش ہونے کے چند طریقے ہیں، چار کا ذکر بعد میں آئے گا اور باقی یہ ہیں۔

۱۔ تربت اطہر کے پاس ایک فرشتہ کھڑا ہے جو امتی کا درود پیش کرتا ہے۔

۲۔ وہ فرشتہ پیش کرتا ہے جو درود پڑھنے والے کے ساتھ ماموروموکل ہے۔

۳۔ سیر دسیاحت کرنے والے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

۴۔ حفاظت کرنے والے فرشتے درود پاک کو دن کے تمام اعمال کے ساتھ شام کو اور رات کے اعمال کے ساتھ صبح کو پیش کرتے ہیں۔

۵۔ ہفتہ بھر کے اعمال کے ساتھ درود شریف جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

۶۔ عمر بھر کے جملہ درود قیامت کے دن پیش ہوں گے۔

درود پاک پیش ہونے کے لئے ان دس کے علاوہ ایک دوسری صورت بھی بیان کی گئی ہے یعنی جمعہ کا دن اور اس کی رات، یعنی جمعہ کے دن و رات ہی درود کو بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک فرشتہ ہے جسے پوری مخلوق کا سننا عطا کیا گیا ہے

بخاری اپنی تاریخ میں، حارث اپنی مسند میں، ابن عاصم، عقیلی، طبرانی کبیر میں، بزار، ابوالشیخ کتاب العظمۃ میں، ابوالقاسم اصبہانی کتاب الترغیب میں، ابن جراح اپنی امالی میں، ابوعلی حسن بن نصر طوسی کتاب الاحکام میں، ابن عساکراو۔ابن نجار سب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اللہ عزوجل کا ایک فرشتہ ہے جسے پوری مخلوق کا سننا عطا کیا گیا ہے وہ میری تربت اطہر پر کھڑا ہے میری امت میں سے جو مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ کہتا ہے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ پر فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے تو رب تبارک و تعالیٰ بھی اس شخص پر ہر درود کے بدلے میں دس بار رحمت بھیجتا ہے۔

(القول البدیع سخاوی، کشف الاستار ہیثمی حدیث ۳۱۶۲ باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

- ایک لفظ میں ہے کہ اس فرشتہ کو تمام بندوں کا سننا عطا کیا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال اترجمہ ۸۱۹)

- اصبہانی کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ وہ فرشتہ قیامت تک سنے گا۔

(القول البدیع سخاوی، ثواب الصلاۃ الخ)

- بزار کے لفظ یہ ہیں کہ قیامت تک جو شخص درود پڑھے گا وہ فرشتہ حضور سے

عرض کرے گا۔ (کتاب الضعفاء عقیلی، سفر ثالث ترجمہ ۱۴۴۹)

سراج منیر میں ہے شیخ نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

(سراج منیر، عزیزی۔ حرف ان)

قلت، اس کا دارومدار نعیم بن ضمضم پر ہے، ذہبی نے کہا بعض نے انہیں ضعیف قرار دیا۔ اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اکثر نے انہیں ثقہ سمجھا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے بارے میں ذہبی کے قول کے سوا توثیق و تجریح کچھ نہیں دیکھی یعنی ابن حجر کے نزدیک نہ وہ ثقہ ہیں نہ ان پر جرح ثابت ہے۔

منذری اور سخاوی نے فرمایا کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔

(الترغیب والترہیب، اکثار الصلاۃ علی الخ)

قلت، امام ابن ہمام نے فتح میں افادہ فرمایا ہے کہ مختلف فیہ کی حدیث حسن کے درجہ سے نیچے نہیں گرتی، پھر ایسا کیوں؟ بلکہ واضح طور پر ان میں نہ جرح ہے نہ کوئی جارح؟ اور وہ حدیث عمران بن حمیری اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ امام منذری اور ذہبی نے فرمایا کہ عمران معروف نہیں ہیں۔

(میزان الاعتدال ۳ ترجمہ ۶۲۷۸)

امام سخاوی نے فرمایا کہ وہ معروف ہیں امام بخاری نے ان کے ساتھ نرمی کی اور فرمایا کہ ان کی موافقت نہ کی جائے۔ اسے ابن حبان نے ثقات تابعین میں بیان فرمایا ہے۔

(میزان الاعتدال ذہبی ۳ ترجمہ ۶۲۷۸)

شیخ محمد حجازی شعرانی نے فرمایا کہ اس کی سند میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں اور حدیث حسن ہے۔

مسند الفردوس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر درود کی کثرت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری تربت کے پاس ایک فرشتہ کو مامور و موکل فرمایا ہے جب میری امت کا کوئی

آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ مجھ سے عرض کرتا ہے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) فلاں بن فلاں نے ابھی آپ پر درود بھیجا ہے۔

(کنز العمال ا باب ٦ فی الصلاۃ علیہ وعلی آلہ حدیث ۲۱۸۱)

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزوں کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت و استعداد عطا کی گئی ہے۔

ا۔ جنت سنتی ہے۔

۲۔ دوزخ کو سننے کی قدرت دی گئی ہے۔

۳۔ میرے سرہانے ایک فرشتہ ہے جو سنتا ہے۔

● جب میری امت میں کوئی شخص کہتا ہے، ''اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں'' تو جنت عرض کرتی ہے اے اللہ اسے میرے اندر میرے محل میں سکونت ورہائش عطا فرما۔

● جب کوئی شخص میری امت میں سے کہتا ہے، ''پروردگار مجھے دوزخ سے محفوظ رکھ، آگ سے پناہ دے'' تو جہنم عرض کرتا ہے اے اللہ اسے مجھ سے بچا، مجھ سے محفوظ رکھ۔

● اور جب میری امت کا کوئی آدمی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو وہ فرشتہ جو میرے سرہانے ہے عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! یہ فلاں شخص ہے آپ پر سلام پیش کرتا ہے آپ اسے سلام کا جواب عنایت فرمائیں۔

اور جو مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر دس بار رحمت وغفران بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر دس بار درود پڑھتا ہے تو اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے اس شخص پر سو بار رحمت بھیجتے ہیں اور جو مجھ پر سو بار درود پڑھتا ہے اللہ رب العزت اور اس کے ملائکہ اس آدمی پر ایک ہزار بار رحمت ومغفرت کا اعلان کرتے ہیں

اور اس کے جسم کو آگ نہیں چھوئے گی۔

(القول البدیع باب ۴ فی تبلیغہ من یسلم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن جریر کنانہ عدوی سے راوی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بندہ کے ساتھ کتنے فرشتے رہتے ہیں؟ حضور نے فرمایا

● ایک فرشتہ تمہارے داہنی طرف تمہاری نیکیوں پر مقرر ہے اور وہ بائیں والے فرشتے پر امین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورہ ق، ۱۸)

کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

(کنز الایمان)

● اور دو فرشتے تمہارے آگے اور پیچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

(الرعد، ۱۱)

آدمی کے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

● اور ایک فرشتہ تمہاری پیشانی پکڑے ہوئے ہے جب تم اللہ کے لئے تواضع و انکساری کرتے ہو وہ تمہیں رفعت و بلندی دیتا ہے اور جب تم اللہ پر جبر و تکبر کرتے ہو وہ تمہیں توڑ کر ہلاک کر دیتا ہے۔

● اور دو فرشتے تمہارے لبوں پر مامور و مقرر ہیں یہ دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تمہارے پڑھے ہوئے درود کی محافظت کرتے ہیں، ان کا کام صرف بارگاہ رسالت میں پیش کردہ درود پاک کی حفاظت کرنا ہے۔

● ایک فرشتہ تمہارے منہ پر کھڑا ہے وہ کسی سانپ وغیرہ کو تمہارے منہ کے اندر آنے نہیں دیتا۔

● اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر متعین ہیں۔

تو ایک آدمی پر یہ کل دس فرشتے ہوئے، رات کے فرشتے دن کے فرشتوں کے بعد آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ رات اور دن کے الگ الگ فرشتے ہیں لہٰذا ہر آدمی پر بیس فرشتے ہوئے جو رات و دن اس کی حفاظت کرنے پر مامور و متعین ہیں۔

(جامع البیان، طبری۔ سورۃ الرعد آیت لہ معقبات من بین الایۃ)

امام ابن امیر الحاج کی حلیہ میں نہایہ و کافی وغیرہما سے منقول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے ہوتے ہیں

● ایک اس کے داہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے

● اور دوسرا بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے

● ایک اس کے آگے جو نیکیوں اور بھلائیوں کی تلقین کرتا ہے

● اور دوسرا اس کے پیچھے جو برائیوں اور مکروہات کو اس سے زائل و دور کرتا ہے

● اور ایک فرشتہ اس کی پیشانی کے پاس مقرر ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پیش کئے ہوئے درود کو ضبط تحریر میں لاتا اور انہیں بارگاہ رسالت میں پہنچاتا ہے۔

(خوارزمی، الکفایہ، باب صفۃ الصلاۃ)

احمد، نسائی، دارمی، حاکم، ابن حبان بیہقی شعب الایمان، بزار، ابو نعیم، خلعی، اسماعیل قاضی، ابوالشیخ اور طبرانی سب کے سب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے کچھ سیر و سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں وہ میری امت کا سلام میری بارگاہ تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کے مثل ابن عدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ امام سبکی وغیرہ نے افادہ فرمایا کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے درجہ صحت پر ہے۔

(مسند احمد مرویات ابن مسعود، کامل ابن عدی، ضعفاء کبیر، شفاء السقام امام سبکی باب ۲ فصل علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن ماجہ بسند صحیح اور طبرانی کبیر میں اور نمیری ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کہ وہ پیش ہوتا ہے اسے فرشتے میری بارگاہ میں حاضر کرتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ ابودرداء نے عرض کیا اور آپ کی وفات کے بعد یا رسول اللہ! فرمایا اور وفات کے بعد بھی درود پیش ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام فرمادیا ہے اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے۔ (ابن ماجہ ابواب الجنائز ذکر وفاتہ الخ)

اور بعض نسخہ میں ''حین یفرغ منہا'' کی بجائے ''حتی یفرغ منہا'' حرف غایت کے ساتھ ہے۔

امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں کہ اگر لفظ ''حین'' ثابت ہو تو وہ ظرف زمان کے لئے ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام پیش ہونے کا وہی وقت ہے جو اس سے فارغ ہونے کا وقت ہے یعنی درود پڑھنے والا جب درود پڑھ کر فارغ ہوتا ہے بغیر کسی تاخیر کے درود پاک اسی وقت بارگاہ رسالت میں پہنچتا ہے۔ اور اگر لفظ ''حتی'' ثابت ہو تو یہ بھی عدم تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔

(شفاء السقام فصل فی علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اقول، بلکہ عدم تاخیر پر ''حتی'' کی دلالت زیادہ ہے کیونکہ یہ انتہائے غایت کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ درود وسلام ختم ہونے کے وقت ہی ان کی پیشی ہوجاتی ہے۔ لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کا زمانہ متحد و متفق ہے چہ جائیکہ فوراً بعد پیش ہو۔

امام عبداللہ بن المبارک سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی وہ فرماتے ہیں کہ ہر دن صبح وشام امت کے اعمال بارگاہ رسالت میں پیش ہوتے ہیں حضور انہیں ان کی علامات واعمال سے پہچانتے ہیں۔

(کتاب الزہد ابن مبارک حدیث ۱۶۶)

بیہقی بسند حسن اور ابن عساکر بسند جید ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر جمعہ کو مجھ پر درود کی کثرت کرو کیونکہ میری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جو بکثرت مجھ پر درود پاک پڑھے گا اس کا مقام میرے نزدیک سب سے زیادہ قریب ہوگا۔

(سنن بیہقی کتاب الجمعۃ باب مایومر بہ الخ)

سعید بن منصور خالد بن معدان سے مرسلاً راوی "اس حدیث میں بھی یہی ہے کہ ہر جمعہ کو درود پاک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(القول البدیع سخاوی، باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

طبرانی و ابن شاہین و ابن ابی عاصم اور ابن عساکر اس حدیث مشہور میں راوی جو کثیر ائمہ کرام [1] سے بطریق متعددہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل امین ابھی ابھی میرے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ اپنی امت کو یہ بشارت و مژدہ دیدیں کہ جو آپ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اس کے بدلے میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں مٹادی جائیں گی اور اس کے درجے بلند کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض رحمتیں نازل فرمائے گا اور وہ امتی قیامت کے دن آپ پر پیش کیا جائے گا۔

(معجم کبیر، طبرانی۔ حدیث ۴۷۲۱)

نمیری ابن شہاب زہری سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہینے کی پہلی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ یہ دونوں دن تمہاری طرف سے میری بارگاہ میں درود پہنچاتے ہیں اور زمین انبیاء کرام علیہم الصلاۃ

---

[1] وہ ائمہ کرام یہ ہیں ابن ابی شیبہ، احمد، عبد الرزاق، عبد بن حمید، ترمذی، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ دارمی، نسائی، طبرانی، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابو القاسم اصبہانی، اسماعیل قاضی، ابو بکر بن ابی عاصم، ابو طاہر مخلص، ابن شاہین، بقی بن مخلد، ابن بشکوال، ابو یعلی، صابونی، جیسا کہ قول بدیع میں تفصیل ہے۔ سعید بن منصور، ضیاء، خطیب، جیسا کہ جامع کبیر میں ہے اور ابن عساکر جیسا کہ شفاء السقام میں ہے۔ ۱۲ منہ

والسلام کے اجسام کو نہیں کھائے گی۔ اور ابن آدم کے پورے جسم کو مٹی کھا لے گی۔ مگر اس کی دم کی جڑ کو نہیں کھا سکتی۔ یہ پوری روایت ہے۔

(القول البدیع، باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں اسے بیان فرمایا اور اس کا آخری جملہ "کل ابن آدم" کو چھوڑ دیا اور یہ اضافہ فرمایا کہ جو مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے اسے فرشتہ اٹھا کر میری بارگاہ رحمت میں پہنچا دیتا اور درود پڑھنے والے کا نام لے کر کہتا ہے کہ فلاں نے ایسا ایسا کہا ہے۔ (شفاء شریف باب ۴ فصل فی تخصیصہ الخ)

اس کا حال معلوم نہیں اور نمیری کی روایت میں بھی نہیں، اسی لئے اسے بیان کرنے کے بعد حافظ سخاوی نے القول البدیع میں اقتصار کیا اور بغیر انتساب کے کہا کہ وہ امام قاضی عیاض کی شفاء میں ہے۔

(القول البدیع باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے "مناھل الصفا" کے دو نسخوں میں اس کی تبییض کی تو ملا علی قاری اور شہاب خفاجی دونوں کا قول جسے نمیری نے روایت کیا، اس کی جگہ پر نہیں ہے۔ پھر شہاب خفاجی نے اس کی شرح میں فرمایا کہ زمانے کی طرف درود پہنچانے کی اسناد مجازی ہے یعنی مہینے کی پہلی رات اور جمعہ کے دن فرشتے درود کو بارگاہ رسالت میں پہنچاتے ہیں۔ اور رات اور دن کو درود کو پیش کرنے کے لئے قوت گویائی دینا خلاف ظاہر ہے اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد فرشتہ کے درود اٹھانے کی صراحت موجود ہے۔ (نسیم الریاض، باب ۴ فصل فی تخصیصہ علیہ السلام)

اقول، سبحان اللہ، حقیقت کو خلاف ظاہر قرار دیا گیا حالانکہ مجاز کی طرف عدول کے لئے ضرورت درکار ہے اور یہاں پر کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ایام ولیالی کا ادراک وشعور اور لوگوں کے لئے یا لوگوں پر ان کی شہادت و گواہی معلوم و معروف ہے۔ اور حدیث میں فرشتہ کے اٹھانے کی صراحت نہیں ہے اور امام قاضی عیاض نے

جو اسے بیان فرمایا احتمال ہے کہ وہ دوسری حدیث ہو اسے اس کے ساتھ انہوں نے ملا دیا ہو جیسا کہ اس کتاب میں کئی مقامات پر ایسا ہے۔ اور اگر فرشتہ کا اٹھانا تسلیم کر لیا جائے تو وہ مطلق درود کے بارے میں ہے اور یہ جمعہ کے دن سے مخصوص ہے لہٰذا حقیقت کا انکار کہاں ہوا؟ لامحالہ امام سخاوی نے اس کے مجاز ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ رات اور دن تمہاری طرف سے درود پاک کو پہنچاتے ہیں۔ ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(القول البدیع باب ۴ السابعہ فی معنی فی اثرائخ)

جب ثابت ہو گیا کہ رات اور دن بارگاہ رسالت میں درود مبارک کو پیش کرتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ خوشی بار بار تکرار ہو گی اور یہ کہنا واجب و ضروری ہو گا کہ حضور پر ہر درود پانچ بار یا اس سے زیادہ بار پیش ہوتا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم پہلے ہی حاصل ہوتا ہے درود و سلام اور اعمال کے پیش ہونے سے حضور کے عدم علم پر احتجاج و استدلال کرنا ایسا ہے جیسے زمین کے اوپر جس کو کچھ قرار و استحکام حاصل نہیں اسے جڑ سے اکھاڑ دینا۔ جب علم کے بعد پانچ مرتبہ پیش ہونا جائز ہے تو علم کے بعد چھ بار پیش ہونے میں کس نے منع کیا اور کون سی عقل یا نقل نے حد بندی کی ہے کہ معلوم ہونے کے بعد پانچ یا زیادہ بار پیش نہ کیا جائے بلکہ جب پانچ بار جائز ہے تو دس بار اور سو بار بھی جائز ہو گا۔ ولی کائنات و کارساز مطلق نے کوئی ایک تعداد و حد متعین نہیں کی ہے۔

۳۸۔ ابن ماجہ میں ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس میں "وبعد الموت" کا لفظ حرف عطف کے ساتھ زیادہ ہے اس حدیث کے ضمن میں امام سبکی قدس سرہ فرماتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظاہری موت و حیات دونوں حالت میں اعمال پیش ہوتے ہیں۔ (شفاء السقام، باب الثانی)

اقول، اور ایک دوسری چیز یہ ہے کہ مقام نفی میں نکرہ عام ہوتا ہے یعنی کوئی مجھ

پر درود نہیں پڑھے گا مگر اس کے فارغ ہوتے ہی اس کا درود مجھ پر پیش ہوگا، یہ قریب و بعید دونوں کو شامل ہے اور یہاں پر چند عمومات ہیں جیسے یہ حدیث صحیح (ابن ماجہ والی) عمار کی حدیث حسن کی طرح ہے یعنی کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ پر فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے۔

(کتاب الضعفا، سفر ثالث ترجمہ ۱۲۴۳ علی بن قاسم کندی حدیث ۱۲۴۶)

حاکم سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی شعب الایمان و حیاۃ الانبیاء میں اور ابن ابی عاصم فضل الصلاۃ میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر جمعہ کے دن درود پڑھتا ہے میری بارگاہ میں اس کا درود پیش کیا جاتا ہے۔

(حاکم مستدرک، کتاب التفسیر)

بلکہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، ابوبکر بن ابی شیبہ دارمی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، طبرانی کبیر میں، دار قطنی، ابن ابی عاصم فضل الصلاۃ میں، بیہقی، ضیاء مختارہ میں، ابونعیم، حافظ عبدالغنی، امام نووی کتاب الاذکار میں، ابوالخطاب بن دحیہ اور حاکم و منذری بافادہ تصحیح و تحسین اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

سب سے افضل و اعلیٰ دن جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن مخلوق کو غشی طاری ہوگی لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود میری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت ہمارے درود کیسے پیش ہوں گے جبکہ وفات کے بعد آپ کا جسم گل چکا ہوگا؟ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام فرما دیا ہے۔

(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب الجمعہ)

طبرانی وابن عدی اور ابوالقاسم اصبہانی کتاب الترغیب میں حضرت انس سے او
رابن ابی شیبہ وطبرانی اوسط میں اور ابن مردویہ وبیہقی شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سے، سعید بن منصور اپنی سنن میں حسن اور خالد بن معدان سے سب کے
سب مرسلا روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینے کی
پہلی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش
ہوتے ہیں۔ (معجم اوسط طبرانی حدیث ۲۴۳)

افراد کے عموم سے احوال کا عموم ثابت ہوتا ہے علماء کرام نے اس بات کو مختلف
مقامات پر بیان فرمایا ہے بلکہ قریب والے جو حاضر ومخاطب ہیں وہ لفظ ''کم'' میں پہلے
ہی داخل ہیں۔ ان احادیث اور اس قسم کی روایات کا حال یہ ہے کہ جو شخص دربار
رسالت میں خوب خوب صلاۃ وسلام پڑھتا ہے فرشتہ اس کے درود وسلام کو حبیب کبریا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتا ہے اور اس میں کچھ حیرت وتعجب
نہیں کیونکہ یہ بادشاہوں کے دربار کا مخصوص طریقہ ہے اور دنیا کا کون بادشاہ اس مکرم و
معظم بادشاہ جلیل کے ادب واحترام کا حقدار ہوسکتا ہے جو رب ذوالجلال کی سلطنت کا
دولہا ہے۔ اور جب یہ بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں ہوسکتی
ہے تو وفات اقدس کے بعد بھی ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
حدیث عام ہے اور ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، مرتبہ میں زیادہ اور قوی ہے
اوران عمومات جلیہ کی تائید بیہقی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو شعب الایمان میں
ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان میری تربت کے پاس
مجھے سلام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مجھ تک پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرمادیتا ہے اور
اللہ تعالیٰ اس کے دنیا وآخرت کے معاملات میں کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس
کے لئے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ (شعب الایمان، بیہقی باب ۲۳ فصل الحج والعمرۃ۔ حدیث ۴۱۵۶)

ابن سمعون نے اپنی امالی میں اسے اس لفظ سے روایت کیا کہ جو شخص میری تربت کے پاس مجھ پر درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے تو اس کو پہنچانے کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے امور و معاملات میں کافی ہے اور میں روز قیامت اس کے لئے گواہ یا شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ (القول البدیع سخاوی۔ باب ۴ فی تبلیغہ صلی اللہ علیہ وسلم)

قول بدیع میں ہے کہ اس کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر احادیث صحاح وحسن کے عمومات میں سبب تقویت ہے۔

لامحالہ، جوہر منظم، کے مصنف نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روضہ انور کے پاس صلاۃ وسلام کو بذات خود بلا واسطہ سنتے ہیں اور فرشتہ بھی پہنچاتا ہے اس میں حضور کی خصوصیت وعظمت شان اور حضور سے استمداد واستعانت بتانا مقصود ہے۔
(الجوہر المنظم۔ ابن حجر الہیثمی المکی)

زرقانی نے اسے برقرار رکھا اور اس سے شک وشبہ کی رگ بالکل کٹ گئی اور ثابت وواضح ہو گیا کہ اس بات پر عرض وتبلیغ کی قطعاً کوئی دلالت نہیں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پیش شدہ اعمال کا علم نہیں تھا۔

جو میری تربت کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں

اقول، اللہ کا شکر ہے اسی سے ظاہر وواضح ہو گیا کہ وہ اس حدیث کے منافی و معارض نہیں جو دوسری روایت میں ہے اسے بیہقی نے بھی شعب الایمان میں بطریق سدی، اعمش وابو صالح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اس کے لفظ یہ ہیں: جو میری تربت اطہر کے پاس مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ میری بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔

(شعب الایمان باب ۱۵ حدیث ۱۵۸۳)

امام سبکی نے اس کی تعلیل اسی طرح بیان کی یعنی محمد بن مروان سدی صغیر جھوٹ سے متہم ہیں۔ اور اسے ابوالفرج نے موضوعات میں بیان کیا اور جھوٹ سے متہم کیا۔ عقیلی نے کہا اعمش کی حدیث میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں اور محفوظ نہیں۔ حافظ عماد الدین بن کثیر نے فرمایا اس کی سند میں نظر ہے۔

(موضوعات ابی الفرج۔ باب ذکر سماعہ الصلاۃ الخ۔ تفسیر ابن کثیر۔ سورۃ الاحزاب)

ایسا اس لئے ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بذات خود سماعت فرمانا فرشتہ کے ذریعہ پیش ہونے کے منافی نہیں ہے۔ تبلیغ اور سمع میں فرق یہ ہے

- عرف و اصطلاح کے اعتبار سے دور سے نقل کرنے کو تبلیغ کہتے ہیں
- اور کان کے حاسہ سے سننے کو سمع کہتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے درمیان مقابلہ درست ہے۔

سوال: یہ ٹھیک ہے لیکن قریب سے حضور کے سننے کی خصوصیت کا وہم ہوتا ہے؟

قلت: (جواب): یہاں پر ہم اس کے درپے نہیں ہیں بحمدہ تعالیٰ ہم اس سے اپنی کتاب "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ" میں فارغ ہو چکے ہیں اور یہاں پر تمہیں ایک اجمالی جملہ کافی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کریں گے اگرچہ یہاں پر اس بحث کی گنجائش نہیں لیکن ہمارا مقصود و مدعا مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور رفعت شان بتانا اور ان عظیم و جلیل نعمتوں کا اظہار کرنا ہے جنہیں ان کے مولیٰ عزوجل نے ان کے لئے پسند فرمایا۔

یاد رکھو کہ ملک وھاب کی توفیق سے جواب پانچ طریقے پر ہے۔ پہلا جواب مشہور و معروف علماء کے نصوص و اقوال پر ہے اور آخری جواب تحقیقی ہے جو مختار و پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

فاقول، وباللہ التوفیق

اول: یہ معلوم ہو چکا کہ عرف کے اعتبار سے ابلاغ دور سے نقل کرنے کے ساتھ

خاص ہے۔ اور دو طرفوں میں سے ایک کی خصوصیت اس کے ساتھ مقابلہ کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے بتوں کے شکوے میں عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ابراہیم،۳۶)

اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

لوگوں کا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ہونا ان کی پیروی واتباع کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحیم ومہربان ہونا کسی شئی کے ساتھ خاص نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی حکایت میں فرماتا ہے

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ

(النمل،۴۰)

اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔ (کنز الایمان)

ثانی: کبھی کوئی شئی طرفین کی کسی شئی کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی مناسبت کے لئے اس کو ذکر کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی حکایت میں فرماتا ہے

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(المائدۃ،۱۱۸)

اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ (کنز الایمان)

اور فرماتا ہے

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (التحریم،۴)

نبی کی دونوں بیبیو اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔ (کنزالایمان)

حضور کے فضائل سے متعلق کسی چیز میں دو روایتوں کی جمع وتطبیق کا ضابطہ

ثالث: سمع کا اطلاق مزید قبول وتوجہ سے سننے پر ہوتا ہے جیسے، سمع الله لمن حمده، یعنی اللہ تعالیٰ نے حمد کرنے والے کی حمد سنی۔

رابع: "فرمان اقدس کہ جو میرے روضہ کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں" اس میں احتمال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمع محیط عطا ہونے سے پہلے فرمایا۔ ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق اس قسم کی باتوں میں علماء کا یہ دائمی جواب ہے جیسا کہ آیہ کریمہ "ولا اعلم الغیب، اور ولو کنت اعلم الغیب" کی تفصیل میں معلوم ہوا اور یہ حدیث "ذاک ابراھیم" اور حدیث "لا تفضلونی علی یونس بن متی" (یعنی مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو) کے جوابات میں سے ایک جواب ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواھب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے ان روایات (اسلام ابوین کریمین) کے درمیان جمع وتطبیق میں بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ برابر بلند وبالا مقامات میں ترقی کرتے رہے، اعلیٰ مدارج ومراتب پر صعود وورود فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی روح طاہرہ کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا۔ لہٰذا یہ جائز ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ درجہ یعنی سماعت فرمانے کا بعد میں حاصل ہوا لہٰذا نصوص کے درمیان کوئی تعارض وتنافی نہیں یہ توضیح احسن وعمدہ ہے۔

(شرح الزرقانی علی المواھب، باب وفاۃ امہ وما لخ)

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم خدا کی مجھ پر تمہارا رکوع وخشوع مخفی نہیں میں تو اپنی پشت انور کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری کتاب الصلاۃ باب عظمۃ الامام الخ)

اس پر یہ اشتباہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم میں سے کس نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا؟ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایسا کیا ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے حرص وطمع کو اور زیادہ کرے دوڑ تا نہیں یعنی رکوع پانے کے لئے دوڑ کر نہ آنا بلکہ اطمینان سے آنا یا دوبارہ ایسا نہ کرنا بلکہ نماز کے لئے جلدی آنا۔

(بخاری کتاب الاذان۔ مسند احمد مرویات ابی بکرۃ)

نسیم الریاض میں ہے کہ امام ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس فضیلت وعظمت کے عطا ہونے سے پہلے کا یہ قصہ ہے یعنی ابوبکرہ کا قصہ پشت انور کے پیچھے دیکھنے کی فضیلت عطا ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانیں ہمیشہ روزافزوں وترقی پذیر ہوتی رہتی ہیں۔

(نسیم الریاض، الجزء الاول، فصل واما وفور عقلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

مطلب جلیل

سمع وبصر دو دو ہیں عرفی عادی اور علوی الٰہی

خلاصہ: یہ منقوش ومزین علامت ونشانی ہے اس کی طرف میں نے کلام میں اشارہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سننا دو طرح سے ہے

ا۔عرفی عادی جو کان کے حاسہ سے ہوتا ہے۔

۲۔علوی الٰہی جس میں جسمانی آلہ وحواس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

کان سے سننا عادۃً ہوا کے پہنچنے کے سبب سے ہوتا ہے جو متکیف ہو کر کان کے سوراخ تک آواز کو پہنچاتی ہے اور یہ آواز کان کے اس پٹھے سے ٹکراتی ہے جو کان کے اندر بچھا ہوا ہے لہٰذا مسافت کی تحدید وتعیین میں کوئی تعجب نہیں، اس مسافت سے موج والی ہوا ٹکرا کر پہنچتی ہے تو وہ آواز کی کیفیت سے متکیف ہو کر باقی رہتی ہے۔ عادت کے مطابق یہ ہوتا ہے کہ مسافت طویل ہونے کے سبب سے تموج باطل اور تکیف زائل ہو جاتا ہے اور ایک حد کے بعد پھر سننا متصور نہیں ہاں خرق عادت کے طریقے پر سنا جا سکتا ہے اس کے لئے مسافت کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہی اس روایت (جو میری تربت کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں) کا محمل ہے اور اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسی لئے ابن حجر مکی اپنے فتاویٰ میں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ "عند" سے مراد یہ ہے کہ قبر انور کے قریب سے ہو۔

امام سخاوی قول بدیع میں یوم جمعہ کے بعض خطباء کے قول کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جمعہ کے دن درود پاک پیش کرے تو حضور اسے اپنے کانوں سے سماعت فرماتے ہیں اور اسے قریب پر

محمول کرنے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ یہی امام نووی کے جواب کا منشاء و مقصد ہے کہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے تین طلاق کی قسم کھائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود پاک کو سنتے ہیں یعنی جس نے قسم یوں کھائی کہ اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام درود پاک کو سنتے ہیں تو اس کی بیوی پر تین طلاق۔ تو کیا حضور کے اس طرح سماعت فرمانے سے وہ حانث ہو جائے گا؟ کیا اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی؟

انہوں نے جواب دیا کہ سماعت میں شک و تردد ہونے کے سبب سے اس پر حنث کا حکم لگایا نہیں جائے گا۔ مگر ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(زرقانی علی المواہب، جزء ۵ مقصد ۴ و منھا انہ وکل بقبرہ الخ)

اسے زرقانی نے نقل کیا ہے، کیونکہ قسم کی بنیاد ان کے نزدیک حقیقت لغویہ پر ہے اور ہمارے نزدیک قسم کی بنیاد عرف و اصطلاح پر ہے اور دونوں یہاں پر متفق و متحد ہیں کہ سننا کان کے حاسہ سے ادراک و علم کا نام ہے اور خرق عادت کے طور پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سننا ہمیشہ مشکوک و مشتبہ ہے اور شک و تردد سے حنث ثابت نہیں ہوگا لیکن جہاں پر شک و شبہ طاری ہو وہاں پر تقویٰ و پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب و احتراز کیا جائے۔ اس لئے وقوع طلاق کا حکم ہوگا اور وہ حانث ہو جائے گا۔

روحانی قوتوں سے سننا، دیکھنا پکڑنا اور چلنا عرش سے فرش تک ہر قریب و بعید کو محیط ہے

سمع کی دوسری قسم یعنی علوی الٰہی، اس سننے میں پٹھا اور ہوا کا دخل نہیں بلکہ اللہ عز وجل کی استعانت و عطا سے سنا جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے امام بخاری[1] ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے

یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ الحدیث (بخاری، کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

اور اسے احمد و بیہقی دونوں نے ''کتاب الزھد'' میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

(کتاب الزھد الکبیر، بیہقی۔ الاجتھاد فی الطاعۃ۔ حدیث ۶۹۳)

---

[1] ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں جو کرتا ہوں اس میں تردد نہیں کرتا جتنا تردد مومن کی جان سے کرتا ہوں جو موت کو برا جانتا ہے اور میں اس کے برا جاننے کو برا جانتا ہوں۔ ۱۲ منہ
(عمدۃ القاری۔ کتاب الرقاق۔ باب التواضع)

نیز اسے ابن ابی الدنیا وطبرانی وابونعیم وابن حبان اور ابن عدی ام المومنین عائشہ سے اور اسمٰعیلی مسند علی میں امیر المومنین علی سے، طبرانی اور بیہقی کتاب الزھد میں ابوامامہ سے، ابویعلی و بزار و طبرانی حضرت انس سے اور طبرانی بسند حسن مختصراً ابن عباس و حذیفہ سے، اسی طرح ابن ماجہ و ابونعیم کتاب الحلیہ میں معاذ بن جبل اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا۔

حافظ ابن حجر سے منقول ہے، اس حدیث کے بعض طرق میں ہے، اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ وہ بندہ میرے ذریعہ سنتا ہے، میرے سبب سے دیکھتا ہے، میری وجہ سے پکڑتا ہے اور میری قدرت سے چلتا ہے۔

(فتح الباری ۱۱ کتاب الرقاق باب التواضع)

اقول، درست وحق معنی یہی ہے اس کے بعد کسی تاویلات بعیدہ کی حاجت نہیں جنہیں علماء نے بیان فرمایا ہے۔ جب سننا اور دیکھنا اللہ عزوجل کے ذریعہ سے ہوگا تو کسی شئی سے اس کا محدود و محجوب ہونا یا کسی شئی کے قریب ٹھہرنا ممتنع ہے۔

اس بات کو ہم نے اسی کتاب میں امام قاضی عیاض وملا علی قاری اور مناوی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ نفوس قدسیہ جب علائق بدنیہ سے خالی ہوں تو ان کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور وہ سب کچھ مشاہدہ وموجود کی طرح دیکھتے اور سنتے ہیں۔

(تیسیر شرح جامع صغیر اول، حرف الجاء)

امام ابن الحاج مکی کی مدخل میں ہے ہم نے ان کے حوالے سے اس کتاب میں اس کو نقل کیا اور اس سلسلے میں اس کے بیان کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور اللہ کے نور کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ یہ تو ان مومنین کے لئے ہے جو بقید حیات ہیں پھر ان مومنوں کا کیا حال ہوگا جو دار آخرت میں ہیں؟

(المدخل، الکلام علی زیارۃ سید الاولین الخ)

قلت: اس حدیث کو امام بخاری نے تاریخ میں اور ترمذی نے جامع میں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حکیم امام ترمذی کبیر نوادر الاصول میں، سمویہ اپنی فوائد میں، طبرانی کبیر میں، ابن عدی کامل میں ابو امامہ باہلی سے، ابن جریر عبد اللہ بن عمر سے، اور ابن جریر، طبرانی کبیر میں، ابو نعیم حلیہ میں، عسکری کتاب الامثال میں ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ثوبان کی ایک حدیث میں یہ زیادہ ہے اور اللہ کی توفیق سے بولتا ہے۔

(ترمذی، ابواب التفسیر سورۃ نحل۔ معجم کبیر طبرانی، ترجمہ راشد بن سعد۔ حدیث ۷۴۹۷، در منثور سورۃ الحجر)

امام رازی سورہ کہف "الحجج علی صحۃ الکرامات" میں فرماتے ہیں۔ حجت سادسہ یہ ہے اس میں شک نہیں کہ افعال کا متولی بدن نہیں روح ہے اور شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان روح کو ہوتی ہے جس طرح روح کی معرفت بدن کو ہوتی ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس کو عالم غیب کے احوال کا علم زیادہ ہوگا اس کا قلب دوسروں کے لحاظ سے زیادہ قوی ہوگا۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں قسم خدا کی میں نے باب خیبر کو جسمانی قوت سے نہیں بلکہ قوت ربانیہ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسی طرح بندہ جب طاعت و بندگی پر مواظبت و ہمیشگی کرتا ہے تو قرب الٰہی کے ایسے مقام خاص میں پہنچ جاتا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کا کان اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور جب جلال الٰہی کا نور اس کا کان ہو جائے تو وہ قریب و بعید دونوں کو یکساں و برابر سنتا ہے، اور جب وہی نور باری اس کی آنکھ ہو جائے تو وہ دور و نزدیک دونوں کو یکساں دیکھتا ہے اور جب وہی نور یزدانی اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ سخت و دشوار، نرم و آسان اور قریب و بعید سب میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔

(تفسیر کبیر، الکہف آیت ان فی ذلک لآیات للمتوسمین)

نسیم الریاض قسم ثالث کے آغاز میں امام قاضی عیاض کے قول کے تحت میں ہے

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اجسام وظواہر کے اعتبار سے بشر کے ساتھ ہیں اور ارواح وبواطن کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ حاصل یہ ہے کہ ان کے بواطن اوران کی روحانی قوتیں ملکیہ ہیں اسی لئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھتے اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ کو سن لیتے ہیں اور جب جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام ان کے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کی خوشبو محسوس کر لیتے ہیں۔

(نسیم الریاض، جز ۳ قسم ثالث فیما یجب للنبی علیہ السلام)

یہی اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جو ترمذی وابن ماجہ اور ابونعیم میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے میں تو آسمانوں کے چڑچڑانے کی آوازوں کو سنتا ہوں اور آسمانوں کو چڑچڑانے کا حق ہے وہاں پر چار انگلیوں بھر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں پر فرشتے سجدے میں پیشانی نہ رکھے ہوں۔

(ترمذی، ابواب الزھد)

ابونعیم کی حدیث میں ہے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے ناگاہ حضور نے صحابہ کرام سے فرمایا تم وہ نہیں سن سکتے جو میں سنتا ہوں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا کہ میں آسمان کی چڑچڑاہٹ کو سن لیتا ہوں اور آسمان کو چڑچڑانے کا حق ہے اس میں بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں پر کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام میں نہ ہو۔

(حلیۃ الاولیا، اصبہانی ج ۲ ترجمہ ۱۷۹ صفوان بن محرز)

حضور کا غائبانہ امداد فرمانا

طبرانی صغیر میں ہے ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک شب ہمارے پاس تشریف فرما ہوئے جب حضور نماز کے واسطے وضو کے لئے اٹھے تو میں نے حضور کو دوران وضو میں تین بار لبیک، لبیک،

لبیک (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) اور تین بار نصرت، نصرت، نصرت (میں نے مدد کی، میں نے مدد کی، میں نے مدد کی) فرماتے ہوئے سنا جب حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کو وضو کرتے وقت تین بار لبیک اور تین بار نصرت کہتے ہوئے سنا گویا کہ آپ کسی انسان سے بات کر رہے ہیں کیا آپ کے ساتھ کوئی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی کعب کے شہسواروں نے مجھ سے مدد طلب کی اس لئے میں نے یہ کہا وہ سمجھتے ہیں کہ قریش نے ان پر بنی بکر کی اعانت و مدد کی ہے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تین دن کے بعد جب حضور نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو ہم نے بنی کعب کے لوگوں کو پڑھتے ہوئے سنا، اے رب میرے ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وسیلہ بناتے ہیں۔ یعنی بنی کعب کے لوگ فتح مندی کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا۔ (معجم صغیر، طبرانی باب المیم ترجمہ من اسمہ محمد)

زرقانی نے اس پر افادہ فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تین دن کی مسافت کے فاصلے سے سن لینا کوئی بعید و تعجب نہیں ہے حضور تو اس بلند و بالا نیلگوں آسمان کی چڑ چڑاہٹ سماعت فرماتے ہیں۔

(زرقانی ۲ مقصد اول فی تشریف اللہ لہ علیہ السلام)

روح کی سماعت و بصارت

حافظ حدیث سیدی احمد ملطی ابریز شریف میں اپنے شیخ سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ روح کی سماعت دو طرح کی ہے

● ایک سمع وہ ہے روح کی طرف جس کی نسبت ہوتی ہے اور یہ نسبت روح کے ذات میں چھپنے سے پہلے ہوتی ہے اسی کی قوت زمین کے مشارق و مغارب میں پہنچتی ہے۔

● دوسرا سمع وہ ہے روح کی طرف جس کی نسبت ذات میں چھپنے کے بعد ہوتی ہے اور یہ صرف کان کا سننا ہے۔

اور روح کی بصارت بھی دو طرح کی ہے

● ایک حجاب سے پہلے ہے اسی کے ذریعہ زمین کے مشارق و مغارب نظر آتے ہیں اور بصر کی یہی قوت زمین و آسمان کے ساتوں طبقات کو پھاڑ دیتی ہے۔

● دوسری حجاب کے بعد ہے جو صرف آنکھ سے ہوتی ہے۔

روح کی رفتار بھی دو طرح کی ہے۔

● ایک حجاب سے پہلے ہے جو زمین کے مشارق و مغارب کو ایک قدم میں طے کر لیتی ہے۔

● دوسری مشی حجاب کے بعد ہے جو صرف پیر سے ہوتی ہے۔

اسی طرح روح کے دل کی نگاہیں بھی دو ہیں۔

● ایک حجاب سے پہلے ہے جس کا تعلق اس کی بصیرت سے ہے اور یہ بصیرت روح کے تمام جواہر میں ہوتی ہے اور ایک گھڑی میں اس کی تمام معلومات کو دیکھ لیتی ہے وہاں قرب و بعد کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جس ذات میں وہ روح ہے وہ اور عرش اعظم دونوں اس کے پاس ایک حد پر برابر ہیں۔

● اور دوسری نگاہ روح کو حجاب کے بعد حاصل ہوتی ہے اور یہ صرف دل میں ہوتی ہے۔

(ابریز شریف، باب اول، الاحادیث)

نیز ابریز شریف میں سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جس پر ان قوتوں کا دروازہ کھولا جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو یہ وسعت دی جاتی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو دیکھتا ہے۔ اور اس کے سمع میں وہ قوت دی جاتی ہے جس سے وہ ایک سال کی مسافت سے چیونٹی کے پیر کی آواز سن لیتا ہے اور اس پر آوازوں کا اختلاط نہیں ہوتا وہ ہر چیز کی آواز کو جدا جدا سنتا ہے اور ایک کی آواز سنتے وقت دوسرے کی آواز سے غافل نہیں ہوتا یہاں تک کہ آن واحد میں ہزاروں لوگ جو بولتے ہیں وہ سب سن لیتا اور سمجھتا ہے۔

(ابریز شریف، الباب التاسع فی القرآن بین الجمع)

عالم کے تمام حاجت مندوں کی ولی کا مدد کرنا اور ان کی آوازوں کا ایک آن میں سننا اسے کوئی چیز دوسری چیز سے غافل نہیں کرتی اور اس راہ میں حضور علیہ السلام سے اس ولی کی مدد ہوتی ہے

ابریز شریف میں ہے سید شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے ایک ولی کو مقام عظیم پر پہنچا ہوا دیکھا کہ وہ مخلوقات کا مشاہدہ کر رہے ہیں خواہ وہ مخلوق ناطق ہو یا غیر ناطق، اور وحوش وطیور، حشرات الارض اور کیڑے مکوڑے، آسمان اور ماہ ونجوم، زمین اور زمین کی چیزیں اور تمام کرۂ عالم سب اس ولی سے استمداد و استعانت کرتے ہیں۔ ان سب کی آوازوں اور کلام کو وہ بیک وقت سنتے ہیں۔ ہر ایک کی ضرورت وحاجت کے مطابق اس کی امداد واعانت کرتے ہیں اور جو چیز اس کے لئے بہتر وصالح ہو اسے عطا فرماتے ہیں مگر کسی ایک میں مشغولیت کے سبب سے دوسرے سے غافل نہیں ہوتے بلکہ ان کے نزدیک عالم علوی وعالم سفلی ایک ہی مقام اور ایک ہی منزل میں ہیں۔ پھر اس ولی پر رحم کیا جاتا ہے وہ دیکھتے، غور کرتے اور سمجھتے

ہیں کہ ان کی مدد و تصرف نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت سے ہے اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد و اختیار بارگاہ رب ذوالجلال سے ہے لہٰذا وہ (ولی) ہر چیز کو اللہ عزوجل ہی کی طرف سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ (ابریز شریف، باب ۲ فی ذکر شیخ التربیۃ)

بعض وہ فرشتے جنہیں دائمی طور پر سمع محیط کی قدرت دی گئی ہے

اس فرشتہ کے بارے میں حدیث مذکور ہوئی جسے پوری مخلوق کا سننا عطا کیا گیا ہے، اسی کے مثل وہاں پر ایک دوسرا فرشتہ بھی ہے، ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکور میں جسے طبرانی نے روایت کیا اس میں یہ زیادہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اللہ عزوجل نے ایک فرشتہ مامور ومقرر فرمایا اس کا کام یہ ہے کہ آپ کی پیدائش سے قیامت تک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود پاک پڑھتا ہے وہ کہتا ہے اور تم پر بھی اللہ تعالیٰ رحمت وبرکت نازل فرمائے۔ (معجم کبیر ۵ ترجمہ انس بن مالک حدیث ۴۷۲۰)

ایک حدیث میں انہیں کے مثل اور دوسرے دو فرشتوں کا بیان ہے جسے طبرانی و ابن مردویہ اور ثعلبی نے حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے میرے لئے دو فرشتوں کو مامور و متعین فرمایا ہے جب کسی بندۂ مسلم کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ درود پڑھے تو وہ دو فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں ''آمین'' کہتے ہیں۔

(معجم کبیر، ترجمہ ام انیس بنت الحسن۔ حدیث ۲۷۵۳)

دقیقی کی امالی میں یہ ہے کہ کسی مسلمان کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود بھیجے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے۔ اللہ عزوجل اور اس کے

فرشتے ان دونوں فرشتوں کے جواب میں آمین کہتے ہیں۔

(درمنثور سیوطی ۵، الاحزاب آیت ان اللہ وملائکتہ الآیۃ)

اور ایک حدیث گزری کہ جنت سنتی ہے، دوزخ سنتا ہے اور میرے سرہانے ایک فرشتہ ہے وہ سنتا ہے۔

ترمذی بافادۂ تحسین اور ابن ماجہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مرد کو اس کی بیوی دنیا میں ایذا و تکلیف دیتی ہے تو حورعین میں سے اس کی بیوی کہتی ہے اسے اذیت نہ دو اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے وہ تو تمہارے پاس سے جانے والا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اسے ہمارے لئے تم سے جدا کردے گا۔ (ابن ماجہ، ابواب النکاح ترمذی، ابواب الرضاع)

یہ بات جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام وغلمان اور غلاموں کے لئے ہے کہ وہ ہزاروں سال کی مسافت کے فاصلے سے دائمی طور پر ہمیشہ سنتے ہیں تو حضور کے بارے میں کیا خیال ہے؟ دوسرے کے لئے جو بھی تصرف واختیار ہے وہ حضور ہی کی امداد واعانت سے ہے اور وہ حضور ہی کا صدقہ وعطیہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مطلب جلیل

کسی بندۂ خدا کے لئے علم وسمع اور بصر اگر چہ باعطائے الٰہی ہو عالم کی ہر شئی کو محیط ہونا ثابت کرنے میں وہابیہ کے دعوئے شرک پر برہان ربانی

جیسا بھی ہو اوہ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے وہابیہ کے شرک کو نار جہنم میں دھکیل دیا ہے کیا وہابیہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب ملائکہ اور جنت و دوزخ اور حور یہ سب دور و نزدیک سے سنتے ہیں تو یہ سب اللہ کے شریک ہیں؟ اور ایک شئی کو دیکھتے ہوئے دوسری شئی پر شرک کا حکم مختلف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی بھی شئی کسی بات میں اس کے شریک ہو۔ لہٰذا جب بعض کے لئے یہ قدرت ثابت کرنا شرک نہیں تو مطلقاً اور کسی چیز کے لئے بھی یہ ثابت کرنا شرک نہیں ہوگا اگر چہ یہ جزاف مبالغہ ہو یا باطل۔ یا اس سے بڑھ کر عدم ثبوت یا ثبوت عدم ہو۔ اور جس طرح کسی بات کا ثبوت بعض کے لئے شرک ہو وہ جس کے لئے بھی ثابت ہوگا اسی طرح ہر ایک میں شرک ہوگا۔ یہ بات ہر عقل سلیم اور دین مستقیم رکھنے والے کے لئے روشن و واضح ہے۔ لیکن وہابیہ تو عقل و شعور سے خالی اور دین کے معاملے میں کم اور باتونی ہیں۔

بعض وہابیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ زمین کا علم محیط ابلیس لعین کے لئے نص سے ثابت ہے اور کہا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لئے ایسا علم

ثابت کرنا شرک ہے ایمان کا اس میں کوئی شائبہ نہیں۔ اسے وہابیہ کے گرو (مولوی رشید احمد) گنگوہی نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں لکھا ہے۔

(براہین قاطعہ، بحث علم غیب)

یعنی جب اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا تو دیکھئے کہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے ساتھ کس طرح کفر کیا اور ابلیس ملعون پر ایمان لائے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی صفت خاصہ میں اس کا شریک ہے اسی بات کو اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے تو ان کے نزدیک شرک باللہ اور اللہ کا شریک ثابت کرنا قرار پائے۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا ہے

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ

(الحج، ۴۶)

تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

(کنز الایمان)

یہ ان کے شرک کے قتل وہلاک کی ایک برہان ہے۔

اور دوسری برہان یہ ہے کہ وہابیہ سے پوچھو کیا وہ اس بات کا یقین واعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو ایسی قوت وطاقت عطا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ایک دن کی مسافت کے فاصلے کی آواز کو سن لے؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں تو وہ کافر ہیں اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے تو ان سے پوچھو کہ ایک مہینے کی مسافت، ایک سال کی مسافت، اسی طرح پچاس ہزار سال کی مسافت تک بڑھاتے جاؤ اور اگر سابقہ احادیث جب کو دیکھ کر اس مسافت کو بڑھانا چاہتے ہو تو جتنا چاہو بڑھاؤ یہاں تک کہ یہ مسافت ابعاد ثلثہ کے انقطاع تک پہنچ جائے گی۔ لہٰذا جہاں پر وہابیہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مسافت سے اپنے کسی بندے کو سنانے پر قادر نہیں ہے تو بیشک انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ عاجز ہے جس کے

سبب سے وہ کافر ہو گئے۔ لہٰذا ان کا ''ہاں'' کہنا ضروری ہے یعنی ہاں اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور جب یہ قطعاً یقیناً ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ایسی قوت و ادراک عطا کرنے پر قادر ہے جس سے وہ آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہی میں ہر وقت ہر آواز کو سنے تو یہ قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ کسی کے لئے ایسی بات ثابت کرنا شرک نہیں ہو گا نہ شرک ہونا ممکن ہو گا کیونکہ شریک باری ثابت کرنے کو شرک کہتے ہیں، اور شریک محال بالذات ہے، اور محال بالذات کا تحت قدرت داخل ہونا خود محال ہے اور کسی بندہ کو سمع کی قوت دینا تو تحت قدرت داخل ہے لہٰذا اس کا اثبات شرک کا اثبات نہیں تو وہ شرک نہ ہو گا۔ یہیں آ کر باطل پرست ذلیل و رسوا ہوئے۔

بصر و علم کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا جائے گا یہ دونوں برہان ربانی ہیں ان دونوں پر ایمان و یقین رکھو وہابیہ کے شرک و کفر سے محفوظ و مامون رہو گے۔

زمین سے عرش اعظم تک کی مسافت و فاصلہ کے بارے میں ابن ابی حاتم کی وہ روایت ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ہر زمین اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ تمام زمینوں اور تمام آسمانوں اور ان کے درمیان کی مسافت چودہ ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور ساتوں آسمان اور عرش الٰہی کی مسافت چھتیس ہزار سال ہے، یہی ہے وہ قول جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج،۴)

وہ عذاب اس دن ہو گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (کنز الایمان)

(تفسیر ابن ابی حاتم ۱۰، سورہ معارج۔ حدیث ۱۸۹۸۸)

وہابیہ اپنے اس دعوے شرک سے خود ہی مشرک ہیں

پھر اگر تحقیق کی جائے تو ان کا شرک ان پر ہی پلٹے گا کیونکہ وہابیہ کے نزدیک خالق کی صفت میں مخلوق کو شریک کرنے کا نام شرک ہے، اور شرکت خالق و مخلوق دونوں جانب سے ہوگی جیسا کہ مخلوق کے لئے خالق کی صفت ثابت کرنا دونوں کے درمیان شرکت کو مستلزم ہے (والعیاذ باللہ تعالٰی)

اسی طرح خالق کے لئے مخلوق کی صفت ثابت کرنا دونوں کے مابین شرکت کو چاہتا ہے۔ وہابیہ نے اللہ عزوجل کی طرف قریب و بعید کی نسبت کرتے ہوئے مکانوں کی تقسیم کی ہے یہاں تک کہ انہوں نے دور و نزدیک سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے سننے کے قول کو مولٰی عزوجل کی صفت میں ان کا شریک ہونا ٹھہرایا۔ اور اللہ تعالٰی کسی شئی سے بعید ہونے سے بلند و بالا ہے۔ لہٰذا انہوں نے مخلوق کی صفت کو خالق کے لئے ثابت کیا تو تشریک لازم آئی اور شرک ثابت ہوا لہٰذا وہ مشرک ہوئے۔ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے آخرت کا عذاب تو اور بڑا ہے کاش وہ جانتے۔

کلیم وحبیب کی جسمانی آنکھیں

طبرانی معجم صغیر میں بسند صحیح اور امام قاضی عیاض شفا شریف میں بسند خود ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تو پھر وہ دس میل کے فاصلے سے اندھیری رات میں چٹان پر چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ یہ نگاہ و بصر کی رویت ہے۔

(شفا شریف، باب ۲ قسم اول، فصل واما وفور عقلہ)

نسیم الریاض میں ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے نور الٰہی نے مل کر روح حیوانیہ میں اثر کیا اور اس نور میں اضافہ کر دیا جس کے بدن میں پھیل جانے اور منتشر ہونے کے سبب سے علم وادراک حاصل ہوتے ہیں۔

نسیم الریاض ہی میں ہے کہ جب زرقاء یمامہ جو عہد جاہلیت کی ایک عورت تھی اس کی کہاوت و مثل بھی مشہور ہے اس کی نگاہ اتنی تیز تھی کہ وہ چند میل کے فاصلے سے دیکھ لیتی تھی۔ پھر ان نفوس قدسیہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(نسیم الریاض، باب ۲ قسم اول)

جب حضرت کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی نگاہ و رویت کا یہ عالم ہے جبکہ انہوں نے رب عزوجل کو نہیں دیکھا بلکہ صرف اس کی تجلی دیکھی، پھر حبیب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بصر و رویت کے بارے میں کیا خیال ہے جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چشم سر سے رب کا دیدار کیا؟ "فھذہ رویۃ البصر" (یہ بصر کی رویت ہے) کہہ کر شفا میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

قرآن کریم سے روحانی بصر محیط کا ثبوت

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ارواح طیبات کی رویت فرسخ ومیل اور مراحل و منازل سے مقید نہیں وہ تو عرش کی بلندی سے فرش کے تحت الثریٰ تک تمام حجابات کو پھاڑ کر پار ہو جاتی ہے کیا رب تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان مقدس نہیں ہے

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام، ۷۵)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

(کنز الایمان)

ابن جریر وابن ابی حاتم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے باطنی اور ظاہری امور روشن وجلی فرما دیئے اور مخلوقات کے اعمال میں سے ان پر کچھ بھی مخفی و پوشیدہ نہ رہا۔ (جامع البیان طبری۔ الانعام آیت وکذلک نری الآیۃ)

آدم بن ابی ایاس وابن منذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ اور بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں مجاہد سے راوی، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ساتوں آسمان کو کھول دیا گیا انہوں نے ان میں نظر کی تو ان کی نگاہ عرش عظیم تک پہنچ گئی اور ان کے لئے ساتوں زمینوں کو کھولا گیا تو انہوں نے زمین کی تمام چیزیں دیکھ لیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام آیت مذکورہ حدیث ۷۵۰۱)

سعید بن منصور وابن منذر وابن ابی حاتم سدی کبیر سے راوی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ساتوں آسمان کو کھول دیا گیا یہاں تک کہ انہوں نے عرش تک دیکھا اور جنت میں اپنے مقام کو دیکھ لیا۔ پھر ان کے لئے ساتوں

زمینوں کو کھولا گیا یہاں تک کہ انہوں نے اس چٹان کو دیکھا جس پر زمینیں قائم ہیں۔
جب یہ مقام و منصب خلیل جلیل کے لئے ثابت ہے تو حبیب جمیل کے لئے بدرجہا اولیٰ ثابت ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ وبارک وسلم۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، الانعام آیت مذکورہ حدیث ۷۵۰۲)

مطلب عظیم

جو فضیلت و معجزہ اور عزت کسی نبی کے لئے ثابت ہے وہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت ہے

جب ہم کوئی فضائل و معجزات کسی نبی کے لئے دیکھتے ہیں تو ہم حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ان کے ثبوت کا حکم لگا دیتے ہیں اس کے لئے ہمیں مزید کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ صرف کسی نبی کے لئے اس فضیلت و معجزہ کا ہونا ہی کافی ہے۔ اور صورت یا ظاہر کا اعتبار نہیں بلکہ حقیقت کا اعتبار ہے۔

اولا: حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے قصہ میں فرمان باری تعالیٰ ''ومن عصانی فانک غفور رحیم'' (ابراہیم ۳۶) (اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے) کے تحت میں دلیل قائم کرنیکے بعد امام رازی فرماتے ہیں کہ یہاں پر نافرمان سے مراد وہ مومن ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے۔

یہ آیت مقدسہ گناہ کبیرہ والوں سے قبل توبہ عذاب و عقاب ساقط ہونے میں شفاعت ہے، جب اس شفاعت کا حصول حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں ثابت ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں چند وجوہ سے ثابت ہے۔

۱۔ فرق کا کوئی قائل نہیں ہے۔

۲۔ یہ تمام مناصب میں افضل و اعلیٰ منصب ہے، اگر یہ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ

الصلاۃ والسلام کو حاصل ہو اور حضور کے لئے حاصل نہ مانا جائے تو یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں چند وجوہ سے نقصان وکمی کا باعث ہوگا۔

(تفسیر کبیر، سورہ ابراہیم آیت ومن عصانی فانک غفور رحیم)

وثانیا: اما قاضی عیاض کی شفا شریف اور امام سیوطی کی خصائص کبری اور امام قسطلانی کی مواہب لدنیہ اور شہاب مکی کی افضل القریٰ وغیرہا علماء اعلام کی کتابوں میں ہے، شفا شریف کے لفظ یہ ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں جن کو جو فضیلت وکرامت دی گئی ان کے مثل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی دی گئی ہے۔

(شفا شریف، باب اول فصل ۷)

خصائص کبریٰ کے لفظ یہ ہیں، علماء فرماتے ہیں کہ جس نبی کو جو فضیلت ومعجزہ دیا گیا ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اس کی نظیر بلکہ اس سے بڑھ کر موجود ہے۔

(خصائص کبریٰ، سیوطی۔ ذکر موازاۃ الانبیاء فی الخ)

افضل القریٰ میں ہے کہ علماء نے تجربہ وتحقیق کی روشنی میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پھر ان خصائص وفضائل کا موازنہ اور تلخیص کرنے لگے جو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بیان فرمایا ہے اور دونوں بزرگوں نے طلب وتلاش اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت چیزیں باقی رکھی ہیں ان میں بعض کا ذکر عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز خصائص کبریٰ میں ہے: کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے جن خصائص کا شمار کیا گیا ہے وہ سب کے سب حضور کی ذات اقدس میں جمع ہیں جو معجزات وفضائل دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو عطا کئے گئے اور حضور کے علاوہ کسی دوسرے کی ذات میں جمع نہیں بلکہ ہر نبی کے لئے ایک نوع کا معجزہ مخصوص ہے۔ اس سلسلے میں امام مطلبی عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت عنقریب آئے گی۔

(خصائص کبریٰ، باب واختص بان الخ)

امام نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آیت کریمہ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" کے تحت میں فرماتے ہیں کہ جو دلائل نبوت کی کتابوں میں غور وفکر کرے وہ ہر اس معجزہ کے مقابلے میں جو حضور سے پہلے کسی نبی کو دیا گیا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا معجزہ اس سے افضل واعلیٰ پائے گا۔

(غرائب القرآن نیشاپوری، البقرۃ۔تلک الرسل فضلنا)

علامہ فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک "جامع" ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تمام صفات کے جامع ہیں جو متفرق وجداگانہ طور پر دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء وعلماء رحمہم اللہ تعالٰی میں موجود ہیں یہ اس لئے ہے کہ وہ سب حضور کی تفصیل کی صورتیں اور حضور کے خلفاء اور حضور کے مقامات کے مظاہر ہیں ان میں جو بھی ہیں وہ اپنے مقام ومرتبے کے اعتبار سے حضور کے نور میں تیرتے اور حضور ہی کے بحر عطا سے پھلتے پھولتے ہیں۔اس کا پورا مضمون آگے آنے والا ہے۔

(مطالع المسرات، علامہ فاسی۔فصل فی الاسماء)

ہمارے نبی ہی ہر فضل کی اصل ہیں اور دراصل ہر فضل حضور ہی کے لئے ہے

و ثالثا: ائمہ کرام کی تصریحات یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہر فضیلت کی اصل ہیں اور ہر فضل وکمال دراصل حضور ہی کے لئے ہے حضور ہی سے اس کی ابتداو آغاز ہے اور حضور ہی کے دست رحمت پر اس کی تقسیم موقوف ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام تقسیم فرماتے ہیں اور اللہ عزوجل عطا فرماتا ہے۔

امام محمد بوصیری قدس سرہٗ فرماتے ہیں

وکل آی اتی الرسل الکرام بھا فانما اتصلت من نورہ بھم

جو آیات ونشانیاں رسولان کرام کو دی گئیں وہ حضور ہی کے نور سے ان سے متعلق ومتصل ہیں۔

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم فضل وکمال کے آفتاب اور انبیاء کرام نجوم وکواکب ہیں لوگوں کے لئے ان کے انوار وتجلیات تاریکیوں میں ظاہر و آشکار ہوتے ہیں۔

حتی اذا طلعت فی الکون عم ھدا ھا العلمین و احیت سائر الامم

یہاں تک کہ جب وہ آفتاب رسالت طلوع ہوتا ہے تو دونوں جہان میں اس کی ہدایت عام ہوجاتی ہے اور اپنی جلوہ باریوں سے وہ امتوں کو زندگی عطا کردیتا ہے۔

(الکواکب الدریہ، امام شرف الدین بوصیری)

ملا علی قاری ان اشعار کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر علم ومعرفت اور تمام نکتہ و

حکمت سب حضور ہی کے انوار وتجلیات کی شعاعیں اور حضور ہی کے اسرار ورموز کی تابانیاں ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ۔علی قاری، فصل ۳)

امام بوصیری قدس سرہٗ اور فرماتے ہیں

فاق النبیین فی خلق و خلق ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

حضور علیہ الصلاۃ والسلام اخلاق وکردار میں تمام انبیاء پر فوقیت لے گئے علم وکرم میں کوئی بھی حضور کے قریب وہمسر نہ ہوئے۔

(الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریۃ، امام شرف الدین بوصیری)

امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں پر لفظ ''علم'' کو نکرہ استعمال کر کے عموم افراد کی طرف اشارہ کیا اور یہ افادہ فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام حضور کے علوم ومعارف میں حضور کے قریب نہ ہوئے۔

ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری اس شعر کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ کوئی نبی حضور کے اجناس علم کی کسی جنس اور حضور کے انواع کرم کی کسی نوع میں حضور کے قریب و برابر نہ ہوئے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔ (شرح البردہ، علی قاری)

امام عبدالوہاب شعرانی ''الیواقیت والجواہر'' میں فتوحات کے باب ۳۳۷ سے نقل کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے حضور کی سیادت و سرداری اور حضور کی نبوت ورسالت کا عہد وپیمان لیا گیا اس عہد کی بنیاد پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیوں کے نبی ہیں۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے و اذا اخذ اللہ میثاق النبیین ،الایۃ (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے عہد وپیمان لیا) تو حضور کی رسالت وشریعت تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ لہٰذا جس نبی کو بھی کوئی خاص چیز دی گئی وہ دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور وہ حضور ہی کے فیضان کی عطا ہے۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲ ثبوت رسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

دونوں جہان میں کسی کو کوئی نعمت وفضیلت حضور کے بغیر حاصل ہوئی نہ ہو رہی ہے نہ کبھی حاصل ہوگی

مطالع المسرات کے حوالے سے اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر خیر و برکت کم ہو یا زیادہ وہ حضور ہی سے حاصل ہوتی ہے اور حضور ہی کی طلعت زیبا سے ظاہر و آشکارا ہوتی ہے اور تمام وجود حضور ہی سے متجلی ہو کر پھیلا جس طرح درخت بیج سے پھیلتا ہے، حضور ہی وجود کے بیج اور موجود کے قریب تر ہیں۔ حضور ہی ارواح کی اصل اور روح اعظم و آدم اکبر ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(مطالع المسرات، شیخ فاسی۔ فصل فی الاسماء)

اسی میں ہے، حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم میں اللہ عزوجل کے خلیفہ اور بارگاہ عزت کے واسطہ و وسیلہ اور اللہ کے انعام و عطا تقسیم فرمانے کے متولی ہیں۔ جس کو بھی وجود میں رحمت و برکت حاصل ہوئی یا دنیا و آخرت، ظاہر و باطن، علوم و معارف اور طاعت و بندگی میں سے جسے رزق کا کوئی حصہ ملا وہ حضور ہی کے واسطہ اور حضور ہی کے دست رحمت سے ملا۔ حضور ہی جنتیوں میں جنت تقسیم فرمائیں گے۔ اسی سبب سے ائمہ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا ہے کہ حضور کو خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کنجیاں اجناس علم کے خزانے ہیں علماء کو ان کی طلب کے مطابق دیا جاتا ہے، عالم میں جس چیز کا بھی ظہور و بروز ہے وہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا و بخشش ہے

کیونکہ حضور ہی کے دست اقدس میں کنجیاں ہیں خزائن الٰہیہ سے جو بھی چیز نکلتی ہے وہ حضور ہی کے ہاتھوں نکلتی ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(مطالع المسرات، فی کیفیۃ الصلاۃ الخ)

اقول: ہم نے اپنی کتاب ''اکمال الطامۃ علی شرک سوی بالامور العامۃ'' میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو کنجیاں عطا ہونے کا حال آیات قرآنیہ اور احادیث کثیرہ کے حوالے سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے ان کے مطالعہ سے مومنین کے سینے کھل جائیں گے کہ وہ روشن آفتاب حق وہدایت کا مطلع انوار ہے۔

مطالع المسرات میں ہے، مخلوق کو جو نعمت و برکت پہنچتی ہے وہ حضور ہی کے ذریعہ سے موصول ہوتی ہے حضور ہی ہر نعمت کے ولی ومولی اور حضور ہی نعمتوں کے ذریعہ احسان فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیرا ابدالابدین۔ اور اس میں کوئی شک وریب نہیں کہ جو بھی پردۂ عدم سے عرصہ وجود میں آیا اسے حضور ہی کی رحمت دی گئی ہے حضور عین رحمت وجان رحمت ہیں، حضور کا وجود سراسر رحمت ہے، ہر ایک پر حضور ہی کے دست اقدس اور حضور ہی کے ذریعہ سے رحمت ہوتی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (مطالع المسرات، فصل فی کیفیۃ الصلاۃ والتسلیم علیہ)

سیدی ابوالحسن بکری محمد صدیقی مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں

ما ارسل الرحمن اویرسل — من رحمۃ تصعد او تنزل
فی ملکوت اللہ او ملکہ — من کل ما یختص او یشمل
الا وطہ المصطفیٰ عبدہ — نبیہ مختارہ المرسل
واسطۃ واصل لہا — یعلم ھذا کل من یعقل

یعنی رحمٰن نے جو بھیجا یا بھیجے گا، اللہ کے ملک وسلطنت میں جو رحمت چڑھتی یا اترتی ہے، وہ خاص ہو یا عام ہو سب کے لئے رحمٰن کے بندے نبی مختار رسول کردگار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ و وسیلہ اور اصل ہیں اس بات کو ہر عقل سلیم رکھنے

والا جانتا ہے، سیدی بکری نے افادہ فرمایا کہ جسے عقل نہیں وہ اسے نہیں جانتا۔

(حوالہ مذکور)

امام ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے خلیفہ اعظم ہیں اسی نے کرم کے خزانوں اور نعمتوں کے دستر خوانوں کو حضور کے ہاتھوں کے تابع فرمان اور حضور کے ارادہ واختیار میں کر دیا ہے حضور جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ (الجوہر المنظم، ابن حجر ہیثمی مکی۔ فی زیارۃ القبر الشریف)

شہاب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افضل القریٰ میں فرماتے ہیں، جس فضل وکمال سے کاملین آراستہ ومزین ہوئے وہ حضور ہی کے فضل وشرف سے بستمد ادواستعانت کے واسطہ سے ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (افضل القریٰ، شہاب المکی)

ہر فضل حضور کے فضل کا پرتو اور حضور ہی سے مستعار ہے

امام محمد بوصیری قدس سرہ ام القریٰ میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی برکتوں سے دنیاو آخرت میں نفع دے۔

کل فضل فی العلمین فمن فضل النبی استعارہ الفضلاء

دونوں جہان میں جو بھی فضل ہے فضل والوں نے اسے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے مانگے کو لیا ہے۔

شارح مکی فرماتے ہیں کہ فضل والوں سے مراد انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین ہیں کیونکہ حضور ان کے حامی ومددگار ہیں حضور ہی بارگاہ الٰہی کے وارث وجانشین ہیں، حضور ہی بارگاہ عزت سے بلا واسطہ استمداد و استعانت کرتے ہیں کسی اور کو یہ منصب جلیل حاصل نہیں کیونکہ بارگاہ رب ذوالجلال سے حضور ہی کے وسیلہ سے مدد مانگی جاتی ہے جس کامل کو جو چیز ملتی ہے وہ حضور کی بعض مدد اور حضور ہی کے دست اقدس سے ہوتی ہے۔

امام بوصیری نے ''استعاروہ الفضلاء'' کی بجائے ''استعارہ الفضلاء'' فرمایا تاکہ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین کا فضل وکمال سے متصف ہونا معلوم ہو جائے۔ یعنی وہ حضرات بقیہ عالم پر فضل وکمال میں کامل ہونے کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے استمداد کرتے ہیں انہیں یہ فضل اصالت و استقلال کے طور پر نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ہے عاریت دینے والا جب چاہے تو اسے واپس لے سکتا ہے۔ (الفتوحات الاحمدیہ، سلیمان الجمل تحت بیت مذکورہ)

اقول، ناظم قدس سرہٗ کے کلام میں تبع لفظ اور استعارہ، استمداد اور اقتباس کے معنی میں ہے ہمیں کوئی شک نہیں کہ یہ استعارہ کریم ورحیم کی عطاو بخشش ہے جو رد نہیں ہوگی اور نہ وہ رد کرنا چاہے۔

وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس، ۱۰۷)

اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں۔ (کنزالایمان)

مگر دیکھو کہ اس کے مقابل میں کیسے استثناء کیا گیا۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ (الانعام، ۱۷)

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا۔

(کنزالایمان)

حضور کے فضل سے فضلاء کے استعارہ کرنے کے معاملہ کو بھی مطلق رکھا اس میں کچھ استثناء نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ شیخ سلیمان جمل پر رحم فرمائے انہوں نے اس کی شرح میں اس کلام کی تلخیص کی اور حدیث رد کو اس سے ساقط کر دیا۔

حکم، حضور علیہ السلام ہی کا نافذ ہوتا ہے اس کا پھیرنے والا کوئی نہیں

امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راز و رموز کا خزانہ اور نفوذ امر کا مقام و مرکز ہیں، حضور ہی کی طرف سے حکم نافذ ہوتا ہے، حضور ہی کی طرف سے بھلائی منتقل ہوتی ہے۔

الا بابی من کان ملکا وسیدا و آدم بین الماء والطین واقف

سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو بادشاہ و سردار تھے جبکہ آدم علیہ الصلاۃ والسلام پانی اور مٹی کے درمیان ٹھہرے تھے۔

اذا رام امرا لا یکون خلافہ ولیس لذلک الامر فی الکون صارف

جب وہ کسی امر کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا خلاف نہیں ہوتا بات یہ ہے کہ کائنات میں اس امر کا پھیرنے والا کوئی نہیں۔ (المواھب اللدنیہ، قسطلانی۔ المقصد الاول)

نظر ثالث کے آخر میں امام بحر حقائق پھر امام عبدالوہاب شعرانی کے حوالے سے گزرا کہ دنیا میں جس کو جو علم ملتا ہے وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باطنیت سے ملتا ہے خواہ وہ انبیاء ہوں یا علماء جو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے گزرے یا بعد میں ہوئے۔ (الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲)

لہٰذا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانا حبیب کریم محبوب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار و تجلیات کی چمک کی روشنی اور شعاعوں سے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کو دیکھنا حضور

کے لئے اصالۃً اور خلیل کے لئے تبعاً ہے۔ **علیھما افضل الصلاۃ والتسلیم۔**

پھر صحیحین کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ کوئی شئی ایسی نہیں جو مجھے دکھائی نہ گئی اور ہر شئی کو میں نے اپنی اس جگہ پر دیکھا۔ (بخاری، کتاب العلم۔ مسلم کتاب الکسوف)

اور ایک حدیث یہ ہے کہ میں تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو دیکھ رہا ہوں۔ (کنز العمال، حدیث ۳۱۹۷۱)

حضور کے واسطہ سے یہ تمام انبیاء کرام کو بھی حاصل ہے۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

مطلب نفیس

قرآن عظیم سے مطالب ثابت کرنے میں بہت سارے لوگ غافل ہیں

اقول: قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ کسی چیز کے ذکر میں ایک لفظ پر اقتصار و اکتفا کرتا اور اسی لفظ سے اس سے بڑی بات برہان کے طریقے پر ثابت فرما دیتا ہے جیسے لا تقل لھما اف میں والدین کو اف کہنے کی ممانعت و نہی پر اکتفا کیا جبکہ اسی لفظ سے انہیں سب و شتم اور مارنے، تکلیف دینے کی ممانعت بھی ثابت ہے۔ اس کی عمدہ اور نفیس نظیریں ہیں جن سے ظاہر بیں نگاہیں بہت ہی کم آگاہ و آشنا ہیں۔

● حیات شہداء کا ذکر دو مقامات پر ہے اور حیات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے تذکرے سے قرآن خاموش ہے۔

● انہیں میں سے یہ ہے کہ فرشتوں کی عصمت پر قرآن میں نص موجود ہے۔

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم، ۶)

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (الانبیاء، ۲۷)

بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔

(کنزالایمان)

پہلی آیت میں فرشتوں سے قصداً و دانستہ اور دوسری آیت سے خطاءً گناہ کی نفی کی گئی ہے کیونکہ انہیں قول و فعل دونوں کے اعتبار سے مطیع و فرمانبردار بنایا گیا ہے۔

قرآن کریم نے فرشتوں کی عصمت بیان فرمائی اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمت وعفت کا ذکر چھوڑ دیا۔

● قرآن عظیم میں یہ صراحت ہے کہ تمام امتوں پر یہ امت (محمدیہ) افضل ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران، ۱۱۰)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ (کنز الایمان)

جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر جہاں اس امت کے نبی کی افضلیت بیان فرمائی وہاں کنایہ اور لفظ محتمل کا استعمال فرمایا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرۃ، ۲۵۳)

اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ (کنز الایمان)

اسی احتمال کی بنیاد پر اگر کوئی دین دار مسلمان اس آیت سے حضور کے ثبوت افضلیت میں شک کرے تو جائز ہے حرام نہیں اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ دوسرے نبی پر اس کو محمول کرنا جائز ہے جیسا کہ کشاف نے کیا اسی طرح یہاں پر بھی احتمال ہے۔

عدم صراحت میں شاید یہ حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات سے بری کرنا مقصود ہے کہ کہیں جہلاء وسفہاء یہ نسبت نہ کردیں کہ حضور نے خود اپنی تعریف کی ہے جیسا کہ بعض اشقیاء نے کہا کہ محمد تو چاہتے ہیں کہ ہم ان کو حنان ومہربان بنالیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

انبیاء سابقین کے لئے جو خصائص شمار کئے گئے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ان سب کے ثبوت کا اظہار وتذکرہ

اگر سوال ہو کہ پھر تو بر بناء مذکور یہ لازم آئے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو فضیلت حاصل نہیں ہوئی وہ فضیلت کسی نبی کے لئے نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کب عصا کو سانپ بنایا اور کب ہاتھ کو بیضاء (چمکدار) کر کے نکالا؟ (یعنی موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مثل ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مردوں کے زندہ کرنے اور مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرنے کا معجزہ کب دیا گیا؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی کا پرندہ بنایا اس میں پھونک ماری تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن کر اڑ گیا۔

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام فرشتوں نے کہاں سجدہ کیا؟

حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی مانند ہوا اور وحوش وطیور اور شیاطین وجن کو ہمارے حضور کے لئے کب مسخر وفرماں بردار کیا گیا؟ یہ سب سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں صفوں کی ترتیب سے شامل ہو کر جایا کرتے تھے۔ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں

عرض کی تھی

هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (سورہ ص، ۳۵)

مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (کنز الایمان)

اور ان واقعات سے جواب دفع نہیں ہوگا جو حضور سے کبھی کبھی بعض حیوانات کے بارے میں واقع اور مذکور ہوا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ اسے بخاری و مسلم نے ابن عباس اور بزار نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسند حسن روایت کیا۔

(بخاری، کتاب الانبیاء۔ مسلم کتاب الجنۃ)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پیر برہنہ بدن اور غیر مختون لایا جائے گا سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے خلیل کو کپڑا پہناؤ پھر جنت کی دو سفید چادریں فرشتے لا کر ان کو پہنائیں گے، ان کے بعد مجھے کپڑا پہنایا جائے گا پھر میں عرش کی داہنی طرف ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں پر اولین و آخرین مجھ سے غبطہ و رشک کریں گے۔ اسے دارمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(دارمی، باب فی شان الساعۃ، حدیث ۲۸۰۳)

حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور مجھے بھی ان کے ساتھ بے ہوشی طاری ہوگی پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے کنارے کو پکڑے ہوں گے اب یہ معلوم نہیں کہ بے ہوش ہونے والوں میں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا اللہ نے ان کا استثناء فرما دیا کہ وہ بے ہوش ہی نہ ہوں گے۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

(بخاری، کتاب التوحید، مسلم، کتاب الفضائل)

تقابل وموازنہ میں جو روایات ذکر کی گئی ہیں ان میں ان دونوں روایتوں کو ابونعیم و سیوطی اور ابن حجر نے ذکر نہیں کیا ہے۔

شارحین حدیث وسیرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ جزئی فضیلت ہے جو کسی نبی کو حاصل ہے۔ اور جو تم نے ثابت کیا وہ فضیلت حضور پر کسی کو حاصل نہیں اگرچہ جزئی طور پر ہو۔ یعنی جو معجزہ یا فضیلت کسی نبی کے لئے مخصوص ہے اس میں بھی وہ نبی حضور سے افضل نہیں بلکہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی افضل المرسلین ہیں۔

حضور علیہ السلام کو ہر طرح سے دونوں جہان پر فضیلت حاصل ہے کسی چیز میں کسی کو حضور پر کوئی فضیلت نہیں

اقول، و باللہ التوفیق

ہاں ہمارے نزدیک تو یہ ایسا ہی ہے بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر عظیم وجلیل ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پورے عالم میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں جملہ اولین وآخرین پر حضور ہی کو ہر طرح سے فضیلت وبرتری حاصل ہے۔ اور یہ ہم پر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ ہمیں اس تھکن سے مکمل آرام اسی وقت ملے گا جب ہم اس باب میں وارد شدہ اعتراض کا جواب دینے کے لئے کمربستہ ہوں گے۔ بیشک یہ وہ طریقہ ہے جس پر شارحین متاخرین گامزن ہیں جبکہ اس میں عہد ماضی کے ائمہ کی کوئی روایت ونص موجود نہیں یعنی اس بات کا التزام نہیں کہ بعض انبیاء کو بعض امور میں حضور پر فضل جزئی حاصل ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔ کسی کا کوئی فضل جزئی حضور کے فضل کے معارض ومنافی نہیں کیونکہ حضور کا فضل کلی ہے اور تفاضل وبرتری میں فضل کلی ہی کا اعتبار ہے۔

اگر ہم آرام وآسانی چاہیں تو مسلک مختار تو یہی ہے لیکن جہاں ہمارے نزدیک یہ ثابت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہر فضل وشرف میں اصل ہیں اور دیگر انبیاء کے فضائل ومحامد حضور کے محاسن وفضائل سے مستعار ہیں بلکہ وہ حضور کے فضل وشرف کا پرتو اور عکس ہیں۔ امام بوصیری قدس سرہ قصیدہ ھمزیہ کے مطلع میں

فرماتے ہیں

کیف ترقی رقیک الانبیاء	یاسماء ما طاولتہا سماء
لم یدانوک فی علاک و قدحا	ل سنا مک دونہم وسناء
انما مثلوا صفاتک للنا	س کما مثل النجوم الماء

(ام القری، امام بوصیری)

آپ کی بلند منزلوں تک انبیاء کرام کیسے پہنچ سکتے ہیں، اے آسمان تیری بلندیوں کے برابر کوئی آسمان بلند نہیں ہوسکتا، انبیاء کرام آپ کی بلندیوں کے قریب نہ پہنچ سکے آپ کی بلندی و برتری ان کی بلندیوں میں حائل ہوگئی، البتہ وہ لوگوں کو آپ کی صفات کا پرتو دکھا رہے ہیں جیسے ستاروں کی شبیہ پانی دکھاتا ہے۔

پھر یہ کیسے درست وصحیح ہے کہ سایہ کا کوئی حصہ الگ وجدا ہو جائے چہ جائیکہ اصل سے بڑھ جائے ہم نے بقدر وسعت یہ ثابت کیا کہ حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائنات میں سب سے افضل و برتر ہیں اور حضور پر کسی کو کوئی فضل و بزرگی حاصل نہیں خواہ جزئی ہی کیوں نہ ہو، یہ وہی فائدہ ہے جو اس سے پہلے علماء کے حوالے سے یہاں بیان کیا گیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں وہ سب کچھ جمع کر دیا گیا جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں متفرق، جداگانہ طور پر موجود تھا اور مزید وہ عطائے ربانی ہے جسے مخلوق شمار نہیں کر سکتی۔

صاحب قصیدہ بردہ وہمزیہ کا تذکرہ

اسی طرح امام بوصیری کے کلام میں صراحت ووضاحت ہے "ولم یدانوہ فی علم ولا کرم "یعنی علم وکرم میں کوئی نبی حضور کے قریب نہ پہنچے، جیسا کہ یہ گزر چکا ہے اور قصیدۂ ہمزیہ کے اشعار تمہیں کافی ہیں اور وہ حدیث صحیح کافی ہے جس میں یہ ہے کہ دونوں جہان میں جس کو جو فضیلت و بزرگی حاصل ہے وہ حضور ہی کے فضل و کمال کا صدقہ وحصہ ہے۔ قصیدہ ہمزیہ کو تم حقیر وکمتر نہ سمجھو اور نہ اسے شاعرانہ تخیل کہو بلکہ یہ تو امام کبیر کا قول ہے جو جلیل القدر علماء کبار کے شیخ ہیں مثلاً امام عزالدین بن جماعۃ، امام ابوالفتح بن سید الناس، امام ابوحیان مفسر، امام العز بن جماعۃ، شیخ المحدثین امام حافظ زین الدین عراقی، امام سراج الدین ابن ملقن، امام سراج الدین بلقینی، حافظ الشان امام ابوالفضل ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام امام ابوزکریا انصاری، امام ابن حجر مکی، ان ائمہ نے قصیدۂ ہمزیہ کو ایک دوسرے سے روایت کیا اور اسے اپنی اپنی تصانیف میں برقرار رکھا۔

اور قصیدۂ بردہ شریف کا حال تو مخفی و پوشیدہ نہیں اس میں صرف امام ابن حجر کا قول کافی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اتنی زیادہ شہرت ومقبولیت ہوئی کہ لوگ قرآن عظیم کی طرح گھروں اور مساجد میں اس کا درس لینے لگے۔

(افضل القری لقراء ام القری، ابن حجر۔ فی المقدمۃ)

ید بیضا، اور عصا کا اژدہا ہونا، مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کرنا اور ان سب کا جواب

اب رہا ہاتھ کا چمک دار نکالنا اور عصا کا اژدہا کر دینا، مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو اچھا کر دینا۔

تو میں کہتا ہوں کہ بیشک فضل و بزرگی تو صفت میں ہے اور فعل مصلحت کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً دو اچھے بزرگ کاتب جن کی کتابت حسین وعمدہ اور فائق ومشہور ہو، ان میں سے ایک کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی چیز لکھے اور دوسرا اسے چھوڑ دے تو جس نے نہیں لکھا اس پر لکھنے والے کو کوئی فضیلت نہیں بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ جس نے نہیں لکھا اس کی کتابت لکھنے والے سے اچھی ہو۔

کیا تم نے وہ نہیں دیکھا جسے ابو یعلی وابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اور ابن مردویہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ جب آیہ کریمہ "وانذر عشیرتک الاقربین" (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوکر آواز دی اے عبد مناف کی اولاد! میں نذیر اور ڈرانے والا ہوں، یہ سن کر قریش آئے حضور نے انہیں خوف دلایا اور ڈرایا۔ قریش نے کہا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نبی ہیں آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر و تابع کر دیا گیا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے دریا کو خشک کر دیا گیا اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ پہاڑ یہاں سے

ہٹ جائیں اور زمین سے نہریں جاری ہو جائیں پھر ہم وہاں کی زمینوں کو کھیت بنا لیں انہیں جوتیں، فصل بوئیں اور کھائیں۔ یا آپ اللہ سے دعا کیجئے وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے ہم ان سے بات کریں وہ ہم سے بات کریں۔ یا اللہ سے یہ دعا فرما دیں کہ جس چٹان پر آپ کھڑے ہیں وہ سونا بن جائے پھر ہم اسے تراشیں اور ہم گرمی وسردی کے سفر کی مشقت وکلفت سے بے نیاز ہو جائیں کیونکہ آپ کا خیال ہے کہ آپ انبیاء سابقین کے مثل نبی ہیں۔ ہم حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے تھے اور یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ حضور پر وحی اترنے لگی جب وحی کی کیفیت زائل ہوئی تو حضور نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ سب عطا فرما دیا جو تم نے سوال کیا اگر میں چاہوں تو وہ سب ہو جائے لیکن مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ یا تو تم رحمت کے دروازے میں داخل ہو گے تو تمہارے ایمان والے محفوظ رہیں گے یا یہ کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا اور تم اپنے لئے خواہش نفس کی چیز پسند کر لو گے تو رحمت کے دروازے سے ہٹ جاؤ گے اور ایمان والے بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے اسی لئے میں نے رحمت کا دروازہ اختیار کیا تاکہ تمہارے ایمان والے محفوظ و مامون رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بتایا کہ اگر وہ تمہیں وہ سب چیزیں عطا فرما دے پھر بھی تم کفر کرو تو اس پر وہ تمہیں ایسا دردناک عذاب دے گا کہ دونوں جہان میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ۔ ۔ ۔ ۔ الآیۃ

(بنی اسرائیل، ۵۹)

(تین آیات تلاوت فرمائیں)

اور ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یوں ہی باز رہے کہ انہیں اگلوں نے جھٹلایا۔ (کنز الایمان)

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ (الرعد، ۳۱)

اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے۔ (کنز الایمان)

(مسند ابو یعلی، مرویات زبیر بن العوام۔ حدیث ۶۸۵)

حضور علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے، پہاڑوں کو ہٹانے، نہر جاری کرنے، چٹانوں کو سونا بنانے پر قادر ہیں لیکن حضور نے ایسا قصداً نہیں کیا

ابریز میں ہے کہ ولی پوری مخلوق کو ایک لمحہ میں ہلاک و برباد کرنے پر قادر ہے لیکن اس کو ایسا کرنا جائز نہیں۔

رب تبارک وتعالیٰ کے قدرت دینے سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مردوں کو زندہ کرنے، پہاڑوں کو ہٹانے، زمین سے نہریں جاری کرنے اور چٹانوں کو سونے سے بدلنے پر قادر ہیں لیکن حضور نے قصداً ایسا نہیں کیا[1]۔ اور ملا علی قاری کا یہ قول گزر چکا ہے کہ جب لوگوں نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک مردہ زندہ کرنے کی گزارش کی تو حضور نے ان کے جواب میں (استغفروا لاخیکم یعنی اپنے

---

[1] ابریز شریف میں ہے کہ چہرہ کو آگے سے پیچھے کرنے کے وقفہ میں ولی پوری مخلوق کو ہلاک و برباد کر دینے پر قادر ہے اس کے باوجود جب وہ مسلمانوں اور کفار کے معرکہ کارزار میں موجود ہو تو اس قدرت اور اس راز سے کافروں پر تصرف کرنا ولی کے لئے حرام ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء و پیروی کرتے ہوئے کافروں سے عادت کے مطابق لڑائی کرے۔ اس میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فرشتے کافروں کے ہلاک کرنے پر قادر ہیں مگر وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک ولی نے باطنی قدرت سے کافروں کی کشتی میں آگ لگا دی تو اس سے بڑے ولی نے اس کا حال سلب کر لیا۔ ۱۲ منہ

بھائی کے لئے مغفرت کی دعا کرو) فرمایا تا کہ دوسروں کے لئے سد باب ہو جائے
لوگ بار بار آ کر کسی مردہ کو زندہ کرنے کی گزارش نہ کریں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر قادر نہیں تھے۔ کیا تم نے نہ سنا کہ حضور نے فرمایا اگر میں چاہوں
تو ایسا ہو جائے۔ اسی پر علماء کرام نے اپنی اپنی تصانیف میں "احیاء موتی" اور مصیبت
زدہ بیماروں کا شفایاب ہونا وغیرہ ابواب قائم کئے۔ اور حضور کے خدام اور غلاموں سے
یہ بات اس کثرت سے صادر ہوئی جو حد تواتر کو پہنچ گئی ہے۔ وللہ الحمد۔

حضور علیہ السلام ہر ایک کے جملہ احوال کے عالم ہیں

یواقیت وجواہر باب ۳۳۷ میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موص مقامات ہیں کوئی نبی ان میں حضور کے شریک وسہیم نہیں ہیں۔

● ایک مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر ایک ،احوال وکیفیات کا علم عطا فرمایا کیونکہ حضور تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے ۓ۔اور یہ معلوم وظاہر ہے کہ لوگوں کے احوال مختلف ومتفاوت ہوتے ہیں لہٰذا حضور رسالت کا ہر ایک کے جملہ حالات کے لئے عام ہونا ضروری ہے۔

● ایک مقام یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو احیاء اموات وحسأ عطا فرمایا بخلاف دوسرے نبی کے کہ انہیں حقیقۃً یہ معجزہ عطا فرمایا گیا۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالۃ نبینا الخ)

بیہقی بطریق ابو حاتم رازی اور ابن ابی حاتم مناقب شافعی میں راوی، عمرو بن دکہتے ہیں کہ مجھ سے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ب اکبر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ فضل وکمال عطا فرمایا جو کسی نبی کو نہیں میں نے عرض کیا کہ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو احیاء موتی عطا فرمایا، امام شافعی نے یا کہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھجور کے تنے (استن حنانہ) کے نے کا معجزہ عطا فرمایا استن حنانہ کا رونا احیاء موتی سے بڑھ کر ہے۔

(دلائل النبوۃ، بیہقی سفر سادس۔ باب فی حنین الجزع)

(امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ) میرے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہٗ اپنی کتاب مستطاب ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا درست وصحیح ہے کیونکہ مردہ تو زندہ تھا اور صورت انسانیہ نفس ناطقہ سے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ بعد میں بھی باقی ہے۔ بخلاف خشک لکڑی کے کہ وہ ابھی علاقہ حیات کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ اس پر کبھی روح حیوانیہ کا فیض ہوگا۔

(سرور القلوب فی ذکر المحبوب۔ باب الخصائص الشریفہ)

حاصل یہ ہے کہ مردہ زندہ کرنے میں روح کا اعادہ ہے اور استن حنانہ کو قوت گویائی دینے میں ابتداءً صلاحیت عطا کرتا ہے، احیاء مجازی کو دیکھتے ہوئے اعادہ آسان ہے اور فاعل حقیقی پر کوئی چیز مشکل و دشوار نہیں اور اس پر کوئی چیز کسی چیز سے آسان یا مشکل نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان، وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم، ۲۷)

یعنی اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (کنزالایمان)

حضرت مسیح کا پرندہ کی شکل بنانا اور اس کا جواب

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا پرندہ کی صورت بنانا یقیناً ان کا معجزہ ہے، امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں کھجور کی ایک شاخ کو لوہے کی تلوار بنادیا، اس کو ابونعیم نے مٹی سے پرندہ بنانے کی نظیر قرار دیا۔
(الخصائص الکبریٰ، سیوطی۔ باب مااوتی عیسیٰ علیہ السلام)

قلت، ابونعیم نے اسی سے متصل کلام کو ترک کردیا میں اسے مکمل طور پر ذکر کروں گا پھر کچھ زیادتی کے ساتھ مزید اس کی وضاحت کروں گا۔

ابونعیم اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے پھر وہ اللہ کے حکم سے اڑ جاتا، اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی اس کی نظیر ومثال موجود ہے جنگ بدر میں عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں لکڑی کی ایک ٹہنی دی اور فرمایا کہ جاؤ اس سے لڑائی کرو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں سخت مضبوط سفید لوہے کی لمبی تلوار بن گئی پھر اسی سے انہوں نے کافروں سے جہاد وقتال کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا فرمائی۔ پھر اسی تلوار کے ساتھ وہ دیگر غزوات میں فتنہ ارتداد کے زمانے تک شریک ہوتے رہے۔ لہٰذا جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکڑی کو لوہے کی تلوار بنادینے اور اس کے ایک طویل زمانہ تک باقی رہنے میں ہے وہی بات حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مٹی سے پرندہ بنادینے میں ہے۔ پھر یہ کہ حضور

کے دست رحمت سے خاموش پتھروں سے تسبیح وتقدیس اور لا الہ الا اللہ کی آواز سننا، پتھروں اور درختوں کا نبوت کی گواہی دینا اور حضور کا درختوں کو جمع ہونے، آپس میں ملنے اور جدا ہونے کا حکم فرمانا یہ سب احیاء موتی اور مٹی کا پرندہ بنا کر اڑا دینے کے ہم جنس و برابر ہیں۔ (دلائل النبوۃ، ابو نعیم۔ ذکر نصب الاعلام لیلۃ مولدہ)

اقول، سیدنا عیسیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے جو کیا اس میں دو امر ہیں

اول: حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے پرندے کی شکل اپنے ہاتھوں سے بنائی۔

ثانی: پھونک کر اس میں روح ڈالی۔

پہلی قسم فضیلت و معجزہ میں سے کچھ نہیں البتہ یہ معجزہ کی تمہید ہے۔ اور عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت میں تصویر نا جائز و حرام نہیں تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصویر کی حرمت و ممانعت لے کر تشریف لائے اس لئے حضور نے تصویر نہیں بنائی۔ اور ہاتھ سے چھو کر روح ڈالنا بذریعہ پھونک کے روح ڈالنے سے بڑھ کر ہے کیونکہ نبی کے منہ سے جو سانس نکلتی ہے وہ اس پر متجلی ہوتی ہے، نبی سے اور نبی کے منہ سے جو کلام الٰہی نکلتا ہے وہ زیادہ برکت والا ہے لہٰذا کنکریوں میں چھو کر روح ڈالنا مٹی میں بذریعہ پھونک روح ڈالنے سے بڑھ کر ہے اور کنکریوں کا کلام کرنا مٹی کے پرندہ کے اڑنے سے زیادہ عظیم ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر صرف حکم سے روح ڈالنا ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درختوں میں کیا، حضور نے حکم فرمایا ہر درخت نے سمجھا، سنا، حکم بجا لایا، حرکت کی، زمین کو پھاڑا، بارگاہ اقدس میں حاضر آیا اور وہ آپس مل گئے پھر حکم فرمایا تو درخت جدا ہو کر واپس چلے گئے۔ لہٰذا درختوں کا ملنا، جدا ہونا، سامنے ہونا، قریب ہونا اور بغیر قدم کے تنے پر آنا اور جانا یہ سب اس مٹی کی صورت کا پرندہ بن کر حرکت کرنے کے برابر و مقابل ہیں بلکہ درختوں میں سمجھنے اور سننے کی صلاحیت پیدا کر دینا اس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر درختوں کے پاس سے صرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزرنا روح کا افاضہ وافادہ کرتا ہے جب حضور درختوں کے قریب سے تشریف لے گئے تو درختوں نے دیکھا، معلوم کیا اور سمجھا کہ یہی رب العلمین کے خلیفہ اکبر اور یہی پوری مخلوق میں انتہائی تعظیم وتکریم کے مستحق ہیں پھر درخت حضور کے لئے سجدے میں گر گئے۔

پھر اس سے بھی عظیم و بڑھ کر صرف حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے زبان پتھروں کے پاس سے گزرنے سے ہی روح کا پڑنا، پتھروں کا سمجھنا، دیکھنا اور انسان کی طرح ان کا بولنا ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھروں کے قریب سے تشریف لے گئے تو پتھروں نے سلام کیا اور حضور کے لئے رسالت و نبوت کی شہادت دی۔ والحمد للہ رب العلمین۔

فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اوران کا جواب

پیشانی آدم علیہ السلام میں نور محمدی کے سبب سے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ فرشتوں کے سجدہ کرنے میں مسجود لہ کو قبلہ پر فضیلت ہے نہ کہ قبلہ کو مسجود لہ پر، آدم علیہ الصلاۃ والسلام قبلہ تھے اور مسجود لہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اسے امام رازی نے مفاتیح الغیب میں اور امام نیشاپوری نے رغائب الفرقان میں آیہ کریمہ **تلک الرسل فضلنا** کے تحت میں بیان فرمایا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اس لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ پیشانی آدم میں نور محمدی جلوہ گر تھا۔

(مفاتیح الغیب، امام رازی۔ سورۃ البقرۃ)

امام نیشاپوری نے رغائب الفرقان میں جو فرمایا وہ اس سے زیادہ عظیم واعلیٰ اور زیادہ لذیذ وشیریں ہے کہ آدم کو وہ سجدہ اس وجہ سے تھا کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدم کی پیشانی میں جلوہ فگن تھا کیونکہ فکر پہلے ہوتی ہے پھر عمل ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لولاک لما خلقت الافلاک

اے محبوب اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ فرماتا۔

(غرائب القرآن، نیشاپوری۔ سورۃ البقرۃ)

امام ابن حجر "منح المکیۃ فی شرح الہمزیۃ" میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش میں مقصود حقیقی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اسی سبب سے فرشتوں کا سجدہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ زن تھا۔ امام فخر الدین رازی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔

(المنح المکیۃ فی شرح الہمزیۃ لابن حجر۔ اول، ص ۱۴۶)

اسم محمد کی برکت سے نوح کی کشتی جاری ہوئی اسی سے سلیمان علیہ السلام کے لئے شیاطین مسخر ہوئے

حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک سلیمان علیہ السلام کی انگشتری میں منقوش تھا اسی کی برکت سے وہ عظیم سلطنت کے مالک ہوئے حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کی حکومت وسلطنت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کی برکت سے قائم تھی یہ سلطنت سلیمان علیہ السلام کو حضور کے دست رحمت سے عطا کی گئی اور یہ حضور کے فضل وکرم کا پرتو عکس ہے اور اصل تو حضور ہی کے دامن کرم میں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

علامہ ابن العماد کشف الاسرار میں پھر زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں
حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ذکر کی برکت سے سلیمان علیہ السلام کے لئے شیاطین مطیع ومسخر کئے گئے۔

(زرقانی شرح المواہب۔ المقصد الثانی فی اسمائه)

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کے خواص میں سے یہ بات بھی ہے کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی کشتی اسی کی برکت سے جاری ہوئی۔ (حوالہ مذکور)

اور یہ بات بھی معلوم ومشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت ان کی انگشتری میں تھی ان کی حکومت اور جن وانس اور وحوش وطیور وغیرہ پر ان کی حکمرانی کا راز ان کی

انگشتری مبارک میں مضمر و پنہاں تھا۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے اور اس میں یہی راز تھا کہ اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب عزوجل کے اسم پاک کے ساتھ منقوش تھا اور یہ نقش آسمانی تھا۔

طبرانی کبیر میں اور ابن عساکر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد علیہما الصلاۃ والسلام کی انگشتری کا نگینہ آسمانی تھا اسے سلیمان علیہ السلام کے پاس ڈالا گیا انہوں نے اسے لے کر اپنی انگوٹھی میں رکھ لیا اس کا نقش یہ تھا۔

انا اللہ لا الہ الا انا محمد عبدی ورسولی

(تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ابن عساکر۔ ذکر سلیمان بن داؤد علیہما السلام)

حضور علیہ السلام کے سوا کوئی حاکم نہیں حضور کسی کے محکوم نہیں

یہ بات معلوم ہے کہ تمام عالم پر اللہ کی خلافت کبریٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے اس میں حضور کا کوئی شریک وسہیم نہیں، آدم وداؤد اور جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے نائب ہیں حضور ہی کے دست اقدس پر انبیاء کی تولیت ہوئی۔ جس طرح بادشاہ کسی شہر یا اپنی سلطنت کے کسی علاقے وخطے پر اپنے خواص میں جسے چاہے والی ونگراں بناتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی شریعتیں[1] در حقیقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت اور ان کی حکومت حضور کی حکومت ہے، حضور ہی علی الاطلاق حاکم ہیں انفس وآفاق میں حضور کے سوا کوئی حاکم نہیں اسی لئے قیامت کے دن جملہ انبیاء کرام حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے پھر دیکھنے والوں کے لئے سیادت وسرداری میں حضور کا تفرد وامتیاز ظاہر ہوگا اور حضور ہی کی جانب پوری مخلوق راغب ومتوجہ ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بھی مائل ہوں گے جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے

قصیدہ بردہ شریف میں ہے

نبینا الامر الناھی فلا احد
ابر فی قول لا منہ ولا نعم

---

[1] اسے امام اجل تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے اپنی نفیس وجلیل کتاب "لتومنن بہ و لتنصرنہ" میں واضح وآشکار انداز میں بیان فرمایا ہے اور اسے امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کے شروع میں نقل فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

نسیم الریاض فصل ''جودہ وکرمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں اس شعر کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی حاکم نہیں حضور حاکم ہیں، محکوم نہیں اور کوئی ایسا نہیں جو حضور کے صادر شدہ فرمان کو رد کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کو منع کرے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سلطنت کی حقیقت و معنی، اس کا عموم و اطلاق اور اس کا تقدم و استمرار روز اول سے ابدالآباد تک سب کے سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے لئے مختص ہے اس میں کوئی حضور کا شریک و برابر نہیں ہے۔

(نسیم الریاض خفاجی، فصل واما الجود والکرم)

حضور علیہ السلام نے بادشاہ کی صورت اپنے اختیار سے ترک فرمائی

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر کو مراد نہیں لیا اور نہ اسے حضور کے لئے مناسب سمجھا گیا حالانکہ پوری دنیا و مافیہا کو حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا مگر حضور نے سب کو ٹھکرا دیا۔ حضرت اسرافیل علیہ الصلاۃ والسلام اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت انور میں عرض کی کہ اگر آپ چاہیں تو میں تہامہ کے پہاڑوں کو زمرد و یاقوت اور سونا و چاندی بنا کر آپ کے ساتھ لے کر چلوں۔ اسے بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (اتحاف السادۃ المتقین جلد ۹۔ الزھد)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ اسے ابن سعد و ابن عساکر اور احمد نے کتاب الزہد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

(احمد کتاب الزھد، مقدمۃ الکتاب)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں کہ وہ تہامہ کے پورے علاقے کو سونا بنا دے تو وہ ضرور بنا دے گا۔ طبرانی نے اسے ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ (معجم کبیر، ۲۵ حدیث ۲۹۵)

بیشک اللہ عزوجل نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ وہ نبی بادشاہ بنیں یا نبی بندہ، تو حضور نے رب عزوجل کی تواضع وانکساری کے لئے نبی بندہ بننا پسند فرمایا، جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے اسے امام احمد نے ابو ہریرہ سے اور بیہقی

نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی ہریرہ)

فریابی وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم اور ابن مردویہ خثیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں دیدی جائیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیا جائے گا اور نہ اس سے بارگاہ خداوندی میں آپ کا مرتبہ کچھ کم ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو انہیں آپ کے لئے آخرت میں جمع رکھا جائے، حضور نے عرض کیا انہیں میرے لئے آخرت میں جمع رکھا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (الفرقان، ۱۰)

بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لئے بہت بہتر اس سے کردے جنتیں جن کے نیچے نہریں بہیں اور کرے گا تمہارے لئے اونچے اونچے محل۔ (کنز الایمان)

(جامع البیان ابن جریر سورہ فرقان)

ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس معنی کی حدیث روایت کی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں "لا ینبغی لاحد من بعدی" (میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہیں) کا یہی مطلب ہے۔ اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہ کی صورت اپنے اختیار وارادہ سے ترک فرمائی۔

نیز صحیحین ونسائی وغیرہم ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عفریت نے رات کو میری نماز توڑنے کے لئے وسوسہ ڈالا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قدرت دی میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ایک کھمبا سے باندھ دوں جب تم لوگ صبح کرو تو سب کے سب اسے دیکھو پھر مجھے

اپنے بھائی سلیمان کا قول یاد آیا انہوں نے کہا تھا

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ (سورہ ص، ۳۵)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (کنز الایمان)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عفریت کو ذلت وخواری کے ساتھ دور کر دیا۔

(بخاری کتاب الانبیاء مسلم، کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلاۃ)

امام احمد ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے قرأت شروع فرمائی تو حضور پر قرأت مشتبہ ہوگئی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ کاش تم لوگ مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے اپنے ہاتھ سے اس کا گلا دبا کر رکھا یہاں تک کہ دو انگلیوں ابہام وسبابہ کے درمیان ابلیس کے تھوک کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو صبح تک وہ مسجد کے ایک کھمبا سے بندھا رہتا پھر اس سے مدینہ کے بچے کھیلتے۔

امام احمد وابن مردویہ وعبد بن حمید وبیہقی عبد اللہ بن مسعود سے اور طبرانی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی سعید الخدری)

قلت: یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں، یہ نماز صبح میں ابلیس کے بارے میں اور وہ رات کی نماز میں عفریت کے بارے میں ہے، کیونکہ عفریت والی روایت میں "البارحة" (رات) اور "حتی تصبحوا" کا لفظ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روز قیامت خلیل اللہ کو کپڑا پہنانے کی اولیت اور اس کا جواب

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو کپڑا پہنانے کے بارے میں اولاً میں کہتا ہوں کہ ان کی تعظیم و تکریم کے لئے پہلے انہیں کپڑا پہنایا جائے گا حالانکہ اس دن تو پوری کرامت و عظمت کثیر و قلیل اور دقیق و جلی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے دست اقدس میں ہوگی۔

دارمی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام میں قبر انور سے سب سے پہلے میں نکلوں گا، جب وہ چلیں گے تو میں ان کا قائد و رہنما ہوں گا، جب وہ خاموش و ساکت ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع ہوں گا اور جب وہ مایوس و ناامید ہوں گے تو میں انہیں بشارت و خوشخبری دوں گا، کرامت و عظمت اور کنجیاں اس دن میرے ہی دست رحمت میں ہوں گی میں بارگاہ خداوندی میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز ہوں میرے ارد گرد ایسے ہزاروں خدام ہوں گے جیسے وہ ڈھک رکھے ہوئے انڈے یا پھیلے ہوئے موتی ہیں۔ اسے ترمذی[1] نے اختصار

---

[1] یہی حدیث مشکوۃ میں کچھ لفظوں کی زیادتی کے ساتھ اس طرح ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا اور جب وہ چلیں گے تو میں ان کا قائد و رہبر ہوں گا، جب وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا، جب وہ روکے جائیں گے تو میں ان کا شفیع و نجات دہندہ ہوں گا، جب وہ مایوس و غمگین ہوں گے تو میں انہیں بشارت و مژدہ دوں گا، لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، بارگاہ عزت میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ مکرم و معظم میں ہوں اس میں کچھ فخر اور اترانا نہیں۔ ۱۲ منہ (مشکوۃ، باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فصل ثانی)

وزیادتی کے ساتھ روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(دارمی، حدیث ۴۹۔ترمذی ابواب المناقب، باب فضل النبی علیہ السلام)

لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی حق ابوت کی رعایت کے سبب سے اپنے باپ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی تکریم وتعظیم کریں گے۔ فضل وشرف تو حضور ہی کے لئے ہے۔

ثانیا: حدیث صحیح میں ہے جسے ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور کہا یہ حسن غریب صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی میں جنتی جوڑا زیب تن کروں گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا میرے علاوہ مخلوق میں سے کوئی اس مقام پر کھڑا نہ ہوگا۔

(ترمذی ابواب المناقب۔باب ماجاء فی فضل النبی علیہ السلام)

یہاں پر حدیث میں لفظ اولیت اور فاء کا تقاضا یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو سب سے پہلے جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔ ابن عباس کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کی اولیت کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ تمام لوگوں کی نسبت سے اولیت مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث کے آغاز میں ہے تم لوگ ننگے پیر برہنہ بدن اٹھائے جاؤ گے۔ یعنی لوگوں میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑا پہنایا جائے گا اور انبیاء میں سب سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

حدیث دارمی کے لفظ یہ ہیں تمہیں برہنہ بدن غیر مختون لایا جائے گا پھر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔

(دارمی باب ما اعطی النبی علیہ السلام من الفضل۔حدیث ۴۹)

اس حدیث میں معنی مذکور کا زیادہ دخل ہے۔ مگر حدیث ابن عباس میں ہے کہ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے بعد کپڑا زیب تن کروں گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور کو یہ

دوسرا جوڑا عطا کیا جائے گا۔ بیہقی و قرطبی اور زرقانی کے نزدیک بھی حدیث کا یہی مطلب ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو جوڑے پہنائے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (زرقانی شرح المواہب، القسم الرابع، ما اختص بہ الخ)

حاصل یہ ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے پہلے اٹھیں گے صرف زمین کے شق ہونے سے ہی حضور کو ایک جنتی جوڑا پہنایا جائے گا پھر حضور حشر میں ملبوس تشریف لائیں گے اور حضور کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا لوگ سرتا پا برہنہ ہوں گے یہاں تک کہ حشر مکمل ہو جائے گا اور لوگ محشر میں جمع ہوں گے پھر اس وقت خلیل اللہ کو کپڑا پہنانے سے ابتدا ہوگی کیونکہ حبیب علیہ السلام کو اس سے پہلے ہی پہنایا جا چکا ہوگا۔ جن لوگوں کا حشر برہنہ ہوگا ان لوگوں کی بہ نسبت یہ اولیت حقیقیہ ہے اور اسے اولیت اضافیہ قرار دینے کی حاجت نہیں۔ پھر بارگاہ رب ذوالجلال میں برسر مجلس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ اور قربت عظمیٰ کا جوڑا عطا کیا جائے گا حضور اسے زیب تن فرمائیں گے اور عرش کے داہنی جانب قیام کریں گے بلکہ عرش پر جلوس فرمائیں گے جیسا کہ امام مجاہد نے فرمایا اور میں نے اسے اپنی کتاب "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" میں بیان کیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ معنی درست و صحیح ہے اس پر کوئی گرد و غبار نہیں۔ یہ بندہ فقیر پر مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کا فیضان و احسان ہے۔

پھر میں نے مرقاۃ شرح مشکوۃ کی طرف رجوع کیا تو دیکھا کہ ملا علی قاری نے باب الحشر میں تقدیم خلیل کی چند وجوہ تحریر کی ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام حضور کے باپ ہیں اسی عزت ابوت کے سبب سے ان کو کپڑا پہنانے میں مقدم کیا گیا۔ اس قول کا میلان ادھر ہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولیت میں اولیت حقیقیہ یا اولیت اضافیہ دونوں ہونے کا احتمال ہے۔ اور ابھی تمہیں معلوم ہوا کہ اولیت اضافیہ کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

(مرقاۃ علی قاری۔ کتاب الفتن حدیث ۵۵۳۵)

پھر ملا علی قاری نے باب الشفاعۃ میں تحریر فرمایا کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فرمان میں داخل نہیں ہیں کیونکہ متکلم اپنے خطاب میں داخل نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ علی قاری، کتاب الفتن، حدیث ۵۵۹۶)

یہ ابوالعباس احمد قرطبی مصنف "المفہم شرح تلخیص صحیح مسلم" کا قول ہے۔ اور اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری اور امام عینی نے بھی عمدۃ القاری کتاب الانبیاء میں جائز رکھا ہے اور زرقانی نے شرح مواہب باب الخصائص میں اس کی متابعت وپیروی کی ہے۔ لہٰذا یہ تیسرا جواب ہے اگرچہ ہمیں اس کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن ملا علی قاری نے جو اس کا رد کیا وہ قرطبی کے شاگرد ابوعبداللہ محمد قرطبی کی پیروی میں کیا ہے ابوعبداللہ محمد قرطبی نے کتاب التذکرہ میں اس انداز میں لکھا ہے کہ "یہ خود قائل کی صراحت سے غفلت ہے" جبکہ "ثم اکسی علی اثرہ" کی تصریح موجود ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابراہیم علیہ السلام کے بعد کپڑا پہنایا جائے گا۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ علی قاری، کتاب الفتن حدیث ۵۵۹۶)

فاقول: اس بات کو رد کرنے والی دلیل معلوم ہو چکی ہے البتہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ پہنایا جانا برہنگی ہی سے ہوتا ہے حالانکہ یہ لغت وعرف دونوں کے اعتبار سے غلط وباطل ہے اور ترمذی کی جو صحیح حدیث وارد ہوئی اس کے منافی ومعارض ہے۔

پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملبوس تشریف لائیں گے مگر کرامت وتعظیم کے لئے دوبارہ پھر لباس زیب تن کرایا جائے گا، بخلاف اس کے کہ دوسروں کو برہنگی کے سبب سے پہنایا جائے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ وہی جواب ہے جو ہم نے دو نمبر پہ ذکر کیا ہے۔

(مرقاۃ علی قاری۔ کتاب الفتن حدیث ۵۵۹۶)

لیکن ملا علی قاری کا یہ قول کہ "یہ بہت ہی مستبعد ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ تمام انبیاء برہنہ اٹھائے جائیں گے۔" (حوالہ مذکور)

اقول، دعویٰ تو بہت دور کا کیا گیا مگر وجہ بیان نہیں کی گئی بلکہ یہ تو قریبی وجہ ہے

جس کی توجیہ حدیث صحیح سے ہوتی ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہوا۔

اور جس شق کو ملا علی قاری نے خود اختیار کیا وہ تو بہت ہی زیادہ غلط و شنیع ہے وہ کہتے ہیں کہ جب خلیل اللہ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں تو انہیں سے کپڑا پہنانے کی ابتدا ہوگی۔ (حوالہ مذکور)

اقول، اللہ سے ہم امن وسلامتی مانگتے ہیں، ان کی طرف سے عمدہ عذر یہ ہے کہ انہوں نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت مراد لی ہوگی لیکن ان ہی سے مطلقاً ابتدا کرنے کا دعوی مناسب نہیں بلکہ بعض قیود کی ضرورت ہے۔

پھر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جب ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو لباس پہنانے کا سلسلہ حضور ہی سے ختم ہوگا۔ (حوالہ مذکورہ)

اقول، اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جملہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد لباس پہنایا جائے گا حالانکہ یہ قطعاً یقیناً باطل ہے۔ اور دوبارہ یہ نہ کہا جائے کہ ہزاروں کے درمیان یہ سلسلہ حضور سے ختم کیا جائے گا۔

پھر میں نے دیکھا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الرقاق باب الحشر میں یہی بیان فرمایا ہے۔ اور بیشک میرے لئے ابھی یہ ظاہر و آشکارا ہوا کہ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور سے انہیں کپڑوں میں باہر تشریف لائیں گے جن میں وصال اقدس ہوا اور اس وقت جو جنتی جوڑا زیب تن فرمائیں گے وہ کرامت و تکریم کا خلعت ہوگا اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پایہ عرش کے قریب کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔ لہٰذا کپڑا پہننے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیت بقیہ مخلوق کے اعتبار سے ہوگی۔

(فتح الباری کتاب الرقاق حدیث ۶۵۲۴_۶۵۲۹)

یہ وہی بات ہے جس کی طرف میں نے دوبارہ اشارہ کیا اور بیشک ہم نے اس بحث میں جو تقریر کی وہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت زیادہ پسندیدہ و شیریں ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و اولیاء اور شہداء حشر میں ملبوس ہوں گے اور عام لوگ سر تا پا برہنہ

اقول، یہ کہنا واجب ہے کہ ہمارا رب عزوجل حی و کریم ہے۔ ہاں حشر میں عام لوگ برہنہ اور ننگے ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ حساب و کتاب وغیرہ میں ایسے مشغول ہوں گے کہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے غافل و بے پرواہوں گے۔ ہر شخص کا اس دن عجیب و غریب حال ہوگا جس کے سبب وہ دوسرے کی طرف دیکھنے وغیرہ سے بے نیاز ہوں گے، **حسبنا الله و نعم الوكيل**۔

صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو ننگے پیر برہنہ بدن غیر مختون اٹھایا جائے گا حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مرد اور عورتیں سب ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ فرمایا اے عائشہ معاملہ تو بہت ہی سخت و شدید ہے بھلا لوگ کسی کی طرف کیسے دیکھیں گے؟ (بخاری کتاب الرقاق۔ مسلم کتاب الجنۃ)

مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب اس دن نظریں اٹھیں گی حضور ہی کی طرف پوری مخلوق راغب و متوجہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام بھی حضور کی نظر کرم کے متمنی ہوں گے اور حضور ہی کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر انور سے اپنے دونوں صحابی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ باہر تشریف لائیں گے۔ ترمذی نے بافادہ

تحسین اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسے روایت کیا۔

(ترمذی ۲ ابواب المناقب باب مناقب الفاروق

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ترمذی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں اس طرح تشریف لائے کہ ابوبکر صدیق حضور کے داہنی طرف اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بائیں جانب اور حضور دونوں حضرات کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اسی حال میں حضور نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھیں گے۔

(ترمذی ۲ ابواب المناقب، باب مناقب ابی بکر)

اور یہ بات قطع ویقین سے معلوم ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جو ہول قیامت اور اس کی گھبراہٹ وخوف سے مامون ومحفوظ ہوں گے۔

ابوداؤد و ابن حبان بافادہ تصحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نزع کے وقت نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردے کو انہیں کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اس کی موت ہوتی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الجنائز)

یہ روایت ان احادیث مذکورہ کے مخالف ہے جن میں یہ ہے کہ "تم لوگ برہنہ اٹھائے جاؤ گے" علماء ومحدثین نے ان کی جمع وتقسیم میں چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں یعنی بعض لوگ ننگے اٹھیں گے اور بعض کپڑوں میں۔

اقول، یہ تقسیم کپڑوں میں اٹھائے جانے والوں کے حق میں زیادہ مناسب ہے۔ یعنی بعض لوگ تو انہیں کپڑوں میں اٹھیں گے جن میں ان کی موت ہوئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

اور بعض اپنے اپنے کفنوں میں اٹھیں گے۔

جیسا کہ ابن ابی الدنیا بسند حسن عمرو بن اسود سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو دفن کیا انہوں نے

ہمیں جتنے کپڑوں میں کفن دینے کا حکم دیا اور کہا کہ اپنے مردوں کو عمدہ اور اچھے کفن دو کیونکہ وہ انہیں میں اٹھائے جائیں گے۔ (فتح الباری، کتاب الرقاق۔ باب الحشر)

اور تحقیق کہ تقسیم میں یہ حدیث نص ہے جسے احمد و نسائی و حاکم اور بیہقی نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت لوگ تین گروہ میں اٹھیں گے۔

۱۔آسودہ حال کپڑے پہنے ہوئے سوار ہو کر۔

۲۔ایک گروہ پیدل چلے گا۔

۳۔اور ایک گروہ کو فرشتے ان کے چہروں کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔

(مسند احمد ۵ مرویات ابی ذر۔ حاکم مستدرک کتاب الاہوال)

اس روایت میں حشر اور اٹھائے جانے سے مراد قرب قیامت اٹھایا جانا ہے، اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اس روایت میں "یوم قیامت" کا لفظ قرب قیامت ہونے کے سبب سے مجازاً استعمال کیا گیا یا یہ بعض راوی کا اضافہ ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کے کفن میں مبالغہ کرو اور اچھا و عمدہ کفن دو کیونکہ میری امت اپنے کفن میں اٹھے گی اور دوسری تمام امتیں برہنہ۔ (فتح الباری کتاب الرقاق)

حافظ ابن حجر باب الحشر میں فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (حوالہ مذکور)

امام عینی کتاب الانبیاء ذکر ابراہیم علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسے سفیان نے مسنداً روایت کیا۔ (عمدۃ القاری ۱۵ کتاب الانبیاء)

یہ معلوم ہو چکا کہ دونوں صحابی جلیل حضرت ابو سعید خدری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی حدیثوں کو ان پر محمول کیا جو شہداء سے عام ہیں لیکن جمہور علماء نے انہیں شہداء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے کیونکہ شہداء کے لئے حکم ہے

انہیں ان کے کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔اسی طرح قرطبی نے امام غزالی کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ثابت ہو جائے تو وہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے شہداء پر محمول ہے تاکہ اخبار واحادیث میں تناقض وتعارض لازم نہ آئے۔ (فتح الباری کتاب الرقاق)

اقول، اس بنیاد پر کپڑے پہننے والوں میں تقسیم وتوزیع باقی نہ رہے گی کیونکہ شہداء کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں اور جمہور کے قول کے بموجب یہ تقسیم امت کے حق میں ثابت ہوگی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اسے شہداء ہی پر محمول کیا جائے کیونکہ وہی اپنے کپڑوں میں دفن کئے جاتے ہیں پھر وہ انہیں کپڑوں میں اٹھائے جائیں گے تاکہ غیروں سے وہ ممتاز ومنفرد رہیں۔اسے ابن عبدالبر نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے۔
(فتح الباری، کتاب الرقاق۔باب الحشر)

اقول، جب یہ شہداء کے امتیاز وتفرد کے لئے ہے تو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے یہ بدرجہا اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ وہ ضرور اس کے مستحق اور ہر طرح کی تکریم وتعظیم کے حقدار ہیں۔

مواہب لدنیہ شریف میں حافظ محب الدین طبری کی ''ذخائر العقبیٰ'' سے منقول ہے حافظ طاہر سلفی بسند خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام جانوروں پر سوار ہوکر اٹھیں گے۔

- حضرت صالح علیہ السلام اپنی اونٹنی پر تشریف لائیں گے۔
- اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونوں بیٹے حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری اونٹنی عضباء اور قصواء پر سوار ہوکر آئیں گے۔
- اور میں براق پر تشریف لاؤں گا اس کا قدم حد نگاہ کے فاصلے کے پاس ہوگا۔

● اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنتی اونٹنی پر آئیں گے۔ (مواہب للدنیہ مقصد ۱۰ فصل ۳)
حاکم و طبرانی نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے اس کے آغاز میں ہے کہ روز قیامت انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام محشر میں سوار ہو کر تشریف لائیں گے اور فرمایا کہ میرے بیٹے حسن و حسین جنت کی دو اونٹنیوں پر آئیں گے۔

(معجم کبیر طبرانی۔ حدیث ۲۶۲۹)

ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ایک حدیث طویل مروی ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیہ کریمہ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (مریم، ۸۵) (جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر۔ کنزالایمان) کے تحت بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔ ابن ابی حاتم وابن مردویہ نے بطریق عدیدہ اس کی تخریج کی اور اسے درمنثور میں بیان کیا گیا ہے۔

(درمنثور سیوطی، آیت یوم نحشر المتقین)

لہٰذا سواریوں کے ذریعہ جن کی تکریم و تعظیم کی جائے گی انہیں بغیر کپڑوں کے برہنہ چھوڑ دینا بہت ہی بعید ہے۔ میرے رب سے مجھے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بارے میں ظن و امید ہے کہ وہ کپڑوں میں ملبوس اٹھیں گے بلکہ جو ان سے کم درجہ کے ہیں وہ بھی یہاں تک کہ شہدائے کرام بھی کپڑے پہنے ہوئے اٹھیں گے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث عام لوگوں کے بارے میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین شق ہونے کے فوراً بعد جنتی جوڑا زیب تن فرمائیں گے پھر محشر میں لوگوں کے روبرو تشریف لائیں گے اس کے بعد انبیاء کرام کو برسر مجلس کرامت و تعظیم کے جوڑے پہنائے جائیں گے اور وارثین انبیاء میں اللہ تعالیٰ جنہیں چاہے انہیں بھی خلعت عطا فرمائے گا پھر حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خلعت و حلے پہنانے کی ابتدا ہو گی ہمارے نبی سردار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قربت عظمیٰ اور شفاعت کبریٰ کا جوڑا دوبارہ زیب تن اقدس کرایا جائے گا حضور کو وہ مقام

رفیع حاصل ہوگا جس کے لئے کوئی بشر کھڑا نہ ہو سکے گا پھر حضور عرش الٰہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے جہاں پر اولین و آخرین رشک و انبساط کریں گے۔

ہم حضور کے رب سے حضور کے اور اس کے اولیاء کے واسطے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہماری ستر عورت کرے ہمیں برہنہ نہ کرے ہمیں خوف محشر سے محفوظ و مامون رکھے، ہماری خطاؤں اور گناہوں کو بخش دے۔ و حسبنا اللہ و نعم الوکیل والحمد للہ رب العلمین۔

کلیم اللہ کا ہوش میں آنا اور اس کا جواب

رہا حضرت کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا ہوش میں آنا تو یاد رکھو کہ اس حدیث نے بہت سارے علماء جدید وقدیم کو مشکل میں ڈال دیا ہے یہاں تک کہ امام قاضی عیاض اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اشکل احادیث میں سے ہے۔ اس کی تاویل وتوضیح مشکل ہے۔ (شرح مسلم نووی کتاب الفضائل)

یہ دونوں امام اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر شارحین اور غور وفکر کرنے والے اس میں کافی مضطرب و بے چین اور متفکر ہیں یہاں تک کہ کچھ لوگوں کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین کی حدیث میں ثقہ راویوں کو وہم وخلجان ہوا، اگر میں اس بحث کے متفرقات کو جمع کروں اور ان میں سے ہر ایک میں جو کلام ہے اسے بیان کروں تو منزل مقصود سے بہت دور ہو جاؤں گا، کلام انتہائی طویل اور نظام تحریر بگڑ جائے گا۔ اور ہم نے فتح الباری وعمدۃ القاری اور مرقاۃ وغیرہا کے حاشئے پر اس مضمون پر تبصرہ کیا اور اللہ عزوجل کی توفیق رفیق سے تحقیق کی ہے کہ جن اشکال کا حل مشکل ودشوار سمجھا گیا ان میں سے صرف ایک وارد ہو سکتا ہے اور علماء نے جن اشکال کو حل کرنے کا قصد وخیال کیا ان میں سے صرف ایک کی توجیہ درست ہے۔

جو اشکال وارد ہوئے ہیں امام عینی نے عمدۃ القاری میں ان کا افادہ اس قول سے فرمایا کہ "بیشک نص وارد ہوئی، نیز علماء کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ روز قیامت سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زمین شق ہوگی۔

(عمدۃ القاری ۱۵، کتاب الانبیاء باب قول اللہ وواعدنا موسیٰ الایۃ)

شیخ محقق دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے پھر حضور نے "لا ادری" کیونکر فرمایا (یعنی مجھے معلوم نہیں) کہ نفخ صور کے بعد موسیٰ علیہ السلام پہلے ہوش میں آئیں گے یا میں؟ (اشعۃ اللمعات، کتاب الفتن)

حافظ ابوالحجاج مزی مصنف "کتاب تہذیب الکمال" فرماتے ہیں ان سے ابن القیم نے "کتاب الروح" میں نقل کیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے قبر انور سے باہر تشریف لانا درست وصحیح ہے۔

(کتاب الروح، ابن قیم جوزی۔ المسائلۃ الرابعۃ)

اسی پر جزم ویقین کی بنیاد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے میں جو بیان ہوا وہ شک وتردد کو چاہتا ہے اور وہ اس حدیث کے راوی کا وہم وخیال ہے جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ بعث ونشر میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو تقدم واولیت حاصل نہیں ہے۔

(مرقاۃ علی قاری ۹، کتاب الفتن حدیث ۵۷۰۹)

ملا علی قاری نے اس کے حل کا قصد کیا اور بیان فرمایا کہ اس حدیث میں جو غشی طاری ہونے کا ذکر ہے وہ بعث سے قبل نفخہ فزع (وہ صور جس سے خوف وگھبراہٹ طاری ہوگی) کے وقت ہے۔ (حوالہ مذکور)

اور تمہیں معلوم ہے کہ بعث سے پہلے نفخہ قیامت کے سوا کوئی نفخہ نہیں ہے۔ اور ملا علی قاری نے حدیث کی شرح میں خود ہی فرمایا کہ "تمام لوگ قیامت کے دن نفخہ اولیٰ کے وقت بے ہوش ہو جائیں گے (حضور فرماتے ہیں کہ) مجھے بھی ان کے ساتھ غشی طاری ہوگی۔ (مرقاۃ کتاب الفتن، حدیث ۵۷۰۸)

اور وہ صرف خوف وگھبراہٹ کا نہیں بلکہ موت کا نفخہ ہوگا۔ مگر یہ کہ اس میں معاملہ سہل وآسان ہے لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ نفخ صور سے ہر جاندار خوف وہراس میں مبتلا

ہوں گے مگر اللہ جسے چاہے وہ خوفزدہ و غمگین نہ ہوگا پھر سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور جس جاندار کو اس سے پہلے موت نہیں آئی اس کے بعد اسے موت آجائے گی اور جن لوگوں کو پہلی موت اس سے پہلے ہی آئی پھر وہ زندہ ہو گئے ایسے لوگ صرف انبیا کرام اور شہداء عظام ہیں علیہم الصلاۃ والسلام انہیں صرف غشی طاری ہوگی پھر وہ ہوش میں آجائیں گے، ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اقول : لیکن ملا علی قاری کا مقصود و مدعا اس وقت پورا ہوگا جبکہ بے ہوشی سے افاقہ بعث سے پہلے ہوتا کہ اس میں کلیم اللہ کی سبقت سے بعث میں ان کی سبقت لازم نہ آئے حالانکہ یہ صحیحین کی حدیث صریح سے مردود و باطل ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء ذکر یونس علیہ السلام اور مسلم کتاب الفضائل دونوں بطریق عبداللہ بن الفضل عن الاعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر اللہ تعالٰی جسے چاہے وہ اس ہول وخوف سے محفوظ رہے گا پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں اٹھوں گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے۔ (بخاری کتاب الانبیاء، مسلم کتاب الفضائل)

یہاں پر اس بات کی صراحت ہے کہ افاقہ سے مراد بعث ہے اسی سے وہ بات زائل و دفع ہو جاتی ہے کہ ملا علی قاری اور امام قاضی عیاض وغیرہما نے افاقہ کو غیر بعث پر محمول کیا ہے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے فرمان "افاق" سے اس کی تعبیر فرمائی۔ کہا جاتا ہے "افاق من الغشی" (ہوش میں آنا) "بعث من الموت" (موت کے بعد زندہ ہونا) اسی طرح صعقہ طور کی تعبیر افاقہ سے کی گئی تھی کیونکہ بلاشک وشبہ وہ موت نہیں تھی۔ (شرح مسلم نووی، کتاب الفضائل)

بیشک میں نے بعث سے افاقہ کی تعبیر دیکھی ہے، اسی طرح ابن ابی الدنیا و ابن جریر کی کتاب البعث کی مرسل حسن حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کا **استثناء** فرمادیا کہ انہیں نفخ صور کا احساس ہی نہ ہوا او **بعث قبلی** ، یا وہ مجھ سے **پہلے ہوش میں** آئیں گے۔ (جامع البیان ،طبری ۔الزمر آیت ونفخ فی الصور الایۃ)

صور پھونکنے کی تعداد

دوسرے لوگوں نے حیلہ کر کے اسے بعث کے بعد کی غشی کی طرف پھیر دیا ہے، اسے امام قاضی عیاض ونووی اور ابن قیم وعسقلانی نے جائز رکھا ہے اور امام **عینی نے** احادیث الانبیاء میں اور شیخ محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس پر جزم کیا **ہے اور** قرطبی نے اس کا رد کیا اور زرقانی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ زرقانی کے لئے **یہی لائق** ومناسب ہے۔

اولاً: صحیحین کی حدیث جو ابھی مذکور ہوئی اس کے رد کو کافی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ یہ صعق (غشی طاری ہونا) اور افاقہ (ہوش میں آنا) دو نفخے کے وقت ہے۔ سورہ زمر کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی بخاری کی روایت **بھی** اسی طرح ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوسرے نفخہ **کے بعد** سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش سے لپٹے **ہوں گے** معلوم نہیں کہ وہ پہلے ہی سے اس حال میں رہے یا نفخہ کے بعد عرش سے متعلق ہوئے۔ (بخاری کتاب التفسیر ،سورۃ الزمر)

اور وہاں تو صرف دو ہی بار صور پھونکا جائے گا ایک بار قیامت کا اور **دوسری بار** بعث ونشر کا۔ انہیں دونوں نفخوں کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ دوبار سے **زیادہ کا** امکان ثبوت کے ساتھ ہو سکتا ہے لیکن نہ اس کا ثبوت ہے نہ جزم ویقین۔ **امام عینی** کرمانی سے نقل کرتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ دو ہی بار صور پھونکا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ۲۳ کتاب الرقاق باب نفخ الصور)

ابن حجر عسقلانی قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ ثبوت استثناء کے ساتھ وہ **صرف دو**

. ہی نفخ ہیں "الا من شاء الله" سے دونوں آیتوں میں استثناء موجود ہے (سورہ نمل کی آیت میں ففزع اور سورہ قصص کی آیت میں فصعق وارد ہوا ہے) ابن حجر فرماتے ہیں کہ فزع کو صعق کی مغایرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفخہ اولیٰ سے دونوں ساتھ ساتھ حاصل نہ ہوں۔ (فتح الباری ۱۱ کتاب الرقاق)

اسی سے امام عینی نے اس کا رد کیا اور وہ درست ہے۔

عسقلانی کے استثناء سے استدلال کی صورت میں ہم کہیں گے کہ اگر نفخات دو ہوں تو ان میں استثناء کے ثبوت سے مانع کیا چیز ہے؟

اسی سبب سے عسقلانی نے حدیث مسلم سے استدلال کیا جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے اس حدیث کے درمیان میں یہ لفظ ہیں

ثم ینفخ فی الصور (الی قوله) ثم ینفخ اخریٰ فاذاهم قیام ینظرون۔

پھر صور پھونکا جائے گا (یہاں تک فرمایا) پھر جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔ (فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

اور بیہقی کی حدیث بسند قوی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اس میں نفخہ موت کے بیان کے بعد ہے۔

ثم یکون بین النفختین ماشاء الله ان یکون۔

پھر دونوں نفخوں کے درمیان اتنا وقفہ وفاصلہ ہوگا جتنا اللہ عزوجل چاہے۔

(فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

بخاری ومسلم کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے۔

بین النفختین اربعون۔ (فتح الباری ۱۱، باب نفخ الصور)

دو نفخوں کے درمیان چالیس کا عرصہ ہوگا (معلوم نہیں کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال کا عرصہ ہوگا)

ہر ایک روایت میں یہی دلالت واشارہ ہے کہ صرف دو بار ہی صور پھونکا جائے گا۔

(حوالہ مذکور)

اقول، دونفخوں کا قول تو ٹھیک ہے بہتر ہے مگر صرف ایک نفخہ کا قول کہاں سے درست ہے اور اس سے بھی زیادہ ضعیف یہ ہے کہ تم اوس بن اوس ثقفی کی حدیث سے تمسک واستدلال کرتا دیکھ رہے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنوں میں سب سے افضل واعلیٰ جمعہ کا دن ہے اسی دن صعق اور اسی دن نفخہ ہوگا۔

(فتح الباری، کتاب الرقاق۔ باب نفخ الصور)

اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے بلکہ معاملہ یہ ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ ثبوت کے ساتھ ہی دو سے زائد نفخے کا اثبات ہوگا۔ اور ابوبکر بن العربی نے فرمایا کہ نفخات تین ہیں حافظ ابن حجر کو طویل حدیث صور میں اس کی سند ملی ہے جسے عبد بن حمید اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں روایت کیا اور ابویعلی وابوالحسن وابوموسیٰ مدینی اور ابن القطان وطبرانی سب نے مطولات میں بیان کیا ہے اور ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفخہ فزع ـــــــ جس سے خوف وگھبراہٹ طاری ہوگی۔

۲۔ نفخہ صعق ـــــــ لوگوں پر غشی طاری ہو جائے گی۔

۳۔ تیسری بار کے صور کے بعد لوگ رب العلمین کے لئے سرد پا کھڑے ہو جائیں گے۔

طبری نے اس حدیث کو اسی طرح مختصراً روایت کیا ہے اور ابوبکر بن العربی نے کتاب السراج میں اور قرطبی نے کتاب التذکرہ میں اس حدیث کی تصحیح کی اور بیہقی اور عبدالحق نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(جامع البیان طبری، الزمر۔ قرطبی کتاب التذکرۃ باب منہ امور تکون الخ)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عبدالحق کا قول اولیٰ وانسب ہے کیونکہ اس کی سند

ضعیف مضطرب ہے اس کا دارومدار اسماعیل بن رافع پر ہے اور وہ ضعیف الحفظ ہیں ان سے بڑھ کر واضح جرح والا شخص دیکھا نہیں گیا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی برائی نہ تھی۔ خفاجی نے کہا کہ یہ صدوق ہیں انہیں وہم ہوتا تھا۔ ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم نے انہیں ضعیف قرار دیا اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ ثقہ ہیں حدیث میں میانہ روی اختیار کرتے تھے۔ ذہبی نے سمجھا کہ وہ ترمذی کی تلبیس ہے۔ میزان الاعتدال کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے مگر اس کے قلمی نسخہ میں اس مقام پر لفظ مبہم وغیر واضح ہے اس کا مطلب اللہ عزوجل بہتر جانتا ہے۔ ترمذی پر یہ التباس واشتباہ ہوا کہ امام بخاری نے دوسرے کی توثیق کی تو ترمذی نے سمجھا کہ انہوں نے اسماعیل بن رافع ہی کی توثیق کی ہے۔ ذہبی نے اپنا دعوی بیان نہیں کیا۔ اور تہذیب التہذیب میں ان پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ترمذی کا قول تہذیب میں نقل کیا گیا ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

(فتح الباری ۱۱، کتاب الرقاق۔ تہذیب التہذیب ا ترجمہ ۵۴۷)

فاقول انہیں یہ نفع نہ دے گا کیونکہ اس قول کی بنیاد پر نفخہ بعث سے پہلے دو نفخے اور ہوں گے۔ کواکب الدراری اور عمدۃ القاری میں ہے کہ قول ثانی یہ ہے کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفخہ فزع

۲۔ نفخہ صعق

۳۔ نفخہ بعث (مردوں کو اٹھانے کے لیے صور پھونکا جائے)

(عمدۃ القاری ۲۳، کتاب الرقاق)

اور روایت ابن جریر کی حدیث طویل جس میں بروایت ابو ہریرہ حدیث صور مذکور ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صور تین بار پھونکا جائے گا۔

۱۔ نفخہ فزع

۲۔نفخہ صعق

۳۔رب العلمین کے لئے قیام کا نفخہ

اس بنیاد پر بھی بعث کے بعد کوئی نفخہ نہیں ہے۔ (جامع البیان، طبری۔ سورۃ الزمر)

لیکن ابن حزم نے جو یہ سمجھا ہے کہ وہ چار نفخات ہیں تو بعث کے بعد دو نفخے اور ہیں ایک صعق کے لئے اور دوسرا افاقہ کے لئے۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس کے قائل کی اس میں کوئی سند و دلیل نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسے رد کر دیا ہے۔

(فتح الباری ۷ کتاب احادیث الانبیاء باب وفاۃ موسیٰ الخ)

بخاری کتاب الخصومات کی حدیث جو ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ اسے صراحۃً رد کر رہی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک روز قیامت لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(بخاری کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الخ)

یہ واضح و مفسر نص ہے اسی کے مثل حدیث ابن مردویہ بطریق محمد بن عمرو عن ابی سلمہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روز قیامت زمین سب سے پہلے جس سے شق ہوگی وہ میں ہوں میں اپنے سر مبارک سے مٹی جھاڑ کر عرش کے پائے کے پاس آؤں گا تو موسیٰ علیہ السلام کو اس کے پاس کھڑے پاؤں گا معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے سر سے مٹی مجھ سے پہلے صاف کر لی یا اللہ تعالیٰ نے ان کا استثناء فرما دیا کہ انہیں اپنے سر سے مٹی صاف کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ (فتح الباری ۷، کتاب الانبیاء)

جب ابو سعید خدری کی اس حدیث کا جواب ممکن نہ ہوا تو حافظ ابو الحجاج نے یہ یقین کر لیا (ان سے ابن قیم نے بھی اسے اپنی کتاب الروح میں نقل کیا ہے) کہ یہ لفظ (ای فاکون اول من تنشق عنہ الارض) اس کے راوی کا وہم ہے اور درست و

صواب وہ ہے جو دوسری روایت میں ہے یعنی "فاکون اول من یفیق" ہوش میں آنے والوں میں سب سے پہلے میں ہوں گا۔ اور زمین شق ہونے کے بعد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا اول ہونا حق و صحیح ہے لیکن دوسری حدیث میں حضرت موسی علیہ السلام کا قصہ مذکور نہیں ہے۔ (فتح الباری ۷، کتاب احادیث الانبیاء باب وفاۃ موسی وذکرہ بعد)

اقول، امکان جمع کے باوجود ثقہ راویوں کے وہم اور صحاح کے راویوں کے رد کی طرف کوئی سبیل و راستہ نہیں ہے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ پھر تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ افاقہ اور انشقاق ارض دونوں روایتوں کا مرجع و محور ایک ہے پھر وہم کا انتساب کیا مفید ہوگا۔ اسی طرح داؤدی اور ابن التین نے سمجھا کہ صحیحین کی حدیث "او کان ممن استثنی اللہ عز وجل" میں راوی کا وہم ہے یہ حدیث بخاری کتاب الخصومات (جو اس سے پہلے سوال میں گزر چکی ہے) اور کتاب الانبیاء و کتاب الرقاق میں اور مسلم کی کتاب الفضائل میں ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام میت مقبور ہیں وہ نفخہ کے بعد اٹھیں گے تو پھر وہ مستثنیٰ کیونکر ہوں گے۔ حافظ ابن حجر نے اسے سورۂ زمر کی تفسیر میں نقل کیا اور کتاب الانبیاء میں اس کے رد کا افادہ فرمایا تو مکمل طور پر رد فرمایا۔

(فتح الباری ۸، کتاب التفسیر)

اسی طرح ابن قیم نے کتاب الروح میں سمجھا کہ یہ بعض راوی کا وہم ہے اور یہ الفاظ "او جوزی بصعقة الطور" وہم سے محفوظ ہیں۔

(کتاب الروح ابن قیم جوزی مسألہ رابعہ)

ان کا یہ بیان ایسا ہے جو کچھ بھی مفید نہیں جیسا کہ فتح الباری کے حاشیہ پر ہم نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اور یہاں پر مجھے داؤدی و ابن التین اور قاضی عیاض و نووی اور امام عینی و ابن قیم کے اشکال بیان کرنے میں کوئی رنج و تکلیف نہیں، اگرچہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی نے ان میں سے بعض اشکال کا جواب دے دیا ہے۔ اور فقیر (امام احمد رضا بریلوی) نے ان تمام اشکال کا کتب ائمہ کے حاشیہ پر جواب دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ

اشکال درست وصحیح ہوں یا نہ ہوں مگر جواب وہی ہے جو میں نے تحریر کیا ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ حدیث کا محمل نہیں ہے مگر وہی جسے لوگوں نے مشکل سمجھا ہے۔ جب تو حدیث ضروری طور پر مشکل ہی ہوگی اس سے احتجاج واستدلال نہیں ہوگا یہ بات ہمارے لئے آرام دہ اور سکون بخش ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کو قبل بعث صعقہ سے افاقہ پر حمل کیا جائے گا یا بعث کے بعد کے صعق پر، ان دونوں محملوں کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

فتح الباری میں اسی کے اخذ کا میلان ہے جو قاضی عیاض اور نووی نے احادیث ناطقہ کی تاویل کے لئے احتمال کے طور پر بیان کیا ہے کہ زمین شق ہونے کے بعد باہر تشریف لانے والے سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔

حافظ ابن حجر نے کتاب الانبیاء میں حدیث مبارک ''**فاکون اول من یفیق**'' کے تحت فرمایا کہ اطلاق اولیت میں صحیحین کی روایات میں اختلاف نہیں ہے۔

احمد ونسائی کے نزدیک ابراہیم بن سعد کی روایت (جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے) میں ہے

فاکون فی اول من یفیق۔ (فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء، باب وفات موسیٰ)

ہوش میں آنے والوں میں سب سے اول میں ہوں گا۔

اسے احمد نے ابو کامل سے اور نسائی نے بطریق یونس بن محمد اور دونوں نے ابراہیم سے روایت کیا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کے غیر میں اولیت کا اطلاق اسی پر محمول ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اول ہونے میں شک وتردد ہے۔ اسی محمل پر وہ تمام روایات ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ جیسے مسلم کے نزدیک حضرت انس کی حدیث مرفوع ''**انا اول من تنشق عنہ الارض**'' (زمین سب سے پہلے مجھ سے شق ہوگی) اور جیسے طبرانی کے نزدیک عبداللہ بن سلام کی حدیث۔

(فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء)

اقول، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ سہو ہے خود بخاری کتاب الرقاق میں بطریق ابراہیم بن سعد ہے۔

ان الناس یصعقون یوم القیامۃ فاکون فی اول من یفیق فاذا موسیٰ۔الحدیث

لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(بخاری باب نفخ الصور کتاب الرقاق)

اور مسلم میں بطریق عبداللہ بن الفضل ہاشمی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

ثم ینفخ فیہ اخریٰ فاکون اول من بعث اوفی اول من بعث فاذا موسیٰ۔الحدیث

پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ پکڑے ہوں گے۔ یہ حدیث شک کے ساتھ اسی طرح مروی ہے۔ (مسلم کتاب الفضائل)

پھر اگر کسی کتاب میں لفظ ''فی'' نہ آئے تو اس پر اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو اس وقت خود اپنی ذات کریمہ کو اولیت مطلقہ کا جزم ویقین نہ تھا اور نہ کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی اولیت میں شک و تردد درست وصحیح نہ ہوگا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کے حق میں جو شک وتردد کا سبب بیان کیا گیا وہ سب نفس احادیث ناطقہ ''**فاکون اول من یفیق**'' و''**اکون اول من بعث**'' سے واضح وظاہر ہے، اس میں خارج سے ''فی'' والی روایت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ کہ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علی الاطلاق اپنی ذات شریف کی اولیت کا یقین نہ تھا اسی طرح اس کے عدم کا بھی یقین نہ تھا۔ کیونکہ یہ حالت شک وتردد کی حالت ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے وہ مراد لینا واجب ہے جو

اولیت مطلقہ سے اعم ہے، جو اس کا مبائن ہے وہ مراد نہیں خواہ لفظ "فی" کے ساتھ ہو یا لفظ "فی" کے بغیر ہو۔

یہ نصوص اس بات پر ناطق و شاہد ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے تشریف لائیں گے اور ان نصوص میں حضور کی اولیت مطلقہ کے خصوص کا افادہ جزم و یقین ہے، مطلق و محتمل ان کا معارض نہ ہوگا۔ اور ہمارا میلان دراستہ جزم و یقین کے لئے شک کا پردہ چاک کرتا ہے کیونکہ یہی روایات مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں مرکوز و مرتسم ہوگئی ہیں اور اسی پر اولین و آخرین کے کلمات ایک دوسرے کی تائید و تصدیق میں ہیں اور بعض نے اس پر پوری امت کا اجماع ہونا نقل کیا ہے۔

امام علامہ محمود بدرالدین عینی نے کتاب الخصومات باب الاشخاص میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا جو گزرے ہوئے تینوں مسالک کی بہ نسبت حق و صواب سے زیادہ قریب ہے، انہوں نے فرمایا کہ قائل کو یہ کہنا چاہئے کہ ہمارے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افاقہ کے وقت جب نگاہ اٹھائیں گے تو حضور کی نگاہ مبارک عرش کی ایک جانب ہوگی پھر جب دوسری بار دوسری طرف دیکھیں گے تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ملیں گے۔ اس توضیح سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان "انا اول من تنشق عنه الارض" درست ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ۱۱۔ کتاب الخصومات)

یعنی افاقہ کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ عرش کی اس جہت کے سوا ہوگی جس طرف کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام پہنچیں گے اور اگر حضور پہلے ہی اس جہت کی طرف دیکھتے تو اس کو خالی پاتے اور اس مدت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آ کر عرش سے متعلق ہوں گے۔ پھر جب اس جہت کی طرف حضور کی توجہ ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام کو اس حال میں پائیں گے تو حضور کو

یہ احتمال ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام حضور سے پہلے ہوش میں آئے یا وہ بے ہوش ہی نہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے۔

اقول، یہ کہنا زیادہ بہتر و مناسب ہے کہ ہر ایک سے پہلے زمین حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شق ہوگی اور حضور عرش کی طرف چلیں گے تو موسیٰ علیہ السلام کو پائیں گے اس وقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو دو امروں کا احتمال ہوگا اور عرش تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تاخیر سے پہنچنے میں ایک خاص وجہ ہے سوائے اس کے کہ حشر شام کی طرف برپا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور صخرۂ بیت المقدس کے قریب ہے اسی پر عرش کا ایک پایہ رکھا جائے گا اور موسیٰ علیہ السلام اٹھتے ہی چل دیں گے اور محمد رسول اللہ (اللہ تعالیٰ حضور پر ازل سے ابد تک درود و سلام نازل کرے) اٹھ کر بقیع مقدس تشریف لائیں گے۔ اہل بقیع کے اٹھنے کا انتظار کریں گے انہیں اپنے ساتھ لیں گے پھر حرمین کریمین کے درمیان اہل مکہ کا انتظار فرمائیں گے۔ اہل مکہ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائیں گے۔ **جعلنا اللہ تعالیٰ من اللا حقین بنعالہ المتعلقین باذیا لہ بمنہ و افضالہ آمین رب محمد آمین وصل وسلم و بارک علیہ و علی آلہ و صحبہ و ابنہ و حزبہ اجمعین۔**

جیسا کہ یہ حدیث ترمذی سے ثابت ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، یہ حدیث گزر چکی ہے۔

اقول، اس پر یہ التباس و اشتباہ ہے کہ ہم نہیں جانتے ہیں کہ زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے حضور ہی باہر تشریف لائیں گے مگر حضور ہی کے بتانے سے، پھر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ مطلقاً حضور ہی اول ہیں تو اس وقت اور

دیگر معاملہ کا احتمال کیونکر ہوگا۔ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کی شدت وسختی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذہول واقع ہوا اور حضور کا قلب انور امت کے معاملے سے متعلق ہو گیا۔

عمدہ حل

اولاً: وہ ہے جسے امام قاضی عیاض اور امام نووی نے جائز رکھا، امام احمد قسطلانی نے اس سے صرف نظر وروگردانی کی اور علامہ زرقانی نے اسے برقرار رکھا ہے۔ جو بات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن سے متعلق ہوتی ہے، علامہ زرقانی اس میں درمیانی راہ پر قدم رکھتے ہیں، **کما تقدم۔**

امام احمد اور ان کے شارح امام محمد کے لفظ یہ ہیں، ظاہر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسوقت اس بات کا علم نہیں تھا کہ حضور ہی اول ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتایا کہ حضور ہی اول ہیں اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریم کے بارے میں خبر دی کہ زمین شق ہونے کے بعد سب سے پہلے قبر انور سے حضور ہی باہر تشریف لائیں گے یہ مضمون احادیث مفیدہ میں گزر چکا ہے پھر حضور کو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنے افاقہ کا علم ہوا۔

(شرح المواہب زرقانی ۵۔ ومنھا انہ اول من الخ)

اقول، گویا کہ پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف وحی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہوش میں آنے والوں میں آپ ہی سب سے اول ہیں۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے نزدیک افضل ایام جمعہ کا دن ہے۔ حدیث اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ باب ابواب الجمعہ)

بیہقی شعب الایمان میں بسند حسن ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمہاری عمدہ وبہترین خوشبو مشک ہے۔

(شعب الایمان ۳ باب ۲۳)

ساتھ میں یہ بھی فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عمدہ اور اچھی خوشبو مشک ہے۔
یہ حدیث نسائی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(نسائی کتاب الجنائز المسک)

احمد و مسلم ابوداؤد اور نسائی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس کی کتنی نظیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضور پر وحی نازل ہوئی کہ آپ اپنے مزار کریم سے باہر نکل کر عرش کے پاس آئیں گے تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملیں گے پھر نزول وحی کے بعد حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے۔

(مسلم کتاب الفضائل۔ حدیث ۴۳۷۷۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ حدیث ۴۰۵۱)

اس وقت اس بات کی وحی ظاہر و واضح انداز میں نازل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اول مطلق ہیں بلکہ حضور کو صرف اس بات کی خبر دی گئی تھی کہ حضور افاقہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت یہ احتمال ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام حضور سے پہلے ہوش میں آئے پھر رب عزوجل نے حضور کو بتایا کہ زمین شق ہونے کے بعد حضور ہی سب سے پہلے باہر تشریف لائیں گے، لہٰذا احتمال زائل و دور ہو گیا اور تحدیث نعمت کے طور پر حضور نے رب ذوالجلال کے احسان و انعام کا اظہار فرمایا۔

یہ اقوال ائمہ کی شرح اور ان کا خلاصہ ہے اور یہی کافی و وافی ہے کیونکہ احتمال سے استدلال قطع ہو جاتا ہے شاید یہ امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کاریگری کا اشارہ ہے کہ انہوں نے خصائص کبریٰ میں ایک باب مقرر کیا" باب اختصاصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ اول من تنشق عنہ الارض واول من یفیق من الصعقۃ" اور اس میں شیخین کی حدیث تحریر کی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔
(الخصائص الکبریٰ ۳ باب اختصاصہ علیہ السلام بانہ اول الخ)

امام سیوطی نے اسی پر اقتصار کیا اور اس کے بعد والے حصہ کو بالکل جمع نہیں کیا ورنہ اس اقتصار میں اخذ اور مخالف مقصود کا حذف لازم آتا اور انہوں نے اسی کو جائز و برقرار رکھا کیونکہ یہ چیز ظاہر و باہر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روز قیامت انبیاء وصدیقین وشہداء کو بیہوشی وغشی طاری نہیں ہوگی

وثانیا انا اقول وباللہ التوفیق

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان'' **فاصعق معھم** '' (میں بھی لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہوں گا) ہوسکتا ہے اس بات کے علم سے پہلے کا ہے کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو غشی طاری نہ ہوگی کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام شہداء کا اللہ عزوجل نے استثناء فرمادیا ہے کہ وہ بے ہوش نہیں ہوں گے۔

(فتح الباری ۱۱، کتاب الرقاق باب نفخ الصور)

اسحٰق بن راہویہ، ابو یعلی، دار قطنی کتاب الافراد میں، ابن منذر، حاکم بافادۂ تصحیح، ابن مردویہ اور بیہقی کتاب البعث والنشور میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام سے اس آیت کریمہ ''من الذین لم یشاء اللہ ان یصعقوا ''۔ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں غشی طاری نہ ہوگی جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ اللہ عزوجل کے شہدا، ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (حوالہ مذکور)

سعید بن منصور وابن حمید ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، جبریل نے عرض کیا کہ وہ شہداء ہیں اللہ عزوجل نے ان کا استثناء فرمادیا ہے کہ ان پر غشی طاری نہیں ہوگی۔

(درمنثور سیوطی۔ سورۃ الزمر)

سعید بن منصور وھناد بن سری کتاب الزھد میں ایسی سند سے روایت کرتے

ہیں جس کے لئے ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ وہ صحیح ہے اور ابن حمید و ابن جریر اور ابن منذر سعید بن جبیر سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اور اس میں اتنا زائد ہے کہ شہداء کرام عرش کے ارد گرد تلوار لٹکائے ہوں گے۔ (جامع البیان طبری الزمر)

طویل حدیث صور جو قیام قیامت کے وقت خوف اور گھبراہٹ کے ذکر کے بعد مذکور ہوئی اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مردوں (یعنی شہداء) کو ان خوف والی چیزوں سے کچھ معلوم نہ ہوگا۔ راوی نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت مقدسہ میں کس کا استثناء فرمایا ہے۔

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ

(الزمر، ۶۸)

تو گھبرائے جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں مگر جسے خدا چاہے۔ (کنز الایمان)

حضور نے فرمایا کہ وہ لوگ شہداء ہیں، بیشک یہ گھبراہٹ دنیاوی زندگی والوں کو ہوگی اور شہداء تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے خوف و گھبراہٹ سے بچالے گا اور اس سے انہیں محفوظ و مامون رکھے گا۔

(در منثور سیوطی۔ الزمر آیت ونفخ فی الصور فصعق)

جب یہ بات شہداء کے لئے ہے تو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تو ان سے زیادہ مستحق و حقدار ہیں لامحالہ ذہبی اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے استثناء کردہ ہیں۔ اسی طرح فتح الباری، کتاب الرقاق اور کتاب الانبیاء میں ہے کہ انبیاء عظام علیہم الصلاۃ والسلام بارگاہ عزت میں زندہ ہیں اگرچہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں، اور یہ بات تو شہداء کے لئے ثابت ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انبیاء کرام کا رتبہ شہداء سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

(فتح الباری کتاب الرقاق و کتاب الانبیاء)

گویا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مذکورہ آیت مقدسہ نازل ہوئی اس میں استثناء مجمل ومبہم ہے تو حضور نے اسے حاملین عرش اور ملائکہ اربعہ پر محمول کیا۔ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم۔

فریابی وابن حمید وابونصر سجزی کتاب الابانہ میں اور ابن جریر وابن مردویہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کا استثناء فرمایا ہے حضور نے فرمایا وہ حضرات جبریل ومیکائیل وملک الموت واسرافیل اور حاملین عرش ہیں۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

(طبری جامع البیان، الزمر ونفخ فی الصور فصعق من الایۃ)

اور ایک روایت میں ابن عباس ویحییٰ بن سلام سے ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریم پر عام حکم لگایا پھر رب عزوجل نے حضور کو بتایا کہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام مستثنیٰ ہیں۔ جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی افضلیت مطلقہ کے علم سے پہلے یہ حکم لگایا تھا کہ مخلوقات میں سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں پھر رب عزوجل نے حضور کو بتایا کہ تم ہی بارگاہ رب العزت میں اولین وآخرین میں معزز ومکرم ہو آدم اور ان کے سوا دیگر انبیاء سب حضور کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے قیامت کے دن پوری مخلوق حضور ہی کی طرف تکے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی حضور کی طرف راغب ہوں گے۔

اگر بالفرض انبیاء وصدیقین وشہداء کو صعق وغشی طاری ہو پھر بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صعق و افاقہ دونوں میں فضیلت حاصل ہے

ثالثا: اقول، اگر ان سب سے ہم قطع نظر کر کے آگے بڑھیں اور انبیاء وغیرہم کے لئے تسلیم کرلیں کہ یہ صعق موقف حشر میں بعث کے بعد ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے (جیسا کہ ابن قیم نے سمجھا اور حدیث مبارک "**او کان ممن استثنی اللہ عز وجل**" میں ثقہ راویوں کے وہم اور صحاح کے رد کی اس پر بنیاد رکھی ہے۔ اور اسے شعور نہ ہوا کہ نفس حدیث ہی میں اس صعقہ میں استثناء کا اثبات موجود ہے۔ یہ مضمون شروع کلام میں صحیحین کے حوالے سے گزر چکا ہے) پھر اگر یہ صعق قیامت کا صعق ہے تو حکم وہی ہے اور اگر دوسرا ہے جیسا کہ علماء سمجھتے ہیں تو اس میں اسی متفق علیہ حدیث سے استثناء ثابت ہوگا۔ لیکن ہم انبیاء وغیرہم کے لئے استثناء تسلیم کر چکے ہیں، اگر اس میں استثناء مراد نہیں تو یہ راویوں کا تیسرا وہم ہے اور اگر دو نفخوں کا ذکر کریں تو چوتھا وہم ہے اور ابن حزم نے کہا کہ بعث کے بعد بھی دو نفخے ہیں، موسیٰ علیہ السلام اس میں بے ہوش نہیں ہوں گے یا بے ہوش ہوں گے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آجائیں گے۔ ان سب کے بعد حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

صعق وافاقہ دونوں میں فضیلت حاصل ہوگی خواہ بے ہوشی طاری ہونے کے بعد والا افاقہ ہو یا بے ہوشی طاری ہی نہ ہو اور افاقہ رہے جسے افاقہ اصلیہ کہتے ہیں اور یہ عدم صعق کے معنی میں آتا ہے۔ افاقہ میں حضور کی فضیلت اس لئے ہے کہ جب رب عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے پہاڑ پر تجلی ظاہر فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

ابن مردویہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام ایک ہفتہ تک بے ہوش رہے۔

(درمنثور سیوطی، الاعراف آیت فلما تجلی ربہ للجبل الایۃ)

احمد و عبد بن حمید و ترمذی بافادۂ تصحیح و ابن جریر و ابن منذر و ابن ابی حاتم و ابن عدی و ابن مردویہ و ابو الشیخ و حاکم بافادۂ تصحیح اور بیہقی کتاب الرویۃ میں بطریق عدیدہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (الاعراف، ۱۴۳) (پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا) تلاوت فرمائی تو انگلیوں کے اشارے سے فرمایا کہ اس طرح تجلی ظاہر ہوئی اور ابہام کے کنارے کو خنصر کے اوپر والے حصے پر رکھا یعنی تجلی اتنی سی تھی۔ ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ اور یہ نور کی تجلی تھی، ذات کی تجلی نہ تھی جو تبعض و تجزی یا جزئیت و بعضیت سے منزہ و پاک ہے۔

(حاکم مستدرک، باب التفسیر۔ ابن جریر جامع البیان۔ فلما تجلی ربہ للجبل الایۃ)

پھر اس تجلی کی مقدار اتنی ہی کم تھی اور وہ پہاڑ پر ظاہر ہوئی ذات کلیم پر نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کو دیکھا۔ براہ راست تجلی کو قصداً بغور نہ دیکھا، اس کی دلیل یہ فرمان باری ہے وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ، ہاں اے موسیٰ اس پہاڑ کی طرف دیکھو (الاعراف، ۱۴۳) اور اگر کوئی کسی چیز کو دیکھے پھر اس پر بجلی گرتے ہوئے دیکھے، اور کوئی خود بجلی کو قصداً نگاہ جما کر دیکھے تو دونوں کے درمیان فرق ہے۔ ان چاروں صورتوں کے باوجود کلیم اللہ

علیہ الصلاۃ والسلام اس کو برداشت نہ کر سکے اور ایک ہفتہ تک بے ہوش رہے۔

لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو چشم سر سے دیکھا تو نہ بے ہوش ہوئے نہ خوف اور گھبراہٹ طاری ہوئی۔ **مازاغ البصر وماطغی**، آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ لہٰذا اس مقام عظیم پر کون ثابت قدم رہ سکتا ہے جس پر نہ کوئی نبی اور نہ کوئی فرشتہ قوت روحانیہ سے ثابت رہ سکے اور نہ کوئی پہاڑ اور آسمان جسمانی شدت وسختی سے قائم رہے۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو افاقہ وغیرہ میں ہر طرح کا فضل وشرف حاصل ہے۔

مگر صعق کے بارے میں اگر فرض کر لیا جائے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موقف حشر میں بے ہوش ہوں گے جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا ہے، تو اللہ کی پاکی ہے وہ غشی کسی خوف وگھبراہٹ کے سبب سے نہ ہوگی کیونکہ اللہ کے خاص بندے اور حضور کے غلام روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہیں فزع اکبر سے انہیں حزن و ملال نہ ہوگا۔ بلکہ جس وقت وہ بڑی مصیبتیں آپڑیں گی تو حضور رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب کریم اپنی کمزور امت پر شفقت ورحمت سے بے چین ومضطرب ہو جائے گا کہ روز قیامت حضور کو اپنا کوئی غم نہ ہوگا صرف اپنی امت کی فکر ہوگی، بالفرض اگر حضور کو بے ہوشی طاری ہوگی تو امت کے غم میں ہوگی۔ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شفیق باپ اپنے بیٹے پر اچانک کوئی مصیبت آپڑنے سے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنین کے لئے رؤف رحیم بن کر تشریف لائے ہیں حضور اپنے ہر امتی پر مادر شفیقہ سے زیادہ مہربان ہیں۔ بیشک ہم نے ایک عورت کو دیکھا ہے کہ جب اس کے داماد کے مرنے کی خبر آئی تو اس پر اس وجہ سے غشی طاری ہوگئی کہ اس کی بیٹی پر کیا مصیبت ٹوٹی۔

لیکن حضور کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کو صرف اپنا ہی غم واندوہ ہوگا، اس پر شفاعت کی حدیث مشہور اور معزز رسولوں کا نفسی نفسی کہنا واضح وصریح دلیل ہے،

صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین۔ حالانکہ رب عز وجل نے انہیں خود محفوظ رکھا ہے اورانہیں میں سے بلکہ ان سے افضل سیدنا کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام ہیں ان کا بے ہوش نہ ہونا یا بے ہوشی کی مدت ووقفہ کا کم ہونا اسی طور سے اس صعقہ سے کیونکر بڑھ کر ہوگا جس سے اس فضل عظیم کا پتہ چلتا ہے جس کے ثمرات ونتائج میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کبری سے ممتاز ومنفرد ہیں، ہاں عبرت واعتبار پیدا شدہ کا ہے پیدا کردہ کا نہیں، بلکہ حضو کا وہ صعقہ بلاشبہ فضل وشرف میں ہزار افاقہ سے بڑھ کر ہے۔ والحمد للہ رب العلمین

یہ تین وجوہ ہیں ان کی درمیانی یعنی دوسری وجہ جگر کی ٹھنڈک کی باعث ہے انشاء اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

لہٰذا ظاہر وثابت ہوا کہ کسی بھی وجہ سے حضور پر کسی کو فضل حاصل نہیں بلکہ تمام چیزوں میں سب پر حضور ہی کو فضل وشرف حاصل ہے، والحمد للہ رب العلمین۔

ہوسکتا ہے کہ کسلمند ناظر وقاری یہ کہے کہ میں نے بیان کو کافی طویل کردیا حالانکہ میں نے اختصار سے کام لیا ہے ہاں میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے نبی کا فضل وشرف ظاہر وممتاز کیا اور اپنے رب کریم کا فضل وانعام جمع کرلیا ہے۔ ان شاء الجواد الکریم لہ الحمد ابدا وعلی حبیبہ الصلاۃ والتسلیم، ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

ہم جس بحث کی تحقیق میں تھے پھر اسی کی طرف پلٹتے ہیں۔

دنیاوی زندگی میں حضور علیہ السلام پر متعدد بار امت اور دیگر مخلوقات کے جملہ اعمال پیش ہوئے

۳۹۔ وفات اقدس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پوری امت کے تمام اعمال پیش ہونے کا مسئلہ ثابت ہو چکا ہے۔

احمد و مسلم و ابن ماجہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ پر میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کیے گئے۔

(مسند احمد بن حنبل، مرویات ابی ذر)

طبرانی کبیر میں اور ضیاء مقدسی صحیح مختارہ میں بسند صحیح حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گزشتہ رات اس حجرہ کے قریب مجھ پر میری امت کے جملہ اولین وآخرین پیش ہوئے میں نے ہر ایک شخص کو اس طرح پہچان لیا جس طرح آدمی اپنے ساتھی کو پہچانتا ہے، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر تو وہ لوگ پیش ہوئے جو پیدا ہو چکے ہیں مگر وہ لوگ کیونکر پیش ہوئے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے مٹی میں ان کی صورتیں ظاہر کی گئیں۔ اس مفہوم میں سدی کی روایت شروع بحث میں آیہ کریمہ ''لا تعلمهم'' کے تحت گزر چکی ہے۔ (معجم کبیر طبرانی، حدیث ۳۰۵۵)

ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ و بزار و ابو یعلی اور بیہقی بروایت ابو العالیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شب معراج کی حدیث طویل میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے رب نے مجھے فضیلت عطا فرمائی مجھے دونوں جہان کی رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنایا (یہاں تک فرمایا) مجھے فواتح کلم (سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات) اور خواتم کلم (کچھ سورتوں کی آخری آیات) اور جوامع کلم (یعنی لفظ کم اور معنی زیادہ) عطا کئے گئے۔ اور مجھ پر میری امت پیش کی گئی تو مجھ پر کوئی تابع و متبوع پوشیدہ نہ رہا (یہاں تک فرمایا) مجھ پر وہ بھی پوشیدہ نہ رہے جو میرے بعد مجھ سے ملنے والے ہیں۔

(کشف الاستار، باب الاسراء حدیث ۵۵۔ جامع البیان، تحت الذی اسری الایہ)

نسیم الریاض باب ثالث کی فصل اول میں اس حدیث کے ضمن میں فرمایا، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر امت کے ہر شخص کے اپنے اپنے زمانے میں ان کے احوال ان کی ذوات و صفات اور ان کے تمام تصرفات کی تفصیل وحی کے ذریعہ ظاہر فرمائی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے امت کو حقیقۃً گروہ در گروہ ظاہر فرمادیا جو اپنے اعمال میں غرق تھے اور انہیں اس طور سے پیش کیا گیا کہ ہم اس کی حقیقت سے آگاہ و آشنا نہیں ہوسکتے ہیں۔

عراقی شرح مہذب میں بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر آدم علیہ السلام سے قیامت برپا ہونے تک کی پوری مخلوق کو پیش کیا گیا حضور نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ السلام نے اشیاء کے نام سیکھ لئے۔

(نسیم الریاض، باب ۳ الفصل الاول)

لہٰذا ثابت ہوا کہ وفات اقدس کے بعد اعمال امت کی پیشی علم اقدس کے بعد ہی ہوئی ہے اور یہ پیشی صرف ایک بار نہیں بلکہ متعدد بار ہوئی ہے

- ان میں سے ایک بار شب اسریٰ ہوئی۔
- دوسری بار حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف میں ہر چیز کو ملاحظہ

فرمایا، صحیحین کی حدیث سے یہ مضمون گزر چکا ہے۔

● تیسری بار جب رب عزوجل نے حضور کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دست قدرت رکھا تو حضور پر ہر چیز روشن ومستنیر ہوگئی اور حضور نے جان لیا۔ حدیث صحیح سے یہ روایت بھی گزر چکی ہے۔

● اور چوتھی بار حضور پر قرآن کریم کے نزول سے جملہ اشیاء کے علوم ومعارف حاصل ہوئے، کیونکہ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔

اور ہم نے یہی کہا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہر درود دس بار پیش ہوتا ہے اور درود شریف کے سوا دیگر اعمال چھ بار بلکہ سات بار پیش ہوتے ہیں۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ ثابت ہو جائے کہ درود پاک کی طرح قیامت کے دن حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال بھی پیش ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۰۔ فرض کرو کہ "رسالہ غایۃ المامول" غافل ہے بھولکڑ ہے ہماری تحریر کردہ بحث کو وہ جان ہی نہ سکا مگر اس سے اس کو کس نے غافل کر دیا جو وہ ہماری کتاب میں سن چکا ہے کہ اخبار احاد قرآن کریم کے معارض ومنافی نہیں ہیں۔

حضرت ابن مسعود کا قول ''الا مفتاح الغیب''

اور دو وجہوں سے اس کا جواب

۴۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوائے غیب کی کنجی کے ہر چیز عطا کی گئی۔ (درمنثور، سورہ انعام)

اس تفریق اور استثناء کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کا ماخذ و مرجع آیت کریمہ ''وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الاھو''۔ (اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔ الانعام، ۵۹، کنز الایمان) اس آیت کی تفسیر میں ہم نے پانچ احادیث پیش کی ہیں۔ اس آیت شریفہ اور احادیث مبارکہ عظیمہ کے مبحث پر کافی وشافی کلام کے لئے ہماری کتاب ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' میں ''نظر سادس'' کے عنوان سے ایک مستقل فصل قائم کی گئی ہے۔ لیکن رسالہ مذکورہ ''غایۃ المامول'' نے اسے الگ کر دیا اور اس سے رسالے کا دوسرا باب شروع کیا۔ اور اس آیت میں لفظ ''مفتاح'' کنجی کے معنی میں متعین ہے۔ بخلاف آیت کریمہ میں لفظ ''مفاتیح'' کے۔ کہ کبھی لفظ مفاتیح کی تفسیر خزائن سے بھی کی جاتی ہے اس لئے اس نے اسے بھی اسی شمار و گنتی میں شامل و داخل کر دیا۔ اللہ کی توفیق سے یہاں پر ایک حرف کا ذکر کافی و شافی ہوگا اور پوری سیر حاصل بحث بعونہ تعالیٰ عنقریب آنے والی ہے۔

فاقول: مفتاح دینے کی نفی، علم غیب دینے کی نفی پر کیسے دلالت کرے گی؟ کیونکہ کبھی کبھی کریم اپنے خزانہ کرم سے اپنے خواص میں سے جسے چاہتا ہے بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ اگرچہ اسے کنجی عطا نہیں کرتا۔

اور دوسری وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ کیا مفاتیح غیر غیب ہے یا عین غیب؟

● برتقدیر اول مفاتیح کی نفی، غیب کی نفی کیوں ہوگی؟

● اور بر تقدیر ثانی سلب عموم مراد ہے یا عموم سلب؟

☆ اول کی بناء پر بعینہ وہی بات ہے جو ہم کہتے ہیں

☆ ثانی کی بناء پر قرآن کریم کے نصوص کا اور احادیث صحاح اور اجماع امت کا رد لازم آئے گا بلکہ نبوت ہی کا انکار ہو جائے گا، امام قاضی عیاض اور امام احمد قسطلانی کے حوالے سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ "اطلاع علی الغیب" کو نبوت کہتے ہیں۔

(شفا شریف، باب ۴۔ فیما اظہرہ علی یدیہ من المعجزات)

اے رسالہ مذکورہ پھر وہ تو تمہارے اقرار کے بھی خلاف ہے جب تم نے صفحہ ۲۷ پر امام نووی کے حوالے سے نقل کیا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ "تمام معلومات کا احاطہ اور مستقلاً و بالذات علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، لیکن معجزات و کرامات سے جو علم ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء کو بتانے سے ہی ہوتا ہے اسی طرح جو علم عادت جاریہ سے حاصل ہو وہ بھی اللہ کی عطا اور تعلیم سے ہوتا ہے۔

رسالہ کے صفحہ ۲۳ پر امام ابن حجر سے منقول ہے "بعض غیوب پر اولیاء کی اطلاع سے جو ثابت ہو چکا ہے دونوں آیتیں اس کے منافی و معارض نہیں ہیں۔"

صفحہ ۲۷ پر عدم منافات کی وجہ یہ ہے کہ "انبیاء و اولیاء کا علم انہیں اللہ عزوجل کے بتانے سے ہے۔ اور ہمیں اس کا جو علم ہے وہ ہمیں انبیاء و اولیاء کے بتانے سے ہے۔ (یہاں تک کہا کہ) اللہ تعالیٰ کا انبیاء و اولیاء کو بعض غیوب بتانا ممکن ہے کسی وجہ سے محال کو مستلزم نہیں، اس کے وقوع و صادر ہونے کا انکار عناد و بغض ہے۔ وغیرہ وغیرہ"

بلکہ رسالہ غایۃ المامول کا انتساب سید فاضل (سید احمد برزنجی) کی جانب ہے ان کا ایک رسالہ "منهج الوصول فی[1] تحقيق علم غيب الرسول" کے نام

---

[1] شاید یہ وہابیہ کے کذب و افترا کی علامت ہے ورنہ لفظ "وصول" کا صلہ "الی" آتا ہے اور مرکب اضافی مضاف نہیں ہوتا بلکہ مضاف الیہ ہوتا ہے لہٰذا معنی مراد اس سے حاصل نہیں ہوا۔ مراد یہ ہے کہ اس علم غیب کی تحقیق جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور اس جملہ سے معنی یہ ہو رہا ہے کہ رسول کے غیب یعنی رسول کی غیر موجودگی سے علم کی تحقیق، یا یہ معنی ہوگا کہ اس سے کسی کے علم کی تحقیق جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوشیدہ اور غائب ہے۔ وھو کما تری ۱۲ منہ

سے ہے اس میں انہوں نے اس کا اعتراف واقرار کیا ہے اور انہوں نے سمجھا ہے کہ رسالہ غایۃ المامول اس کا تتمہ ہے۔ پھر شئی کا تتمہ اس کے لئے سبب بطلان کیونکر ہوگا۔ واللہ الھادی۔

اور وہ بھولنا نہیں چاہئے جو ہم نے کتاب کے اوائل میں بیان کیا ہے کہ رسالہ مذکورہ نے امام نووی اور امام ابن حجر کا کلام پیش کر کے اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان خود ہی پیدا کر لیا ہے کیونکہ دونوں اماموں نے غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کو علم استقلالی اور علم محیط کلی پر محمول کیا ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کی طرف ہم چل رہے ہیں جو ہمارا مرکز قلم ہے اور اس میں علم کی وہ تقاسیم ہیں جن سے رسالہ مذکورہ کے نزدیک دونوں امامین منکرین علماء شریعت اور ارباب عقول سلیمہ سے نکل جاتے ہیں (والعیاذ باللہ تعالٰی) اور ان لوگوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں کچھ مسلمان بہت دور کی حیرت واستعجاب میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے دین کی مضبوط و مستحکم بنیاد کو ہلا دیا۔

پھر اس کے باوجود رسالہ نے ان دونوں سے احتجاج واستدلال کیا اور انہیں ائمہ دین میں شمار کیا، حالانکہ ان دونوں کا ائمہ دین میں سے ہونا حق و درست ہے لیکن وہابیہ افترا باز قوم ہے نہ ان کے پاس عقل سلیم ہے اور نہ ان کا دین وایمان محفوظ ہے وہ عقل وایمان سے بیگانہ ہیں۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

حجۃ الاسلام کا قول اور پانچ جواب

۴۲۔ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہٗ کا قول چار جملوں پر مشتمل ہے وہ رسالہ مذکورہ کی کسی چیز میں حجت نہیں ہے۔

پہلا جملہ: علم باری تعالیٰ سے اولین و آخرین کے علوم کو کیا نسبت ہے۔ یہ بلاشبہ حق و درست ہے ہم نے اسے متعدد بار ثابت کیا اور بیان قاطع سے واضح و آشکارا کیا کہ پوری مخلوق کے مجموعہ علوم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے بالکل کوئی نسبت ہی نہیں ہے اور نہ ایسی نسبت ہے جیسی ایک قطرہ کے ہزاروں ہزار جز کو ہزاروں ہزار بحر ذخار سے ہے کیونکہ متناہی کی نسبت غیر متناہی سے کسی بھی نسبت سے ہو محال و ممتنع ہے۔ امام غزالی نے اس بحث میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے باری تعالیٰ کے علم کی توصیف اس طرح کی ہے کہ وہ تمام معلومات کو ایسا محیط ہے جو حد و نہایت کی حدود سے خارج ہے۔ اور انہوں نے اپنے کلام کو اس پر ختم کیا کہ اللہ عزوجل کے علم کو مخلوق کے علم پر یہ فضیلت ہے کہ وہ نہایت و انتہا کے دائرہ سے خارج ہے کیونکہ معلومات الٰہیہ کی کوئی نہایت و حد نہیں ہے اور مخلوق کی معلومات متناہیہ ہیں۔

(احیاء علوم الدین، کتاب المحبۃ والشوق)

رسالہ مذکورہ نے ان سب اقوال کو نقل کیا اور سمجھ نہ سکا کہ بعینہٖ یہی ہمارا مسلک و مدعا ہے اس سے استناد کی بنیاد رسالہ مذکورہ کے جھوٹ و افترا پر ہے کہ "ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل کو محیط ہے۔"

۴۳۔ **دوسرا جملہ:** اللہ عزوجل نے پوری مخلوق کو مخاطب کیا اور فرمایا "**وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**" اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا۔

(بنی اسرائیل ۸۵)(حوالہ مذکور)

اگر رسالہ مذکورہ نے اس سے علم جلیل عز جلالہ کی بہ نسبت تقلیل سمجھا تو بعینہٖ یہی ہمارا مقصود و مدعا ہے بلکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ مخلوق کے علم کو اللہ کے علم سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے احتجاج واستدلال کرنا ہمارے مذہب سے لاعلمی وجہالت کی دلیل ہے۔ اور اگر رسالہ کو یہ وہم وخیال ہو کہ فی نفسہٖ تقلیل مراد ہے تو یہ بداہۃً باطل ہے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلکہ نہ کسی اور نبی کے بارے میں ایسا کہنے کی جرأت بے جا کمینہ وہابیہ کے سوا کوئی نہ کرے گا اور نہ اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک آیت کریمہ کا یہ مفاد ومنشا ہے۔

رسالہ غایۃ المامول نے صفحہ ۳۰ پر خود کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین وآخرین اور دنیا وآخرت کے مہمات، اور دین ودنیا کے حوائج ومصالح کا علم دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلومات کے احاطہ میں علم الٰہی کے برابر ومساوی ہو جائے بلکہ اس کا اعتقاد ویقین ہی جائز نہیں۔ جو علم بھی ہو اگرچہ وہ وسعت واحاطہ میں اپنی انتہا کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کے علم کی نسبت سے وہ قلیل ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ کنز الایمان) (بنی اسرائیل ۸۵)

ابن اسحاق وابن جریر اور ابن ابی حاتم ابن عباس سے اور ابن اسحٰق وابن جریر عطا بن یسار سے راوی انہوں نے کہا کہ " وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا " مکے میں نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی حضور کی خدمت میں یہود کے احبار وعلماء آئے اور عرض کیا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کہتے ہیں وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا) اس سے آپ ہمیں مراد لیتے ہیں یا اپنی قوم کو؟ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔ یہود نے عرض کیا کہ آپ یہ بھی تلاوت کرتے ہیں کہ توریت دی گئی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود

ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز عطا فرمائی ہے اگر تم اس پر عمل کرو گے تو نفع پاؤ گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ (الی قولہ تعالیٰ)
اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ (لقمان، ۲۷۔۲۸)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بیشک اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا بیشک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنز الایمان) (جامع البیان آیت و یسئلونک عن الروح)

اس آیت کریمہ کے نزول سے یہ حکم و اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور یہ یقیناً حق و درست ہے اور رسالہ مذکورہ نے جو افادہ کیا وہ صریح باطل و غلط ہے۔

بلکہ ابن ابی حاتم یزید بن زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ دو لوگوں نے آیت کریمہ "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" کے بارے میں اختلاف کیا ایک نے کہا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں دوسرے نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مراد ہیں پھر ان میں سے ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور اس کے بارے میں پوچھا، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا تم نے سورۂ بقرہ نہیں پڑھی اس شخص نے کہا ہاں کیوں نہیں، اس پر ابن مسعود نے فرمایا کہ کون ایسا علم ہے جو سورہ بقرہ میں نہیں ہے مگر اس آیت مبارکہ سے اہل کتاب مراد ہیں (ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں)۔ (درمنثور سیوطی و یسئلونک عن الروح)

اور رسالہ مذکورہ نے اس قسم کی روایات کو نہیں دیکھا بلکہ انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

اور یہیں سے ظاہر و واضح ہو گیا کہ رسالہ مذکورہ کے حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول بیان کرنے کے بعد شارح سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام ذکر کرنے سے مقصود

صرف فضول باتوں میں زیادتی اور اس کے رد میں اضافہ ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ مخلوق کے علم پر خالق کے علم کو تین خواص سے فضیلت و برتری حاصل ہے۔

اقول، ہمارے نزدیک یہ تقصیر و کمی ہے بلکہ اللہ کے علم سے مخلوق کے علم کو کسی چیز میں کسی طرح کی کوئی مناسبت ہے ہی نہیں بلکہ وہ دونوں بالذات متباین و متغائر ہیں کسی خاصیت یا چند خواص سے دونوں میں تفریق و مفارقت نہ ہوگی۔

پہلی خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کی معلومات چاہے کتنی وسیع ہوں پھر بھی وہ اس کے دل ہی میں محصور و محدود ہے پھر اس محدود علم کو غیر متناہی علم سے کیا تعلق و مناسبت؟ اور تمہیں معلوم ہو چکا کہ یہی بعینہ ہمارا مقصود و مدعا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، الزبیدی، کتاب المحبۃ والشوق)

علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم

اقول مخلوق کی معلومات کے متناہی ہونے کے ثبوت میں یہ کہنا کہ مخلوق کے دلوں میں معلومات کا انحصار ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ معلومات ہمارے نزدیک دل میں متمکن نہیں ہوتیں اور نہ دل میں شئ کے حلول کرنے کا نام علم ہے اور نہ فلاسفہ کی طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ "عقل کے نزدیک صورۃ حاصلہ کا نام علم ہے" چہ جائیکہ اس کا نام علم ہو جو دل میں حلول کرے۔ ہمارے علماء نے وجود ذہنی کا جو انکار کیا ہے اس کا یہی معنی ومطلب ہے۔

اور ہمارے اصحاب محققین جیسے امام علم الھدیٰ ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک علم اس حالت انجلائیہ کا نام ہے جس سے شئ اس پر منجلی ہوتی ہے جس پر نفس الامر میں وہ ہے۔ پھر ان کا یہ قول علم کی دو تقسیم میں سے ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے جن پر رسالہ مذکورہ نے بارہا چکر لگایا۔

دوسری خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بندے کی معلومات منکشف ہو جائیں پھر بھی اس حد وانتہا کو نہیں پہنچیں گی جس کا ماوراممکن نہ ہو۔

(اتحاف السادۃ المتقین، کتاب المحبۃ والشوق)

اقول، یہ بھی بعینہٖ ہمارا ہی مذہب ومسلک ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے نبی اور دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا علم بلکہ جملہ مومنین کے علوم ابدالآباد

تک ہمیشہ بڑھتے رہیں گے لہٰذا یہ اس معنی کے اعتبار سے غیر متناہی ہے کہ وہ کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتا۔ اور جو بحث اس سے پہلے گزر چکی ہے اللہ کا شکر ہے کہ وہ بیان اس سے زیادہ اجلی اور اعلیٰ ہے۔ میں نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر ہر ذرے میں اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم ہے پھر خالق کی طرح مخلوق کے لئے شئی کیونکر اور کیسے منکشف ہو گی۔

تیسری خاصیت: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اشیاء کا علم اشیاء سے مستفاد نہیں بلکہ اشیاء اس سے مستفاد ہیں اور بندے کا علم اشیاء کے تابع ہے اور اشیاء کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، الزبیدی۔ کتاب المحبۃ والشوق)

علم ذاتی اور غیر ذاتی کے فرق پر یہ عملی اقدام اور خامہ فرسائی ہے اور یہ دونوں تقسیم میں سے پہلی تقسیم ہے۔

علم الٰہی کی تقسیم، فعلی اور انفعالی، کرنا

ثم اقول: سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں دو وجہ سے نظر ہے

فاولاً: ان کا شروع کلام بعض ان باتوں کی طرف مشیر ہے جن پر جہلا، فلاسفہ فریفتہ وشیفتہ ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے ایک فعلی اور دوسرا انفعالی۔ اور حق وصواب یہ ہے کہ علم صفات موثرہ میں سے نہیں ہے جیسا کہ ہمارے علماء نے بیان فرمایا اور اشیاء اپنی افادیت سے مستفاد ہوتی ہیں اور اشیاء کی افادیت ان کا اپنے وجود میں موثر ہونا ہے

ہاں مخلوق کے علم کے لئے اختیار شرط ہے اور شرط مشروط کا فائدہ نہیں دیتی ہیں۔ یہ شرط علم فعلی میں ہے۔ رہا انفعالی، تو انہوں نے اپنے منہ سے بڑی بات نکالی، وہ تو جھوٹ ہی بکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موثر حقیقی ہے وہ کسی کا اثر قبول کرنے سے بلند وبالا اور پاک ہے، کافر سے تو یہ کوئی تعجب نہیں بیشک تعجب تو ان متاخرین منطقین سے ہے جو مسلمان ہیں کہ انہوں نے اس صریح باطل اور جھوٹ کی پیروی کس طرح اور کیونکر کر لی

اور فلاسفہ کے لئے انہوں نے اسے لازم کر لیا۔ اور انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح ہے، قدیم اور حادث۔ اللہ کے ساتھ کسی حادث کا قیام ہو وہ اس سے بلند و بالا ہے اور اگر اس کے ساتھ قائم نہ ہو تو وہ اس کا علم کس طرح ہوگا، یہ تو معتزلہ کے ہذیان وخرافات کے مثل ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام حادث کے ساتھ متکلم ہے اس کے ساتھ وہ قائم نہیں ہے۔ نسأل اللہ السلامة۔

وثانیا: معلوم کے لئے علم کی تبعیت اگر اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ علم کا اس کے موافق ومناسب ہونا ضروری ہے جس پر فی نفسہ معلوم ہے تو یہ قطعاً یقیناً علم قدیم میں بھی واجب ہے، متکلمین نے اس کی صراحت و وضاحت کی ہے اگر چہ ہمارے نزدیک لفظ "تبعیت" مناسب و پسندیدہ نہیں۔ اور اگر اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ حصول علم، حصول معلوم کے تابع ہے جب یہ حاصل نہیں ہوگا تو وہ بھی حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ سید مرتضیٰ کے کلام کا مفاد ومنشاء ہے تو یہ قطعاً باطل ہے ورنہ قیامت وحشر اور معاد پر ایمان رکھنا محال ہو جائے گا اگر چہ وہ اعیان ثابتہ کی پناہ اور سہارا لے، کیونکہ اعدام متمایز نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود جسے وجود کی بُو نہ ملی وہ بھی فلاسفہ کے نزدیک علم قدیم میں ثابت ہے۔ رسالہ مذکورہ ان حقائق سے مجرد وخالی ہونے کے سبب سے ایسا ہے جیسا رات کا لکڑی چننے والا جلدی سے جو پاتا ہے اسے اٹھا لیتا ہے خواہ وہ درست ہو یا نہ ہو۔

۴۴۔ **تیسرا جملہ:** امام غزالی فرماتے ہیں کہ اگر آسمان وزمین والے سب ایک چیونٹی یا مچھر کی تخلیق کی تفصیل میں اللہ کے علم وحکمت کا احاطہ کرنے پر جمع ہو جائیں تو اس کے عشر عشیر پر مطلع نہیں ہو سکیں گے۔ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے یعنی اس کی مشیت کے بغیر حصول علم ممکن نہیں۔ (احیاء العلوم، کتاب المحبۃ والشوق)

اقول، حجۃ الاسلام امام غزالی نے سچ فرمایا اور ان کا کلام اس میں ہے جس میں مخلوق اپنی نظر وفکر سے استنباط واستخراج کرتی ہے، وہ علم مراد نہیں جو اللہ کے وھب و

عطا اور اس کے انوار کی تجلی سے دیا جاتا ہے۔ اسی سے ہم نے یہ کہا کہ ہر ذرے میں جو دینی علوم ہیں ان کی تفاصیل اللہ عزوجل کے بتائے بغیر جاننے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن کریم دونوں جہان کے ہر ہر ذرے کی تفاصیل پر محیط وحاوی ہے اور ان پر صرف خواص کاملین کے اکابر ہی مطلع وآگاہ ہیں۔ جنہیں اللہ عزوجل نے اپنا قرب خاص عطا فرمایا ہے۔

انبیاء کرام جملہ مخلوقات کو ان کے اشخاص واحوال کے ساتھ جانتے ہیں اور ہر فرد کی تخلیق میں جو حکمت الٰہیہ ہے اسے بھی جانتے ہیں

امام فخر الدین رازی اور علامہ نظام نیشاپوری آیت کریمہ وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ۔(اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی) کے تحت فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر مخلوق میں اس کے اجناس وانواع اس کے اصناف واشخاص اس کے احوال وعوارض اور اس کے لواحق وتوابع وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں ہیں ان کے آثار وعلامات پر اکابر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو آگاہی واطلاع حاصل ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے الٰہی ہمیں اشیاء کے حقائق دکھادے۔

(مفاتیح الغیب، امام رازی۔ سورہ انعام)

اور حجۃ الاسلام امام غزالی اور مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم بالا کے تمام خواص واسرار کا کشف فرماتے ہیں۔

(تیسیر مناوی اباب الحاء)

۴۵۔ چوتھا جملہ: امام غزالی فرماتے ہیں کہ علم کی جو تھوڑی سی مقدار پوری مخلوق کو حاصل ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور اس کے بتانے ہی سے ہوئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

(الرحمٰن، ۳۔۴) (احیاء العلوم، کتاب المحبۃ والشوق)

انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔

(کنز الایمان)

اقول، اسی کے مثل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے" وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا "

(الاسراء ۸۵)

(اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا) اور یہ فرمان" وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا "

(البقرۃ ۲۶۹)

(اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی) ہے۔ ان دونوں میں جمع و تطبیق صرف یہود پر پوشیدہ ہے۔

امام احمد، ترمذی بافادۂ تصحیح، نسائی، ابن حبان، ابن منذر، ابوالشیخ کتاب العظمۃ، حاکم بافادۂ تصحیح، ابن مردویہ اور ابونعیم و بیہقی دونوں دلائل النبوۃ میں راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کفار قریش نے یہود سے کہا ہمیں کوئی ایسی چیز دو جس کے بارے میں ہم اس شخص (یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے سوال کریں، یہود نے کہا ان سے روح کے بارے میں پوچھو وہ کیا کہتے ہیں، قریش نے حضور سے روح کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء، ۸۵)

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ (کنز الایمان)

یہود نے کہا ہمیں علم کثیر دیا گیا، ہمیں توریت عطا کی گئی اور جسے توریت دی گئی اسے بہت بھلائی ملی، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکھف، ۱۰۹)

تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ (کنز الایمان)(ترمذی ابواب التفسیر، سورۃ الاسراء)

یہی روایت ابن مردویہ کے نزدیک طوالت کے ساتھ ہے ان کے لفظ میں قریش کی جگہ یہود کا قول ہے لہٰذا یہ روایت مختلف فیہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ فرمان نازل ہوا کہ اگر زمین کے درختوں کو قلمیں بنالیں اور پوری مخلوق کاتب ہو جائے اور یہ سمندر سیاہی ہو اس میں سات سمندر اسی کے مثل اور ہوں تو یہ تمام لکھنے والے مر جائیں گے اور یہ سارے قلم ٹوٹ جائیں گے اور یہ آٹھوں سمندر خشک ہو جائیں گے مگر اللہ کا کلام کچھ بھی کم نہ ہوگا وہ اسی شان پر باقی رہے گا مگر اے یہود تمہیں توریت دی گئی اس میں اللہ کی جو حکمتیں ہیں وہ اس کی حکمتوں کے سامنے قلیل وکم ہیں پھر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توریت منگائی اور یہود کو یہی آیت پڑھ کر سنائی اس کے بعد یہود ناک بھوں چڑھاتے ہوئے غصے میں واپس چلے گئے۔

(درمنثور سیوطی۔ سورہ لقمان، آیت ولو ان مافی الارض الآیۃ)

ابن جریر عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود نے کہا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا حالانکہ ہمیں توریت دی گئی ہے جو سراسر حکمت ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت بھلائی ملی حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان، ۲۷)

اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (کنز الایمان)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جو علم دیا گیا اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تم کو دوزخ سے نجات دے گا۔ اس اعتبار سے وہ کثیر وطیب ہے اور وہ اللہ کے علم کے مقابلے میں بہت ہی قلیل وکم ہے۔ (جامع البیان طبری، لقمان آیت مذکور)

ابن منذر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ حی بن اخطب (یہودی) نے کہا اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو حکمت دی گئی ہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں بہت تھوڑا علم ملا ہے، پھر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کیسے جمع ہوں گی؟ (یعنی جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی ہمیں توریت ملی ہے جو سراسر حکمت ہے پھر ہمارا علم تھوڑا کیوں ہے؟) اس کے بعد یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں "**ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام**" اور "**قل لو کان البحر مدادالکلمات ربی**" الآیۃ (درمنثور، لقمان آیت مذکورہ)

لہٰذا یہ شبہ یہود کا شبہ ہے اور جواب غفور ودود اور حبیب محمود کا جواب ہے، جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ابد الابود، اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اسی طرح اس کی حکمت، بلکہ وہ مصلحتیں بھی غیر متناہی ہیں جن کی عالم کے ہر ذرے میں رعایت کی گئی ہے جیسا کہ گزشتہ ابحاث میں اسے بیان کیا گیا کہ ہر ذرے کے احوال ممکنہ غیر متناہی ہیں اور جب ایک حالت کو لیا جائے اور اس کے ماسوا حالتوں کو چھوڑ دیا جائے تو ان کی حکمتیں بھی غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو لیا اور جس کو چھوڑ دیا وہ سب حکمت بالغہ کے سبب سے ہے اور اس میں کسی ایک حکمت کا علم کافی نہیں جس سے اس وقت اس شئی کی اس حالت کی مناسبت ظاہر ہو کیونکہ تمام احوال میں وہ ہونا جائز ہے جو اس سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ مناسبت کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جہاں پر شک وتردد ہو۔ اور حکمت اس اختیار کو چاہتی ہے جو سب سے زیادہ موافق

ہو لہٰذا اس کی حقیقت پر اطلاع ان تمام احوال غیر متناہیہ کے علم کے بغیر ممکن نہیں خواہ وہ ان احوال کے مناسب ہو یا غیر مناسب، اور یہ کہ بعض مناسبت شدید و وافر ہوتی ہے۔

ہر ہر ذرے، ایک ایک بال اور ایک ایک پتے اور ان کے رنگوں، ان کی مقدار، ان کی وضع، ان کے اوزان، ان کی شکلوں اور ان کے محل وغیرہ میں جو اخذ (لینے) کی حکمتیں ہیں انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم، اللہ کے بتانے سے محیط ہیں اور اس سے علم الٰہی کی کثرت کے دسویں حصے کے دسویں حصے سے کم بھی نہیں گھٹے گا اور نہ اس کے بعض کے بعض کو کوئی حد محیط ہوگی۔ یہ وہی تفصیلات ہیں جو امام رازی اور نیشاپوری کے کلام میں مذکور ہوئیں۔

لیکن جن چیزوں کو چھوڑ دیا گیا ہے ان کے ترک میں جو حکمتیں ہیں وہ بھی غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی بالفعل کو مخلوق کا علم محیط نہیں ہے مگر اس معنی کے اعتبار سے علوم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے جملہ ما کان وما یکون کو محیط ہونے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ لینے کی حکمتوں میں وجود گردش کرتا ہے اور چھوڑنے کی حکمتوں میں عدم ملحوظ ہے اور جب متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت وتعلق نہیں تو جن حکمتوں کو انبیاء کرام، رب تبارک وتعالیٰ کے پیدا کرنے کے سبب سے جانتے ہیں وہ اسی کے بتانے سے ہے، اس کے باوجود اگر ان حکمتوں کی فہرست لکھی جائے تو اتنے دفاتر تیار ہوں گے جن سے آسمان وزمین کے درمیان کا فاصلہ بھر جائے، یہ سب بھی علم الٰہی کے مقابلے میں قلیل وکم ہوں گے۔ امام غزالی کے کلام کا یہی مطلب ہے، کلام کو اسی طرح سمجھنا چاہئے، اسی طرح مقصد کو ثابت کرنے کا حق ہے مگر یہ توفیق الٰہی کے بغیر نہ ہوگا،

فالحمد لله ولی الانعام وافضل الصلاة واکمل السلام علی حبیبه الکریم وآله الکرام عدد حکم الحکیم فی ذرات الانام الی یوم القیام وبعد القیام علی ممر اللیالی والایام آمین یا ذالجلال والاکرام۔

تذییل جلیل و تکمیل جمیل

ہندوستانی وہابیوں وغیرہم کے شبہات کا قلع قمع

پروردگار عالم ہی کے لئے حمد و شکر ہے کہ یہاں تک رسالہ "غایۃ المامول" کے بیان کردہ مزعومات واوہام پر کلام پورا ہو گیا اب یہاں پر وہابیہ ہند اور بعض معاندین ومخالفین کا دوسرا شبہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے رد وابطال کا حصہ بھی تم کو مل جائے تاکہ مخالف کے پاس اللہ کے حکم سے کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اگر کوئی شبہ باقی رہے تو اسے تباہ و پامال کر دیا جائے اور رد میں اس پر کوئی حجت ودلیل باقی نہ رہے اگر ہو تو اسے حاصل کر لیا جائے اور طویل فاصلے سے مجھے تکدر وملال کا خوف وتردد ہے اور میں اختصار کو ترجیح دوں گا مگر بیان مقاصد میں کوئی کمی نہیں کروں گا، انشاء اللہ العزیز الغفار۔

آیات ''قل لا یعلم، الایۃ'' ولم نقصصھم، الایۃ وقالوا لا علم لنا'' اور جوابات کی طرف اشارہ

وہابیہ کے متعلق ہم یہ بیان نہیں کریں گے کہ وہ اس آیت کریمہ سے جاہل ہیں

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (النمل، ۶۵)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (کنزالایمان)

یا اس آیت سے وہ ناواقف ہیں

''وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ'' (المومن ۷۸)

اور کسی کے احوال نہ بیان فرمائے۔ (کنزالایمان)

کیا اللہ عزوجل نے یہ فرمایا کہ ''ہم آپ سے کبھی نہ بیان فرمائیں گے؟

یا اس آیت مقدسہ سے وہ غافل ہیں''

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا

(المائدۃ ۱۰۹)

جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ (کنزالایمان)

کیونکہ اگر رسولان عظام علیہم الصلاۃ والسلام سے شہادۃ مشہودہ کے علم کی بھی نفی مکمل ہو جاتی اور انہیں ان لوگوں سے ملا دیا جاتا جنہیں سنایا جاتا اور وہ سنتے نہیں اور نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ وہ ہدایت پاتے ہیں، کیونکہ رسولان کرام نے جب کفار سے عمر بھر

گفتگو کی تو کیا انہیں معلوم نہ ہوگا کہ کفار نے انہیں کیا جواب دیا؟ یہ بات تو ان کے لئے ہے جن کی عقل بلا رسیدہ اور فتور والی ہے یعنی وہ انتہائی غبی، گھٹیا اور اس ادراک سے بھی بہت دور ہے جو ہر کافر و مسلم اور ہر جوان و بچہ کو شامل ہے۔

لہٰذا مستدل اگر اسے جان کر قبول کرلے تو یہ کفر ہے اور اگر نہ جانے تو بہت بڑا پاگل و دیوانہ ہے۔ اور ایسے کافر[1] کو جواب نہیں دیا جائے گا، پاگل و مجنون کو مخاطب نہیں کیا جائے گا۔ اور ہم نے یہ اس کے لئے بیان کیا ہے جس کا عام لوگوں یا قلیل الادراک والوں کے نزدیک استمساک واستدلال میں سے کچھ حصہ ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب واسالہ تعالیٰ العون والصون انہ سبحانہ قریب مجیب ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وعلی الحبیب والہ السلام والصلاۃ۔

[1] یعنی جس کافر کی عقل بالکل مسلوب ہوچکی ہو اسلامی مسئلے میں اسے اس کے ہذیان وخرافات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔۱۲منہ

آیت کریمہ،فلا تعلم نفس ما اخفی اور پانچ جواب

۷۶۔شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت ہے"

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ،۱۷)

توکسی جی کونہیں معلوم جوآنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپارکھی ہے۔

(کنزالایمان)

بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا،نہ کسی کان نے سنااور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خطرہ ووسوسہ گزرا۔ابوہریرہ نے کہااگرچاہوتو یہ آیت پڑھ لو۔" **فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین**" (بخاری کتاب التفسیر مسلم،کتاب الجمعۃ)

اس سے بابائے وہابیہ نے(کہ وہ ان میں سب سے زیادہ علم والا ہے) استدلال کیااور اس سے احتجاج کیاجس کی زبان میں فصاحت ہے جوفلسفیانہ گفتگو کرتا ہے اور ان میں بہت سخت ہے۔

رسالہ غایۃ المامول کے صفحہ ۵ پر ہے کہ صیغہ ماضی سے خفاء کی تعبیر کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ مخفی جو بھی ہو وہ مراد ہے۔آیت اس بات پر قطعی طور سے دلالت کرتی ہے کہ بعض مخفی شئی کی کسی طرح کی کوئی تفصیل غیر اللہ کو بالکل معلوم نہیں ہے جب تک اس کے اخفاء کا زمانہ جنت میں کسی ایک حد تک منتہی نہ ہو،یہ اس کلام کا خلاصہ ہے جو

بلاوجہ طویل کیا گیا ہے۔

واقول، اولا لفظ" **لا تعلم** "میں زمانہ حال کی نفی ہے" زمانہ" استقبال کی نفی پر کوئی دلالت واشارہ نہیں ہے۔ کیا منافقین کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا" **لاتعلمهم**" یعنی منافقین کو آپ نہیں جانتے ہیں، پھر بعد میں ان کے حالات بتا دیئے گئے جیسا کہ اس کا بیان گزرا۔ اور" **اخفي لهم** "میں لام نفع کے لئے ہے اور اس کا آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہونا یہ بتاتا ہے کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں تو یہ ان کے لئے وجوب ظہور پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی دخول جنت سے پہلے جو مخفی و پوشیدہ رکھا گیا وہ ظاہر نہیں ہے دخول جنت کے بعد سب کچھ واضح و آشکارا ہو جائے گا اور اس سے پہلے عام مخلوق یا سید الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ظہور ممتنع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ابتدائی کلام، نزول کریمہ کے وقت نفی علم کے عموم پر دلالت کرتا ہے اور آخری کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے اور رب سے ملاقات کریں گے تو انہیں مخفی باتوں کا علم حاصل ہو جائے گا جبکہ دونوں وقتوں کے درمیان ایک طویل زمانہ ہے۔ اس بحث میں اثبات ونفی کسی طور پر کلام کو چھیڑا نہیں گیا ہے اور ان کے جنت میں داخل ہونے کے زمانہ تک عموم نفی کو مستمر و دائمی قرار دیا ہے۔ یہ محض جنون و پاگل پن ہے اللہ نے اس کے لئے کوئی دلیل وحکم نہیں اتارا۔ اسی سے وہ شبہ زائل ہو جائے گا جو ہم نے اس کتاب (الدولۃ المکیۃ) میں بیان کیا کہ قرآن عزیز اس بات پر شاہد و ناطق ہے کہ یہ حبیب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے ہر چیز کے لئے تبیان و واضح بیان ہے مگر اس سے نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر بعض اشیاء کے مخفی و پوشیدہ رہنے کی نفی نہیں ہوتی ہے (یعنی نزول قرآن کی تکمیل کے بعد ہر شی حضور پر منکشف و واضح ہوگئی) جبکہ یہ مستدل ہماری کتاب" **انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی** "سے ہماری اس تقریر پر مطلع و آگاہ ہو چکا ہے، پھر اس سے استدلال واحتجاج کے لئے کھڑا ہوا تا کہ معلوم ہو جائے کہ عصبیت ایک دبیز وقوی پردہ ہے۔ **نسأل الله العافية**۔

۴۷۔ **ثانیا:** لفظ ''اخفی'' میں ماضی کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اخفاء جو واقع ہوا وہ مخفی کے وجود پر نہیں ہے کیونکہ خفاء یہاں پر علم کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے اور ظہور علمی اشیاء ثابتہ میں وجود معلوم کو مستلزم نہیں پھر خفاء کیسے ہوگا؟ کیا یہ آیت کریمہ نہیں دیکھ رہے ہو

'' اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا '' (طہ ۱۵)

بیشک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں۔

(کنز الایمان)

کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ قیامت کو واقع ہونے کے بعد چھپایا گیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ قیامت کے بارے میں کیا کہو گے کیا اس کو ظاہر کیا گیا یا اسے چھپا کر رکھا گیا ہے، جو بھی ہو اس کا وجود ابھی لازم ہے کیونکہ اخفاء کا ماضی مخفی کے وجود کا متقاضی ہے تو اظہار کا ماضی تو بدرجہا ولیٰ اس کا متقاضی ہوگا کہ وہ موجود ہو۔

اور حافظ الحدیث سیدی احمد سجلماسی نے ابریز شریف میں ابو یحییٰ شریف مشہور بہ ابن ابی عبداللہ شریف تلمسانی کے رسالہ سے نقل کیا ہے کہ ستر کے کئی درجے ہیں۔ پہلا درجہ جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ شئی کا وجود بالکل نہ ہو اور وہ ظلمت عدم کے پردے میں محجوب و مستور ہو۔[1]

۴۸۔ **ثالثا:** لفظ ''ما اخفی'' صادق آنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شئی اسی حیثیت کی ہو، یہ واجب و ضروری نہیں کہ وہ موجود و حادث ہو۔ اور آنکھوں کی سب

---

[1] دوسرا درجہ یہ ہے کہ وہ موجود تو ہو لیکن ہمارا حاسہ اس کا بالکل ادراک نہ کر سکے۔
تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہ موجود ہو اور ہمارا حاسہ اس کا ادراک بھی کرے لیکن ہمارے اور اس کے درمیان ایک حجاب حائل ہو۔ تینوں درجوں کی مثال سورج سے دی گئی ہے یعنی جب سورج طلوع ہی نہ ہو تو یہ درجہ اول کی مثال ہے۔ سورج طلوع ہو مگر اسے اندھا نہ دیکھ سکے یہ درجہ دوم کی مثال ہے۔ اور طلوع آفتاب تو ہو مگر وہ بادل کے اندر محجوب ہو یہ درجہ سوم کی مثال ہے۔ اسے ابریز کے باب ثانی کے اواخر میں بیان کیا گیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

سے بڑی ٹھنڈک جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے مخفی رکھی گئی وہ ان کے لئے جمال الٰہی کی تجلی ہے حالانکہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دوبار چشم سر سے دیکھا پھر بھی احاطہ کا امکان نہیں نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب کے سردار ہیں جن کے لئے مخفی و پوشیدہ رکھا گیا پھر یہ کہ حضور علیہ السلام وہ جمال الٰہی دیکھیں گے جو شب معراج نہ دیکھ سکے اور نہ حضور کے قلب شریف پر اس کا خیال و خطرہ گزرا، بلکہ تمام نیک بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات ابدالآباد تک ہمیشہ بڑھتے ہی رہیں گے۔ اور متناہی اگرچہ کتنی ہی کثیر ہو اور یہ کہ وہ اس انتہا کو پہنچ جائے کہ ابد تک کسی ایک حد پر نہ ٹھہرے اگرچہ زمانے گزرنے کے بعد، پھر اس پر اور زیادتی ہو پھر بھی وہ متناہی ہی رہے گی تمام خواص عباد اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہمیشہ وہی نسبت رہے گی جو نسبت ابھی ان کے درمیان ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح اب ہیں اسی طرح زمانے گزرنے تک رہیں گے بلکہ بڑھتے رہیں گے حضور کے مدارج و مراتب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خدام و غلاموں کی طرف جو جمال الٰہی کے انوار و تجلیات پہنچتے ہیں انہیں ابھی کوئی نہیں جانتا اور نہ ہمارے مخالفین میں انہیں کوئی جانتا ہے کیونکہ ذات و صفات باری تعالیٰ کائنات میں سے نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی ادراک نہیں کرسکتا۔

۴۹۔ **رابعا**: یہ مستدل ہی اپنے رسالہ (البیان العجائب) میں کہتا ہے کہ ہر موجود یا جو ہونے والا ہے وہ قلم کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں مکتوب و منقوش ہے آسمانوں کی کوئی شئی اس سے غائب و پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا اس نے جو کاتا تھا اسے اس نے خود ہی ادھیڑ دیا۔ یا وہ مستدل یہ کہتا ہے کہ قلم کے پاس غیر اللہ کوئی نہیں ہے۔

۵۰۔ **خامسا**: شئی کا اس طرح ہونا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے قلب پر خطرہ و خیال گزرا، اس سے خاص بندوں کو اللہ کے اطلاع

کرنے اور بتانے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ تمہیں یہ کہنا چاہئے کہ اس سے وہ شئی جنت کی ہونے سے خارج نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شئی عالم شہادت میں سے نہیں ہے حتی کہ انسان کے حواس وعقل کی رسائی ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اپنے علم شریف سے جواب کے لئے اور اپنی حرمت کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کے لئے خود کافی ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ کفایت ہے۔

چنانچہ ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وابن عساکر اور بیہقی دلائل النبوۃ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی انہوں نے کہا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں شب معراج کے بارے میں حدیث بیان فرمائی، (اور حدیث کو یہاں تک بیان فرمایا) پھر میں کوثر کو دیکھتے ہوئے جنت میں داخل ہوا، جنت میں ایسی چیزیں ہیں جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ ووسوسہ گزرا۔

(جامع البیان، طبری۔ آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الآیۃ)

آیت کریمہ "وما یعلم جنود ربک"

اور پانچ جوابات

۵۱۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

"وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" (المدثر، ۳۱)

(اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا)

اقول، اولاً: اور "مایعلم" کیا "لا تعلم" کی طرح نہیں ہے اس سے استناد کرنا اسی طرح کی نادانی ہوگی۔ مناسب یہ ہے کہ میں اس کا ذکر چھوڑ دوں لیکن میں یہاں پر ان کے منطق میں ماہر وحاذق کے دعوے کی قلعی کھول دوں گا اور اس کی رفوگری سے ان کا جو مقصد و مدعا ہے اس کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دوں گا کیونکہ انہوں نے اس کے لئے تنبیہ کی اور جو چیز قابل رد نہیں اس کے رد کرنے کی کوشش کی، لہٰذا وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی طنبور میں نغمہ کا اضافہ کرے اور شطرنج میں خچر کا۔

انہوں نے کہا کہ "آیت صیغہ مضارع پر مشتمل ہے اگر چہ وہ حال یعنی موجودہ زمانہ کے لئے ہو لیکن آیت میں جب کوئی ایسی قید نہیں جس سے وہ وقت متعین و مشخص ہو جائے اور خبر ہونے کے سبب سے آیت کا صدق دائمی طور پر استمرار کے لئے ہو تو وہ بالکل منسوخ نہ ہوگی، لامحالہ اس میں مطلقاً وقت حاضر کا اعتبار کیا جائے گا جو اس کے ساتھ دوام واستمرار کے طور پر مشخص ہو کر حاصل ہوگا جس کا بعد میں انفرادی طور پر ذکر کیا گیا ہے لہٰذا نفی کو دوام حاصل ہو جائے گا اور اللہ کا علم ہر زمانے کو شامل ہے۔"

اقول، یہ چند وجوہ سے ظاہر البطلان ہے

اول: صیغہ حال زمانہ تکلم پر دلالت کرتا ہے اور کلام قدیم میں صیغہ حال کی دلالت وقت نزول پر ہوتی ہے اور وہ خود ہی متعین ہے کسی دوسرے کو مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جسے عقل وشعور کا کچھ بھی حصہ نصیب ہوا یہاں تک کہ بچے بھی اسے سمجھ سکتے ہیں۔

ثانی: اس مسکین کو یہ معلوم نہ ہوا کہ فعلیہ کا صدق دائمی ہے اگرچہ نسبت دائمی نہ ہو ورنہ فعلیہ دائمہ ہو جائے گا اور دو دائمہ قضیے متناقض نہیں ہوتے بلکہ کبھی دونوں کاذب ہو جاتے ہیں۔

ثالث: اس سے فرمان باری تعالیٰ "**لا تعلمهم**" کی تکذیب لازم آئے گی جو منافقین کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک مستمر ہوگی اور وہ اپنی سابقہ روش پر چلے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس کے مفاسد دائرہ حصر سے زیادہ ہیں۔

رسالہ کے ص:۶ پر ہے "اسی باریکی کے سبب سے علماء سابقین میں سے کسی نے علم الٰہی کے اختصاص وعدم اختصاص کے درمیان تعارض دفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اللہ سے علم غیب کا اختصاص اس آیت سے مستفاد ہے

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ (النمل، ۶۵)

اور باری تعالیٰ کے علم غیب کا عدم اختصاص اس آیت سے مستفاد ہے

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن، ۲۷)

وقت حاضر کو دیکھتے ہوئے اختصاص ہے اور اس کے غیر کو دیکھتے ہوئے عدم اختصاص۔

اقول: سابقین ہی سبقت لے گئے یہی لوگ اس میں نظر دقیق رکھتے ہیں جس میں وہابیہ وہم وگمان میں پڑے ہوئے ہیں، اور اگر مطلقاً اختصاص مراد لیا جائے اور کسی خاص غیب پر نظر نہ ہو جیسے وقت قیامت مثلاً۔ یعنی کوئی شخص غیب کی کوئی شئی نہیں جانتا نہ ذاتی طور پر نہ عطائی طور پر تو وقت حاضر میں بھی جاننا صادق نہ ہوگا۔ کیونکہ

بہت سارے غیوب یعنی قیامت، جنت، دوزخ وغیرہا اللہ عزوجل کے بتانے سے موجودہ وقت میں بھی معلوم ہیں اور اس وقت سے پہلے بھی، اگر وقت حاضر میں غیب معلوم ہونے کو صادق نہ مانا جائے تو اس وقت نبوت ہی کا انکار لازم آئے گا جیسا کہ امام قاضی عیاض اور امام قسطلانی کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ "نبوت غیب پر اطلاع وآگاہی کا نام ہے" لہٰذا آیت کو غیب ذاتی یا احاطہ کلیہ کی نفی پر ہی محمول کرنا لازم ہے جیسا کہ ائمہ کرام نے کیا ہے۔

رسالہ مذکورہ کے ص:۶ پر ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص غیب کا استمرار آیت کریمہ سے ظاہر ہے لہٰذا اسی پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ اس سے صرف نظر کے لیے وہاں پر کوئی دلیل قطعی نہیں، نہ دلیل قطعی کا کوئی اشارہ موجود ہے"

اقول۔ظہور کہاں سے ہے اور اس پر دلیل کیا ہے؟ ایسے اصرار و مطالبہ سے بچنا چاہیے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ استمرار پر آیت ظاہر ہے تو صوارف قطعیہ اور تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے اوہام وخیالات کو کاٹنے والی تلواریں وہی تلاوت کردہ آیات قرآنیہ ہیں۔ وللہ الحمد۔

۵۲۔**ثانیا:** "جنود[1] ایسی صفت نہیں جو وجود کا متقاضی ہے۔ اور تمہیں کس نے بتا دیا کہ مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فلاں وقت مخلوق کی تخلیق سے باز رہے گا کہ اس کے بعد کچھ پیدا ہی نہ کرے گا، ہمارا کلام تو اس میں ہے جسے وجود نے روز اول سے یوم آخر تک گھیر رکھا ہے، بیشک اس لفظ کا ورود واستعمال بھی یہی بتا رہا ہے۔

لہٰذا مستدل نے اس کی اصلاح کا قصد کیا جس کا زمانے نے فساد وعیب ظاہر کیا، اور ص:۶ پر اپنی طرف سے "یوم قیامت" کی قید بڑھا دی یعنی جن لشکروں کا وجود ہو

---

[1] بلکہ اگر جنود صفت بھی ہو پھر بھی حال کے ساتھ خاص نہ ہوگا کیونکہ وہ محکوم بہ نہیں ہے۔ جیسا کہ قرافی نے شرح تنقیح میں اس کا افادہ فرمایا، جہاد بن عابدین نے بھی اسی کی طرف رجوع کیا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

چکا یا قیامت کے دن تک وجود ہوگا، تا کہ استمرار فرض کرنے کی صورت میں اس کا انکار کر دے جو ان کے خیال میں دونوں یوم (روز اول سے روز آخر تک) کے درمیان بعض وجود کو شامل ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ خالص تحکم و جزاف ہے۔ اور یہ کہاں سے ثابت ہے کہ جو مخلوق پیدا ہوئی یا ہوگی لفظ ''جند'' (لشکر) اس کو شامل ہونے کے باوجود اس مخلوق پر صادق نہیں آئے گا جو قیامت کے بعد پیدا ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے بعد کسی مخلوق کو پیدا ہی نہ کرے گا، اسے دلیل سے واضح کیجیے اگر آپ دیانتدار اور سچے ہیں۔

کیا انہیں معلوم نہیں کہ چار ہزاروں ہزار ہزار اور نو سو ہزار ہزار فرشتے جہنم کو لائیں گے اسے ستر لگام سے کھینچیں گے، ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے سب کے سب یوم قیامت سے پہلے پیدا ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سب فرشتوں کو یا بعض کو تجلی قہری سے پیدا نہیں کرے گا، وہ دن ایسا ہوگا جس میں رب تعالیٰ ایسا غضب فرمائے گا کہ ایسا غضب نہ اس سے پہلے کبھی فرمایا نہ اس کے بعد کبھی اس کے مثل غضب فرمائے گا، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

لہٰذا آیت کریمہ سے قطعاً سلب عموم ہی مراد ہے جو بعض کے علم کو یقیناً شامل ہے اور ان کی تفاصیل کے علم کا عدم احاطہ صادق آئے گا جو قیامت کے بعد پیدا ہوں گے، اس معنی کے اعتبار سے تمام ماکان و ما یکون کے احاطہ علم میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۵۳۔ **ثالثاً:** بلکہ غیر متناہی حد تک تخلیق کا استمرار ان کے خیال میں قرآن عظیم سے ثابت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ ہر وقت ہر آن میں مخلوق پیدا فرمائے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ (القصص:۶۸)

اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے۔ (کنز الایمان)

آیت کریمہ صیغۂ مضارع پر مشتمل ہے اگر چہ وہ حال کے لیے بھی ہے، اس

مخص کے آخر بیان تک یہ بیان ہے کہ پوری مخلوق اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے۔اور یہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہوتو وہ "ما یشاء" میں داخل ہیں اور انتہا پر کوئی دلیل نہیں ہے۔لہٰذا یہ یقینی طور پر ثابت ہو یا اس کا صرف احتمال ہو اللہ کا لشکر کبھی ختم نہ ہوگا۔ مستدل نے احتمال کو ختم کر دیا ہے چہ جائیکہ اسے وہ ثابت کرے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مخلوق کا علم غیر متناہی کو محیط نہ ہوگا۔

۵۴۔ **رابعا**۔ جو محل انہوں نے بنایا، اس کو منہدم کرنے کے لیے وہ خود ہی کافی ہیں کیونکہ ان کا یہ قول گزر چکا کہ ہر موجود قلم کو معلوم ہے۔الخ۔

اللہ کو پاکی ہے اس شخص سے جو قلم کے لئے ہر موجود کا علم تام محیط حاصل ہونے پر ایمان لائے اور اس بات پر ایمان لائے کہ آسمانوں کا کوئی ذرہ اس سے خارج وجدا نہیں۔ پھر وہ خود ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔

امام بوصیری اور ملا علی قاری قدس سرہما کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ لوح وقلم کے علوم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم اقدس کا ایک حصہ ہیں، سمندر کی ایک موج یا کتاب کی ایک سطر ہے، اور اگر افراد عالم میں سے کسی فرد کے لئے کوئی فضیلت و بزرگی ثابت ہو تو وہابیہ غیظ وغضب میں مبتلا ہو جاتے اور اس کا انکار کرنے کی لاحاصل و بیجا کوشش کرتے ہیں۔

ٹھہرو

حضور علیہ السلام اور انبیاء و اولیاء علیہم و علیہم السلام سے وہابیہ کے بغض و عداوت پر

حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام اور غلامان مصطفیٰ میں جو اولیاء عظام ہیں ان کے فضائل و مناقب سے وہابیہ غیظ و غضب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیا تم نے گروہ وہابیہ کے اس بکو مولوی رشید احمد گنگوہی کو نہیں دیکھا جو ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ زمین کا علم محیط حضور کے لیے ثابت کرنا شرک نہیں تو اس میں ایمان کا کون سا شائبہ ہے؟ یہ ہے ان کی عادت اور ان کا دین۔ **نسأل اللہ العافية ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**

(براہین قاطعہ، رشید احمد گنگوہی، مبحث علم الغیب)

۵۵۔ **خامسا**۔ اس سے پہلے کی پیش کردہ روایات یہ ہیں کہ مولیٰ عزوجل میں علم کا حصر کرنا علوم عباد کے منافی نہیں ہے جو انہیں اللہ کی عطا و ارشاد سے حاصل ہوئے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا اسی کے سر پڑ کرنا ہے۔

آیت کریمہ ''او ننسھا'' الایۃ اور پانچ جوابات

۵۶۔شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت بھی ہے

''مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا'' (البقرۃ:۱۰۶)

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔

(کنزالایمان)

مستدل نے کہا کہ آیت کا بھلا دیا جانا اس بات میں صریح ہے کہ ہر وجود کی تفصیلات کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم محیط نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ لفظ ہونے کی حیثیت سے کائنات میں سے ہے اگرچہ معنی نفسی کے اعتبار سے کائنات میں سے نہیں۔

اقول۔اولا۔آیت مقدسہ قطعی طور پر اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کا کلام حدوث سے بعید ہے، وہ اس سے بلند و بالا ہے بلکہ حادث نزول ہے، جو نازل ہوا وہ قدیم ہے، ہماری قرأت حادث ہے، مقرو قدیم ہے، ہماری کتابت حادث، مکتوب قدیم ہے، ہم نے جو سنا وہ حادث ہے، اور مسموع قدیم ہے، ہم نے جو یاد کیا وہ حادث ہے اور محفوظ قدیم ہے۔

جملہ سلف صالحین کا یہی ایمان واعتقاد ہے اور تم اس لغزش وغلطی کی پیروی سے اجتناب واحتراز کرو جو بعض متاخرین سے صادر ہوئی۔ہم نے اس پر فصل ''لیس القرآن تبیان کل شئی للامۃ'' میں تنبیہ کی ہے اور اسی مستدل نے اپنے اسی رسالہ (غایۃ المامول) کے اوائل میں کہا اور اپنے لئے منصب اجتہاد کا دعویٰ بھی کیا

ہے اور وہ ائمہ امجاد کی تقلید سے نکلنے کا بھی دعویدار ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ''ہم ماہرین کے اقوال پر نقض کرنے اور انہیں ادھیڑنے میں نہیں ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی قول کی ضرورت نہ پڑے یا مصلحت نہ چاہے تو اسے غباوت کی نشانیاں اور ناسمجھی کا طور وطریقہ سمجھا جاتا ہے بلکہ میں اصول وقواعد کی پیروی کرتا ہوں''

اسی وجہ سے مستدل نے غیب کا ایسا معنی اختراع کیا جس کی طرف ذہن کی رسائی نہیں ہوتی اور جس معنی کی صحابہ وتابعین وتبع وتابعین اور معتمد ائمہ دین نے صراحت ووضاحت کی ہے اسے باطل ومردود قرار دیا۔ اور کہا کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے لہٰذا انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بالرائے کی اور یہ بدعت ایجاد کی کہ اللہ تعالیٰ سے اشیاء غائب ہوسکتی ہیں اور بھی بہت سارے بدعات وخرافات کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے ہم نے اپنے مختلف رسائل میں ان کا تفصیلی رد کیا ہے، پھر ان سے یہ بات کیسے رہ گئی کہ جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں وہ بعینہٖ معتزلہ کا مذہب اور قرآن کو حادث کہنے کے مترادف ہے جس پر صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین نے شدت وسختی سے انکار فرمایا ہے انہوں نے قرآن کریم کو کائنات وحوادث میں سے قرار نہیں دیا مگر وہ کہتے ہیں کہ کلام لفظی حادث ہے کلام نفسی حادث نہیں اور مستدل بھی قرآن کے حادث ہونے پر ایمان رکھتا ہے، لہٰذا اگر مستدل کو عقل وسمجھ ہوتی تو وہ اس کو لازم کر لیتے جسے صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین نے لازم کرلیا ہے۔

اور مستدل نے ماہرین کے اقوال وآراء پر جمود وتوقف سے بیزاری ظاہر کی ہے، بیشک یہ وہی بات ہے جو رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(الصف ۲،۳)

کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ (کنز الایمان)

لہٰذا جس بات پر ائمہ سلف نے اجماع واتفاق کیا ہے اسی کو قبول کرنا چاہیے حق یہ ہے کہ اسی پر توقف و جمود کا مظاہرہ کیا جائے لیکن انہوں نے اپنے لئے مقتضائے مصلحت کے پیش نظر استثناء کو باقی رکھا ہے اور انہوں نے اپنی مصلحت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقدس کم کرنے میں دیکھی اس لئے وہ نئی لغزش پر جم گئے اور اسلاف کرام کے عقیدہ سے ہٹ گئے۔ اور متاخرین سے اس سلسلے میں جو لغزشیں ہوئیں ہم نے ان کا عذر بیان کر دیا ہے لیکن اس مجتہد کبیر کے لیے تو کوئی عذر نہیں ہے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خاطی ٹھہرایا اور اپنی بدعات وخرافات کے درست وصحیح ہونے کا دعویٰ کیا۔

سوال۔ آیت کے بھلا دینے سے اس کا نزول بھلا دینا لازم ہے اور نزول بلاشبہ کائنات میں سے ہے۔

جواب۔ ہرگز نہیں بلکہ کبھی ایسا ہوا کہ صحابہ کرام آیت اور سورۃ دونوں کو بھول گئے جبکہ انہیں ان کا نزول یاد رہا۔

ابوداؤد ''کتاب الناسخ والمنسوخ'' میں ابن منذر اپنی تفسیر میں، ابن الانباری کتاب المصاحف میں، ابوذر ہروی کی فضائل قرآن میں ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اور ابوداؤد کتاب الناسخ والمنسوخ میں اور بیہقی دلائل النبوۃ میں دوسرے طریق سے ابوامامہ سے اور طبرانی کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، یہ اسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔

ایک شخص کو ایک سورہ یاد تھی وہ رات کو اٹھ کر اس سورہ کو پڑھنا چاہا تو اس کو پڑھنے پر وہ قادر نہ ہوا (دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ بسم اللہ کے سوا کچھ پڑھنے پر قادر نہ ہوا) اسی رات کو ایک دوسرے شخص نے بھی اسی سورہ کو پڑھنا چاہا تو وہ اس کو پڑھ نہ سکا، اور تیسرے شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا (دوسری روایت میں ہے کہ) ایسا ہی واقعہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ پیش آیا جب صبح ہوئی تو سب لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی شب وہ سورہ منسوخ ہوگئی (ایک روایت میں یہ

زیادہ ہے کہ) لوگوں کے سینوں اور جس چیز پر وہ سورہ لکھی ہوئی تھی ان سب سے وہ محو ومنسوخ ہوگئی۔
(درمنثور سیوطی، البقرۃ۔ ماننسخ من آیۃ الآیۃ)

۵۷۔ **ثانیا۔** اصول مناظرہ کے طور پر یہ بات ہے کہ آیت کریمہ میں انساء (بھلا دینے) کی نسبت واضافت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی تلاوت کو منسوخ کرنا چاہا تو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن میں اس سورت کو باقی رکھنے سے منع فرما دیا اور مومنوں کے سینوں سے بھی اسے مٹا دیا تاکہ اختلاط وخلل لاحق وطاری نہ ہو۔ جیسا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع قرآن کے وقت اجماع صحابہ سے غیر الفاظ وقرأت کو قرآن سے خارج کر دیا تاکہ فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے اور انہیں میں سے امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم بھی ہیں، انہوں نے کیا ہی عمدہ کام کیا۔ (علی مرتضیٰ کے کام کا ذکر آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ)

پھر اگر وہ شخص یعنی مستدل ان آثار ومرویات کی طرف گھبرا کر پناہ لے جو ابن عباس وقتادہ وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں تو اس کا استناد ان روایات سے ہوگا نہ کہ آیت کریمہ سے حالانکہ وہ سب خبر واحد ہیں ان میں سے اکثر کی صحت بھی معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں پھر نصوص قرآن ان احادیث کے معارض ومنافی کیسے قرار پائیں گے۔

۵۸۔ **ثالثا۔** اس طریقے پر آیت کریمہ شرطیہ کے معنی میں ہوگی جو اس کی تقدیم کا متقاضی نہیں ہے، اسی طرح مشیت کے استثناء سے اسکا وقوع ثابت نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ تم مجھ سے جو بھی مانگو گے میں تمہیں اس سے منع نہیں کروں گا مگر اللہ جو چاہے، یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ مفہوم خارج سے ظاہر و پیدا ہو رہا ہے پس اگر وہ ہر مانگی ہوئی چیز دے دے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو منع کرنا نہیں چاہا۔

لغت وعرف میں ''نسیان وذھول'' دونوں کا معنی ایک ہے اور دونوں میں فرق کرنا فلاسفہ کی جدید اصطلاح ہے

۵۹۔ رابعا: ۔لغت وعرف میں نسیان، ذہول کو بھی شامل ہے اور قرآن کریم لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور دونوں میں تفریق وامتیاز کرنا نئی اصطلاح ہے، لہٰذا کلام قدیم کو اس پر محمول نہیں کیا جائے گا اور ذہول علم کے منافی نہیں بلکہ اس کا متقاضی ہے اگرچہ ذہول میں علم کی نفی جائز ومشہور ہے تو یہ عدم حضور کی بناء پر اور تدبر کے احتیاج اور یاد کرنے میں کوشش ودشواری کے ساتھ ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ زید جب تم سے کوئی بات کہے اور اس پر کافی زمانہ گزر جائے اور وہ بات تمہارے ذہن ودماغ سے نکل جائے، پھر تم سے اسی بات کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیا زید نے تم سے کچھ کہا تھا؟ تو تم کہو گے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر اگر کہا جائے کہ ہاں کیوں نہیں زید نے تو تم سے کہا تھا مگر تم بھول گئے ہو۔ پھر جب اس سے کہا جائے کہ تم یاد کرو فلاں دن، فلاں وقت، فلاں مقام پر فلاں مجلس میں یہ بات ہوئی تھی؟ اور تم غور وفکر اور تدبر کرو تو تمہیں وہ بات یاد آجائے گی۔ یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی بلکہ وہی پرانی بات ہوگی جو تمہیں معلوم تھی اور تمہاری یادداشت کے خزانہ میں محفوظ وباقی تھی لیکن وہ ڈھکی چھپی، مخفی وپوشیدہ اور بھولی ہوئی تھی یہاں تک کہ تمہیں طول تفکر اور یاد کرنے میں مشقت وحیلہ کی ضرورت پڑی، لہٰذا جب تمہیں وہ بات کسی طرح یاد نہ آتی تو تم سے کہا جاتا کہ درحقیقت وہ بات تم بھول گئے ہو۔ اصطلاح جدید میں اسی کا نام ذہول ہے۔

احمد و بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز بھول جائے یا نماز کے وقت سویا رہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یاد آنے پر وہ نماز پڑھ لے۔ (مسلم، کتاب المساجد)

احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی اور حاکم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز وتر سے سو جائے یا اسے بھول جائے تو یاد آنے پر اسے پڑھ لے۔ (ابوداؤد، کتاب الصلاۃ)

احمد و بخاری و مسلم اور ابن ماجہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو حالت روزہ میں بھول کر کھا لے یا پی لے تو وہ روزہ کو پورا کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا۔ یعنی اس کا روزہ اس سے نہیں ٹوٹے گا۔

(مسلم، کتاب الصیام باب اکل الناسی، مسند احمد مرویات ابی ہریرۃ)

اور یہ بات اجماع سے یقینی طور پر معلوم ہے کہ یہ سب احکام ذاہل کو شامل ہیں۔ اور جسے بھول کر کھاتے یا پیتے ہوئے خود یاد آ جائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اور بھولنے کے سبب سے جس کی نماز مؤخر ہو جائے وہ گنہگار نہ ہوگا بلکہ اس پر قضا واجب ہے۔ درمختار میں مسئلہ صوم میں بھولنے والے کی بعض صورتوں کا استثناء کیا گیا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ جب وہ بھول کر کھا لے یا پی لے یا جماع کرے تو اس کا روزہ فاسد نہ ہوگا مگر جبکہ اسے کوئی یاد دلائے اور اسے یاد نہ آئے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور یہ بات یقین سے معلوم ہے کہ ذاہل کو جب یاد دلایا جائے تو اسے یاد آ جائے گا، مگر یہ ایسا بھولکڑ ہے کہ یاد دلانے پر بھی اسے یاد نہ آیا تو روزہ توڑنے والی چیز استعمال کرنے کے سبب سے اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔

(درمختار، کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم و مالا یفسدہ)

امام ابن الہمام کی "تحریر" اور الاشباہ والنظائر میں ہے کہ وقت ضرورت شئی کا یاد نہ آنا نسیان ہے آپ فرماتے ہیں کہ سہو اور نسیان کی تفریق میں علماء کا اختلاف ہے اور

معتمد یہ ہے کہ دونوں مترادف ہیں۔ (الاشباہ والنظائر فن ثالث، احکام الناس)

امام ابن امیر الحاج "تقریر و تحبیر" میں اور حموی غمز العیون میں اور شامی حاشیہ در مختار کے باب مفسدات الصلاۃ میں فرماتے ہیں کہ فقہاء، واصولیین اور اہل لغت کے نزدیک سہو اور نسیان میں کوئی فرق نہیں ہے اور حکماء کے نزدیک فرق ہے، وہ کہتے ہیں، سہو یہ ہے کہ قوت مدرکہ سے صورت زائل ہو جائے اور حافظہ میں باقی رہے۔ اور نسیان یہ ہے کہ قوت مدرکہ، حافظہ دونوں سے ساتھ ساتھ زائل ہو جائے۔ لہٰذا اس کے حصول میں سبب جدید کی حاجت ہوگی۔

(ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا)

قاموس میں ہے کہ ذہول، بھول جانے یا غافل ہو جانے کو کہتے ہیں جیسے کسی ممانعت کے سبب سے وعدہ کو چھوڑ دے یا کسی کام کو بھول جائے جس سے حزن اور نسیان پیدا ہو۔ (تاج العروس، زبیدی، فصل الذال من باب اللام)

اللہ تعالیٰ امام زجاج پر رحم فرمائے وہ فرماتے ہیں جیسا کہ تاج العروس میں ہے کہ اگر کوئی آیت کریمہ "او ننسها" کو بالکلیہ نسیان سے قرار دے تو یہ بات میرے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے فرمان "ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیک (الاسرا، ۸۶) (اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے) میں خبر دی ہے کہ اس نے یہ نہیں چاہا کہ حضور کی طرف وحی کردہ پیغام کو اٹھا لے۔

نیز امام زجاج فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ "فلا تنسی" یعنی آپ نہیں چھوڑتے مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ چھوڑنا چاہے۔ تو آپ اسی کو چھوڑتے ہیں جسے اللہ نے چھوڑنا چاہا اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ "الا ما شاء الله" بشریت سے ملحق و متعلق ہو پھر اس کے بعد یاد آ جائے یہ وہ بات نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو حکمت و دانائی دی گئی اس میں سے کسی چیز کو سلب کر لیا گیا ہو۔

(تاج العروس، زبیدی، فصل النون من باب الواو والیاء)

کیا حضور علیہ السلام پر نسیان کا اطلاق جائز ہے

امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں سہو و نسیان اور غفلات و فترات کا اطلاق ممنوع وحرام ہے، یہی جماعت متصوفہ و اصحاب علم قلوب اور اہل مقامات کا مذہب ہے۔
(شفا شریف، فصل ہذا الحکم ماتکون المخالفۃ)

پھر امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کے نزدیک حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات اقدس میں وہ سب منع ہے، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو، عمداً و قصداً ہوتا تھا تا کہ وہ امت کے لئے سنت ہو جائے۔ اور فرماتے ہیں کہ ہمارے ائمہ میں سے عظیم محقق ابو المظفر اسفرائنی کا میلان اسی طرف ہے اسے ان کے سوا کسی امام نے پسند نہ کیا اور نہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

اقول: بلاشبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سہو کو بالقصد قرار دینا غیر مرغوب قول ہے جو مقاصد کے متناقض و متنافی ہے طول و طویل کلام سے اس کو آراستہ نہ کیا جائے، کیونکہ یہ بات حیران کن ہے کہ قصداً و عمداً کسی کام کو کرنے والا کبھی کیسے بھول جائے گا جیسا کہ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ محقق عظیم ابو المظفر اسفرائنی نے جو پسند کیا ہے اسے کسی نے پسند نہیں کیا، لیکن اسے کسی نے ہاتھ نہ لگایا جس پر ائمہ علم قلوب گامزن ہیں وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعمد نسیان کی صورت میں ظاہر ہوا بلکہ ان کی بات وہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے

کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشاہدۂ رب ذوالجلال میں محو و مستغرق رہتے ہیں تو کبھی بعض زوائد کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، یہی اصطلاحی ذہول ہے۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا آخری معاملہ یہ رہا کہ ایک شہود دوسرے شہود سے محجوب و مانع نہ ہوا۔ اس کے باوجود اصحاب علم قلوب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ شاذ و نادر بعض اشیاء سے ذہول ممتنع ہے، شہود حق کے سبب سے نہیں بلکہ کسی ناگہانی امر عظیم کے ہجوم کے سبب سے ایسا ہوتا ہے جس کا اثر دل کی گہرائیوں میں ہوتا ہے اور وہ یہ حکم صادر نہیں کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً بشریت کے حکم و دائرہ سے باہر ہیں کہ حضور پر بعض اوقات انسانی عوارض کا شاذ و نادر جاری ہونا ممتنع ہو۔ یہی قول فیصل ہے ان شاء اللہ تعالیٰ، اس پر کوئی شئ مذکور وارد نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود ہم نے ان لوگوں پر حجت بیان نہیں کی جو ذی اخلاص عقل و آگہی والوں کے چھلکے کے دسویں حصہ کو نہیں پہنچ سکے چہ جائیکہ خاص خالص مغز کو پہنچیں۔

۶۰۔ اگر ہم سب کے جواب میں تنزل کے طور پر کہیں تو یہ کہیں گے کہ کسی ایک وقت میں بھولنا اس کے بعد القاء سے مانع نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن نہیں اور نزول قرآن کی تکمیل کے وقت احاطہ علم کے منافی نہیں لہٰذا اس شبہ میں بھی وہی طریقہ ہے جو گزرے ہوئے دو شبہات کے دفاع اور ازالے میں کہا گیا کہ یہ تکمیل نزول سے پہلے کی بات ہے۔

آیہ کریمہ "ولا تقولن لشئی انی فاعل" اور دو جواب

۶۱۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

"وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ "(الکہف: ۲۳، ۲۴)

(اور ہر گز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کر دوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے)

(کنزالایمان)

مستدل نے کہا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونے والی ہر چیز کا تفصیلی علم ہوتا۔ تو یہ نہی بالکل درست وصحیح نہ ہوتی کیونکہ صورت مذکورہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ حضور کل کیا چیز کرنے والے ہیں تو حضور کی خبر کاذب ہونے کا تصور نہ ہوگا کہ حضور کل کیا کرنے والے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید کئے بغیر اس کی خبر دینا درست نہیں۔

سوال۔ احکام کی نہی سے اس کا نسخ جائز ہو جائے گا؟

جواب۔ جب تک ناسخ[1] موجود نہ ہو تو صرف جواز ضرر نہ دے گا۔

اقول۔ اولاً۔ اہل شب برسکیں کے لکھنے سے جزم ثابت ہوا کہ جو بنتا ہے وہی

---

[1] مستدل نے اس کے بعد یہ کہا کہ ہماری تلاش وجستجو میں ناسخ نہیں ملا، جو اس کا دعوی کرے اس پر بیان لازم ہے۔ یہ اس کی تنگی داماں اور دینیات میں قلت معلومات کی دلیل ہے، لہذا جو بدیہی ہے اس کے نزدیک اس کا نظری ہونا لازم آئے گا اسے اس بات کا خوف ہے کہ اگر وہاں پر کوئی ناسخ ہو تو تم نرمی کا برتاؤ کروگے اور جہاں اسے ناسخ نہیں ملا تو اس پر دوسرے کے پانے کا خوف غالب ہوا کہ اس کی جہالت ظاہر ہو جائے گی لہذا وہ چپکے سے چلے گئے۔ ۱۲

ڈھاتا اور جو کاتا ہے وہی ادھیڑتا ہے۔ مستدل نے اقرار کیا کہ کسی چیز کی خبر سے نہی کا تعلق یہ ہے کہ رب عزوجل کی طرف سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم عطا نہ ہوا کیونکہ اگر علم ملتا تو نہی درست نہ ہوتی، لہٰذا ان کے اعتراف سے ثابت ہوا کہ عدم علم کی مدت سے حکم مقید ہے اور آیت کریمہ کا نزول بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوا تھا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو الگ الگ ہر شئی کا تفصیلی علم نہیں دیا گیا تھا جیسا کہ ہم نے اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا حکم درست و مفید ہے، پھر جب ہر شئی کا علم دے دیا گیا تو وہ حکم خود ہی ٹوٹ گیا کیونکہ جو مقید تھا وہ باقی نہ رہا اور اس میں کسی ناسخ کی بھی ضرورت نہیں اور نہ آیت میں کوئی ایسی دلالت ہی ہے کہ یہ قید یعنی بعض آنے والی باتوں کے عدم علم کی حالت مستمر اور منتہی ہو، لہٰذا اس سے استناد کرنا ہذیان و بے ہودگی کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا یہ شبہ بھی مدفوع ہونے میں پہلے شبہات کی طرح ہے کہ یہ بات نزول قرآن مکمل ہونے سے پہلے کی ہے۔

۶۲۔ **ثانیا**۔ اگر وہ اعتراف نہ کرے پھر بھی بلاشبہ ''غد'' سے مطلقاً آنے والا زمانہ مراد ہے، خاص طور سے تلاوت والا دن مراد نہیں، اور مستقبل کی ہر خبر سے روکا گیا ہے، خاص طور سے فعل مخبر سے نہیں اور یہ تعمیم ہی ایک دلالت ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لفظ ''انی'' میں متکلم یعنی اللہ عزوجل کے لئے کنایہ ہے یعنی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں آئندہ کل ایسا کروں گا، تو عبارت یہ ہوگی کہ، ہر موجود اللہ تعالیٰ کی تکوین سے ہے، لہٰذا معنی یہ ہوگا کہ اس چیز کی خبر نہ دو جو آنے والے وقت میں ہونے والی ہے مگر مشیت ایزدی پر ٹال کر۔ جب تو احادیث میں آنے والی باتوں کی ہزاروں خبریں ایسی ہیں جن کے ساتھ کوئی استثناء نہیں ہے مثلاً معاد کے احوال، حساب و کتاب، حوض، صراط، شفاعت، موقف حشر کے تمام واقعات، جنت و نار کے واقعات، قیامت صغریٰ و کبریٰ کی علامات و نشانیاں، احادیث میں بغیر استثناء کے ان واقعات کا بیان موجود ہے اور یہ بہت مشہور ہیں انہیں یاد دلانے اور ان کے مزید تذکرہ و بیان کی حاجت نہیں۔ اور

ان کے علاوہ دوسری احادیث واخبار میں بھی ایسے واقعات بکثرت ہیں جن میں استثناء نہیں کیا گیا اور ان میں بھی فعل متکلم سے بیان کیا گیا ہے بلکہ کہیں کہیں خود لفظ "انی فاعل" بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

امام بخاری سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے دن فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ جب گروہ کفار میدان سے بھاگ گئے تو حضور نے فرمایا کہ اب ہم غزوہ کریں گے، وہ ہم پر غزوہ نہیں کریں گے، ہم ان کی طرف جائیں گے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق)

ابو نعیم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بیہقی حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے مثل روایت کی۔

بیہقی حضرت عروہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز احد فرمایا آج کے مثل مشرکین اب ہم پر کبھی نہیں آئیں گے۔

(بیہقی دلائل النبوۃ، باب ماجری، بعد انقضاء الحرب)

ابن سعد نے امام واقدی سے وہ اپنے شیوخ سے اسی معنی کی حدیث روایت کی اس میں یہ زیادہ ہے کہ، یہاں تک کہ ہم رکن کعبہ کا بوسہ لیں گے۔

(طبقات ابن سعد، من قتل المسلمین یوم احد)

اور اس کتاب (الدولۃ المکیہ) میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیخین کی حدیث آئے گی اس میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روز خیبر فرمایا کہ میں کل یہ پرچم ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔

(بخاری، مناقب علی بن ابی طالب)

ترمذی روایت کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ قیامت کے دن حضور میری شفاعت فرمائیں، حضور نے فرمایا "انا فاعل" ہاں میں ایسا کروں گا میں نے عرض کی

یارسول اللہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا؟ حضور نے فرمایا کہ سب سے پہلے تم مجھے صراط پر تلاش[1] کرو، میں نے عرض کی اگر میں صراط پر آپ کی ملاقات نہ پاؤں؟ فرمایا مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا، میں نے عرض کی اگر میزان کے پاس حضور کو نہ پاؤں، فرمایا پھر تم مجھے حوض کوثر کے پاس تلاش کرنا، میں ان تین مقامات کے سوا کہیں نہیں جاؤں گا۔

(ترمذی، باب ماجاء فی شان الصراط)

ان کے علاوہ لگاتار اور بھی حدیثیں ہیں وہ پیش کی جائیں تو بیان طویل ہو جائے گا۔

یہ تمام احادیث مدنیہ ہیں جیسے علامات قیامت اور معاد کی جملہ حدیثیں مدنیہ

---

[1] یہاں پر ایک اشکال یہ ہے کہ میزان تو صراط سے پہلے ہے پھر سب سے پہلے صراط پر تلاش کرنے کا حکم کیوں ارشاد ہوا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلب و تلاش کرنا تو طلب کرنے والے کے ظن و گمان پر مرتب ہوگا ہوسکتا ہے کہ ہر طرف سے اس کی ابتدا ہو۔ اسی طرح اس کے بیان فرمانے میں بھی ترتیب بتائی گئی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترتیب ذکری، ترتیب زمانی و ترتیب طبعی و ذاتی پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ ایک جواب یہ بھی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور انور رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں کبھی صراط پر تشریف فرما ہوں اور کبھی میزان پر قیام فرما، اور دونوں میں سے ہر ایک پر بار بار وقوف و قیام ہو، اور ایک ہی وقت میں بعض لوگ صراط سے گزر جائیں گے اور بعض کے اعمال وزن ہوں گے۔ یہ جواب لمعات سے ملخص و ماخوذ ہے۔ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں یہ تسلیم کرتے ہوئے جان چھڑالی ہے کہ اس میں یہ بتانا ہے کہ میزان صراط کے بعد ہے۔

اقول: دوسرا جواب جو لمعات میں دیا گیا وہ درست ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس شفیع روز محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صراط و میزان کے درمیان لگاتار آتے جاتے رہیں گے یہاں تک کرامت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ حضور کی رضا پوری فرما دے گا۔ اور صراط کے پاس سب سے پہلے طلب و تلاش کرنے سے یہ لازم نہیں کہ گزرنے والوں کو اولیت حاصل ہوگی، جیسا کہ جواب اول میں پہلے ذکر کیا گیا ہے وہ اس دوسرے جواب کے ملانے سے پورا ہوگا۔ کیونکہ اگر میزان سے فراغت کے بعد صراط پر حضور کی تشریف آوری ہو تو صراط پر حضور سے ملاقات نہ ہونے کے بعد میزان کے پاس طلب کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔ اور اس سے اوپر جو ترتیب ذکری کی بات کی گئی تو وہ بہت عجیب ہے حالانکہ حدیث میں ہے کہ "سب سے پہلے تم مجھے صراط پر تلاش کرنا"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں، خادم حدیث پر یہ بات مخفی و پوشیدہ نہیں ہے اور یہ جملہ احادیث نزول نہی کے بعد کی ہیں اور ان کے ساتھ استثناء بھی مذکور نہیں لہذا مستدل کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو وہ کہے کہ وہ منسوخ ہے اگر چہ اسے ناسخ کا علم نہیں، یا یہ کہے کہ اس سے نہی کا تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تمام موجودات کو تفصیلی طور پر یقین سے جانتے ہیں۔ بہر صورت اس کا بھیجہ خراب و زخمی ہونے کے سبب سے اس کا احتجاج ساقط ہو جائے گا۔

بقیہ: یہ صرف ذکر و بیان میں اولیت نہیں ہے۔

ہر صورت میں یہ سوال باقی رہے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے پہلے صراط پر تلاش کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پر موقوف و منحصر ہے یعنی حضور کو یہ معلوم ہو گیا کہ جب انس مجھے تلاش کریں گے تو میں صراط پر تشریف فرما ہوں گا لہذا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صراط پر طلب کرنے کا حکم فرمایا۔ اور حضرت انس کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ اگر صراط پر حضور کی ملاقات نہ ہوئی تو پھر میں کیا کروں گا اس لئے حضور نے انہیں میزان پر دیکھنے کی ہدایت فرمائی کیونکہ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم رب کے پورا ہونے تک میزان و صراط کے درمیان آتے جاتے رہیں گے اور جب لوگ میزان سے فارغ ہو کر صراط سے گزر جائیں گے تو ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حوض کوثر پر جلوہ فرما ہوں گے۔ اس بیان کو اس لئے پسند کیا گیا تا کہ اس پر حضور کا فرمان "کہ میں ان تین مقامات کے علاوہ کہیں نہیں جاؤں گا، مرتب ہو جائے، اس میں یہ دلالت ہے کہ اس دن انیس بیکساں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معاملۂ امت کے اہتمام کی سعی و کوشش فرمائیں گے ۱۲ منہ

آیت کریمہ

''ما ادری ما یفعل بی ولا بکم''

اور دس جوابات

۶۳۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے''

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی (الاحقاف: ۹)

تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔ (کنزالایمان)

یہ فرمان باری تعالیٰ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وحی کا ہونا مستثنیٰ کے حکم میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ مستثنیٰ منہ سے مستثنیٰ کم ہوتا ہے لہٰذا ''ما یفعل'' وحی کی بہ نسبت عدد و جہالت میں زیادہ ہوگا اور مامور بہ کی خبریت سے اس کے صدق کا دوام و استمرار ثابت ہوتا ہے۔

اقول: اس سفسطہ کو دیکھو اس میں تمام حروف مغلطہ ہیں۔

اولاً۔ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ عموم سلب پر دلالت کرتا ہے، یہ سلب عموم کے لیے کیوں نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لفظ ''ما'' عموم و نفی کے لیے ہے، اس پر ''لا'' وارد ہوا ہے جو نفی پر ہے اور نفی پر نفی کے دخول سے اثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوا کہ جو بھی میرے ساتھ کیا جائے گا وہ مجھے معلوم ہے، نہ کہ جو کیا جائے گا وہ معلوم نہیں، جیسا کہ اس سے پہلے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے حوالے سے گزر چکا

ہے کہ ''جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا وہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمایا، یعنی وہ تمام چیزیں جو حضور کو عطا ہوئیں وہ کسی نبی کو نہیں ملیں، یہ مطلب نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو چیزیں دی گئیں ان میں سے کوئی چیز کسی نبی کو نہیں دی گئی یہاں تک کہ نبوت بھی نہیں دی گئی۔

۶۴۔ **ثانیا:** جب یہ سلب عموم کے لیے ہوگا تو استثناء کا کوئی مطلب ہی نہ ہوگا۔

۶۵۔ **ثالثا۔** اس حدیث کے بارے میں وہ کہتے ہیں جو بخاری ونسائی وغیرہما میں حضرت ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ بخدا مجھے معلوم نہیں حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (بخاری، کتاب الجنائز)

لہذا اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے اور جبکہ وہ خبر ہے اس کا صدق مستمر ہے اس کا حکم اس وقت یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دائمی طور پر وہ کچھ نہیں جانتے ہیں جو حضور کے ساتھ اور امت کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ شنیع و بری بات کون سی ہو سکتی ہے۔

۶۶۔ **رابعا۔** مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کو وضع کے اعتبار سے مساوی و برابر قرار دینا ممتنع ہے جیسے کسی کی تین بیویاں ہوں اور وہ کہے کہ تم تینوں کو طلاق، مگر اس کو اور اس کو اور اس کو، یا مگر زینب وعمرہ وہند کو، یہ استثناء باطل ولغو ہو جائے گا اور ان تینوں عورتوں پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر وجود میں برابر و مساوی ہو تو کچھ نقصان وضرر نہ دے گا جیسے وہ کہے کہ عورتیں مطلقہ ہیں اور باقی ہیں تو ان میں سے کسی پر طلاق واقع نہ ہوگی، بحر الرائق اور درمختار وغیرہما میں اس کی تحقیق کی گئی ہے، اور یہاں پر ''مـا یفعل'' وضع کے اعتبار سے عام ہے تو وجود کے اعتبار سے زیادتی واجب نہیں، اور اس جہالت کو دیکھو اور جناب رسالت میں لفظ جہالت کے اطلاق کو دیکھو کہ ''مـا یـفعل'' اس سے جہالت میں زیادہ ہے جو معلوم ہے'' یہ کتنی عجیب اور افسوسناک بات ہے۔

شفائے قاضی عیاض کی طرف رجوع کرو تو شقاء وبدبختی سے شفا ملے گی۔

۶۷۔ **خامسا** وحی سے علم کے ثبوت میں فائدہ یہ ہے کہ اپنی درایت ومعلومات کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا استثناء منقطع ہے اور اس میں زیادتی ضروری نہیں۔

علامہ نیشاپوری آیت مذکورہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے درایت ہی کی نفی کی ہے وحی کے سبب سے جو درایت ہوتی ہے اس کی نفی مقصود نہیں۔ (غرائب القران نیشاپوری، سورۃ الاحقاف)

۶۸۔ **سادسا** مستدل کے دل ودماغ میں یہ جہالت مرتکز ومرتسم ہو چکی ہے کہ جملہ فعلیہ کے صدق کے استمرار سے اس کی نسبت کا استمرار ثابت ہوتا ہے یعنی جب "**زید قائم**" کہا جائے تو اس کے صدق کے لیے اس کا ہمیشہ کھڑا رہنا ضروری ہے، ورنہ خبر کاذب ہو جائے گی۔ اس کی منطق میں اس سے زیادہ غباوت وبلادت اور کیا ہو سکتی ہے۔

۶۹۔ **سابعا**:- پھر اس سے دوبارہ فرمان باری تعالیٰ "**لا تعلمھم**" کی تکذیب لازم آئے گی اور اس کی یہ وضاحت کی گئی کہ اس میں فی الحال کی نفی ہے لہٰذا گزشتہ شبہات کی طرح یہ شبہ بھی اس طرح دفع ہو جائے گا کہ یہ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے کی بات ہے۔

۷۰۔ بخاری ومسلم اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے روایت ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حدیبیہ سے واپسی کے وقت آیہ کریمہ **لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ** (الفتح:۲) (تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ کنز الایمان) نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی جو مجھے روئے زمین کی چیزوں سے زیادہ محبوب وپسند ہے پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے لیے بیان فرما دیا کہ وہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا اور اب یہ معلوم نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
(حتى بلغ) فَوْزًا عَظِيْمًا (الفتح:۵)

تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں لے جائے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور ان کی برائیاں ان سے اتار دے اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے۔ (کنز الایمان) (ترمذی ابواب التفسیر، الفتح)

ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ راوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ کے بعد اللہ تعالیٰ نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اور لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الآیۃ نازل فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اکبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتادیا کہ حضور کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ وہ کیا معاملہ فرمائے گا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم، آیت قل ما کنت بدعا من الرسل)

ابوداؤد کتاب الناسخ میں عکرمہ سے راوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیہ کریمہ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اسے سورۂ فتح کی آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ) نے منسوخ کردیا ہے، اور مومنین میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو مبارک ہو کہ اب ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا، مگر ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا وہ ہمیں معلوم نہیں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب کی یہ آیت نازل فرمائی وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا (الاحزاب، ۴۷) (اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کنز الایمان) اور یہ آیت بھی نازل ہوئی لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ الآیۃ۔ لہٰذا اللہ عزوجل نے بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ وہ کیا معاملہ فرمائے گا۔ اور ابن جریر نے عکرمہ وحسن اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔ (درمنثور سیوطی آیت مذکورہ)

۷۱۔ **ملکسعا:** ذاتی طور پر درایت و معلومات کی نفی کی گئی ہے اور بلاشبہ یہ نفی دائمی و ابدی ہے اور اس سے رب عزوجل کے بتانے سے ہر شئی کے جاننے کی نفی نہیں ہوتی۔

۷۲۔ **عاشرا:** رب تبارک وتعالیٰ ہمیشہ ابدالآباد تک حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مومنین پر فضل وثواب کے خلعتوں کی نوازش کرتا رہے گا اور حضور کے دشمنوں پر ذلت وعذاب کے تازیانے اور کوڑے برساتا رہے گا۔ اور یہ سب کے سب غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی کی تفصیلات کو علم الٰہی ہی محیط ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آخر تک اس کی بلبلاہٹ باطل ہوگئی۔

علامہ نیشاپوری آیت مذکورہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ تفصیلی درایت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح خود مستدل نے ملا علی قاری کے حوالے سے نقل کی اور اس کی تصحیح کی۔

(غرائب القرآن۔ قل ماکنت بدعا من الرسل)

ترجمان قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ **ما ادری مایفعل بی ولابکم** سورہ فتح اور سورہ احزاب کی آیات سے منسوخ ہے، اس پر مستدل نے یہ اعتراض نقل کیا کہ تاخیر ناسخ کے صحیح ہونے کی صورت پر نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں۔

فاقول: یہ اسلاف کرام کی اصطلاح سے غفلت وعدم معلومات کا نتیجہ وثمرہ ہے کبھی وہ نسبت فعلیہ کے تغیر پر نسخ کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ وہ مدت حکم کا بیان ہے اور اسی سے اس نسبت کی مدت کی انتہا واضح وآشکارا ہو جاتی ہے۔

اور اس ناقل نے خود اپنے رسالے کے صفحہ ۳۵ پر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صفت ''امیت'' سے متصف فرمایا ہے اور اسے کبھی منسوخ نہیں فرمایا۔

اور ناقل نے اپنے قول ''علی تقدیر صحۃ التاخیر'' میں جو بات مخفی و پوشیدہ رکھی ہے وہ ذھول سے خالی نہیں کہ سورہ احقاف مکیہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی

اختلاف نہیں اور نہ اس سے آیت کریمہ کا استثناء ہے۔ اور سورہ فتح واحزاب کا مدنیہ ہونا بدیہات میں سے ہے کہ تقدم وتاخر کا علم، بیان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف راجع ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معلوم ہوتا تو تاخر کی صراحت فرما دیتے، الزام و اتہام کو پسند نہ کرتے۔ وباللہ العصمۃ۔

آیت امیت اور یہ کہ حضور علیہ السلام لکھنا نہیں جانتے تھے

اور دو جواب

۷۳۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے "اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ (الاعراف، ۱۵۷) (وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ کنزالایمان)

رسالہ کے صفحہ ۳۵ پر فرمایا کہ امی وہ ہے جو کتابت، نقوش کتابیہ اور حساب نہ جانتا ہو۔ معالم التنزیل میں ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں وہ تمہارے نبی امی ہیں نہ لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔

صفحہ ۳۶ پر ہے کہ بلا شبہ نقوش کتابیہ عالم شہادۃ میں سے ہے اور وہ نقوش کلی ہونے کی حیثیت سے اور اختلاف اصطلاحات واختلاف زمانہ کے اعتبار سے بہت زیادہ مختلف ہیں۔ اور وہ نقوش کے جزئی ہونے کی حیثیت سے ان کی ہر قسم غیر متناہی ہے کسی ایک حد پر اس کا توقف وانحصار نہیں ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو وصف امی سے متصف فرمایا جو غیر منسوخ ہے اور ان نقوش کا علم حضور کو نہیں دیا گیا نہ کتابت کا نہ قرأت کا، حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کی خلافت کبریٰ اور باطنی طور پر غایت اتصال حاصل ہے۔ جب یہ باتیں ہیں تو ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام افراد شہادۃ کو نہیں جانتے ہیں۔

اقول، اولا: امی، کی تفسیر اس سے کی گئی جو کتابت نہیں جانتا۔ اور بغوی کے

حوالے سے جو نقل کیا گیا کہ ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ امی وہ ہے جو نہ لکھے۔ (تفسیر بغوی، الذین یتبعون الرسل)

پس اگر علم سے ملکہ مراد ہو یعنی امی وہ جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو تو یہ بات بچ ہے اور یہ باب قدرت میں سے ہوگا باب علم میں سے نہیں، جس پر بحث گردش کر رہی ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے حالانکہ وہ ان سب کے ملکہ سے بلند و بالا ہے۔ لہٰذا اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ نہیں لکھ سکتے اور رب تعالیٰ کے بتانے سے حضور کو ہر مکتوب کا علم حاصل ہو تو اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں کوئی خلل و رخنہ نہیں پڑے گا۔

امام قاضی عیاض شفا شریف کے معجزات قاہرہ کے بیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام علوم و معارف عطا فرمائے اور دین و دنیا کی تمام مصلحتوں پر اطلاع بخشی۔ (بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ) اس کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھتے نہ تھے۔ لیکن حضور کو ہر شئی کا علم دیا گیا یہاں تک کہ آثار و مرویات میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خط کے حروف اوران کی اچھی شکل و صورت کو پہچانتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کی سین کو کشش دے کر نہ لکھو۔ اسے ابن شعبان نے بطریق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا۔

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لکھ رہے تھے حضور نے ان سے فرمایا کہ دوات میں روئی ڈال لو، قلم کو ترچھا قط دو، باء کو سیدھا لکھو، سین کو شوشوں کے ساتھ جدا جدا لکھو، میم کو اندھا نہ کرو اس کا دائرہ کھلا رکھو، اللہ کو عمدہ لکھو، رحمــــن کو کشش دے کر لکھو اور رحیم کو خوبصورت بناؤ۔

یہ روایت اگرچہ صحیح نہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا پھر بھی یہ بعید

نہیں کہ حضور کو کتابت کا علم حاصل تھا مگر حضور کتابت وقرأت سے باز رہے۔

(شفا شریف، فصل ومن معجزاتہ الباھرۃ)

شارح شفا ملا علی قاری وخفاجی نے نسیم الریاض میں اسے برقرار رکھا ہے کہ امی ہونے کے باوجود حضور سرور کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کتابت اور اس کے احوال کو جانتے تھے، یہ حضور کا معجزہ ہے کیونکہ حضور لکھتے نہ تھے۔ اور اس طرف اشارہ فرمایا جو ہم نے بیان کیا ہے، خفاجی فرماتے ہیں کہ تعلم کے بغیر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم خط کا حاصل ہونا اور مصحف کی کتابت وقرأت سے باز رہنا کچھ بعید نہیں۔

(نسیم الریاض فصل من معجزاتہ الباہرۃ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث جسے دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا، نیز انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے تو رحمـــن کو کشش دے کر لکھے۔ (مسند الفردوس، حدیث ۱۱۶۸)

نیز زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم لکھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں سین کو واضح کر کے دندانہ دار لکھو۔ (مسند الفردوس، حدیث ۱۰۸۷)

ابن ابی شیبہ اور عمر بن شبہ بطریق یونس بن میسرہ سہل بن حنظلیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اقرع اور عیینہ کے لئے فرمان نامہ لکھنے کا حکم فرمایا، عیینہ نے کہا کیا آپ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم متلمس کا صحیفہ لے جائیں؟ (صحیفۃ المتلمس بدبختی کے لئے مثل ہے اس لئے کہ خط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب متلمس آوے تو اس کو قتل کردو) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صحیفہ لے کر اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اس میں وہی لکھا ہے جو تمہارے لئے حکم ہوا۔ (فتح الباری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

ابن ماجہ وترمذی امام عارف اور ابن ابی حاتم وابن مردویہ بطریق یزید بن ابی مالک انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے دروازۂ جنت پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا ہے۔ میں نے جبریل امین سے کہا کہ قرض کو کیا ہوا کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ جبریل نے عرض کیا کہ سائل سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس کچھ رہتا ہے اور قرض لینے والا ضرورت پر ہی قرض لیتا ہے اس لئے قرض صدقہ سے افضل و بہتر ہے۔

(ابن ماجہ، ابواب الصدقات، باب القرض)

آسمانوں اور عرش پر حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر کے نام مبارک لکھے ہونے کی احادیث

طبرانی وابن قانع وابن مردویہ ابوالحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج جب مجھے ساتویں آسمان کی سیر کرائی گئی تو میں نے عرش کے داہنے ساق پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(مجمع الزوائد، کتاب المناقب باب جامع فی مناقبہ)

ابن شاہین کتاب السنۃ میں بطریق ابو معاویہ اعمش سے اور خطیب تاریخ میں ابن عباس سے بطریق ابو معاویہ وبطریق اعمش ابو سعید سے، ابن عدی کامل میں بطریق عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ابو ہریرہ سے، بزار مسند میں بطریق سعید بن ابی سعید ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جس آسمان پر گزرا اس میں لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ، ابوبکر صدیق۔

(خطیب تاریخ بغداد۔ ترجمہ ۲۹۶۲)

ابن عدی و بزار کے لفظ یہ ہیں: کہ جب میں نے آسمانوں کی طرف عروج کیا تو جس آسمان پر گزرا اس میں یہی لکھا ہوا پایا محمد رسول اللہ، اور میرے بعد، ابوبکر صدیق۔

(کشف الاستار، حدیث ۲۴۸۲)

اسے قاسم بن فضل نے ثقفیات میں اور دولابی نے فضائل صدیق میں ابو ہریرہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا اور "الاکتفانی فضل الخلفاء الاربعہ" میں بھی

یہ روایت موجود ہے۔

خطیب بطریق عبید بن عباس مکی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش اعظم پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، لکھا ہوا دیکھا۔

(خطیب تاریخ بغداد، ترجمہ ۵۳۷۹)

دار قطنی کتاب الافراد میں بطریق محمد بن فضیل ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے عرش الٰہی میں ایک سبز نفیس موتی دیکھا اس میں سفید نور سے لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر صدیق۔ (خطیب تاریخ بغداد، ترجمہ: ۵۹۰۸)

الاکتفاء میں اس حدیث کی نسبت صحیح ابن حبان کی طرف کی گئی ہے۔

دار قطنی کتاب الافراد و کتاب السنن میں، دولابی فضائل الصدیق میں اور دیلمی مسند الفردوس میں بطریق عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج میں نے عرش کے ارد گرد دیکھا کہ آیۃ الکرسی، محمد رسول اللہ، اس کے بعد، ابوبکر صدیق، چاند و سورج کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے سے مکتوب ہے۔ (مسند الفردوس حدیث ۳۱۸۸)

کتاب الاکتفاء اور ابن سبع شفاء الصدور میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، صاحب دیباج اور حافظ ابو سعید عبد الملک بن عثمان شرف النبوۃ میں جعفر صادق ابن محمد سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شب معراج میں نے عرش اعظم پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذو النورین مقتول مظلوم۔

(ابو سعید، شرف النبی، در فضیلت صحابہ، تاریخ بغداد ترجمۃ عبد الرحمٰن عن عفا الصوفی)

علامہ ابراہیم بن عبد اللہ یمنی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو اپنی

کتاب ''الاکتفاء'' میں بھی بیان فرمایا ہے ان سے امام جلال الدین سیوطی نے دوسرے طرق سے بیان فرمایا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس میں خیر کا سوال کیا اور کہا کہ اس حدیث پر حسن ہونے کا حکم ہے۔

ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں شواہد کے ساتھ اس کے حسن ہونے کا جزم کیا ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے یہاں تک دس احادیث ہیں، پہلی حدیث صریح ہے اور ان سب کا ظاہر امام قاضی کے قول کی تائید کر رہا ہے کہ امی ہونے کے باوجود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ عمدہ لکھتے نہ پڑھتے تھے حالانکہ رب تعالیٰ نے حضور کو ہر شئی کا علم عطا فرمایا، اسی نور الٰہی سے حضور کے لیے ہر مکتوب منکشف اور ہر مکتوم و محجوب متجلی ہو گیا اور اس سے جناب رسالت کی امیت میں کوئی خلل و فرق نہ پڑا۔ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خط کے تعلم اور اس کے اکتساب سے پاک ہیں۔ عالم ما کان وما یکون ہونا حضور کا بڑا معجزہ قاہرہ اور امی ہونا دوسرا معجزہ باہرہ ہے۔ اور نہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت واقع ہوئی نہ اس کے قائل ہیں کہ حضور بعد میں عمدہ لکھتے تھے۔ لہٰذا ہم پر وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو وقوع کتابت کے قائلین پر وارد ہوتا ہے۔

کیا حضور علیہ السلام نے اپنے دست اقدس سے لکھا ہے؟

علماء مذاہب اربعہ وحفاظ حدیث وعظماء علم کلام اور بعض ائمہ تابعین کی ایک جماعت حضور سے وقوع کتابت کی قائل ہے۔ بلکہ اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

وقوع کتابت کے قائلین علماء متقدمین یہ ہیں قاضی ابوالولید باجی، ان کے شیخ جامع صحیح کے راوی حافظ ابوذر ہروی مالکی، ان کے دوسرے شیخ امام فقیہ حنفی اصولی ابو جعفر سمنانی، محدث ابوالفتح نیشاپوری اور دوسرے پانچویں صدی کے علماء افریقہ و صقلیہ وغیرہما ہیں جو ابوالولید باجی کے معاصر وہم زمان ہیں اور ان کے بعد حافظ ابو الفرج ابن الجوزی حنبلی اور امام قرطبی مالکی ہیں۔

علماء متاخرین میں سے ملا علی قاری مکی ہیں، شارح مشکوۃ علامہ طیبی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا میلان بھی اسی کی طرف ہے، امام قاضی عیاض مالکی نے اسے ترجیح دیا ہے، امام شیخ الاسلام نووی شافعی نے اسے برقرار رکھا اور ان سے پہلے کے علماء کا بھی یہی خیال ہے، محدث عمر بن شبہ معاصر بخاری ومسلم، امام تابعی ثقہ یونس بن میسرہ، امام تابعی ثقہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، امام جلیل ثقہ حفاظ تابعین عامر شعبی اور ان کے علاوہ بڑے بڑے تابعین نے اسے قبول کیا ہے۔ اور یہ عبداللہ بن عتبہ سے منقول ہے جو سیدنا عبداللہ بن مسعود کے ابن اخ اور صغار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہیں۔

ابن میسرہ، سہل بن حنظلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کرنے کے بعد

کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بعد لکھا۔

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

ابن ابی شیبہ وابن شبہ بطریق مجالد راوی عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا یہاں تک کہ حضور نے لکھا اور پڑھا، مجالد کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سچ ہے میں نے بھی کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ (حوالہ مذکور)

تخریج احادیث رافعی میں حافظ ابن حجر کے لفظ وہی ہیں جو نسیم الریاض اور عنایۃ القاضی کے ہیں عامر شعبی نے کہا میں نے لوگوں کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال اقدس سے پہلے لکھا۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی، وما کنت تتلوا من قبلہ الایۃ)

طبرانی عون کے والد عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ پڑھا اور لکھا۔

(مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوۃ باب منہ فی الخصائص)

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوالحسن ہیثمی نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ عبداللہ بن عتبہ نے پڑھا اور لکھا یعنی وہ حضور کی حیات ظاہری میں سمجھدار تھے۔ ان کو لکھنا پڑھنا آ گیا تھا۔

(الخصائص الکبریٰ باب اختصاصہ علیہ السلام تحریم الکتابۃ والشعر)

اقول - لیکن اس کا میلان اس پر ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے وہ عون پر موقوف ہے کیونکہ عون اوساط تابعین میں سے ہیں کبار تابعین میں سے نہیں ان کے ادراک وعلم میں شک نہیں لیکن ابوالشیخ بطریق مجالد خود بعینہ اس قصہ کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے روایت کرتے ہیں جیسا کہ درمنثور میں ہے، ابوالشیخ کے لفظ میں

ہے: انہوں نے کہا کہ مجھ سے عون بن عبداللہ بن عتبہ نے حدیث روایت کی وہ اپنے باپ عبداللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ پڑھا اور لکھا، پھر میں نے یہ حدیث شعبی سے بیان کی انہوں نے کہا کہ وہ سچ ہے میں نے اپنے اصحاب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، اس سے شعبی کی تصدیق میں بھی شک وشبہ پیدا ہوتا ہے۔ **فافهم واللہ تعالیٰ اعلم**

(در منثور سیوطی، آیت الذین یتبعون الرسول النبی الایۃ)

نسیم الریاض کے قسم اول کے باب اول کی فصل اول میں حافظ ابن حجر کی تخریج رافعی سے منقول ہے کہ فقہاء شافعیہ نے خط اور شعر کو ان چیزوں میں شمار فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرام فرمادیا ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا اور شعر کہنا جانتے تھے تو یہ حرام ہے۔ ایسا اعتقاد و یقین رکھنا جائز نہیں۔ (نسیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول)

قلت ۔ بلکہ مذہب شافعی کے ایک شیخ امام رافعی نے اس کی طرف سبقت کی ہے اور اسے خصائص الکبریٰ میں نقل کیا گیا ہے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے جو شیخین کے ثانی ہیں کتاب الروضہ میں اس کا تعاقب کیا اور فرمایا کہ خط اور شعر کی تحریم ممتنع نہیں ہے اگرچہ عمدہ انداز میں نہیں جانتے تھے بلکہ ان کی طرف پہنچنے کے حیلہ کی تحریم مراد ہے۔ (الخصائص الکبری، باب اختصاصہ علیہ السلام بتحریم الکتابۃ)

اقول ۔ کیا یہ بات نہیں ہے کہ جادو کرنا مومن پر حرام ہے حالانکہ اسے بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکتے بلکہ اکثر لوگ صرف اس کا نام ہی جانتے ہیں، **وللہ الحمد** ۔
تعجب تو یہ ہے کہ اس قسم کی بات امام جلیل رافعی اور امام سیوطی جیسے علماء پر مخفی و پوشیدہ رہ گئی کہ انہوں نے خط اور شعر گوئی حضور کے لئے جائز قرار دیا اور ان کی تحریم کو ممتنع نہیں سمجھا۔
عمر بن شبہ اپنی کتاب ''الکتاب'' میں بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن اپنے ہاتھ سے لکھا اور حضور اس سے پہلے لکھنا نہیں

جانتے تھے اور یہ حضور کا عظیم معجزہ ہے کہ حضور نے بروقت لکھنا سیکھا۔ محدثین کی ایک جماعت نے بھی یہ بات کہی ہے، ان محدثین میں ابوذر ہروی، ابوالفتح نیشاپوری، قاضی ابوالولید لخمی، قاضی ابوجعفر سمنانی اصولی، نامور حضرات ہیں قاضی ابوالولید نے فرمایا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ حضور نے بغیر سیکھے لکھا۔

(حوالہ مذکور)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ابن دحیہ نے بیان کیا کہ علماء افریقہ وغیرہ کی ایک جماعت نے اس بات میں قاضی ابوالولید باجی کی موافقت و تائید کی ہے۔ (فتح الباری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

نسیم الریاض کے لفظ میں ہے کہ باجی نے حجت و برہان قائم کی اور افریقہ وصقلیہ اور دیگر علمائے آفاق کو اسے لکھا تو سب نے ان کی موافقت وحمایت میں جواب دیا۔

(نسیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول)

عنایۃ القاضی کے لفظ میں ہے کہ انہوں نے علماء اطراف و جوانب کو لکھا سب نے انہیں کے موافق جواب دیا اور سب نے ان کی تائید و تصویب کی۔

(عنایۃ القاضی، خفاجی۔ وما کنت تتلوا من قبلہ الایۃ)

اس سلسلے میں محدثین کرام نے جس سے استناد کیا وہ معاہدۂ حدیبیہ کی حدیث ہے، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور لکھ دیا ''ھذا ماقاضی محمد بن عبد اللہ'' حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔

اسے بخاری نے کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء میں روایت کیا اور یہ حدیث احمد ونسائی کے یہاں بھی اسی کے مثل مروی ہے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

ملا علی قاری شرح شفا میں قرطبی اپنی مختصر میں حدیث بخاری ''کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لے کر لکھا'' (یہ لفظ بخاری کی کتاب الصلح میں ہے) کے

بارے میں فرماتے ہیں کہ ظاہر قوی یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ (شرح الشفاء علی قاری، فصل ومن معجزاتہ الباہرۃ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں، کلام اس میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنا اسم شریف لکھا، لہٰذا اختلاف کی مجال وگنجائش اس میں تنگ ہے اور ظاہر حدیث کا تقاضا یہی ہے اور اسی کی طرف حدیث کا اشارہ ہے۔ (مدارج النبوۃ، غزوہ حدیبیہ)

لفظ حدیث ''فکتب'' کے ترجمہ میں محدث دہلوی فرماتے ہیں، پس حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا پھر دو الگ الگ قول نقل کر کے فرمایا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نے نہیں لکھا اور بعض کہتے ہیں کہ لکھا، پھر ثابت کرنے والوں کے دلائل کے لیے فتح الباری کا کلام نقل کیا اور نفی کرنے والوں کے جواب میں جو مذکور ہے اسے حذف کر دیا۔ اور ابن حجر کے کلام میں طویل بحث کے بعد فرمایا، حاصل یہ ہے کہ ابن حجر کا زیادہ میلان اثبات کی طرف ہے بلکہ اسی پر انہوں نے جزم کا افادہ فرمایا اور یہ کہ اس میں اختلاف وتنازع کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کی قوی تائید کتاب المغازی کی یہ روایت ہے'' کہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے''

امام قاضی عیاض فرمان حدیث'' عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے پھر بھی حضور نے تحریر فرمایا'' اس بات پر نص ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بذات خود لکھا، اس کے غیر کی طرف عدول کرنا مجاز ہوگا جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور امام نووی نے بھی اسے برقرار رکھا ہے۔ (شرح مسلم، نووی کتاب الجہاد۔ باب صلح الحدیبیۃ)

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں، مخفی نہ رہے کہ فرمان حدیث'' حضور نے کتاب لے کر لکھا'' جملہ معترضہ (اور حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے) کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکھنے میں صریح ہے اور یہ کہنا منع ہے کہ ''کتب'' کا معنیٰ'' امر'' ہے یعنی حضور نے لکھا نہیں بلکہ لکھنے کا حکم فرمایا اور ملا علی قاری نے امام نووی وامام

قاضی عیاض اور علماء مذہب کے حوالے سے اثبات کی وجوہ نقل کیں اور اس کے بعد فرمایا کہ اسی پر دار و مدار ہے، اس کے علاوہ دوسری طرف التفات نہ کیا جائے۔

(مرقاۃ علی قاری، کتاب الجہاد باب الصلح)

ہاں! آخری یعنی جملہ معترضہ والا جواب بہتر و عمدہ ہے، اور فتح الباری میں ہے کہ اس کے زیادہ کرنے میں نکتہ یہ بیان کرنا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کلمہ کی جگہ دکھانے کی ضرورت نہ تھی جسے علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے نہیں مٹایا مگر اس سبب سے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے حضور کو وہ کلمہ دکھانے کی ضرورت پڑی۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

سوال:- بخاری کتاب المغازی کا لفظ بطریق اسرائیل براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے وہ تم نے سنا اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ اس کلمہ کو مٹانے کے لیے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے زکریا بن ابی زائدہ عن ابی اسحٰق کی روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ مسلم کے نزدیک اس حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے کہ "حضور عمدہ کتابت نہیں جانتے تھے" ہاں اس میں یہ لفظ ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ کلمہ مٹانے کا حکم فرمایا، علی نے عرض کیا نہیں قسم خدا کی میں اسے نہیں مٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا مجھے وہ جگہ دکھا دو جہاں پر وہ کلمہ ہے، پھر علی نے اس کلمہ کی جگہ دکھا دی اور حضور نے لفظ "رسول اللہ" کو مٹا کر اس کی جگہ پر "ابن عبداللہ" لکھ دیا۔ لہٰذا اگر اس کے لیے یہ بات ہوتی تو اس کے ساتھ اسے ذکر کرنا زیادہ لائق و مناسب تھا۔

(مسلم، کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیۃ)

جواب:- یہ راویوں کا تصرف ہے اس کی پوری روایت بخاری کتاب الجہاد باب المصالحۃ علی ثلثۃ ایام، میں بطریق ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس میں یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا "میں قسم خدا کی محمد بن عبداللہ ہوں" "میں قسم خدا کی محمد رسول اللہ ہوں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ حضور لکھتے نہیں تھے اس لیے حضرت علی سے فرمایا کہ لفظ "رسول اللہ" کو مٹا دو، علی نے عرض کی قسم خدا کی میں اسے کبھی نہیں مٹاؤں گا حضور نے فرمایا اچھا وہ لفظ مجھے دکھا دو، علی نے وہ لفظ حضور کو دکھا دیا پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست اقدس سے مٹا دیا۔ (بخاری، کتاب الجہاد باب المصالحۃ علی ثلثۃ ایام)

اور میری زندگی کی قسم بسا اوقات محدثین کرام اقتصار و اختصار کا راستہ اختیار کرتے اور بعض فوائد و مقاصد کی خاطر کسی خلل و اضطراب کو دور کر دیتے ہیں اس لئے ابو حاتم فرماتے تھے کہ ہمیں حدیث کی معرفت نہیں ہوتی یہاں تک کہ ہم اسے ساٹھ طریقوں سے لکھتے ہیں۔

اور اگر مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ محدثین کو ہر وجہ سے پوری پوری حدیث بیان کرنے کی قدرت عطا فرماتا تو اس میں نفع کثیر ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت مرحومہ کے لیے جو چاہا وہ سراسر خیر ہی خیر ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے پورے قرآن کو اس کے نزول کی ترتیب پر جمع کرنے کا ارادہ کیا مگر ایسا نہ ہو سکا اگرچہ ہمارے ذہن میں یہ بسا ہوا ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو اس میں ناسخ و منسوخ جاننے کی سہولت کے لیے کافی علوم ہوتے، معلومات کا خزانہ ہوتا۔

ابن ابی داؤد کتاب الناسخ میں روایت کرتے ہیں محمد بن سیرین نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال اقدس ہوا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں تاخیر ہوئی ابو بکر صدیق ان سے ملے اور فرمایا اے علی کیا تم میری امارت و خلافت کو برا جانتے ہو؟ حضرت علی نے کہا نہیں، یہ بات نہیں ہے لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا مگر نماز کے لیے یہاں تک کہ قرآن کو جمع کر لوں۔ صحابہ نے یہ سمجھا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ قرآن کو اس کے نزول کی ترتیب پر جمع کر رہے ہیں، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر

کتاب اسی انداز میں مکمل ہو جاتی تو اس میں ناسخ ومنسوخ کا علم ہوتا۔ اور وہ کتاب انتہائی مفید وکارآمد ہوتی۔ (کنز العمال حدیث ۴۷۹۲)

ابن اشتہ کتاب المصاحف میں بطریق آخر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی، حضرت علی نے اپنے مصحف میں ناسخ ومنسوخ کو لکھا، ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے وہ کتاب تلاش کی اور اہل مدینہ کو بھی لکھا مگر تلاش بسیار کے باوجود میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ (الاتقان، نوع ۱۸ فی جمعہ وترتیبہ)

پھر قرطبی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے حضور کے لکھنے کا انکار کیا ہے وہ لوگ آیہ کریمہ "**ولا تخطہ بیمینک**" سے تمسک واستدلال کرتے ہیں، حالانکہ اس میں لکھنے کا انکار نہیں ہے کیونکہ جس کی نفی کی گئی وہ تعلم واکتساب کے ذریعہ خط کی نفی ہے اور یہ خط تو بطور معجزہ اور خارق عادت کے طور پر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں پر جاری فرمادیا جبکہ یہ صورت اپنے حال پر باقی ہے کہ حضور کسی کتابت عمدہ نہیں جانتے تھے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحت نبوت کی مزید واضافی دلیل ہے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ مخفی نہ رہے کہ فرمان الٰہی "**وما کنت تتلوا من قبلہ**" (یعنی آپ نزول قرآن سے پہلے پڑھتے نہ تھے) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے پڑھنے اور لکھنے سے رکے ہوئے تھے۔ اور تحقق رسالت کے بعد بارگاہ عزت سے قرأت وکتابت عطا ہونے کے یہ منافی نہیں بلکہ یہ فضل وکرامت میں زیادتی اور اضافہ ہے۔

(شرح الشفاء علی قاری، فصل ومن معجزاتہ الباہرۃ)

یہ قاضی ابوالولید باجی کے کلام سے ماخوذ ہے انہوں نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا کہ یہ قرآن عظیم کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کریم کے مفہوم سے ماخوذ ومستفاد ہے کیونکہ نفی کی قید ورود قرآن سے پہلے کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ
(العنکبوت ۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔ (کنزالایمان)

حضور کی امیت متحقق ہونے، اس کے ذریعہ معجزہ ثابت ہونے اور اس سلسلے میں شک وارتیاب سے محفوظ ہونے کے بعد اگر بغیر تعلیم کے حضور لکھنا جان لیں تو کوئی مانع نہیں ہے، لہٰذا یہ دوسرا معجزہ ہے۔ (مرقاۃ کتاب الجہاد حدیث ۴۰۴۳)

امام قاضی عیاض کا کلام واضح اور مضبوط ومدلل ہے انہوں نے اس کا قول نقل کیا جس نے یہ کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مقدس سے لکھا اور صحابہ کرام سے اس کی تائید وتوثیق نقل کی اور یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصف امیت میں کوئی قدغن ومانع نہیں ہے، پھر اکثر لوگوں سے اس کی منع اور آیت سے ان کا احتجاج نقل کیا اور فرمایا کہ پہلی قسم کے لوگوں نے آیت کریمہ کا جواب یہ دیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم الٰہی سے پہلے نہ پڑھا نہ لکھا، فرمان باری ''من قبلہ'' سے یہی ثابت ہے لہٰذا جس طرح پڑھنا جائز ہے اسی طرح لکھنا جائز ہے اور یہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے میں رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ صرف امی ہونا ہی حضور کا معجزہ نہیں، معجزہ تو یوں ہی حاصل ہے کہ حضور پہلے امی تھے پھر قرآن عظیم اور وہ علوم لیکر تشریف لائے جنہیں بے پڑھے لکھے لوگ نہیں جانتے ہیں۔ (اقول بلکہ نہ اہل کتاب وعلماء جانتے ہیں اور نہ کوئی جانتا ہے)

امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ وہی بات ہے جو محدثین نے بیان کی ہے کہ وہ ظاہر ہے اور ہم نے اسے آخر تک پہلے ہی بیان کر دیا ہے کہ فرمان حدیث ''حضور علیہ الصلاۃ والسلام لکھنا نہ جانتے تھے پھر بھی لکھا'' نص کی طرح ہے اور اس کے غیر کی طرف عدول کرنا مجاز ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں۔

امام ابوزکریا نووی نے اسے شرح صحیح مسلم میں بیان کیا اور برقرار رکھا ہے۔

(شرح مسلم، نووی، کتاب الجہاد)

امام ابومحمد بن مفوز نے ایک کتاب لکھی جس میں قاضی ابوالولید باجی کی کتاب کا رد کیا اور آیت سے ان کے استشہاد کو دفع کیا اس سے عنایۃ القاضی میں منقول ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ "من قبله" کا لفظ "و لا تخطه" پر مقدم ہونا اس بات میں صریح ہے کہ نزول قرآن سے پہلے کی قید خط سے متعلق نہیں بلکہ صرف تلاوت سے متعلق ہے۔ اور قید کے درمیان میں ہونے سے مابعد کی طرف لوٹنے میں عام نہیں ہے۔ جبکہ مفہوم کے اعتبار سے سمجھ میں آتا ہے جو ہمارے نزدیک حجت نہیں۔

(عنایۃ القاضی، آیت وما کنت تتلوا من قبلہ الایۃ)

اقول:- ان کا شروع کلام متناقض کی طرح ہے نہ کہ عدم تعلق میں صریح کے مثل۔ کیونکہ حکم کے عام نہ ہونے سے شک و تردد کا افادہ ہو رہا ہے ہاں کبھی دل کو سکون حاصل ہو جاتا کہ اگر "من قبله" قید کا تعلق خط اور تلاوت دونوں سے ہوتا تو وہ قید دونوں پر مقدم ہوتی یا وہ دونوں سے مؤخر ہوتی اور اس قید کو اول کے وسط میں لانے سے ہوسکتا ہے کہ وہ اسی کے ساتھ خاص ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں معاہدۂ حدیبیہ والی حدیث میں جمہور کی طرف سے پانچ جواب تحریر کیے ہیں۔

ا۔ قصہ صرف ایک ہے اور اس میں لکھنے والے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں (یعنی جیسا کہ بخاری کتاب الصلح میں بطریق شعبہ ابواسحاق سے ثابت ہے) حافظ ابن حجر نے حدیث مسور میں صراحت کی ہے کہ جس نے لکھا وہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ (فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

اس میں ابن حجر نے ابن مفوز اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی متابعت و پیروی کی ہے ان کی حدیث امام بخاری نے کتاب الصلح میں روایت کی ہے اس میں یہ

ہے کہ سہیل نے (جو کفار قریش کا نمائندہ تھا) کہا قسم خدا کی اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم بیت اللہ سے آپ کو نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ و جدال کرتے ہاں آپ "محمد بن عبداللہ" لکھیے اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خدا کی بیشک میں ضرور اللہ کا رسول ہوں اگر چہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، اچھا "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔

(بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد)

اقول :-اسی طرح مسلم کے نزدیک انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے سہیل نے کہا کہ ہاں آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکھو یہ معاہدہ ہے "محمد بن عبداللہ" کی طرف سے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ سہیل نے جو چاہا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا اور علی کو حکم فرمایا کہ "محمد بن عبداللہ" لکھ دو۔ (مسلم کتاب الجہاد باب صلح الحدیبیہ)

اس میں یہ نہیں ہے کہ اس لفظ کو حضرت علی ہی نے لکھا کیونکہ اس کا لکھنا لفظ "رسول اللہ" کے مٹانے پر مبنی تھا اور حضور نے علی کو اس کے مٹانے کا حکم فرمایا مگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے حضور کے اجلال و ادب کے پیش نظر اس کے مٹانے سے انکار کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور اس کو اپنے دست اقدس سے مٹا دیا، پھر اس کے بعد حدیث میں ہے کہ حضور ہی نے لکھا۔ لہٰذا اس پر یہ دلالت کیونکر ہے کہ اس لفظ کو لکھنے والے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں بلکہ ظاہر وہی ہے جو ائمہ و محدثین نے فرمایا کہ اس لفظ کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لکھا۔

۲۔ حدیث کا لفظ "فکتب" میں حذف ہے محذوف عبارت یہ ہے کہ حضور نے اس لفظ کو حضرت علی کے لیے مٹا دیا پھر اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن التین نے اسی پر جزم و اعتماد کیا ہے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

اقول: یہ توضیح ائمہ کے کلام کو نہیں پہنچتی کیونکہ ائمہ کا استدلال ظاہر سے ہے جیسا کہ امام قرطبی اور امام قاضی عیاض سے گزرا ہے اور حذف کا دعویٰ کرنا اس سے عدول و اعراض کرنا ہے کیونکہ معاملہ یہ ہے کہ اس کو ظاہر کیا جاتا ہے جس کا چھوڑنا ضروری ہے۔

۳۔لفظ "کتب" کا معنیٰ لکھنے کا حکم دینا ہے، یہ بہت زیادہ مستعمل ہے جیسے **کتب الی قیصر، کتب الی کسریٰ**۔ابن مفوز وغیرہ نے بھی یہی جواب دیا ہے۔(حوالہ مذکور)

یعنی حضور نے قیصر و کسریٰ کو بذات خود اپنے دست مبارک سے مکتوب گرامی نہیں لکھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھنے کا حکم فرمایا۔

اقول:۔ **کتب الی قیصر، کتب الی کسریٰ**، فرمان حدیث "**فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکتاب فکتب**" کے مثل نہیں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی اور لکھا۔اور استناد میں یہی ان کی نظر کا تنزل و انحطاط ہے۔جیسا کہ امام قرطبی کے حوالے سے گزرا، لہٰذا تم پر انصاف و دیانت لازم ہے۔

۴۔اس کے ظاہر پر محمول کرنے کی صورت میں صلح حدیبیہ کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم شریف لکھنے سے حضور کا کتابت جاننے والا ہونا اور حضور کا امی ہونے سے خارج ہونا لازم نہیں آتا جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے کیونکہ بہت سارے لوگ عمدہ لکھنا نہیں جانتے مگر بعض کلمات کی شکل پہچانتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو بناتے ہیں بالخصوص اسماء اور ناموں میں ایسا ہوتا ہے اور اس کے سبب سے وہ بے پڑھے لکھے ہونے سے نہیں نکلتے جیسے بہت سارے بادشاہوں کا یہی حال ہے کہ وہ عمدہ انداز میں لکھنا نہیں جانتے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء)

نسیم الریاض میں خفاجی نے اسے رد کر دیا اور فرمایا کہ اس جواب کے بعد کچھ مخفی نہیں اگرچہ ہم شاذ و نادر ہی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

(نسیم الریاض، خفاجی، الباب الاول۔الفصل الاول)

اقول:- حدیث کا لفظ "فکتب" اس میں ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست کریم سے لکھنے کی تیاری کی، اور جب انہیں یہ ظاہر تسلیم ہو جائے تو پھر بھی معاملہ مشکوک ومتردد رہے گا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً خط کی وضع پہچانتے تھے یا صرف اسم اکرم کی صورت معلوم تھی کیونکہ اس وقت صرف اسی کی ضرورت تھی۔ اور شق اول اختیار کرنے میں ان کے ساتھ کچھ ظاہر نہیں ہے حالانکہ وہ مستدل ہیں، اور احتمال سے استدلال قطع ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ ظاہر شق ثانی ہو۔ کیونکہ جو چیز ضروری ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت سے پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ جواب دوسری وجہ سے اپنے قریبی جواب کی طرح شنیع اور کمزور ہے جو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ لکھنے کے لیے چل پڑے ہوں اور جو لکھا گیا وہ موافق مراد نکل گیا حالانکہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے تو خاص طور سے یہ اس وقت کا دوسرا معجزہ ہے اور اس سے حضور کی امیت میں بھی فرق نہیں پڑتا۔ ابو جعفر سمنانی نے بھی یہی جواب دیا ہے جو اشاعرہ کے ائمہ اصول میں سے ایک امام ہیں اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کی ہے۔

(فتح الباری، کتاب المغازی)

اقول:- یہ دونوں جواب اگر چہ قاضی ابو الولید باجی کے رد کے لیے کافی ہیں مگر یہ جمہور کی طرف سے جواب نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدور کتابت کے قائلین اس وقت آپس میں چار اقوال پر متفرق ہو گئے۔

قول اول ۔ قاضی ابو الولید باجی کا قول یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب عز وجل کے قدرت دینے سے کسی کی تعلیم کے بغیر عمدہ لکھتے تھے۔

قول دوم ۔ اسم مبارک کی شکل و وضع عمدہ جانتے تھے جیسے سلاطین و ملوک اپنے نام کا رسم الخط جانتے ہیں۔

قول سوم۔ اس وقت خاص طور سے اسم مبارک کے رسم الخط کو عمدہ انداز میں لکھا۔

قول چہارم۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی انگشتان مبارک کو جاری فرمادیا یہاں تک کہ حضور کے قصد و ارادہ کے بغیر اسم مبارک کی صورت بن گئی۔

● پہلا قول باجی و ابوذر اور فتح الباری کا اور یونس بن میسرہ کے قول کا ظاہر ہے بلکہ یہ ان کا بھی قول ہے جن کا اوپر ذکر ہوا اگرچہ ہیتمی کی تاویل نہ چلے اور خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے اسے ابوجعفر سمنانی کا بھی قول قرار دیا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

● دوسرا قول فتح الباری کے جواب کا مفاد ہے جو چوتھے جواب میں مذکور ہوا اور وہ قول ضائع ہے اس کا قائل معلوم نہیں اور نہ وہ قابل استناد ہے۔

ہاں میں نے امام عینی کی عمدۃ القاری میں باب الصلح دیکھا اس میں انہوں نے "کتب" کی تفسیر "امر" سے کی ہے پھر لفظ "قیل[1]" سے چند اقوال نقل کیے ہیں۔

ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ رسم الخط کی طرح ہے کیونکہ بعض لوگ جو لکھنا نہیں جانتے بار بار تکرار کرنے سے وہ اپنے ہاتھ سے رسم بنا سکتے ہیں۔ اور اس سے پہلے لفظ "قیل" سے ایک قول نقل کیا کہ یہ لکھنا اسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے بعد ایک قول ہے جس میں یہ ہے کہ حضور نے بغیر قصد و ارادہ کے اتفاقیہ طور پر لکھا، اس کی دلالت اس پر ہے کہ حضور نے اسم مبارک کو اس قول کی بناء پر قصد و اختیار سے لکھا جو اسی مقام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

---

[1] اس کے اثبات میں انہوں نے چھ قول نقل کیے۔ چار وہی جو منقول ہوئے، پانچواں یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے قلم پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وحی کی اور اس نے لکھا۔ چھٹا یہ ہے کہ حضور نے وصال نہیں فرمایا یہاں تک کہ لکھا۔

اقول۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں پر چار احتمالات ہیں، یا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بغیر قصد کے کتابت جاری ہوگئی یہ قول رابع ہے۔ اور قصد کے ساتھ یا مطلقاً عمدہ لکھا یہ قول اول ہے۔ یا صرف اسی لفظ کو لکھا یا تو عمدہ لکھا یہ قول ثانی ہے۔ یا صرف اسی وقت عمدہ لکھا یہ قول ثالث ہے۔ لیکن پانچواں قول، اول و ثالث کو شامل ہے اور چھٹا قول سب کو شامل ہے۔ ۱۲ منہ

● تیسرا قول عمدۃ القاری سے منقول ہے جو اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے یعنی اکثر ایسا ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ نہیں لکھ سکتے پھر جب ایک مرتبہ لکھا تو وہ اس بات کی دلیل ہے کہ صرف اسی وقت خاص طور سے اسم مبارک کو عمدہ اور حسین انداز میں تحریر فرمایا اور دوسرے وقت ایسا نہ ہوا۔

کتاب الکتاب میں عمر بن شبہ کے قول کا عمدہ محمل یہی ہے ان کے قول کی مراد یہ ہوگی کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے معجزہ سے اس وقت صرف اپنے اسم شریف کی کتابت سیکھ لی کیونکہ اسی بات کے لئے ائمہ کرام کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن اپنے دست مبارک سے لکھا۔ مگر خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے اسے بعینہٖ باجی کا قول قرار دیا اور کتاب کو اس کے عموم پر محمول کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

● چوتھا قول بعینہٖ فتح الباری کا جواب ہے۔

خامس: میں نے دیکھا کہ اس کی نسبت سمنانی اور ابن جوزی کی طرف کی گئی ہے اور ابو جعفر سے نقل مختلف ہوگئی، خصائص کبری میں اس کی نسبت بعض کی طرف کی گئی ہے اور قرطبی کے قول میں اسی کی طرف میلان ہے کہ حضور کی انگشتان مبارک میں یہ لفظ جاری ہوگیا مگر یہ کہ ان کے شروع کلام میں اسی کی قید ہے اور آخر کلام میں اس خط کی نفی کی گئی ہے جو تعلیمی اور اکتسابی ہو، اس کا میلان بھی باجی کے قول کی طرف ہے اور یہ بات طیبی کی من گھڑت ہے انہوں نے وہی کہا جو مرقاۃ میں ہے کہ یہ کہنا ممکن ہے کہ اس آیت (ولا تخطہ) کے باوجود اس کتابت کا طریقہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے باوجود فرمان اقدس "هل انت الا اصبع دميت. وفي سبيل الله ما لقيت. (یعنی تو تو ایک زخمی انگلی ہے۔ اللہ کی راہ میں تم کو جو لاحق ہے۔) کا جو انداز ہے وہ دونوں برابر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" (یٰس:۶۹)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔ (کنزالایمان)
یعنی کتابت کی تعلیم نہ ہونے اور امی ہونے کے باوجود لکھ لینا حضور کا معجزہ ہے اور شعر گوئی کا ملکہ نہ ہونے کے باوجود ایسا کلام ارشاد فرما دینا جو وزن شعری پر پورا اترتا ہو دوسرا معجزہ ہے۔ اس لئے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ یہ وہ کلام ہے جو بغیر صفت شعر اور بغیر قصد و ارادہ کے باوزن نکل گیا جبکہ اس سے شعر گوئی کی طرف التفات وتوجہ ثابت نہ ہوگی نہ قصد واختیار سے حضور کا شعر کہنا ثابت ہوگا۔

(مرقاۃ، کتاب الجہاد حدیث: ۴۰۴۹)

حاصل یہ ہے کہ یہ تمام اقوال کتابت کو ثابت و واضح کرتے ہیں اور جمہور مطلقاً اس کی نفی کرتے ہیں پھر دو مخالف قول کے اختیار کرنے سے ان کو جواب کیونکر دیا جائے گا؟

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے قول میں صحیح مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس پر یہ جاری فرمادیا۔ یا تو اس قلم نے حضور کے دست مبارک سے لکھا اور حضور کو معلوم نہ ہوا کہ قلم کیا لکھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضور کو سکھادیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا اور اسے معجزات نبوت میں ایک مزید معجزہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امی تھے۔ جس طرح حضور جو علوم نہیں جانتے تھے اللہ عزوجل نے انہیں سکھادیا اور جو نہیں پڑھتے تھے اسے پڑھنے لگے، اور جو تلاوت نہیں کرتے تھے اس کی تلاوت کرنے لگے، اسی طرح حضور علیہ الصلاۃ والسلام لکھتے نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو لکھنا سکھادیا۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصف امیت میں کوئی قدغن اور رکاوٹ نہ ہوگی اور ائمہ نے ان آثار ومرویات سے احتجاج و استدلال کیا جو شعبی اور بعض سلف سے منقول ہیں۔ اور قاضی ابوالولید باجی اس کے

جواز کی طرف گئے ہیں اور سمنانی وابوذ روغیرہ سے انہوں نے اس کی حکایت کی ہے۔ اور اکثر لوگ اس سب کے منع وانکار کی طرف گئے ہیں۔

(شرح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ)

لہٰذا غور کرو کہ جمہور کی طرف مطلقاً منع کی نسبت کیسے کی گئی خواہ وہ کتابت قصد سے ہو یا بغیر ارادہ واختیار سے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابوجعفر، باجی کے ساتھ متفق ہیں، خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی نے یہی فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے جو فرمایا ہے وہ اس کا مخالف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عنقریب ان دونوں جواب کا رد بلیغ آئے گا، پانچوں جواب میں وہ بات نہیں ہے جو حل مطلب کے لیے کافی اور خلجان قلب کے لیے شافی ووافی ہو۔

اللہ عزوجل کی توفیق رفیق سے میں کہتا ہوں۔

ہر ایک کا بہتر وعمدہ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ حدیث براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لفظ جو بخاری کے باب عمرۃ القضا میں ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب لی (جبکہ حضور عمدہ لکھنا نہیں جانتے تھے) اور لکھا ''یہ معاہدہ ہے محمد بن عبداللہ کا'' مکہ میں ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے مگر صرف تلوار میان میں ہوگی، اگر مکہ کا کوئی باشندہ ان کے ساتھ جانا چاہے تو اس کو نہیں لے جاسکیں گے اور اگر ان کے اصحاب میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو منع نہیں کریں گے۔ بعینہٖ یہی الفاظ بخاری کی کتاب الصلح میں بھی ہیں ہاں اس روایت میں یہ لفظ نہیں ہیں کہ ''حضور عمدہ نہیں لکھ سکتے تھے۔

(بخاری کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء وکتاب الصلح)

یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنے دست مکرم سے نہیں لکھا اور نہ یہ لفظ لکھا کہ ''یہ معاہدہ ہے'' ہاں صرف اسم مبارک کے لکھنے میں اختلاف ہوا ہے لہٰذا لفظ ''کتب'' کو اس معنی پر محمول کرنا واجب وضروری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امر کتابت کو اسی پر برقرار رکھا۔

اور ایک روایت میں صرف اتنا ہے کہ حضور نے "ابن عبد اللہ" تحریر فرمایا۔ اس میں محدثین کی عادت کے مطابق اختصار واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ بطریق زکریا مسلم کے حوالے سے گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پھر اس پر قاطع رد ہے جس نے یہ کہا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت واقع ہوئی اگرچہ ایک ہی کلمہ ہو، اگرچہ بغیر قصد وارادہ کے ہو۔ امام سہیلی وغیرہ نے اس کا افادہ کیا ہے، یہ اگرچہ ممکن ہے اور یہ دوسرا معجزہ ہوگا لیکن یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے مناقض ومنافی ہے یعنی حضور امی ہونے کے سبب سے لکھتے نہیں تھے، آیت کا مفہوم یہی ہے جس سے حجت قائم ہوئی، منکر خاموش ہوا اور شبہ پاش پاش ہوگیا۔ پھر اگر یہ جائز مان لیا جائے کہ اس کے بعد حضور لکھنے لگے؟ تو شبہ لوٹ آئے گا۔ اور معاند نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ اور اچھا لکھنا جانتے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض معجزہ کا بعض کو دفع کرنا محال ہے یعنی ایک معجزہ سے دوسرے معجزہ کا اگر انکار ونفی لازم آئے تو یہ جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء)

حافظ ابن حجر نے اسے جواب خامس کا تعاقب قرار دیا جس میں یہ ہے کہ اس لفظ سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہاتھ بغیر قصد وارادہ کے جاری ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے موافق مراد اس کا نکلنا مقدر فرمادیا۔

اقول: جیسا کہ دیکھ رہے ہو یہ سب کا رد ہے کیونکہ جو بغیر ارادہ واختیار کے صدور کتابت کا تعاقب کرے وہ تو دوسرے کی بدرجہا اولیٰ نفی کرے گا، بلکہ ان کا یہ قول زیادہ لائق ومناسب ہوتا کہ "اگر غیر کے ارادہ سے لکھنا جائز مان لیا جائے" لیکن حافظ ابن حجر نے اسے اسی پر محمول کیا اور اپنے قول سے اس کا رد کیا ہے۔ اور دعویٰ میں بڑی نظر ہے کہ صرف اسم شریف کا اس صورت (جو جواب خامس میں مذکور ہے) پر لکھنا مناقض معجزہ کو مستلزم ہے اور اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غیر امی

ہونا ثابت ہوگا۔ (لہٰذا ایک معجزے سے دوسرے معجزہ کا نقص ناجائز و محال ہے)

(حوالہ مذکور)

امام قسطلانی نے اگرچہ مواہب لدنیہ میں اس کو برقرار رکھا اور اسے اچھی طرح بیان فرمایا اور اس پر کچھ اضافہ فرمایا ہے، لیکن ارشاد الساری کے باب الصلح اور کتاب المغازی میں اس سے آگے تجاوز نہ کیا، دونوں کتابوں میں انہوں نے سہیلی کی گفتگو نقل کی اسے برقرار رکھا اور اس پر اعتماد و وثوق کیا۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں فتح الباری کے حوالے سے مواہب کے کلام کا پانچویں جواب تک ترجمہ کیا اور یہ فرمایا کہ ابوجعفر نے اس کا جواب دیا، ابن جوزی نے ان کی پیروی کی اور جب سہیلی کے تعاقب پر آئے تو فرمایا کہ

عبد مسکین عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خود اسم شریف کی کتابت کے خصوص میں کلام ہوتا۔ آخر بیان تک جو مقدم ہو چکا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ثبوت معجزہ کے بعد حصول کتابت میں کوئی حرج نہیں ہے تو یہ محل نظر ہے اس کے بعد شیخ محقق نے بعینہٖ وہی ذکر کیا جو سہیلی نے بیان کیا ہے اور یہ زیادہ کیا کہ معاند کو قرآن عظیم کا فرمان کیا فائدہ دے گا "وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ" (العنکبوت:۴۸) (اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ کنز الایمان) یعنی جو قرآن کریم پر ایمان نہ رکھے وہ کافر ہے لہٰذا اس آیت سے اس پر احتجاج نہیں کیا جائے گا، پھر حافظ ابن حجر کی نظر کی طرف کچھ توجہ نہ دی اور اس قول پر محدث دہلوی نے اپنا کلام ختم کر دیا اور فرمایا کہ شیخ ابن حجر نے یہ الحاق کیا کہ "کتب" کا معنی "امر" ہے۔ یہ بات بھی شیخ نے سہیلی سے نقل کی ہے۔ (مدارج النبوۃ، وصل صلح نامہ حدیبیہ)

ہاں ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ابن حجر کا پورا کلام بیان کیا اور یہاں پر صرف وجہ نظر کا قول زیادہ کیا اور اللہ عزوجل زیادہ جانتا ہے کہ معاند اس ڈوبنے والے کی طرح

ہے جو ایک گھاس سے بھی چمٹ جاتا ہے۔ اور قرآنی معجزہ بکثرت وجوہ سے ثابت ہے قطع نظر اس سے کہ اس کا لانے والا امی ہے اور ظہور رجحت کی تکمیل کے لیے اس میں عدم قرأت و کتابت کا وصف زیادہ کیا گیا ہے (یہاں تک فرمایا) اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر سب سے زیادہ پہلے ہی پڑھے لکھے ہوتے دنیا میں اور کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا اور قرآن عظیم لے آتے تو معجزہ ہوتا، یہ بہت زیادہ واضح و آشکارا ہے اس میں کوئی شک و ریب نہیں ہے۔ (مرقاۃ کتاب الجہاد حدیث ۴۰۴۲)

اقول: گویا کہ انہوں نے حاصل نظر سمجھا کہ اگر معاند اس کے حصول سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں شک و شبہ کرے تو اس سے اعجاز قرآن میں کچھ ضرر نہ ہوگا کیونکہ قرآن عظیم بکثرت وجوہ سے معجز ہے، امیت کا وصف زیادتی کے لیے ہے اعجاز قرآن صرف اسی پر موقوف و منحصر نہیں ہے، یہ قابل ملاحظہ ہے۔ لہٰذا دوسرے معجزہ کے وجود کے لیے اس میں ایک عظیم معجزہ کو ترک کرنا پڑے گا، پھر حافظ ابن حجر کے کلام میں تخصیص مناسب نہیں ہے کہ بغیر قصد و ارادہ کے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دست پاک سے اسم اقدس کی صورت جاری ہو گئی، اگر قصد و اختیار سے لکھتے تو یہ حاصل ہو جاتا بلکہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے ہی سے لکھتے ہوتے تو بھی یہ مطلب حاصل ہو جاتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے پھر اس کے جواب کو ان کا یہ قول کافی ہے کہ "معاند اس ڈوبنے والے کے مثل ہے جو ایک تنکے کا بھی سہارا لینا چاہتا ہے"۔

اور یہ اس سبب سے ہے کہ اگر بعض آیات پر جاہلیت کی بولی بولنے کا کوئی جواز و راستہ نکلتا تو اس میں معاند کی چار آنکھیں لگتیں جو معجزات کے سوا کچھ نہ دیکھتیں۔ بلکہ نظر کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے کتابت کا صدور امیت کے منافی کیونکر ہے؟ اور امی تو اچھا لکھ سکتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف امیت کے ساتھ اچھا نہیں لکھ سکتے جہاں قصد نہیں فرماتے اور اگر قصد فرماتے تو قادر نہ ہوتے، ہاں حضور علیہ الصلاۃ والسلام اس وقت ایسے تھے (چوں قلم در دست کاتب) جیسے کاتب کے

ہاتھ میں قلم ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی نے حضور کے ہاتھ سے لکھا قلم نے نہیں لکھا۔

اقول: لفظ سہیلی کے ظاہر پر یہ مواخذہ وگرفت ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امی ہونے کے منافی ومناقض ہے اوران کے مقصود سے یہ کوسوں دور ہے، انہوں نے یہ مراد نہیں لیا کہ اگر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے لکھا تو نفس الامر میں امیت سے نکل گئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی قرار دینا مبطلین کا شک وریب دور کرنے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون (العنکبوت: ۴۸)

اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔ (کنزالایمان)

اور اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت صادر ہوتی خصوصا اس مجلس میں جس میں کفار موجود تھے اس میں کفار کے سامنے صحیفۂ صلح کی کتابت جاری تھی، تو باطل والوں کا شک وشبہ پہلے کی طرح لوٹ آتا، اس وقت دیکھنے والوں کے لیے یہ ظاہر تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا اور جیسا چاہتے تھے حروف کی صورت بنائی اوراس کے ذریعہ سے اپنی مراد کو ظاہر فرمایا، کاتب اور کسے کہتے ہیں، کاتب کا معنی تو یہی ہے۔ اور کفار کو اس باطنی راز کی خبر نہ ہوتی جو حضور اور رب عزوجل کے درمیان ہے تو وہ لوگ طعن وتشنیع کے لیے کھڑے ہوتے اور کہتے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لکھتے تھے اور چھپاتے تھے آج ہمارے لئے ان کا راز ظاہر ہوا۔ پھر اس بات کو لے کران کے سوار چل پڑتے اوران کے شعراء اس پر بہت کچھ کہتے اور مسلمانوں پر معاملہ تنگ ودشوار ہو جاتا اور طعنہ کرنے والوں کی گردنیں بلند ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو اس بات پر مسلط نہیں فرمایا۔ لہٰذا سہیلی کے قول "کہ یہ حضور کی امیت کے مناقض ہے" کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس سے کافروں پر احتجاج کے مناقض ومنافی ہے بلا شبہ یہ صاف ستھرا حق ہے اس پر کوئی گردوغبار نہیں ہے۔ اوراسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہ جس طرح بھی ہو صدور کتابت کے قول کا رد ہے۔

چوتھا اور پانچواں دونوں جواب باطل ہیں، دوسرا اور تیسرا جواب اسی سے

پورے ہو جاتے ہیں، جہاں تک واضح ہوا اس ظاہر کے ترک میں ضرورت کا ظہور ہے، یہ یقین ہے کہ اس نے سب کو سمیٹ لیا ائمہ نے جو فرمایا اور جس کی طرف وہ مائل ومتوجہ ہوئے۔ میں جن قدیم وجدید اقوال پر آگاہ ومطلع ہوا ان کے اعتراضات و جوابات کو ظاہر کیا، فوائد کا افادہ کیا، ان کی طرف میں نے ہی پہل وسبقت نہیں کی۔ بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی اس پر اقدام کیا۔ وللہ الحمد۔

آفتاب نیمروز کی طرح روشن وواضح ہو گیا کہ جن اکابر امت نے کتابت کو ثابت کیا ان کا قول صرف اسی کو دفع کرتا ہے جسے امام سہیلی نے بیان کیا اور ہم نے ان کی تقریر کو واضح کر دیا اور ہم نے جو اختیار کیا اس کو کسی کا ہاتھ نہیں پہنچے گا کیونکہ ہم نہ صدور کتابت کے قائل ہیں نہ اس پر قدرت کے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصف امیت پر یقینی طور پر باقی ہیں اور حضور سے کبھی وہ بات صادر نہیں ہوئی جس کی حجت میں اہل باطل شک وتردد میں پڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے کشف واظہار سے ہر شئی کے حصول علم سے صنعت خط کو کبھی قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی وضع پر قادر مانا جائے گا لہٰذا لکھنا امیت حضور کے منافی نہیں جیسا کہ فریقین کے کلام میں اس کا اقرار و اظہار گزرا ہے۔

نیز ظاہر ہو گیا کہ ہم نے جو دس احادیث پیش کیں وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور کو مکتوب کی معرفت ہے اور ان احادیث میں ثابت کرنے والوں کے لیے حجت نہیں ہے اسی لیے جب پہلی حدیث سے احتجاج کیا جو ابن ماجہ کے باب القرض والصدقہ کی حدیث ہے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ معرفت کتابت کے تقدم کے بغیر اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو قدرت دے دی اور یہ اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے جیسا کہ نسیم الریاض میں ہے۔ (نسیم الریاض، الباب الاول، الفصل الاول)

اور یہ بھی ہمارے قول کی تائید میں ہے کہ عطائے اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ کا کتابت کی معرفت عطا فرمانا امیت کے منافی نہیں۔

پورے مصحف شریف کا رسم الخط حضور علیہ السلام سے توقیفی ہے

اگر تیرا دل اولیائے کرام پر ایمان رکھتا ہے یا تو ان لوگوں میں سے ہے جو ان کا کلام دل کی گہرائیوں سے سنتا ہے کیونکہ وہ شہید محبت اور قتیل تیغ ابروئے محمد ہیں تو تمہیں وہ کافی ہے جو سید شریف فاطمی قطب ولی امی سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے) نے افادہ فرمایا جبکہ ان کے شاگرد رشید حافظ الحدیث سیدی احمد بن مبارک سجلماسی نے ان سے سوال کیا جو ابریز شریف کے باب اول میں حدیث مبارک " کہ قرآن عظیم کو سات حروف پر نازل کیا گیا" کے تحت میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رسم قرآن اسی صفت مذکورہ پر باقی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سادات صحابہ سے صادر ہوا ہے؟ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کا رسم الخط حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی صادر ہوا ہے اور حضور نے ہی کاتبین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ اسے اسی ہیئت مذکورہ پر لکھیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو سنا اس میں انہوں نے کسی طرح کی کوئی کمی یا زیادتی نہ کی۔ صحابہ وغیرہم کو رسم قرآن میں ایک بال برابر بھی کسی حذف و اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں، وہ تو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے توقیفی ہے حضور ہی نے انہیں ہیئت معروفہ پر لکھنے کا حکم فرمایا کہیں پر حروف کی زیادتی اور کہیں پر کم کرنے کا اشارہ فرمایا اس میں وہ راز ہے جہاں عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی

اور یہ رموز الٰہیہ میں سے ایک راز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کو اس سے خاص فرمایا ہے باقی اور دیگر آسمانی کتابوں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں۔ اور جیسا کہ نظم قرآن معجز ہے اسی طرح رسم قرآن بھی معجز ہے۔

(احمد بن مبارک، ابریز شریف، الباب الاول فی الحدیث)

پھر سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے میں طویل مگر نفیس و عمدہ کلام فرمایا اور رسم قرآن کے توقیفی ہونے پر دلائل قائم فرمائے۔

ہر ولی امی جس پر علم کا دروازہ کھولا گیا وہ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے ہر قلم و خط کو دنیا میں پہچانتے ہیں

سیدی حافظ سجلماسی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتابت کی معرفت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**ولا تخطه بیمینک**" (اور آپ لکھتے نہ تھے)

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصطلاحی اور لوگوں کی سکھائی ہوئی کتابت نہیں پہچانتے لیکن فتح ربانی اور فیض یزدانی کے سبب سے کتابت جانتے تھے بلکہ اور بہت کچھ جانتے تھے ایسا کیوں نہ ہو کہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثناء کے وہ امی اولیاء جن پر علوم و معارف کا دروازہ کھولا گیا ہے وہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک کی تمام امتوں اور جملہ گروہ مسلمین کے خطوط اور تمام زبانوں کے قلموں کو پہچانتے ہیں جبکہ یہ نور نبوت ہی کی برکت و فیض سے ہے پھر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟۔ کیا حضور ان چیزوں کو نہیں پہچانتے ہیں؟

سیدی حافظ سجلماسی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ امی اولیاء میں سے ہیں میں نے یہ تمام اسرار و رموز ان سے سنے ہیں (یعنی حروف کی کمی و زیادتی اور رسم قرآن میں غیر ملفوظ سے حروف کو بدلنا جیسے باید، جاؤ، اور حیاۃ وغیرہ میں ہے اور بھی بہت سارے الفاظ و حروف شمار کیے)

سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ائمہ رسوم کے بیان کردہ حروف والفاظ کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا تو حوالوں کو درست و بہتر پایا اور یہ کہ اس میں بڑی محنت کی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نفع عطا فرمائے۔ یہ بحث دو بڑے ورق میں پھیلی ہوئی ہے میں نے یہاں پر اختصار کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ (احمد بن مبارک، ابریز شریف۔ الباب الاول فی الحدیث)

حاصل یہ کہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی امی ہیں اللہ تعالیٰ نے حضور کو ہر شئی کا علم عطا فرمایا ہے یعنی یہ علوم وہبی ہیں کسبی نہیں اور یہ علوم ضروریہ ہیں کسبیہ اور نظریہ نہیں دوسری معلومات کے لیے ان میں نظر و فکر کی ضرورت نہیں بلکہ موصل و موصل الیہ سب کچھ حضور کو ابتداءً ہی اللہ عزوجل کے کشف و اظہار سے حاصل ہیں۔ لہٰذا حضور کا علم مکتوب سے نہیں جو نقوش سے مستفاد ہوتا ہے اور نہ حضور کا علم نقوش سے ہے جو کسب و نظر سے حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور کو ملکہ و فعل کے اعتبار سے کتابت کی تصویر سے پاک وصاف فرمایا ہے لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امیت میں خلل نہیں آئے گا اور نہ دقیق وجلی چیزوں کے احاطہ علم میں خلل پڑے گا۔ اللہ کا شکر ہے اس نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر فضیلت میں افضل بنایا اور ہر افضل فضیلت عطا فرمائی۔ لیکن تعجب بالائے تعجب اس پر ہے جو پہچاننے کے باوجود منحرف و برگشتہ ہوا اور اعتراف واقرار کے باوجود پھر جائے، وہ یوں کہ اسی مستدل نے خود ہی اپنے اسی رسالہ کے ص: ۱۰۵ پر کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امی ہیں کتابت نہیں جانتے اور نہ مکتوب پڑھتے ہیں مگر معجزہ کے طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

مستدل نے پہچانا اور اعتراف کیا کہ طریقہ عادیہ سے مکتوب کی معرفت امیت کے منافی نہیں اور یہ یقین سے معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتابت کی نفی کی گئی ہے اور حضور کا علم طریقہ عادیہ کے مطابق نہیں ہے لہٰذا مستدل نے اس آیت

کریمہ (وما کنت تتلوا الایۃ) کو علم حضور کے منافی قرار دیا، یہ خالص بہتان و جھوٹ ہے نسأل اللہ تعالیٰ العافیۃ۔

۷۴۔ **ثالثا**: یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابھی بھی نبی امی ہیں جس طرح پہلے تھے لیکن مستدل نے یہ راستہ اپنایا جس کی طویل گفتگو حریدار نہیں ہے، کیونکہ کسی ایک وصف سے متصف ہونے سے اس کے دوام وبقا کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ ہر جملہ فعلیہ، موجبہ دائمہ ہو جائے گا یہی جہالت مستدل کے دل میں مرکوز ہوگئی یہی اس کے لئے دائم وقائم ہے اور ان کے نزدیک یہ بات ہے کہ جو صفت ثابت ہوئی وہ ہمیشہ کے لیے ثابت ہوگئی، پھر تعجب تو یہ ہے کہ اقسام خط کی ہر قسم کو غیر متناہی قرار دیا جو اپنے جزئیات کے حساب سے کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرتی۔ اور اسے کس نے کہہ دیا کہ کافروں کے بکثرت خطوط ہمیشہ ابد تک لکھے جاتے رہیں گے۔ کیا جنتی ان خطوط کے ذریعہ آپس میں مراسلت کریں گے یا انہیں فرشتے سکھائیں گے؟ جنتی لوگ ہمیشہ ان خطوط کو مشق وتمرین کے لیے لکھیں گے۔ یا دوزخیوں کو ابد تک کوئی نئی فرصت ملے گی جس میں وہ اپنے بھائیوں کو مراسلے لکھیں گے یا اپنی ہی یادداشت کے لیے لکھیں گے؟ پھر یہ کہ وہ قلم ودوات اور کاغذ کہاں پائیں گے؟ گویا کہ مستدل اپنی قوت منطقیہ سے امکان اور فضیلت کے درمیان فرق وامتیاز نہ کرسکے۔

آیت کریمہ
وان تعدوا نعمة الله
اور آٹھ جواب

۷۵۔ شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے

" وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا " (النحل: ۱۸)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ (کنزالایمان)

رسالہ غایۃ المامول کے ص: ۳۶ پر ہے، ایسا اس لئے ہے کہ یہ عام خطاب ہے جو صراحت کا متقاضی ہے کہ اللہ عزوجل کی نعمتیں، اس کثرت کو پہنچی ہوئی ہیں کہ مخلوق کا علم تفصیلی ان کا احاطہ نہیں کرسکتے یہاں تک کہ مخلوق کے لیے ان سب کو شمار کرنا آسان وسہل ہو۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ ان تمام افراد کو نہیں جانتے جو عالم میں موجود ہیں۔

اقول۔ اولا۔ سورۂ نحل میں اس آیت سے پہلے اسی کے متصل یہ ہے

"اَفَمَنۡ يَّخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ" (النحل: ۱۷)

تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔ (کنزالایمان)

اور اس کے بعد سورۂ ابراہیم میں اسی کے متصل ہے" اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: ۳۴) بیشک آدمی بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔ (کنزالایمان)

ان دونوں خطاب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر محمول کرنے کی کس میں جرأت وہمت ہے؟ کیا کوئی صاحب ایمان حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان

خطاب کا مخاطب و مصداق قرار دے گا؟

۷۶۔ **ثانیا:** امام عبدالوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر کے باب ۳۲ میں فرماتے ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری مخلوق میں سب سے زیادہ شکر گزار ہیں، یہ اسی وقت ہوگا جبکہ تمام انعامات الٰہیہ کی معرفت و پہچان حاصل ہو۔

(الیواقیت والجواہر، بحث ۳۲ فی ثبوت رسالۃ الخ)

۷۷۔ **ثالثا:** جو کسی چیز کو تفصیل سے شمار کرے اسے اس کے ہر فرد اور اس کے تمام گرد و پیش کا لحاظ کرنا ہوگا اور کبھی برسوں کے گزرنے پر بھی یہ گنتی پوری نہیں ہوتی، عمر وفا نہیں کرتی تو اس کے لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے اور اس کا شمار نہ کر سکنا یہ اس شئی کے عدم علم پر دلیل نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان کا علم احاطہ کر سکتا ہے مگر ان کی کثرت اور ان کے منتشر ہونے کی بنیاد پر انہیں شمار نہیں کر سکتا۔

اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ آسمان میں بادل نہ ہوں اور نہ چاند ہو اس وقت ستاروں کو دیکھا جائے جبکہ چھوٹے ستارے بھی روشن و چمکدار ہو جائیں اور ان کی روشنی سے آسمان جگمگا اٹھے، اسی طرح کسی وسیع ہموار ریگستان کے کنارے پر آدمی کھڑا ہو تو ریت کے اوپر کے ذرے اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوں گے۔ لیکن اگر وہ ستاروں یا ریت کے ذروں کو شمار کرنا چاہے تو ہرگز شمار نہیں کر سکتا۔ یہاں پر استطاعت سے قدرت مراد ہے علم نہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے کے لیے اپنی تجلی سے یکبارگی منکشف و آشکارا کر دے کہ ایک ایک ستارا اور ریت کا ایک ایک ذرہ دوسرے سے ممتاز و الگ ہو جائے تو اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اپنے اس خاص بندے کو ایک بار میں ہی ان سب کی تعداد بتا دے تو اس میں کیا حیرت و تعجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب رب عزوجل نے میرے مونڈھوں کے درمیان اپنا دست اقدس (جو اس کی شان کے لائق ہے) رکھا تو مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔ لہٰذا گنتی کی نفی کے باوجود عدد

وعدد و سب کا علم حضور کو حاصل ہے۔ (ترمذی ابواب التفسیر، احمد مرویات معاذ بن جبل)

۷۸۔ **رابعاً**: بالفرض کسی کو شئی کی تعداد معلوم ہو اور وہ تفصیل سے اسے شمار نہ کر سکے تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس نے شمار کر لیا۔ اس وقت اس تعداد کے جاننے کی نفی ہوگی جو نعمت الٰہیہ کے مجموعہ کو عارض ولاحق ہے۔ ہم تمام ماکان و مایکون کے جس علم کی بحث میں ہیں اس تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ علم کلام کی کتابوں میں صراحت ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک عدد کا کوئی وجود نہیں ہے، اس کے لئے علم کلام کی کتابیں مقاصد، مواقف، طوالع اور ان کی شروح کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے اور فلاسفہ کے نزدیک بھی عدد کا وجود صرف ذہن میں ہے، پھر جب وہ ذہن میں نہ ہو تو خارج میں بھی موجود نہ ہوگا۔ اور اللہ عزوجل کا علم حادث نہیں ہے وہ اس سے پاک و منزہ ہے۔

۷۹۔ **خامساً**: مستدل کی یہ جہالت جو اس میں راسخ ہو چکی ہے ختم نہیں ہوگی کہ ہر جملہ فعلیہ دائمہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو "لا تحصوھا" فرمایا کہ تم انہیں شمار نہیں کر سکتے کیا اس نے یہ فرمایا ہے کہ "انہیں کبھی کوئی شمار نہیں کر سکے گا" لہٰذا یہ شبہ بھی دیگر شبہات کے مثل اس طرح سے دور ہو جائے گا کہ یہ بات نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے کی ہے۔

۸۰۔ **سادساً**: یہ اچھا ہوا کہ مستدل نے یہ نہیں سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندے اور رسول جناب موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے یہ فرمایا۔ ہے "لن ترانی" (اے موسیٰ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) ورنہ وہ یہ حکم لگا دیتا کہ "موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اپنے رب کریم کو کبھی نہیں دیکھ سکیں گے یہاں تک کہ جنت میں جانے کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب کا دیدار نہ ہوگا جبکہ جواد کریم کی یہ نعمت کبریٰ ہر کلمہ گو کے لیے عام و تام ہوگی۔ والحمدللہ

۸۱۔ **سابعاً**: یہ بات بدیہی ہے کہ "نعمۃ اللہ" کی اضافت استغراق کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس پر منحصر و موقوف نہیں کہ وہ صرف یوم آخرت تک ہی ہوں گی بلکہ وہ ابدالآباد تک زائل نہ ہوں گی۔ انہیں مداومت و ہمیشگی حاصل ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ دوزخیوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا کیونکہ اگر وہ دوزخیوں کو آگ سے زیادہ سخت عذاب دینا چاہتا تو ضرور دیتا۔ (شعب الایمان، تعدید نعمۃ اللہ، حدیث: ۴۵۷۷)

قلت: یہ عذاب تو اہل دوزخ پر دائمی اور ابد تک ہمیشہ ہوگا لہٰذا دوزخی جس عذاب میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ کا اس سے اور زیادہ سخت عذاب ان پر نہ کرنا ان پر اللہ کا عظیم احسان ہے۔

۸۲۔**فائدہ**: بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہر انسان پر ہر گھڑی ہر لحظہ غیر متناہی باتصل نعمتیں نازل فرماتا ہے۔ فاضل مفتی ابوالسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "ارشاد العقل" میں اس پر تنبیہ کی اور بہت ہی عمدہ رہنمائی فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ امور وجودیہ کا وجود جس پر موقوف ہے وہ اس کے علل وشرائط ہیں۔ اور اگر ان کا متناہی ہونا ضروری ہوتا تو وجود کے ضمن میں جو داخل ہے وہ بھی متناہی ہوتا، لیکن وہ امور عدمیہ جن کا اس کے وجود میں دخل نہیں وہ ایسے نہیں ہیں، کیونکہ کسی ایک شئی کے لیے غیر متناہی موانع کا ہونا محال نہیں ہاں ان موانع کا وجود کے ضمن میں ہونا محال ہے۔

لہٰذا آن وجود میں سے ہر آن میں خود ان کے اپنے وجود کے امکان کے باوجود غیر متناہی موانع کا ارتفاع یعنی ان کا پردۂ عدم میں باقی رہنا حقیقۃً غیر متناہی ہیں صرف دعویٰ نہیں ہے، یہی حال اس کے علل قریبہ وبعیدہ اور اس کے شرائط قریبہ وبعیدہ کے وجود میں ابتدا اور بقا دونوں کا ہے، یہی حال اس کے ان کمالات میں ہے جو اس کے وجود کے تابع ہیں۔ لہٰذا واضح وآشکارا ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر ہر آن مختلف وجوہ سے غیر متناہی نعمتوں کا فیضان فرماتا ہے

فسبحانک و سبحانک ما اعظم سلطانک.

(ارشاد العقل السلیم، قاضی ابوسعود، سورۂ ابراہیم)

یہ عجیب ومحبوب اور پیارا کلام ہے جس سے عقلمند مومن کا دل خوش ہوجاتا ہے۔

آیت کریمہ

"وما علمناہ الشعر"

اور چار جواب

۸۳۔شبہات وہابیہ میں سے یہ آیت بھی ہے

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ" (یٰس:۶۹)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے۔(کنزالایمان)

رسالہ غایۃ المامول کے ص:۵۲ پر ہے یہ آیت کریمہ اپنے عموم الفاظ کے سبب سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر سے آگاہی نہ تھی حالانکہ علم شعر اولین وآخرین کے علوم میں سے ہے جو علوم قرآن میں داخل ہے۔

اقــول ۔اولا:۔جسے عقل سلیم ہے وہ جانتا ہے (یعنی وہ شخص عقل والا نہیں جو صرف ع ق ل کا مجموعہ ہے) کہ یہاں پر شعر گوئی سے مراد ملکہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو شعر بنانے پر قدرت نہ دی، اسی پر ابو داؤد و طبرانی اور بیہقی کی حدیث دلالت کرتی ہے جو عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس سے بے پرواہ نہیں ہوں کہ میں تریاق (وہ دوا جو نافع زہر ہو) پیوں یا جاہلیت کا تعویذ لٹکاؤں یا اپنی طرف سے خود شعر کہوں۔

(ابوداود، کتاب الطب۔سنن بیہقی، باب ماجاء فی اکل الترياق)

اور یہ کہ علم کی اضافت ونسبت جب کسی صنعت وفن کی طرف ہو تو اس سے ملکہ راسخہ مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں تیر اندازی جانتا ہے، فلاں تیرنا جانتا ہے،

فلاں گھوڑ سواری جانتا ہے، فلاں کتابت کا علم رکھتا ہے، فلاں روٹی وغیرہ پکانا جانتا ہے وغیرہ، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کی تعریف کو جانتا ہے یا ان کے مفاہیم و مطالب کا تصور کر سکتا ہے۔ یا اس نے دوسرے کو تیر پھینکتے ہوئے، تیرتے ہوئے، گھوڑ سواری کرتے ہوئے، کتابت کرتے ہوئے یا روٹی پکاتے ہوئے دیکھا تو ان اوصاف سے متصف ہونے کا حال اس پر منکشف و واضح ہو گیا حالانکہ یہ دونوں طرف سے علم کی فرع ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے وہ ملکہ حاصل ہو جس سے وہ درست و صحیح تیر اندازی کر سکے وغیرہ وغیرہ۔

نسائی جابر بن عبد اللہ اور جابر بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسند حسن راوی حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر اللہ میں داخل نہیں وہ لہو ولعب ہے مگر چار کھیل جائز ہیں (۱) آدمی کا اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا (۲) گھوڑ سواری کرنا (۳) آدمی کا دو نشانوں کے درمیان دوڑنا (۴) پانی میں پیرنا سیکھنا۔

(کنز العمال، کتاب اللھو واللعب، حدیث ۴۰۶۱۲)

بیہقی شعب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کو پیرنا اور تیر اندازی سکھاؤ اور عورتوں کو روئی کاتنے کی تعلیم دو۔ (شعب الایمان، حقوق الاولاد، حدیث ۸۶۶۴)

ابن مندہ معرفۃ الصحابہ میں، ابو موسیٰ مدینی کتاب الذیل میں اور دیلمی مسند الفردوس میں بکر بن عبد اللہ بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی اولاد کو پیرنا اور تیر پھینکنا سکھاؤ۔

(کنز العمال۔ حدیث: ۴۵۳۴۳)

دیلمی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو تیر اندازی سکھاؤ کیونکہ یہ دشمن کے لیے ذلت و خواری کا سبب ہے۔ (مسند الفردوس، حدیث ۴۰۰۸)

ابوداؤد بسند حسن شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے شفا تو چیونٹیوں کا یہ منتر کیوں نہیں سیکھتی جس طرح تو نے کتابت سیکھی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرقی)

ان تمام احادیث میں جو سیکھنے کا حکم ہے اس سے مراد قدرت ہے علم نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ " وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ " میں جو نفی کی گئی ہے وہ " عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف:۶۵) (اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ کنزالایمان) کے باب سے نہیں ہے بلکہ وہ اس قبیل سے ہے " وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ " (الانبیاء ۸۰) (اور ہم نے اسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔ کنزالایمان) اور مولیٰ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے " وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ " (سبا:۱۰،۱۱) (اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔ کنزالایمان) اس آیت مبارکہ میں " اعمل " صیغہ امر ہے، امر کا بجالانا واجب ہے، امتثال امر سے فعل واجب ہو جاتا ہے، فعل استطاعت کے بعد ہوتا ہے استطاعت ہی قدرت ہے۔ اور اگر علم صرف تصور کے معنی میں ہوتا تو لوہے کو نرم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور اس پر لباس و پہناوے سے حفاظت و احسان کا حکم مرتب نہ ہوتا۔

لہٰذا امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں کہ فرمان باری تعالیٰ " وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ " سے مراد شعر کی صنعت و فن ہے اور یہی شعر گوئی کا آلہ ہے، لیکن لوگوں کے اقوال و اشعار کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حفظ اور یاد ہو جانا حضور کے حق میں ممتنع و محال نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الصلاۃ، بیان اختلاف العلماء فی انہ الخ)

حضور علیہ السلام کو شعر اور کتابت کی کامل معرفت تھی لیکن حضور شعر کہنے اور کتابت سے پاک ومنزہ تھے

امام بغوی کتاب التہذیب میں، امام ابن حجر عسقلانی تخریج احادیث رافعی میں، شہاب خفاجی عنایۃ القاضی میں فرماتے ہیں، کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ خط جانتے اور لکھتے نہ تھے اور حضور عمدہ شعر گوئی جانتے اور کہتے نہیں تھے؟ صحیح یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام شعر گوئی اور کتابت عمدہ انداز میں نہیں جانتے لیکن اچھے اور خراب شعر کے درمیان فرق وامتیاز کر لیتے تھے۔ (عنایۃ القاضی، خفاجی، العنکبوت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لغات عرب اور اشعار عرب کو جاننا اور حضور کو ان کا یاد ہو جانا مشہور بات ہے۔

(شفا شریف۔ فصل ومن معجزاتہ الباہرۃ)

نسیم الریاض میں ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعر نہیں کہتے نہ شعر پڑھتے تھے اور اگر کبھی شاذ ونادر کوئی شعر پڑھتے تو اکثر احوال میں ایسا ہوتا کہ اس کا وزن بگڑ جاتا، مگر جب عرب کے شعراء مفلقون (عجیب کلام کہنے والے شعراء) حضور کی مدحت سرائی کرتے اور حضور کے سامنے اپنا کلام پڑھتے تو حضور انہیں بغور سماعت فرماتے اور ان کے اشعار کو حضور کی طرح کوئی نہیں جانتا۔

نیز نسیم الریاض میں ہے، کتابت کے بعد شعر میں کامل مناسبت ہے کیونکہ حضور

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شعر وکتابت دونوں کو کامل طور پر جانتے تھے اور اس میں کسی قسم کا کوئی التباس واشتباہ نہ ہوتا۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے علوم کی طرح شعر کا ذکر کرنا اور اس سے بحث کرنا امر مسنون ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ شعر کی معرفت فرض کفایہ ہے یہاں تک کہ مولدین (نئے اور بعد کے شعراء) کے اشعار کی معرفت بھی فرض کفایہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے اسے ''منظومۃ المعانی والبیان'' کی شرح میں بیان فرمایا ہے۔ (نسیم الریاض، خفاجی، فصل ومن معجزاتہ الباھرۃ)

پھر امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی معلومات کی انتہا یہ تھی کہ وہ نسب، گزرے ہوئے لوگوں کے احوال واخبار اور شعر وبیان جانتے تھے اور یہ فن تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم کے سمندر کا ایک نقطہ ہے۔ ملحد وبے دین کے لیے ہماری بیان کردہ چیزوں کے انکار کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔

(شفا شریف، فصل ومن معجزاتہ الباھرۃ)

شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں کہ فن سے مراد وہ علم ہے جسے اہل عرب جانتے اور اس کا اہتمام کرتے تھے۔ (نسیم الریاض، خفاجی، فصل ومن معجزاتہ الباھرۃ)

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ فن سے مراد علم کی وہ قسم ہے جو اپنی تمام شاخوں کو اپنے تمام اوقات وازمان کے ساتھ شامل ہو۔ (شرح الشفا، علی قاری۔ فصل ومن معجزاتہ الباھرۃ)

۸۴۔ **ثانیا**:۔ اس سے یقینی طور پر سلب کلی مراد ہے سلب کلیہ مراد نہیں جو ہر شاعر کو حاصل ہے یہاں تک کہ جاہلیت کے بڑے شاعر امراء القیس کو بھی حاصل ہے، تو پھر یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت وافادیت کیونکر ہوگی؟ نیز اللہ عزوجل فرماتا ہے ''وما ینبغی لہ'' یعنی یہ حضور کی شان کے لائق نہیں بلکہ یہ حضور کے حق میں نقص وعیب ہے، اور یہ یقین سے معلوم ہے کہ نقص حضور سے بالکلیہ منفی ہے اور جو حضور کے لیے مناسب نہیں اسے حضور نے کبھی نہیں کیا، اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پورا شعر نہیں پڑھا مگر یہ کہ اس کا وزن ساقط ہوگیا،

یعنی حضور جب کوئی شعر پڑھتے تو وہ بے وزن ہو کر بگڑ جاتا۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی شعر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور کے نزدیک سب سے مبغوض وناپسندیدہ بات شعر گوئی تھی مگر یہ کہ بنو قیس کا کوئی مصرع پڑھتے تو اس کے آخر کو اول اور اس کے اول کو آخر کر دیتے تھے اور ایک بار پڑھنے لگے۔

ویاتیک من لم تزود بالاخبار

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یہ مصرع اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویاتیک بالاخبار من لم تزود

جسے تم نہیں جانتے ہو گردش ایام اسے تمہارے لئے ظاہر کر دے گی اور تمہارے پاس اس کی خبریں آئیں گی جسے تم نے کوئی سامان دے کر بھیجا بھی نہ تھا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خدا کی بیشک میں نہ شاعر ہوں نہ شاعری میرے لئے مناسب وموزوں ہے۔

(جامع القرآن، طبری۔ سورۂ یٰس آیت وما علمناہ الشعر الایۃ)

ابن سعد طبقات میں، ابن ابی حاتم کتاب التفسیر میں اور مرزبانی معجم الشعراء میں حسن سے راوی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام یہ مصرع پڑھتے تھے۔ع

کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا.

اس کا پورا شعر یہ ہے

ودع سلیمیٰ ان تجھزت غادیا کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا

سلیمی کو رہنے دو اس نے صبح کا سامان تیار کر لیا۔ آدمی کو روکنے لیے بڑھاپا اور اسلام کافی ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ عزوجل نے آپ کو علم شعر عطا نہیں فرمایا اور نہ وہ آپ کے لیے مناسب ہے۔ (طبقات ابن سعد۔ذکر من محاسن اخلاق)

ابن سعد عبدالرحمٰن بن زناد سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عباس بن مرداس سے فرمایا بتاؤ کیا تمہارا قول یہی ہے؟

اصبح نهبی و نهب العبید بین الاقرع و عیینة

میرے اور غلاموں کے لوٹ کا سامان اقرع اور عیینہ کے درمیان تقسیم ہوگیا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ نہ شاعر ہیں نہ شعر بیان کرنے والے اور نہ آپ کے لیے یہ بہتر ہے شاعر نے یوں کہا ہے۔

بین عیینة والاقرع (طبقات ابن سعد۔ترجمۃ العباس بن مرداس)

بیہقی سنن میں اور خطیب تاریخ میں راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی شعر پڑھا تو دونوں مصرعوں کو جمع نہیں فرمایا بلکہ صرف ایک مصرع پڑھا

تفاءل بما تهوى يكن فلقلما يقال لشئ كان الا تحقق

تم نے فال لیا کہ جو بلندی تمہیں مطلوب ہے وہ مل جائے بہت کم کسی چیز کو ہونے کے لیے کہا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شعر میں ''تحققا'' نہیں فرمایا تا کہ وہ ظاہر ہو کر شعر نہ ہو جائے۔ (تاریخ خطیب بغدادی ترجمہ:۵۳۲۳)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بہت سارے اشعار کا سننا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت و وارد ہے، جیسے حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود منبر رکھتے اس پر کھڑے ہو کر وہ رسول اللہ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تنازع اور مدافعت کرتے تھے۔ (جیسا کہ جامع صحیح میں ہے) (ترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی انشاد الشعر)

اور دیگر شعراء صحابہ کرام میں یہ حضرات ہیں، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک صاحب توبہ، لبید بن ربیعہ، علی مرتضیٰ، عباس بن عبدالمطلب، بلال جب وہ مکہ کے مشتاق تھے، کعب بن زہیر صاحب قصیدہ بانت سعاد، کعب کے بھائی بجیر، عباس بن مرداس، اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، مالک بن نمط، براء بن مالک، اخی انس، انجشہ، بجیر بن بجرہ طائی قصۂ اکیدر میں، کلیب بن اسد حضرمی، اسود بن سریع، سواد بن قارب، اعشٰی مازنی، علاء بن یزید حضرمی، عامر بن اکوع، خفاف بن نضلہ، بکر اسدی، عمر بن سالم، زہیر بن صرد جشمی، اسود بن مسعود ثقفی، مالک بن عوف، وہ اعرابی جس نے بارش طلب کی، وہ بوڑھا جس نے اپنے بیٹے کی شکایت کی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے سے فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا، ربیع کی شادی میں چھوٹی لڑکیاں، انصار کی عورتیں، بنی النجار کی لڑکیاں۔

غیر صحابہ میں یہ حضرات ہیں، عسکلان بن عواکر (دوسری جگہ عواکن ہے) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابو طالب، امیہ بن ابی الصامت، شرید بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خواہش پر ایک سو اشعار سنائے اور ابو الکبیر ھذلی کے اشعار ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سنائے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جتنے اشعار سماعت فرمائے اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہو جائے۔ لہٰذا یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقدس بعض شعر کو محیط ہے اور یہ آیت کریمہ "وما علمناہ الشعر" کے منافی و معارض نہیں ہے لہٰذا تمام شعر سے علم اقدس کے احاطہ کی نفی ممکن نہیں کہ شعر کا کوئی مصرع اور اولین و آخرین، جن و انس اور پوری مخلوق کے کلام کا کوئی حصہ نہ چھوٹے۔ کیونکہ جس کا ایجاب جزئی، سلب کلی کے مناقض نہیں اس کے ایجاب کلی کی نفی

محال ہے۔ لہٰذا واضح و آشکارا ہو گیا کہ اس آیت مقدسہ سے عمومات قرآن کا رد کرنا ایک طرح سے ہذیان و خرافات ہے بلکہ قرآن عظیم میں رائے زنی کے مترادف اور اہل طغیان کی طرح بعض کو بعض سے مارنا ہے۔

۸۵۔ **فائدہ:** عجائب میں سے وہ دبیز پردہ ہے جو مستدل کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے جو گمراہ کرنے والے کی دماغی بیماری سے پیدا ہوا ہے، اس نے مدارج النبوۃ کے حوالے سے استناد کے طور پر شیخ محقق دہلوی کا کلام پیش کیا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض علوم کی تفاصیل ہیں، اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ اہل عرب کے علم و معلومات کی انتہا یہ تھی کہ وہ نسب، ماضی کی خبریں، اور شعر و بیان جانتے تھے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں کہ یہ فن حضور کے بحر علم کا ایک قطرہ اور حضور کی کتاب فضل و کمال کا ایک نقطہ ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (یہ فارسی کا عربی ترجمہ ہے)(مدارج النبوۃ ، وصل در جامع جمیع کمالات)

اور یہ تمہیں معلوم ہے تم نے دیکھا کہ یہ امام قاضی عیاض کے کلام سے ماخوذ ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے، پھر مستدل نے وہی ذکر کیا جو بیان کیا جا چکا ہے اور اسی کو لیا جو آگے پیچھے بیان ہو چکا ہے۔

ص: ۱۱۹ پر ہے، **سوال۔** شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو علم شعر حاصل ہے، حالانکہ یہ گزرے ہوئے بیان کے خلاف و برعکس ہے۔

جواب۔ شعر جس موزوں کلام کا نام ہے وہ دو طرح ہے۔ شعر حکمت۔ شعر غولیہ۔

غولیہ۔ وہ خیالی اشعار جن کی کوئی انتہا نہیں وہ صرف نفس و طبیعت کے انبساط و انقباض کے لیے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی کی مذمت کی ہے اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نے یہی شاعری نہیں سکھائی اور فرمایا "وما ینبغی لہ" اور یہ حضور کے لیے مناسب نہیں یعنی یہی دوسری قسم کی شاعری جسے غوایۃ کہتے ہیں حضور کے لیے بہتر نہیں ماسبق میں یہی مراد ہے۔ حضور ایسی شاعری سے پاک و مبرا ہیں۔

پھر اس کی بنیاد دو فن پر ہے۔

۱۔ایک فن اس کے مادہ کی خصوصیت سے متعلق ہے

۲۔دوسرا فن اس کی مطلق صورت سے متعلق ہے

اور فرد ثانی کی قباحت فن اول سے ہے فن ثانی سے نہیں، کیونکہ فن ثانی فرد اول کی صورت سے بھی متعلق ہے۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ قباحت حقیقۃً فرد ثانی کے مادہ کی فعلیت سے متحقق ہوتی ہے۔اور فن اول قواعد کلیہ ہونے کے سبب سے فرد ثانی کا مادہ اس سے قوۃ سے فعل کے قریب ہے جس سے قباحت حقیقیہ، حقیقۃً و بالذات سلب و جدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر فن ثانی بلکہ فن اول بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بحر علم کا ایک قطرہ اور حضور کی کتاب فضل و شرف کا ایک نقطہ ہو تو اصلاً کوئی قباحت لازم نہ آئے گی۔ کیونکہ قاعدہ وہ طریقہ ہے جو مطلوب جزئی تک پہنچا دے مگر وہ مفید یا موجب نہیں، بلکہ مفید موجب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔لہٰذا دونوں کے درمیان تخلف یقینی ہوگا۔ پھر جب ماسبق کا حال متعین ہو جائے کہ فرد ثانی کا شعر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل نہیں، اور شیخ محقق کا کلام حضور کے لیے دونوں فن کے حصول پر دلالت کرے تو دونوں کے درمیان بالکل تخالف نہ ہوگا۔ **فافھم واغتنم۔**

اقول۔کاش مستدل کو علم بمعنی انجلا اور علم بمعنی ملکہ کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کی سمجھ و ہدایت ملتی تو وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعض موجودات کی نفی نہیں کرتا اور وہ شیخ محقق کے کلام کے پاس نہیں پہنچتا جو اس کے زعم باطل پر قاضی و فیصل ہے اور اسے دونوں قسموں سے اس کے فرق کی رفوگری کی ضرورت نہیں پڑتی۔اور جب اس سے حق و راستی کھو گئی اور شیخ محقق کے کلام نے راستہ بنا لیا تو وہ گھبراہٹ سے بے چین و مضطرب ہو گیا اور اسے کوئی جائے پناہ نہ ملی تو بوڑھے جانور پر سوار ہونے پر مجبور ہو گیا نیز وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس شعر کی نفی کی گئی وہ قبیح و مذموم شعر ہے اور "وما علمناہ الشعر" سے یہی مراد ہے لیکن شعر حسن کے صوری و مادی دونوں فن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔

اور مستدل نے جہاں حق و درست فرق کو کھو دیا تو اس نے سمجھا کہ شعر کہنے کے

لیے اس علم کا حصول، قوۃ قریبہ کا حصول ہے۔ اور جسے فن شعر کے دونوں جز، حاصل ہوں اس سے اسے جدا نہ کیا۔ لہٰذا حسن وقبیح کو دیکھتے ہوئے وہ قوت مختلف نہیں ہوگی، کیونکہ قواعد کلیات ہیں جو تمام جزئیات پر برابر ویکساں صادق آتے ہیں۔ اور وہ اس بات کے اعتراف واقرار پر مجبور ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر غولیۃ بھی حاصل ہے جو قوۃ سے فعل کے قریب ہے، اب علم کے دونوں معنی (انجلا اور ملکہ) مکمل وتام ہو گئے اور اس کے ہاتھ میں صرف یہ باقی رہا کہ شعر کا خروج امکان قوۃ سے فعلیت کے میدان کی طرف ہوتا ہے۔ اس میں فرق ہے، اور اسے مستدل نے مشیت الٰہیہ پر منحصر کر دیا ہے اور اس کی محنت وکوشش اس پر ٹھہر گئی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کا مادہ اور اس کی صورت حاصل ہے اور اس کی دونوں قسمیں ہدایت وغوایت بھی حاصل ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو معصوم ہونے کے سبب سے قبیح ومذموم شعر کہنے سے محفوظ رکھا ہے۔ اور یہاں پر ان کا ادھیڑنا مکمل و پورا ہو گیا جو اس نے بنا تھا اور ہزل وبیہودگی سے اس کی محنت تباہ ومنہدم ہو گئی، کیونکہ قوۃ سے فعل کی طرف نکلنا کسی چیز کا کوئی علم نہیں بلکہ فعل سے نکلنا علم ہے لہٰذا اس سے علم کی نفی پر احتجاج واستدلال کرنا جہالت ولاعلمی کی انتہا ہے۔

۸۲۔ رابعا: -جب مستدل نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شعر کے دونوں معنی کے اعتبار سے علم شعر ثابت کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**وما علمناہ الشعر**" ہم نے انہیں شعر گوئی کا علم نہیں دیا، تو تکذیب قرآن کے لزوم سے اسے کوئی ہٹا نہیں سکتا مگر اسے اس بات پر مجبور کر دیا جائے کہ آیت مقدسہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم شعر کی نفی کے لیے نہیں بلکہ کتاب اکرم کی شعریت اور اس کے شعر ہونے کی نفی کے لیے ہے جیسا کہ اس کے بعد اللہ فرماتا ہے

"اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ" (یٰس:۶۹)

وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔ (کنز الایمان)

ٹھہرو

آیہ کریمہ "وما علمناہ الشعر" کے نفیس وعمدہ معنی پر

اگر اولیاء کا کلام پسند ہو تو سنو امام شعرانی قدس سرہ الربانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات کے باب دوم میں زیر آیہ کریمہ "**وما علمناه الشعر وما ينبغي له**" فرمایا کہ شعر محل اجمال ہے، اس میں معمہ اور پہلو دار بات ہوتی ہے، رمز و کنایہ اور توریہ کا استعمال ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اشارہ کنایہ سے بات نہیں کی، نہ پہلو دار بات کہی، نہ ایسی چیز سے خطاب کیا جو میری مراد نہ تھی اور نہ ایسا مجمل خطاب کیا جو سمجھ میں نہ آئے۔ شیخ ابن عربی نے اس پر طویل کلام فرمایا ہے۔

(الکبریت الاحمر، امام شعرانی، فی المقدمۃ)

جو بھی ہو مستدل کو اعتراف واقرار کے سوا چارہ نہیں، کہ آیت مقدسہ میں وہ بات نہیں جس میں اختلاف ہے یہ وہ بات ہے جس کا تعلق جواب سے ہے، اور جس کا مستدل نے ارتکاب کیا وہ صواب و درستگی کی ضد ہے، جس سے عقلمندوں پر کوئی خوف نہیں، اور ہم اطناب یا طوالت کے خوف سے بعض کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

فاقول۔ اول:۔عرف واصطلاح میں، بالقصد کلام کو موزوں کرنے کا نام شعر ہے۔ اس میں کلام ہے۔ اسی سے اس کی تفسیر کی گئی ہے اگرچہ وہ مکمل نہیں،

مقدمات شعریہ سے نہ اس کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ مذموم شعر کی۔ مقدمات شعریہ، منطق کے صناعات خمسہ میں سے ایک ہے۔ اور منطق میں جو مخیلات مذکور ہیں وہ موزوں کلام سے مختص نہیں شعر کے علاوہ دوسرے کلام میں بھی منطقی مخیلات موجود ہیں، منطقیوں نے شہد کی مثال کڑواہٹ سے اور شراب کی مثال یاقوتیت سے دی ہے اور مستدل نے دونوں اصطلاحات کے درمیان خلط ملط کردیا ہے۔

ثانی۔ ہر منطقی شعر، مذموم نہیں، ہر مذموم شعر، منطقی شعر نہیں، اس کی تعبیر بعینہ ایسی ہے جیسے حیوان کی تفسیر ابیض سے۔ یعنی ہر حیوان ابیض نہیں اور ہر ابیض حیوان نہیں جیسے برف اور ہاتھی دانت، بلکہ بعض حیوان ابیض اور بعض ابیض حیوان ہے جیسے بلخ۔ اسی طرح بعض منطقی شعر مذموم ہے اور بعض مذموم شعر منطقی نہیں۔

ثالث:۔ کسی نسبت کا تصور یا کسی حکایت کی تصویر اور قبض وبسط کا قصد، ان میں کوئی ایسی شئی نہیں جس سے مطلقاً غوایہ ثابت ہو۔ اس سلسلے میں تمہارے لئے قصیدۂ بانت سعاد کی تشبیب[1] کافی ہے جسے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں پڑھا۔ اور کسی خاص مقام ومحل یا کسی خارجی امور کے سبب سے ذم وبرائی طاری ہونے سے شئی فی نفسہ مذموم وبری نہیں ہوگی۔

رابع:۔ یہاں پر تین چیزیں ہیں۔

۱۔ وزن

۲۔ تخیل

۳۔ سامع کے نفس وقلب میں قبض وبسط کی تاثیر کا قصد

یہ بات قطع ویقین سے معلوم ہے کہ غوایہ، صرف وزن ہی پر موقوف نہیں ورنہ کفار ومشرکین کے کلام منثور سے کوئی چیز غوایہ نہ ہوتی۔ اور اس معتذر نے اقرار واعتراف کیا کہ غوایہ کی قباحت مادہ کے سبب سے ہے صورت کے سبب سے نہیں کیونکہ

---

[1] شعراء کی اصطلاح میں قصیدے کے اوائل اشعار میں عاشقانہ مضامین نظم کرنا تشبیب کہلاتا ہے۔ ۱۲ مترجم

صورت، ہدایت کے شعر میں بھی ہوتی ہے۔اب صرف دو چیزیں باقی رہیں۔
لہٰذا تخیل سے مراد یا تو بغیر محکی عنہ کی حکایات یعنی خاص طور سے قضایائے کاذبہ مراد ہیں۔

یا عام حکایات و قضایا مراد ہیں کیونکہ قضایائے مخیلہ کبھی صادق ہوتے ہیں۔جیسا کہ قاضی بیضاوی نے طوالع الانوار میں اور قطب شیرازی نے درۃ التاج میں بیان فرمایا ہے اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے دوسری کتابوں میں بھی بیان کیا ہے۔
پہلا یعنی بغیر محکی عنہ کی حکایت قطعاً باطل ہے ورنہ وہ غوایۃ سے نکل جاتا اور حکمت و ہدایت میں وہ شعر داخل ہو جاتا جس سے طعنہ زنی کرنے والے فحش گو، مسلمان مردوں اور مسلمہ عورتوں کے خفیہ و مستور عیوب کو بغیر کسی مصلحت شرعیہ کے کھولتے ہیں حالانکہ یہ قطعاً حرام و ناجائز ہے، شرعی نقطۂ نظر سے کبیرہ گناہوں میں خبیث ہے اور عرف و اصطلاح کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر رذالت و کمینگی ہے، لہٰذا اسے حکمت و ہدایت قرار نہیں دے گا مگر وہ جو سفاہت و غوایت میں ڈوبا ہوا ہو۔
''وہ تخیلات جو صرف نفس کی فرحت و سرور اور اس کے انقباض کے لیے ہوتے ہیں جن کی کوئی غایت نہیں'' سے مراد یا تو مطلقاً اس میں غایۃ کا حصر ہے اس طور سے کہ وہ تاثیر ہی مقصود بالذات ہے نہ دوسری شئی کے ساتھ اور نہ کسی ایسی شئی کے ساتھ جو اس پر مرتب ہو، یا وہ غایۃ قریبہ مراد ہے جو دوسری غایۃ مقصودہ کی طرف پہنچا دیتی ہے۔
پہلا یعنی غایۃ کا حصر قطعاً باطل ہے ورنہ ظالموں، فاسقوں اور کافروں کی تعریفات و مدائح نہ ہوتے جن سے بڑی گراں قیمت وصول کی جاتی ہے، جن کے لئے رب تعالیٰ غضب و غیظ فرماتا اور ان کی غوایۃ سے عرش الٰہی ہل جاتا ہے جبکہ ان مدائح سے مالی منفعت مقصود ہو، اور گمراہ امراء کے دربار میں قربت و نزدیکی حاصل ہو، جیسا کہ قدیم و جدید مداحوں کی عادت ہے جن کے چہروں پر خاک ڈالنے کا حکم ہوا ہے۔بلکہ وہ غوایۃ سے نکل جاتا اور حکمت و ہدایت میں داخل ہو جاتا جو مشرکین نے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سب وشتم اور غیظ و غضب سے تشفی کے قصد وارادہ سے ہجو و برائی کی ہے۔ صرف انبساط نفس و انقباض نفس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایذ ارسانیوں کا خالص قصد نہ تھا۔

بلکہ اگر تم انصاف سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ محال کے مثل ہے کیونکہ شاعر تو شاعر ہوتا ہے وہ کوئی پاگل و دیوانہ نہیں ہوتا، اور جسے ذرا بھی شعور و ادراک ہو وہ اپنے اختیار سے کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کو انتفاع مقصود نہ ہو اور اس میں اس کو کسی فائدہ کی امید و آرزو نہ ہو اگرچہ اس صنعت وفن میں اپنے کمال ہنر کا اظہار ہی مقصود ہو یا کم ازکم دل کی گہرائیوں سے لہو ولعب ہی کا قصد ہو۔

لہٰذا اس سے ظاہر و واضح ہو گیا کہ مستدل کے نزدیک غوایۃ کی بنیاد خیالی قضایا لانے پر ہے جن میں اشیاء کے وصف میں مبالغہ آرائی کی جاتی ہے جس سے نفوس میں فرحت وسرور اور انقباض پیدا ہوتا ہے، یہ سہل و آسانیوں کے لیے ہوتا ہے یا ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے۔ اسی طرح تعظیم وتحقیر اور شوق یا نفرت دلانے کے لیے ہوتا ہے خواہ وہ قضایا صادق ہوں یا نہ ہوں، وہ عروضی اوزان سے موزوں ہوں یا نہ ہوں اور ان سے مقاصد حسنہ مقصود ہوں یا کوئی اور، میری زندگی کی قسم جب تو منطقی معنی درست وصحیح ہو جائے گا کیونکہ منطقیوں کے نزدیک ان صناعات خمسہ سے یہی مراد ہے، جیسا کہ درۃ التاج وغیرہ میں ہے۔ لیکن یہ اس کی ایمانی خطا ہوگی اور وہ قرآن کو باطل ٹھہرانے والا ہوگا کیونکہ قرآن عظیم کے مقاصد جلیلہ میں سے جنت اور اس کی نعمتوں، دوزخ اور اس کے شدائد وعذاب، قیامت اور اس کے خوف ودہشت کا بلیغ و معجز وجہ سے وصف کرنا ہے جو سامع کے نزدیک محسوسات کو مرئی کے مثل کر دیتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے قیامت کے دن کو آنکھوں سے دیکھنے کی طرح دیکھنا پسند ہو وہ سورہ ''اذا الشمس کورت اور اذا السماء

انشقت کو پڑھ لے۔

اس حدیث کو احمد و ترمذی اور ابن منذر و حاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابن مردویہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (ترمذی، ابواب التفسیر، مسند احمد، مرویات ابن عمر)

قرآن کریم کو شعر قرار دے دینے کے بعد احادیث ترغیب و ترہیب کا کیا حساب وشمار ہوگا، نہ صرف شعر بلکہ شعر[1] غولیہ قرار دیا اس سے زیادہ خبیث اور کون سا کفر ہوگا؟ یہ اس کا بدلہ ہے جو مستدل نے اپنی اس کتاب میں اولیاء وائمہ پر الحاد و زندقہ کی تہمت لگائی ہے۔

[1] تمہیں معلوم ہو چکا کہ منطقی شعر وہ نہیں جو عرفی اور مغالطات کے سوا صناعات خمسہ کا شعر ہے جن کے لیے شریعت وارد ہوئی ہے لہٰذا ان صناعات میں سے کسی ایک صنعت کو ایسے لفظ سے موسوم کرنا مناسب نہیں جس سے یہ عذر کرنے والا منطقی، غلط، تشنیع اور بدبختی جیسی خرابیوں میں پڑ جائے گا۔ ان کے اس نام رکھنے کی نظیر وہی ہے جیسے ہر موجود قائم بالذات کا ان کا جوہر نام رکھنا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود قائم ہے اور وہ اپنے دشمن کو بھی قائم رکھتا ہے۔ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض۔ تو نام رکھنے ہی میں ان سے گرفت مواخذہ کرنا ہے مگر جو شریعت و منطق دونوں کو نہیں جانتا تو وہ ایک صنعت کو غولیہ قرار دے گا جس کے لئے شرع وارد ہے۔ لہٰذا وہ یہی ہے جس نے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر کلمہ غولیہ ثابت وصادق ہوگیا۔ نسأل اللہ العفو و العافیۃ۔ ۱۲ منہ

دوسری ذلت وخواری کڑی مصیبت

اور بڑی کڑوی

دیکھو رسالہ کا ص:۱۲۲، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منع سہو کے مسئلے میں ان کا قول، انہوں نے یہ تہمت لگائی ہے کہ لوگوں کی تعلیم اور بیان جواز کے لیے سہو کی صورت تھی، یہ زندقہ اور الحاد و بیدینی ہے۔ اوران کا یہ قول دیکھو کہ، اس کا التزام نہیں کرے گا مگر وہ جو خبیث و اخبث یا زندیق ہے۔ حالانکہ اہل سنت میں سے امام ابن الہمام کا قول مسایرہ میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر سہو کا اطلاق منع ہے اور انہوں نے صراحت کی ہے کہ حدیث ذوالیدین میں حضور کا سلام پھیر دینا قصداً تھا اور یہ حضور کے لیے جائز و مباح ہے تاکہ لوگوں کے لئے سہو کا حکم بیان فرما دیں، اور صحیح یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال میں سہو جائز ہے۔

(المسامرۃ بہامش المسامرۃ، امام ابن ہمام، مفہوم الایمان)

اور مسامرہ میں علامہ ابن ابی شریف کا قول یہ ہے کہ اسی پر اکثر علماء ہیں، جماعت متصوفہ کا اختلاف ہے اور متکلمین کا ایک گروہ سہو، غفلات اور فترات سب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں منع کرتا ہے۔

(المسامرۃ شرح المسایرۃ، ابن ابی شریف، مفہوم الایمان)

اور امام قاضی عیاض کا کلام اس سے پہلے گزر چکا ہے انہوں نے بھی یہی فرمایا ہے وہ محققین میں عظیم وجلیل امام ہیں، یہی جماعت متصوفہ، اصحاب علم اور اہل مقامات کا مذہب ہے، یہ ائمہ کرام اہل سنت کے درمیان اس مسئلہ کو اختلافی قرار دیتے

اوراس کو یوں موسوم کرتے ہیں کہ یہ اکثر کا قول ہے اوراصح یہی ہے، ایسا نہیں کہ یہ اسلام ہے اوراس کے خلاف کفراوراس کے مخالف کو اہل سنت اور محققین ائمہ میں سے امام عظیم اوراصحاب علم قلوب وصوفیہ میں سے سمجھتے ہیں۔اس کے مثل اہل الحادوزندقہ نہیں ہیں۔اہل سنت کے ان متکلمین ومحققین کواس کا کافرقراردینا قطعاً ثابت ہے، اسی طرح اولیاءاللہ کواس کا کافرقراردینا ثابت ہے، اگراولیاءکرام کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ان سے ان اکابر نے نقل کیا ہے۔اوراگران کا مذہب وہی ہے جوہم نے اس سے پہلے تحریر کیا تو اس شخص نے ان ائمہ کی بھی تکفیر کی جنہوں نے ان سے یہ زندقہ نقل کیا اوراس کے باوجودامامت وسنیت اوراصحاب علم قلوب واہل مقامات وغیرہ سے ان کی تعریف وتوصیف کی۔ نسأل الله العفو والعافية.

خامس :-جیسا کہ صورت نظمیہ مادۂ حسنہ یا قبیحہ سے مختص نہیں اسی طرح مادۂ قبیحہ صورت نظمیہ یا نثریہ سے مختص نہیں ہے۔حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بیان میں ہرطرح کی برائی سے پاک وصاف ہیں۔اوراگرفرمان باری تعالیٰ ''**وما ینبغی له**'' سے اس کلام کی طرف اشارہ ہوجس میں صرف غولیۃ ہے توحضور سے شعر کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ ہوگی لیکن شعر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''**وما علمناه الشعر**'' اور بیان کے بارے میں فرماتا ہے''**خلق الانسان علمه البيان**'' (انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ماکان ومایکون کا بیان انہیں سکھایا) انسان اکمل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، ہرگزنہیں بلکہ حق وصواب یہ ہے کہ مطلقاً شعرحضورسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مناسب وموزوں نہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مطلق ارشادفرمایا،لہٰذا اسے جواپنی طرف سے مقید کرے تو اس نے نہ کلام اللہ کی عزت کی نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا احترام واکرام کیا۔

سادس :-آیت کریمہ کی یہ تفسیر اسلاف کرام سے ماثورومروی نہیں بلکہ کسی خلف سے بھی منقول نہیں، نہ یہ نظم قرآن کا قصہ وقضیہ ہے، پس یہ بیماررائے کی تفسیر

ہے اس پر دردناک عذاب کی وعید وارد ہوئی ہے۔

سابع: احمد ونسائی، طبرانی وحاکم اور ابو نعیم راوی اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے رب تبارک وتعالیٰ کی محامد ومدح بیان کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب عزوجل تو مدح وثنا کو پسند فرماتا ہے، لاؤ تم نے اپنے رب کی کیا مدح کی ہے، میں اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنانے لگا اتنے میں ایک لمبا آدمی آیا اور اجازت طلب کی (طبرانی کی روایت میں وہ لمبا آدمی تنگ نتھے اور درمیان سے بلند ناک والا تھا) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے مجھے خاموش کر دیا۔ ابو سلمہ نے وہ کیفیت بیان کی جس طرح حضور نے ان کو چپ رہنے کو کہا تھا اور ابو سلمہ نے فرمایا کہ حضور نے ایسا کیا جیسا بلی سے کیا جاتا ہے، وہ شخص آیا اور تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد چلا گیا پھر میں مدح کے اشعار حضور کو سنانے لگا، وہ شخص تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پھر خاموش کر دیا، ابو سلمہ نے اس کی بھی کیفیت بیان کی، حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کون ہے جس کے لئے آپ نے مجھے چپ رہنے کے لیے فرمایا حضور نے فرمایا کہ یہ شخص باطل کو پسند نہیں کرتا ہے یہ عمر بن خطاب ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ طبرانی کی روایت میں ہے یہ عمر بن خطاب ہیں ان کے اندر باطل کی کوئی چیز نہیں ہے۔

(مسند احمد، مرویات اسود بن ربیع، معجم کبیر طبرانی، حدیث: ۸۴۴)

اقول: یہاں پر باطل کا اطلاق اگرچہ رخصت کے طور پر ہو گیا ہے جو عزیمت عظیمہ کے مقابل ہے جو خالص مجاہدۂ کبریٰ والوں کے حال کے مناسب ہے مجاہدۂ کبریٰ والوں کے سردار عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں لیکن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بیان کیا وہ صورت کے لحاظ سے بیان کیا ہے کیونکہ یہاں پر مادہ اللہ عزوجل کی حمد وثنا ہے۔

ثامن: ہاں صنعت وفن کا اطلاق قوۃ قریبہ سے ہوتا ہے اگر چہ وہ نہ کرے لہذا سابح وفارس یعنی تیرنے والا اور گھوڑ سواری کرنے والا وہ ہے جو عمدہ تیرنا اور عمدہ انداز میں گھوڑ سواری کر سکتا ہو اگر چہ نہ تیرے اور سوار نہ ہو اور فن شعر اسی پر موقوف نہیں جو کمزور بات، محض ترنم اور بیہودگی پر مشتمل ہو۔ کیا حسان بن ثابت کا حال معلوم نہیں جن کے ساتھ روح القدس علیہ السلام ہوتے تھے اور عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور انہیں کے مثل بارگاہ رسالت کے دیگر شعراء ہیں۔ لہٰذا اس معتذر مستدل نے اپنے زعم وگمان میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر جو حکم لگایا اس سے حضور کو شعراء میں داخل کر دینا ہے (اللہ تعالیٰ نے اس سے حضور کو پاک فرمایا ہے) زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام بھی انہیں شعراء بارگاہ رسالت کی طرح نیک اور صالح شعرا میں سے ہوں گے۔ یہ تو قرآن عظیم کے صریح مناقض ومعارض ہے۔

تاسع۔ بلکہ جب مستدل نے برے اور ممنوع شعر کو شعر غولیہ سے خاص کر دیا تو اس نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اشعار حسنہ اور قصائد حکمیہ مستحسنہ کو جائز قرار دیا، یہ تو خرق اجماع ہے۔

عاشر: بلکہ اسے تو فعلیت لازم ہے یعنی یہ کہنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشعار پڑھے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) وہ یوں کہ مستدل نے شعر کی تعریف کلام موزوں سے کی اور قصد کی قید سے غافل ہوگیا۔ اس تعریف پر یہ لازم آئے گا کہ متکلم سے جو کلام موزوں صادر ہو وہ شعر ہو جائے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو ایسا بارہا صادر ہوا، جیسے حضور کا فرمان

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

جیسا کہ صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

(بخاری، کتاب الجہاد باب من قاد دابۃ الخ۔ مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ حنین)

وزن عروضی پر تین چہل احادیث کا بیان

حدیث: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں

هل انت الا اصبع دميت و في سبيل الله ما لقيت

یعنی تو تو ایک زخمی انگلی ہے، اللہ کی راہ میں تم کو جو ملا ہے

اسے بخاری و مسلم نے جندب بن سفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

(بخاری کتاب الجہاد، باب من ینکب او یطعن الخ)

حدیث: ابن سعد زہری سے روایت کرتے ہیں، مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا و اطهر

یہ مزدور خیبر کے مزدور نہیں ہیں، اسے ہمارے رب نے قبول فرمایا اور پاک و ستھرا کیا

یہ حدیث زباں زد اور مشہور ہے۔ (ابن سعد طبقات کبریٰ باب ذکر بناء رسول اللہ الخ)

اقول: اور بعض دوسری احادیث بیت تام کی صورت پر بھی ہیں ان میں سے چند احادیث یہ ہیں۔

حدیث:

اعتبروا الارض باسمائها واعتبروا الصاحب بالصاحب

زمین کے ناموں سے اس کا اعتبار کرو۔ آدمی کے مصاحب اور اس کے ساتھی سے اس کا اعتبار کرو۔

اسے ابن عدی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (کنز العمال حدیث ۲۸۷۲۴)

بحر۔ سریع مطوی مکسوف صدر، مکسوف ضرب[۱]

وزن۔ مفتعلن مفتعلن فاعلن، دوبار

اسے عجم نے ایجاد کیا اور بکثرت استعمال کیا اور یہ عرب میں استعمال ہونے والی وجوہ سے بہت زیادہ لذیذ و محبوب ہے۔

حدیث

طالب العلم طالب الرحمة طالب العلم رکن الاسلام

علم کا طلب گار رحمت کا طلبگار ہے، علم کا متلاشی اسلام کا رکن ہے۔

اسے دیلمی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (مسند الفردوس حدیث نمبر ۳۹۱۵)

بحر۔ خفیف[۲] مسدس مجزو، عجم کے نزدیک، کیونکہ ان کے دائرہ میں مثمن، حشو، مخبون عروض وضرب مشعث محذوف ہیں ابتر نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ مثنویات عجم میں بکثرت مستعمل ہے۔

---

[۱] سریع، مستفعلن، مستفعلن، مفعولات، دوبار، اس کے عروض چار ہیں ضربیں چھ، پہلا عروض مطوی مکسوف۔ عروض، مصرع اول کا آخری رکن۔ ضرب، مصرع ثانی کا آخری رکن۔ کسف، ساتویں متحرک کو ساقط کرنا جیسے مفعولاتُ سے مفعولن۔ مصرع اول کو صدر، ثانی کو عجز کہتے ہیں۔۱۲ (معین العروض)۔ مترجم

[۲] خفیف، فاعلاتن، مستفع لن فاعلاتن، دوبار۔ اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں پانچ۔ مجزو، جس کے ہر مصرع کے اخیر سے ایک جزو حذف ہو۔ حشو، شروع اور آخر کے علاوہ بقیہ اجزا۔ مخبون، دوسرے ساکن کو حذف کرنا۔ تشعیث، فاعلاتن کو مفعولن بنا دینا۔ فالاتن کرکے یا فاعاتن کرکے۔ حذف، جزو کے اخیر سے سبب خفیف گرا دینا جیسے فاعلاتُن سے فاعلُن۔ ابتر، قطع مع الحذف یعنی قطع کے ساتھ آخری سبب کو گرا دینا جیسے فعولن سے فع۔ اشباع، دخیل کی حرکت جیسے واو، حدا اول کی حرکت۔ دخیل، (درج) وہ حرف متحرک جو تاسیس اور روی کے درمیان فاصل ہو۔۱۲ (معین العروض) مترجم

وزن-فاعلاتن مفاعلن فعلن، سکون عین کے ساتھ دوبار۔
لفظ اسلام میں درج اور اشباع ہے۔

حدیث-الطاهر النائم كالصائم القائم. (مسند الفردوس حدیث نمبر۳۹۸۱)
باطہارت سونے والا صائم النہار اور قائم اللیل کے مثل ہے۔

دیلمی نے اسے عمر بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بحر-یہ دونوں میم کے اشباع کے ساتھ بسیط[۳] سالم مربع ہے، اسے متاخرین نے بیان کیا، اگرچہ متقدمین مثمن کو مربع نہیں کرتے۔ سکاکی نے یہی کہا ہے۔ دوسروں نے ان کی مخالفت کی اور جاہلیت کا شعر بحر مدید مشطور سے بیان کیا ہے۔ اور ہم نے جو بسیط مشطور کہا وہ محمد بن حسن کا قول ہے

قد لحتُ بالوتر   في عين وفي اثر

میں بدلہ لینے میں ظاہر ہوں سامنے بھی اور پیچھے بھی۔

وزن- مستفعلن فاعلن، دوبار- اور اگر اشباع نہ ہو تو مقطوع العروض اور مقطوع الضرب ہے۔ اس کا وزن مستفعلن فعلن، دوبار، عین ساکن ہے اس میں قطع جائز اور شائع ہے۔

حدیث-البر لا يبلى، والذنب لا ينسى (احمد کتاب الزہد، زہد ابی الدرداء)
نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا۔

---

۳ بسیط، مستفعلن فاعلن، چار بار۔ اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں چھ ہیں۔
سالم، وہ جز جس میں زحاف جائز ہو مگر بالفعل سلامت رہ گیا ہو- مدید، فاعلاتن فاعلن، چار بار، یہ بحر وجوبا مجزو ہے اس لئے استعمال میں صرف چھ رکن ہوتے ہیں۔ اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں چھ ہیں۔ مشطور، جس کا نصف ساقط ہو۔
مقطوع یا قطع، وتد مجموع کے ساکن کو گرا کر اس کے ماقبل کو ساکن کرنا جیسے فاعلن سے فعلن۔
(معین العروض) مترجم

امام احمد نے اسے کتاب الزہد میں ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور عبدالرزاق نے اسے ابو قلابہ سے مرسلاً روایت کیا۔ اس کا بحر اور وزن معلوم ہو چکا۔

حدیث-اذا عملت سئية، فاحدث عند ها توبة.

(احمد کتاب الزہد، زہد رسول اللہ الخ)

جب کوئی برا کام کرو تو اسی وقت توبہ کرو۔

اسے احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور احمد نے کتاب الزہد میں عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا۔

بحر - وافر[۴] مجزو، اس کا صدر معقول، اس کا عروض سالم، ابتدا اور ضرب دونوں معصوب ہیں۔

وزن - مفاعلن مفاعلتن، مفاعیلن مفاعلین۔

حدیث-الدنیا ملعونة ملعون ما فیها الاذکر الله (ابن ماجہ ابواب الزہد)

دنیا ملعون ہے اور ذکر اللہ کے سوا دنیا میں جو چیز ہے وہ ملعون ہے۔

یہ حدیث مشہور ہے اسے ابن ماجہ و ترمذی اور کثیر ائمہ حدیث نے ابو ہریرہ اور چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یہ اسم جلالت کے باء کے اشباع کے ساتھ مثلث یعنی تین شطور والی ہے۔ پانچ بحور میں سے ایک ہے یا تو متدارک[۵] مخبون مسکن یا متقارب اثلم ہے۔ دونوں مجزو

---

[۴] وافر، مفاعلتن چھ بار، اس کے عروض دو ہیں اور ضربیں تین۔
معقول، پانچویں متحرک کو حذف کرنا جیسے مفاعلتن سے مفاعلن۔
عصب یا معصوب، پانچویں متحرک کو ساکن کرنا جیسے مفاعلتن سے مفاعیلن۔۱۲

(معین العروض)۔ مترجم)

[۵] متدارک، فاعلن آٹھ بار، اس کے دو عروض ہیں اور ضربیں چار۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یعنی مسدس ہیں۔

وزن۔سب کا وزن فعلن سکون عین کے ساتھ، چھ بار۔

یا دوسرے تین بحور ہیں ہر ایک مربع مسکن ہے۔

بحر ہزج اخرب صدر وابتداء۔اس کی اصل مفعول مفاعیلن۔

رجز مطوی۔اس کی اصل مفتعلن مفتعلن۔

رمل مخمون، اس کی اصل فعلاتن فعلاتن، حرکت عین کے ساتھ، اور اول میں میم ساکن یا دونوں کے اخیر میں عین ساکن۔ ہر شطر میں مفعولن مفعولن۔

حدیث۔قد اختبأت دعوتی، شفاعة لامتی. (مسند احمد، مرویات ابن عباس)

میں نے ایک دعا اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھی تھی۔

اسے احمد و ابو یعلی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بحر۔رجز مربع مخبون

وزن۔مفاعلن، چار بار۔

حدیث۔نساء کاسیات، عاریات مائلات (مسلم کتاب الجنۃ، باب جہنم)

عورتیں کپڑوں میں ہوں گی، مائل ہونے والیاں ننگی ہوں گی۔

اسے احمد و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا حضور سید عالم صلی

بقیہ: متقارب، فعولن، آٹھ بار اس کے دو عروض ہیں اور چھ ضربیں۔ اثلم، فعولن میں کف کے ساتھ خرم کرکے مفعول بنانا۔ ہزج، مفاعیلن چھ بار، یہ بحر جو بامجزو ہے تو استعمال میں صرف چار بار مفاعیلن ہوگا اس کا عروض ایک ہے اور ضربیں دو۔ اخرب، مفاعیلن میں کف کے ساتھ خرم کرکے مفعول بنانا۔ ابتداء، ہر وہ جزو جو اول بیت ہو اور اس میں ایسا تغیر ہو سکتا ہو جو اس کے حشو میں جائز نہیں۔ رجز، مستفعلن چھ بار اس کے عروض چار ہیں اور ضربیں پانچ۔ مطوی۔ چوتھے ساکن کو حذف کرنا جیسے مستفعلن سے مفتعلن۔

رمل، فاعلاتن چھ بار اس کے عروض دو ہیں اور ضربیں چھ ہیں۔۱۲ (معین العروض)۔ مترجم

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بحر - رمل مجزو مخبون صدر۔

وزن - فعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن فاعلاتن۔

حدیث - عقل اهل الذمة، نصف عقل المسلمین

(نسائی، کتاب البیوع، باب کم دیۃ الکافر)

ذمی کی دیت، مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔

نسائی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

بحر - تاء کے اشباع کے ساتھ، رمل

وزن - فاعلاتن فاعلن، فاعلاتن فاعلان۔

حدیث - ان علمی بعد موتی کعلمی فی الحیاة

(کنز العمال: حدیث نمبر ۳۲۴۴۲)

میرے وصال کے بعد میرا علم دنیاوی زندگی کے مثل ہے۔

ابوالقاسم اصبہانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تشبیہ بقاء علم میں ہے مقدار میں نہیں کیونکہ علم اقدس کی زیادتی ختم نہیں ہوگی۔

حدیث - صلوا علی موتاکم باللیل والنهار۔ (ابن ماجہ، کتاب الجنائز)

اپنے مردوں پر نماز پڑھو خواہ رات کو ہو یا دن کو۔

ابن ماجہ بسند حسن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

بحر - رجز مقطوع العروض مخلع الضرب

وزن - مستفعلن مفعولن مستفعلن فعولن۔

حدیث - ویل للرجال من النساء، و ویل للنسأ من الرجال

عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں کے لیے ویل وخرابی ہے، اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر جہنم کی ویل۔ (مستدرک، کتاب الاہوال)

ابن ماجہ اور حاکم بسند صحیح ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

بحر - دونوں کے حرف آخر کے اشباع کے ساتھ، وافر اقصم[۶] صدر، معصوب الابتداء مقطوف العروض والضرب۔

وزن - مفعولن مفاعلتن فعولن، مفاعیلن مفاعلتن فعولن۔

ہاں یہ فرشتوں کا کلام ہے اس کے آغاز میں یہ ہے کہ روزانہ صبح کو دو فرشتے ندا دیتے ہیں۔

ان تمہیدی قواعد کے لیے تمہیں ائمہ کی تقلید و پیروی کافی ہے، ان بیان کردہ جزئیات ہی پر اختصار نہ کرو کیونکہ ان پر نہ حصر ہے نہ کوئی رکاوٹ وممانعت، علماء نے بحور جدیدہ ایجاد کئے، بحور قدیمہ میں متعدد اوزان فروع، زحافات، تربیعات، تثمینات ہیں، جیسے بحر متدارک کو خلیل نہ پا سکے، اسے اخفش نے پایا۔ پھر علماء نے عریض، عمیق، جدید، قریب اور مشاکل وغیرہا کا اضافہ فرمایا، یہ تو بحور میں ہے چہ جائیکہ زوائد کا اضافہ، بحر وافر و کامل کے مثمن اس سے بہت زیادہ لذیذ ومرغوب ہیں جو عرب کے لیے دائر اور بناء ہیں۔ اور عجم نے بحر ہزج سے خوب کھیلا اور ہر طرح کا راستہ اپنایا ہے یہاں تک کہ اس سے عجیب دلچسپ رباعی کے اوزان استخراج کیے ہیں، کیونکہ اس کا دارومدار طبیعتوں کے قبول کرنے اور سماعت کے استحسان واچھا سمجھنے پر ہے۔ انہیں وارد شدہ اوزان وبحور پر جمود وٹھہراؤ اور اکتفاء وانحصار نہیں ہے۔

بیت تام کی ہیئت وصورت پر یہ پندرہ احادیث مبارکہ ہیں۔

---

[۶] اقصم، مفاعلتن میں عصب کے ساتھ خرم کرکے مفعولن بنانا۔

مقطوف، حذف مع العصب یعنی پانچویں متحرک کو ساکن اور آخری سبب خفیف کو ساقط کرنا جیسے مفاعلتن سے فعولن۔۱۲۔ (معین العروض) مترجم

نوٹ! عروضی اصطلاحات کی مکرر تعریفات سے گریز کیا گیا ہے۔ مترجم

شطور کی صورت میں سو احادیث کا بیان

جو احادیث کریمہ شطور کی صورت پر ہیں وہ میری نظر میں بہت زیادہ ہیں یہ تمام بحور سے مشترک اوزان پر ہونے کے ساتھ عرب و عجم سے مختص ہیں، اگر ان سب کی تفصیل، ان کی تخاریج، ان کے اوزان اور ان کا بیان کیا جائے تو کلام طویل ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں اس طرز پر جو آیات ہیں بعض ائمہ نے ان سب کو اسی انداز پر بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، جیسا کہ عنقریب تم سنو گے، مگر احادیث میں، میں نے اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں دیکھی لہٰذا میں یاد دہانی کے طور پر کامل سو حدیثیں بیان کر رہا ہوں۔ صحاح ستہ کی جس کتاب سے جو حدیث ماخوذ ہو گی میں ان کے رموز سے ان کی طرف اشارہ کروں گا ان کے مشہور و معروف رموز یہ ہیں "خ م د ت س ق" اور میرے پیش نظر جو حدیث ہو گی اس پر تصحیح یا تحسین جو بھی حکم ہو گا اسے صحیح یا حسن سے تعبیر کروں گا اور اشباع کے ساتھ جو وزن ہو گا اسے اس کی آخری شکل پر رکھوں گا یہ مطلب نہیں کہ یہ اس حدیث کی کوئی روایت ہو گی (والعیاذ باللہ تعالیٰ) بلکہ اس کے وزن اور پرکھنے کی طرف اشارہ ہو گا۔ اور ان ائمہ کرام کا ذکر عنقریب آئے گا جنہوں نے آیات قرآنیہ اور اس کے جملوں میں اوزان دکھانے کے لیے اس اشباع پر عمل کیا ہے لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ ان ائمہ نے آیات میں کوئی علیحدہ قرأت مراد لی ہو۔

نسأل الله العفو والعافية۔

بحور کی ہیئت و صورت پر جو احادیث ہیں وہ یہ ہیں

بحر طویل[1]

---

[1] بحر طویل، مفاعیلن چار بار اس کا عروض ایک ہے اور ضربیں تین ہیں۔ ١٢ (معین العروض) مترجم

۱۔حدیث اسراء کی طویل حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں

فقد منی جبریل حین امہتھم (نسائی کتاب الصلوۃ، فرض الصلوۃ)

جبریل نے مجھے آگے بڑھادیا اس وقت میں نے انبیاء کرام کی امامت کی، علیہم الصلاۃ والسلام۔ یہ حدیث نسائی نے روایت کی۔

بحر مدید۔

۲۔حدیث۔لا زکوۃ فی حجر (الکامل، ترجمۃ عمر بن ابی عمر)

پتھر یعنی موتی یاقوت وزبرجد وغیرہ میں زکوۃ نہیں ہے۔

شطور وبسیط پر کلام گزر چکا ہے۔

۳۔حدیث۔لا تترکوا النار فی بیوتکم

(بخاری کتاب الاستیذان، باب طول النجوی)

اپنے گھروں میں آگ کو یوں ہی نہ چھوڑو (بلکہ اسے بجھادو)

یہ حدیث بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی۔

۴۔حدیث۔لاقطع فی ثمر ولا کثر (ابوداؤد، باب مالا قطع فیہ)

پھل اور شگوفے میں ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا۔کثر کا معنی درخت خرما کا گودا بھی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

یہ دونوں حدیثیں مجزو ہیں۔

۵۔لا تعجزوا فی الدعاء (مستدرک، کتاب الدعاء)

دعا میں عاجز نہ ہوجاؤ۔یہ حدیث صحیح ہے

۶۔لا نذر فی معصیۃ (ابوداؤد، کتاب الایمان والنذور، باب من رأی علیہ کفارۃ)

معصیت میں نذر نہیں ہے، یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

یہ دونوں حدیثیں مشطور ہیں۔

بحر وافر۔

۷۔علیکم بالبیاض من الثیاب.

(نسائی، کتاب الزینۃ، باب الامر بلبس البیض من الثیاب)

سفید کپڑوں کو لازم کرلو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو نسائی نے روایت کیا۔

۸۔تجافوا عن عقوبۃ ذی المروۃ. (مجمع الزائد، کتاب الحدود)

اہل مروت کو سزا دینے سے دور رہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۹۔شھید البحر مثل شھید البر. (ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب فضل غزو البحر)

سمندر کا شہید خشکی کے شہید کے مثل ہے۔

۱۰۔اذا کثر الزنا کثر السباء (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۷۵۲)

جب زنا کی کثرت ہوگی تو شراب عام ہو جائے گی۔

یہ مجزو ہے۔

۱۱۔اذا استنشقت فانتثر (معجم کبیر، حدیث نمبر ۲۳۱۰)

جب ناک میں پانی چڑھاؤ تو اسے سنکو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۲۔ذرونی ماتر کتکم. (مسلم کتاب الفضائل، باب توقیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑے رہوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۱۳۔عجبت لطالب الدنیا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۴۳۸۲۸)

دنیا کے طلبگار پر مجھے تعجب ہے۔

۱۴۔بلال سابق الحبش (مجمع الزوائد، کتاب المناقب)

حبش والوں میں حضرت بلال سبقت (اولیت) لے گئے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۵۔علیک باول السوم (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۱۷۷۳۱)

پہلی بار کے بھاؤ کو لازم سمجھو۔

بحر کامل [۲]

۱۶۔البر ما سکنت الیه النفس. (مسند احمد، مرویات ابی ثعلبہ)

نیکی وہ ہے جس سے نفس کو سکون حاصل ہو۔یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۷۔ترک السلام علی الضریر خیانة (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۵۳۳۱)

اندھے کو سلام نہ کرنا خیانت ہے۔

۱۸۔تجب الصلاة علی الغلام اذا عقل (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۵۳۲۶)

بچہ جب سمجھ والا ہو جائے تو اس پر نماز ضروری ہے۔

یہ مجزو ہے۔

۱۹۔عرضت علی امتی. (مسلم، باب النھی عن البصاق فی المسجد فی الصلاۃ وغیرہا)

مجھ پر میری امت پیش کی گئی۔یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

۲۰۔سلمان سابق فارس (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر ۱۲۲۷۹)

سلمان اہل فارس میں سبقت (اولیت) لے گئے۔یہ حدیث حسن ہے۔

۲۱۔جبل الخلیل مقدس (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۵۰۶۳)

جبل خلیل مقدس ومحترم ہے۔

۲۲۔طلب الحلال فریضة (مجمع الزوائد، کتاب الزہد)

رزق حلال طلب کرنا فرض ہے۔

۲۳۔طلب الحلال جهاد. (کنز العمال، حدیث نمبر ۹۲۰۵)

حلال روزی تلاش کرنا ایک نوع کا جہاد ہے۔

بحر ہزج۔اہل عرب نے اسے مجزو کی صورت میں استعمال کیا۔

۲۴۔علیک السمع والطاعة. (مسلم، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ)

تم پر سننا اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

---

[۲] بحر کامل، متفاعلن چھ بار اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں نو۔۱۲۔(معین العروض) مترجم

۲۵۔صهيب سابق الروم. (مجمع الزوائد، کتاب المناقب)

صہیب رومیوں میں سبقت لے گئے۔ یہ حدیث حسن ہے

۲۶۔لاغصب ولا نهبة. (معجم کبیر، حدیث نمبر ۳۴، ترجمۃ عمر بن عوف بن ملحہ المزنی)

غصب اور لوٹ جائز نہیں۔

عجم کے نزدیک یہ مجزوء ہے کیونکہ ان کے دائرہ میں مثمن ہے۔

۲۷۔استوصوا بالنساء خيرا. (بخاری کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء)

عورتوں کے تعلق سے بھلائی کی وصیت قبول کرو۔

بخاری ومسلم نے یہ حدیث روایت کی۔

۲۸۔الدنيا كلها متاع (مسلم کتاب النکاح، باب الوصیۃ للنساء)

دنیا سراسر پونجی ہے۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی

۲۹۔اياكم والغلو في الدين.

دین میں غلو (یعنی بے جابات) سے اجتناب کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے نسائی و ترمذی نے روایت کیا۔ (نسائی، کتاب المناسک، باب التقاط الحصی)

۳۰۔ثلاث لا يجوز اللعب فيهن

(معجم کبیر، ترجمۃ حنش عن فضالۃ بن عبید، حدیث نمبر ۴۸۰)

تین باتوں میں لہو ولعب جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۳۱۔ان المتشدقين في النار (معجم کبیر، ترجمۃ عفیر بن معدان، حدیث نمبر ۷۶۹۶)

لوگوں کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والا دوزخ میں ہے۔

۳۲۔كل ماردت عليك قوسك. (ابوداؤد، باب فی الصید)

تیر وکمان سے جو شکار کیا جائے اسے کھاؤ۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد و ابن ماجہ نے روایت کیا اور یہ رباعی کے وزن پر ہے۔

۳۳۔لاكرب على ابيك بعد اليوم

(بخاری، باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

(حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وقت وصال اقدس فرمایا) آج کے بعد تمہارے باپ پر اب موت کی تکلیف کبھی نہ ہوگی۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

بحر رجز۔

۳۴۔ الله مولانا ولا مولیٰ لکم

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احد کے دن کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا اللہ عزوجل ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔ (بخاری، کتاب الجہاد، باب ما یکرہ من التنازع)

۳۵۔ لاتذکروا اھلکا کم الا بخیر. (نسائی کتاب الجنائز)

اپنے اموات کو بھلائی ہی سے یاد کیا کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۶۔ لاترکبوا الخزولا النمار. (ابوداؤد، باب فی جلود النمور)

ریشم اور چیتے کے چمڑے پر نہ بیٹھو۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔

۳۷۔ لا تغبطن فاجرا بنعمة (مشکوٰۃ کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء)

کسی نعمت کے سبب فاجر وفاسق سے رشک و اغتباط نہ کرو۔

۳۸۔ لا تدفنوا موتا کم باللیل.

(ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ماجا فی الاوقات التی لایصلی الخ)

اپنے مردے رات کو دفن نہ کرو۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی۔

۳۹۔ حد الجوار اربعون دارا. (کنز العمال، حدیث نمبر ۲۴۸۹۵)

پڑوس کی حد چالیس گھروں تک ہے

۴۰۔ العرش من یاقوتة حمراء (کنز العمال: حدیث نمبر ۱۵۱۹۵)

عرش الٰہی سرخ یاقوت کا ہے۔

مجزو۔

۴۱۔عثمان احیا امتی (حلیۃ الاولیا، فی ترجمۃ عثمان)

عثمان ذی النورین میری امت میں سب سے زیادہ حیادار ہیں۔

۴۲۔من سب اصحابی جلد. (مجمع الزوائد، کتاب الحدود)

جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑا مارنا چاہیے۔

۴۳۔صلوا علی اطفالکم (ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الطفل)

اپنے چھوٹے بچوں کی نماز جنازہ پڑھو۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے روایت کی۔

۴۴۔حافظ علی العصرین۔ (ابوداؤد، باب المحافظۃ علی الصلوۃ)

دو بیچ والی نمازوں یعنی فجر وعصر کی محافظت کرو۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۴۵۔لاتذبحن ذات در (ترمذی، باب ماجاء فی معیشۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

دودھ والے جانور کو ذبح نہ کرو۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور یہ حدیث حسن ہے۔

۴۶۔لا عقر فی الاسلام. (ابوداؤد، باب کراھیۃ الذبح عند القبر)

اسلام میں قبر کے پاس جانور ذبح کرنا منع ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۴۷۔شفاعتی مباحة. (جامع صغیر، حدیث نمبر ۴۸۹۵)

میری شفاعت مباح ہے۔

بحر رمل۔

۴۸۔معدن التقوی قلوب العارفین. (تاریخ بغداد، ترجمۃ احمد بن ابراہیم)

اہل عرفان کے دل تقویٰ و پرہیزگاری کے معدن و منبع ہیں۔

۴۹۔الشباب شعبة من الجنون. (درمنثور، تحت آیت ومن اصدق من اللہ قیلا)

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۵۰- کاسیات عاریات مائلات. (مسلم، کتاب الجنۃ، باب جہنم)

کپڑے پہننے والیاں جو مائلات ہیں وہ قیامت کے دن ننگی ہوں گی، اسے مسلم نے روایت کیا۔

۵۱۔ حاملات والدات مرضعات (معجم کبیر، حدیث نمبر ۸۹۸۵)

بچے کی پرورش کرنے والیاں رضائی ماں ہیں۔

۵۲۔ انھن المونسات الغالیات. (معجم کبیر، حدیث نمبر ۸۵۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بنات محرمات کے لیے فرمایا کہ یہ غایت درجہ کی محبت کرنے والی ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۵۳۔ لا یحل الکذب الا فی ثلث[1]

(ترمذی، باب ماجاء فی اصلاح ذات البین)

تین باتوں کے سوا جھوٹ بولنا حلال نہیں۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ترمذی نے روایت کیا۔

مجزوم میں سے یہ ہیں۔

۵۴۔ ابن اخت القوم منھم (بخاری کتاب الفرائض، باب مولی القوم من انفسہم)

قوم کی بہن کا بیٹا انہیں میں سے ہے یعنی میراث کا مستحق وہ بھی ہے۔ بخاری ومسلم نے یہ حدیث روایت کی۔

۵۵۔ لاغرار فی صلاۃ. (ابوداؤد، باب رد السلام فی الصلاۃ)

نماز میں غفلت اور دھوکہ نہیں ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

---

[1] پوری حدیث یہ ہے کہ آدمی کا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اور لڑائی میں اور لوگوں کے درمیان صلح کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اسے ترمذی نے اسماء بنت یزید سے اور ابو عوانہ نے ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا۔ اور حدیث وجوہ کثیرہ سے معروف ہے۔

۱۲ منہ غفرلہ

۵٦۔العسیلة الجماع (مسند احمد، مرویات عائشہ)

عسیلہ جماع کو کہتے ہیں یعنی جماع میں شہد جیسی لذت ہے۔

۵۷۔حامل القران موقی (کنز العمال، حدیث نمبر۲۲۹۲)

قرآن پڑھنے والا محفوظ ہے۔

بحر سریع۔

۵۸۔لاحبس بعد سورة النساء (سنن کبریٰ، کتاب الوقف)

سورۂ نساء نازل ہونے کے بعد بیواؤں کو نکاح سے نہیں روکا گیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اس کے عروض وضرب مشطور ہیں اور وہ مکسوف مخبون اور حشو مخبون ہے۔

بحر منسرح[1]۔

۵۹۔طوبی لمن رأنی. (مسند احمد، مرویات ابی امامہ)

اسے شادمانی ہو جس نے مجھے دیکھا۔

٦٠۔العلم فی قریش (مجمع الزوائد، باب فی فضائل قریش)

علم قریش میں ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

٦١۔مطل الغنی ظلم (مسلم، باب تحریم مطل الغنی)

غنی کا ٹال مٹول کرنا ظلم وزیادتی ہے۔ اسے ائمہ صحاح ستہ نے روایت کیا۔

٦٢۔لا خیر فی الامارة. (معجم کبیر، حدیث نمبر۳۵۷۵)

امیر وحاکم بننے میں کوئی بھلائی نہیں ہے یہ حدیث حسن ہے۔

٦٣۔لاتکرھوا البنات. (مسند احمد، مرویات عقبہ بن عامر)

لڑکیوں کو برانہ جانو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

---

[1] بحر منسرح، مستفعلن ،مفعولات مستفعلن ،دوبار اس کے عروض تین ہیں اور ضربیں بھی تین۔ (معین العروض) مترجم

۶۴۔لا تقتلوا الضفادع. (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۹۹۷۴)

مینڈک کو قتل مت کرو۔ یہ حدیث نسائی نے روایت کی۔

۶۵۔البر حسن الخلق (مسلم، کتاب البر والصلۃ باب تفسیر البر والاثم)

نیکی ہے خوش خلقی۔اسے مسلم نے روایت کیا۔

۶۶۔الیمن حسن الخلق۔ (اتحاف السادۃ المتقین، بیان فضیلۃ حسن الخلق)

برکت ہے خوش خلقی۔

یہ حدیث اول کی غیر ہے، یہ دوسری حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے اور وہ حضرت نواس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

۶۷۔کل مافری الاوداج. (ابن ابی شیبہ، کتاب الصید)

جس کی رگ گردن کاٹ دی جائے یعنی ذبح کیا جائے اسے کھاؤ۔

یہ سب منہوک[1] اور ضرب ہیں، شروع کی تین حدیثیں مکسوف اور باقی میں مخبون بھی ہے۔

بحر خفیف۔

۶۸۔انتم الیوم خیر اھل الارض. (مسلم، کتاب الامارۃ، باب استحباب مبایعۃ الامام)

اہل حدیبیہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۶۹۔خالفوا المشرکین احفوا الشوارب.

(بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)

مشرکین کی مخالفت کرو مونچھوں کو پست کرو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی۔

---

[1] منہوک، جس کے دو تہائی اجزا ساقط ہوں، مکسوف ومخبون کی تعریف گزر چکی ہے۔ (معین العروض)۔مترجم

۷۰۔رحم الله حارس الحرس. (سنن کبریٰ، باب فضل الحرس فی سبیل اللہ)
راہ خدا میں پہرہ دینے والوں پر اللہ رحم فرمائے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۷۱۔ذمة المسلمين واحدة (مستدرک، کتاب قسم الفئی)
مسلمانوں کا ذمہ صرف ایک ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۷۲۔طاعة الله طاعة الوالد (الترغیب والترہیب، کتاب البر والصلۃ)
اللہ عزوجل کی اطاعت ہے والد کی اطاعت۔

۷۳۔ليلة القدر ليلة بلجة. (مجمع الزوائد، باب فی لیلۃ القدر)
شب قدر روشن و چمکدار رات ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۷۴۔ليلة القدر ليلة سمحة. (ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی لیلۃ القدر)
شب قدر وسعت و فراخی کی رات ہے۔

یہ حدیث اول کی غیر ہے، یہ دوسری حدیث ہے، کہ ابن عباس سے مروی ہے اور وہ واثلہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۷۵۔اطلبوا الخير دهر كم كله (کنز العمال حدیث نمبر ۳۱۸۹)
ہر زمانے اور ہر وقت بھلائی طلب کرو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۷۶۔كان داؤد اعبد البشر. (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۲۳۲۲)
حضرت داؤد علیہ السلام انسانوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۷۷۔كان ايوب احلم الناس. (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۲۳۱۶۔۴۹۱۹)
حضرت ایوب علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار تھے۔

۷۸۔خالد بن الوليد سيف الله (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۳۱۲۹)
خالد بن ولید اللہ کی تلوار ہیں۔

۷۹۔امتي امة مباركة. (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۴۴۵۱)
میری امت مبارک (برکت یافتہ) امت ہے۔

۸۰۔لا یرد القضاء الا الدعاء۔ (ترمذی، باب ماجاء یرد القدر الا الدعاء)
قضاوقدر کو صرف دعا ہی رد کر سکتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۸۱۔اطلبوا الرزق فی خبایا الارض. (کنز العمال، حدیث نمبر ۹۳۰۲)
زمین کی پوشیدہ چیزوں میں روزی تلاش کرو۔

۸۲۔اکثروا من تلاوۃ القرآن۔ (کنز العمال، حدیث نمبر ۴۱۴۹۶)
تلاوت قرآن بکثرت کرو۔

بحر مضارع [۱]

۸۳۔لا تقتلوا الجراد (مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الجراد)
ٹڈی کو قتل مت کرو۔

۸۴۔طوبی لمن تواضع فی غیر منقصة. (سنن کبریٰ، کتاب الزکوٰۃ)
اسے شادمانی ہو جو نقصان والی صورت کے غیر میں تواضع وانکساری کرے۔

بحر مقتضب [۲]

۸۵۔السواک مطهرة (بخاری، باب السواک)
مسواک پاک کرنے والی شئی ہے۔

۸۶۔اتخذه من ورق. (ابوداؤد، کتاب الخاتم، باب ماجاء فی خاتم الحدید)
انگوٹھی چاندی کی بناؤ۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد ترمذی ونسائی نے روایت کیا۔

بحر مجتث [۳]

---

[۱] بحر مضارع، مفاعیلن فاع لاتن مفاعیلن، دوبار، یہ بحر وجوباً مجزو ہے اس کا عروض ایک ہے اور ضرب بھی ایک ہے۔
[۲] بحر مقتضب، مفعولات مستفعلن مستفعلن دوبار، یہ بحر وجوباً مجزو ہے، اس کا عروض ایک ہے ضرب بھی ایک۔
[۳] بحر مجتث، مستفع لن فاعلاتن فاعلاتن دوبار، یہ بحر وجوباً مجزو ہے اس کا عروض ایک ہے ضرب بھی ایک، دونوں صحیح۔۱۲ (معین العروض) مترجم

۸۷۔اذا اساءت فاحسن. (مسند احمد، مرویات ابی ذر)

جب برائی سرزد ہو جائے تو اچھائی اور نیکی کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۸۸۔لا یتم بعد احتلام . (ابوداؤد، باب ما جاء متی ینقطع الیتم)

بلوغ کے بعد بچہ یتیم نہیں رہتا۔ یہ حدیث حسن ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

بحر متقارب۔

۸۹۔قل آمنت بالله ثم استقم. (مسلم، باب جامع اوصاف الاسلام)

کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت رہو۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

۹۰۔اقلوا الدخول علی الاغنیاء (مستدرک، کتاب الرقاق)

مالداروں کے پاس آنا جانا کم کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ابوداؤد و نسائی نے روایت کیا۔

۹۱۔اتموا الصفوف فانی اراکم. (مسلم، باب تسویۃ الصفوف واقامتہا)

صفوں کو مکمل کرو کیونکہ میں تمہیں دیکھتا ہوں۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی۔

۹۲۔اقیموا الصلاة واتوا الزکوة (بخاری، باب قول الرجل مرحبا)

نماز قائم رکھو اور زکوۃ ادا کرو۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۹۳۔عجبت لصبر اخی یوسف. (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۱۶۴۰)

مجھے اپنے بھائی یوسف (علیہ السلام) کا صبر بھایا۔

۹۴۔ردوا السلام و غضوا البصر. (مسند احمد، مرویات ابی سعید)

سلام کا جواب دیا کرو اور نگاہ نیچی رکھا کرو۔

۹۵۔دفن البنات من المکرمات. (تاریخ بغداد، ترجمہ احمد بن محمد البزار)

بچیوں کو دفن کرنا عزت داروں کا طریقہ ہے۔

ان دونوں میں صدر اثلم ہے، اول کا وزن فعلن فعول فعولن فعل۔ اور ثانی میں

عروض فعول ہے۔
رکض الخیل۔

۹۶۔حسبی دینی من دنیای. (حلیۃ الاولیاء، جلد ۸)
میری دنیا سے میرا دین کافی ہے۔

۹۷۔القائم بعدی فی الجنۃ. (کنز العمال، حدیث نمبر ۳۳۱۰۷)
شب بیداری یعنی رات کو عبادت کرنے والا میرے بعد جنت میں جائے گا۔

۹۸۔اشتدی ازمۃ تنفرجی.
(میزان الاعتدال، ترجمۃ حسین بن عبد اللہ نمبر ۲۰۱۳)
سختی وتنگی برداشت کرو وسعت وکشادگی آئے گی۔

۹۹۔لن یغلب عسر یسرین (مستدرک، کتاب التفسیر واقعہ شق صدر)
ایک سختی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہ ہوگی۔

۱۰۰۔استنجوا بالماء البارد. (مجمع الزوائد، کتاب الطب)
ٹھنڈے پانی سے استنجا کرو۔

۱۰۱۔واجعل لی فی نفسی نورا. (معجم کبیر، حدیث نمبر ۱۲۳۴۹)
الٰہی میرے نفس میں نور کردے۔اسے مسلم نے روایت کیا۔
سو احادیث کا وعدہ تھا مگر میں نے ایک حدیث کا اضافہ کردیا
واللہ وتر یحب الوتر۔
اللہ عزوجل بے جوڑ ہے وہ بے جوڑ کو پسند فرماتا ہے۔

بعض آیات کے شطور کی صورت پر ہونے کا اشارہ

حادی عشر ۔اگر یہ کہا جائے کہ حضور سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعرگوئی آتی تھی تو اس سے قرآن کریم کا شعر ہونا لازم آئے گا (والعیاذ باللہ تعالیٰ) پھر یہ کہ بہت ساری آیات اور جملے کلام موزوں کی شکل وصورت میں وارد ہوئے ہیں۔

امام قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں آٹھ آیات کو بیان فرمایا ہے پانچ شعر کی ہیئت پر ہیں اور تین شطر کی صورت پر، اور فرمایا کہ آیت مبارکہ "**وما علمناه الشعر**" میں شعر کہنے کی نفی کی گئی ہے شعر پڑھنے کی نہیں، اور جو تمثیلی طور پر کوئی شعر پڑھے یا بغیر قصد وارادہ کے اس کی زبان پر موزوں جملے جاری ہو جائیں تو اسے شاعر نہیں کہا جائے گا۔اور کئی حدیثوں میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ بغیر قصد واختیار کے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منظوم کلام کا صادر وواقع ہونا جائز ہے، لیکن اس قسم کی باتوں کو شعر نہیں کہیں گے اور نہ اس کے قائل کو شاعر کہا جائے گا، ایسا کلام تو قرآن عظیم میں بکثرت وارد ہوا ہے لیکن غالب اکثریت بیت شطر ہے اور بہت ہی کم بیت تام کے وزن پر ہے۔

علامہ شہاب ابوطیب حجازی نے اپنی کتاب "**قلائد البحور فی جواهر البحور**" میں ان آیات اور جملوں کو بیان فرمایا ہے جو قرآن عزیز میں بالاتفاق بحور کے اوزان پر وارد ہیں۔اور وہ آیات ان بحور کے اوزان پر ہیں۔

بحر طویل، بحر وافر، بحر کامل، مجزو، بحر رمل بحر سریع، بحر خفیف،

بحر مضارع،   بحر مجتث۔

ہم نے علامہ شہاب ابو طیب کے ان ابیات کو حذف کر دیا جن کے ضمن میں آیات قرآنیہ موجود ہیں۔

خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی ''الاتقان'' میں فرماتے ہیں کہ انسجام یہ ہے کہ کلام رکاوٹ سے خالی ہو یعنی اس میں ایسا تسلسل ہو جیسے بہنے والے پانی میں تسلسل ہوتا ہے اور وہ کلام اپنی ترکیب و ترتیب کی سہولت و آسانی اور اپنے الفاظ کی حلاوت و چاشنی سے پانی کی طرح ہے، پورا قرآن کریم ایسا ہی ہے۔ علم بدیع والوں نے فرمایا کہ جب نثر میں انسجام قوی اور عمدہ ہو تو اس کے جملے اور فقرے قوت انسجام کے سبب سے بغیر قصد و ارادہ کے موزوں ہو جائیں گے۔ اور قرآن عظیم میں جو موزوں کلام صادر ہوا اس کے بحور یہ ہیں۔

بحر طویل،   بحر مدید،   بحر بسیط،   بحر وافر،   بحر کامل،   بحر ہزج،
بحر رجز،   بحر رمل،   بحر سریع،   بحر منسرح،   بحر خفیف،   بحر مضارع
بحر مقتضب،   بحر مجتث،   بحر متقارب۔

اور علامہ ابو طیب نے اسے نقل نہیں کیا جو کلام قرآن عزیز میں سے شعر کی ہیئت و صورت پر ہے۔ وہ کلام سات بحور پر مشتمل ہے۔

بحر وافر،   بحر کامل،   بحر ہزج،   بحر رجز،   بحر رمل،   بحر مضارع،
بحر مجتث،   اور باقی میں شطر ہے اور وہ کلام بملہ پندرہ بحور پر ہے جو عرب ماضیہ میں متداول ہیں۔

اور شہاب خفاجی نے علامہ شہاب ابو طیب سے جو نقل کیا ہے اس میں سے بیت وافر کے سوا اس میں کچھ مذکور نہیں، لہذا گیارہ شعر کی ہیئت پر ہیں اور گیارہ شطر کی طرح۔

حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اس پر وسیع گفتگو فرمائی ہے۔ اور وہ کلام ذکر فرمایا جس سے امام قسطلانی نے اخذ کیا جو گزر چکا ہے پھر جو انہوں نے بیت تام کی

ہیئت پر شمار کیا وہ چوبیس بلکہ چھبیس ہیں (اس پر تنبیہ ہو چکی ہے) بلکہ میری پرکھ میں ستائیس بلکہ اسی طریقے پر انتیس ہیں۔ اور جو شطر کی صورت پر ہیں وہ انچاس ہیں مگر ایک مکرر ہے، اور چار نکل گئے کیونکہ ان سے دو بیت تام کی ہیئت پر نظم ہو جائے گی، چوالیس باقی رہے۔

اور حافظ ابن حجر نے سورۂ توبہ کی آیت کریمہ کو اشطار کی ہیئت پر شمار کیا ہے

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

(التوبہ:۱۱۲)

توبہ والے عبادت والے سراہنے والے، روزے والے رکوع والے سجدہ والے۔

(کنزالایمان)

یعنی اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کی توصیف فرمائی ہے کہ اس کے بندے توبہ والے عبادت والے سراہنے والے، روزے والے رکوع والے سجدہ والے ہیں۔

عجیب چیز یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے آیت مذکورہ کے چھ کلمات میں سے اخیر کے چار کلمات کو بیت تام کی ہیئت پر شمار فرمایا ہے اور پورے چھ کلمات کا مجموعہ۔ اشطار کی ہیئت پر ہے۔ پاکی ہے اسے جو بھولتا نہیں، اور تم دیکھ رہے ہو کہ یہ آیت بیت تام کی ہیئت پر ہے بلکہ یہ مقفی ہے اس کا بحر یہ ہے، کامل، وافی[۱]، ارکان میں اضمار اور اس کے عروض وضرب یہی ہیں۔ کیونکہ متاخرین کے مسلک سے اگر اجتناب کیا جائے تو شطر بھی درست نہ ہوگا کیونکہ وہ اذالہ[۲] سے خالی نہیں، اور اس میں قدماء کے نزدیک بھی اذالہ نہیں ہے اور اہل عرب مثمن کو نہیں جانتے یہاں تک کہ وہ اسے شطر قرار دیتے ہیں، عرب نے اسے بحر رجز مجزو سے بیت کی ہیئت پر قرار نہیں دیا، اور اس کے عروض مخبول

---

[۱] وافی، وہ ہے جس میں دائرے کے تمام اجزاء کچھ نقص کے ساتھ موجود ہوں جیسے طویل۔
اضمار۔ دوسرے متحرک کو ساکن کرنا جیسے متفاعلن سے مستفعلن۔

[۲] اذالہ۔ جس رکن کے آخر میں وتد مجموع ہو اس پر ایک حرف ساکن بڑھانا جیسے فاعلن سے فاعلان۔

۳۴ہیں یعنی فعلتن، عین کے کسرہ کے ساتھ۔ پھر میں نے حافظ ابن حجر کو دیکھا کہ انہوں نے اس کو بعینہٖ مقدم کیا جو بیت تام کی ہیئت پر ہے پھر اشطار میں اس کا اعادہ فرمایا۔ فسبحان من لا یسہی۔

پھر حافظ ابن حجر نے ایک بیت اور دو شطر کے علاوہ ان سب کو جمع کیا جو علامہ شہاب ابو طیب نے بیان کیا ہے اور انہیں جمع کیا جنہیں امام جلال الدین سیوطی نے بیان فرمایا ہے، جیسے دو کے علاوہ ایک بیت، اور دو شطر۔ پھر دونوں کے تین ابیات اور گیارہ شطر باقی رہے، لہٰذا یہ سب اور حافظ ابن حجر نے جنہیں بیان کیا ہے، سب مل کر ۳۲ ابیات، اور ۵۵ شطور ہو گئے ان سب کا مجموعہ ۸۷ ہوتا ہے۔

اور میری نظر میں دونوں قسموں میں کچھ چیزیں اور ہیں۔ ان میں سے سورۂ صافات میں تین آیات مسلسل ہیں، اسی طرح سورۂ ذاریات میں تین آیات، سورۂ نازعات میں چار آیات لگاتار، اسی طرح سورۂ مرسلات میں پانچ آیات ہیں۔ اور سب مضارع کی ہیئت پر ہیں اور یہ سب مثلث و مربع اور مخمس کی صورت پر ہیں، اگر گزرے ہوئے کے ساتھ سب کو جمع کیا جائے تو سو پر پانچ کا اضافہ ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ یہ ان کے سوا ہیں جو میری نظر میں ابیات و شطور کی ہیئت پر ہیں لیکن قلت حسنات اور کثرت سیئات کی بناء پر میں اس طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔

اور امام قسطلانی کے قول نے مجھے فائدہ دیا انہوں نے یہ سب تحریر کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے لئے تو ان سب کا چھوڑ دینا ہی بہتر تھا لیکن اللہ عزوجل کا حکم ہے اس کے مطابق قلم چل گیا، ہم اللہ سے طریق مستقیم اور درست راستے کی ہدایت و رہنمائی کا سوال کرتے ہیں وہ امن و عافیت اور بغیر مشقت و تکلیف کے ہمارا اسلام و سنت پر خاتمہ کرے اور ہمارے درد و کرب کو دور فرمائے۔ اور حقیر فقیر آمین کہتا ہے الٰہی میرے اور تمام مسلمین و مسلمات کی

---

۳۴ مخبول، طی مع الخبن یعنی دوسرے اور چوتھے ساکن کو حذف کرنا، جیسے مستفعلن سے فعلتن۔ ۱۲
(معین العروض) مترجم

طرف سے قبول فرما۔ اللھم العفو و العافیة فی الدین و الدنیا و الاخرة آمین. وصل وسلم و بارک علی الحبیب الشفیع العفو الکریم واله وصحبه اجمعین۔

اے پروردگار اسی طرح ہر اس شخص سے قبول فرما جس نے اس باب میں کلام کیا اور اس سلسلے میں قرآن عظیم وحدیث مبارکہ میں جو وارد ہوا ہے اسے صاف ستھرا رکھا اور ان ائمہ کرام سے قصد وارادہ کی قید کے لحاظ سے جوگزرا جس سے یہ معتذر مستدل غافل رہا اسے بھی قبول فرما۔

اس قائل کے لیے یہ رکاوٹ ہے جس نے کہا کہ قرآن کریم حادث ہے کیونکہ ارادۂ الٰہیہ کے بغیر، حادث کے وجود کا امکان نہیں اور کبھی معنی قدیم کی، لفظ موزوں وغیر موزوں سے تعبیر ممکن ہوتی ہے اور کلام موزوں واقع ہوا تو ارادۂ الٰہیہ کے بغیر تخصیص نہ ہوئی، لہٰذا قصد ثابت ہوا اور تعریف صادق ہوگئی اور اس مستدل کے نزدیک قرآن عزیز شعر ہوگیا، ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم. قرآن کریم کو شعر اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاعر بنانے سے رحمٰن کی پاکی ہے۔

پھر یہ معتذر کھڑا ہوا اور ''وما علمناه الشعر'' سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم اقدس کی نفی پر دلیل دینے لگا۔ اور شعر کی کون سی چیز اس معتذر کے نزدیک باقی رہی یہاں تک کہ آیت سے تصدیق کی جائے، لیکن عقل وفہم کو گراں قیمت پر بھی کبھی فروخت نہیں کیا جاتا۔

نسأل اللہ التوفیق و الهدایة آمین.

(مترجم) محمد عیسیٰ رضوی قادری
خلیفہ حضور تاج الشریعة و
خادم الحدیث والافتاء الجامعة الرضویہ مظہر العلوم
گرسہائے گنج قنوج (یوپی)
۲۷ رذی قعدہ ۱۴۲۵ھ/ ۹ رجنوری ۲۰۰۵ء

متوطن: کٹم پوسہ پوسٹ ڈمرول
وایا اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور
(بنگال)

المصادر والمراجع

نمبر شمار	اسماء الکتب	مصنفین	سن وفات
۱	الابریز	عبدالعزیز بن مسعود الدباغ	۱۱۳۲ھ
۲	الاتقان	امام عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۳	احیاء علوم الدین	حجۃ الاسلام امام غزالی	۵۰۵ھ
۴	الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۵	ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۶	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود العمادی	۹۵۱ھ
۷	الارشاد فی الکلام	عبدالملک بن عبداللہ الجوینی	۴۷۸ھ
۸	اسنی المفاخر فی مناقب عبدالقادر	امام عبداللہ الیافعی	۷۶۸ھ
۹	الاسماء والصفات	امام احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸ھ
۱۰	الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الامصار	حافظ ابوعمر یوسف الشہیر بابن عبدالبر	۴۶۳ھ
۱۱	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۲	الاشاعۃ لاشراط الساعۃ	امام محمد بن عبد رسول البرزنجی	۱۰۳ھ
۱۳	الاشراف	امام شمس الدین ابن الزکی الشلبی	
۱۴	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	امام ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۱۵	اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد	امام نقی علی خان البریلوی	۱۲۹۷ھ
۱۶	اصول البزدوی	امام فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۸۲ھ
۱۷	اعجاز القرآن	ابن سراقہ	
۱۸	اعجاز البیان فی کشف بعض اسرار ام القرآن	صدر الدین محمد بن اسحاق القونوی	۶۷۲ھ

۱۹	الاعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۴ھ
۲۰	افاضۃ الانوار علی اصول المنار	امام محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۲۱	افضل القری لقراء ام القری	ابن حجر المکی	۹۷۴ھ
۲۲	الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء	امام ابراہیم بن عبداللہ الوصابی الیمنی	۱۳۰۴ھ
۲۳	الافراد	امام علی بن عمر الشہیر بالدار قطنی	۳۸۵ھ
۲۴	امثال النبی ﷺ	امام حسن بن عبدالرحمن الرامہرمزی	۳۶۰ھ
۲۵	الاملاعلی مشکل الاحیاء	امام محمد بن غزالی	۵۰۵ھ
۲۶	انباء المصطفیٰ بحال سرواخفی	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۲۷	انساب السمعانی	امام عبدالکریم بن محمد المروزی	۵۶۲ھ
۲۸	الانصاف فیما تضمنہ الکشاف	امام ناصر الدین محمد بن احمد الاسکندری المالکی	۸۰۱ھ
۲۹	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	امام عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۶ھ
۳۰	انوار المنان فی توحید القران	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۳۱	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف بن ابراہیم الاردبیلی	۷۹۹ھ

☆☆☆

۳۲	بحر الرائق	امام زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰ھ
۳۳	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
۳۴	البرہان فی علوم القران	امام محمد بن عبداللہ الزرکشی	۷۹۴ھ
۳۵	بہجۃ الاسرار	امام یوسف بن جریر لخمی الشطنوفی	۷۱۳ھ

☆☆☆

۳۶	تاج العروس شرح القاموس	امام محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
۳۷	تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
۳۸	التاریخ الکامل	علی بن محمد ابن الاثیر	۶۳۰ھ
۳۹	تاریخ دمشق	ابن عساکر	۵۷۱ھ
۴۰	تاریخ بغداد	امام ابوبکر بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ

۴۱	التاویلات النجمیہ	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷ھ
۴۲	تبصیر الرحمٰن	امام علی بن احمد المھائمی الہندی	۸۳۵ھ
۴۳	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۴۴	التحریر والتحبیر	امام محمد بن سلیمان الشہیر بابن النقیب	۶۹۸ھ
۴۵	تحبیر الحبر بقصم الجبر	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۴۶	تحریر الاصول	امام محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن الھمام	۸۶۱ھ
۴۷	تحفۃ المرید شرح جوہر التوحید	ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶ھ
۴۸	تحقیق شرح المنتخب فی الاصول	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰ھ
۴۹	التذکرۃ فی احوال الموتی والاخرۃ	امام محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱ھ
۵۰	الترغیب والترہیب	امام عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶ھ
۵۱	الترغیب والترہیب	امام اسماعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵ھ
۵۲	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی	۳۲۷ھ
۵۳	تفسیر ابن المنذر	امام محمد بن ابراہیم النیساپوری	۳۱۸ھ
۵۴	تفسیر الجلالین	الامامین جلال الدین المحلی والسیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۵۵	تفسیر القرآن العظیم	امام ابن کثیر القرشی	۷۷۴ھ
۵۶	التفہیمات الالٰہیۃ	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ
۵۷	تقدیس الوکیل	مولانا غلام دستگیر قصوری	۱۳۱۵ھ
۵۸	تقریب التہذیب	امام ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۵۹	التقریر والتحبیر	امام محمد بن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹ھ
۶۰	تقویۃ الایمان	شاہ اسماعیل دہلوی	۱۲۴۶ھ
۶۱	التلویح فی کشف حقائق التنقیح	امام سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۲ھ
۶۲	تہذیب تاریخ دمشق الکبیر	شیخ عبدالقادر بدران	۱۳۴۶ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۶۳	التوقیف علی مھمات التعاریف	امام مناوی	۱۰۳۱ھ
۶۴	التوشیح مکفل التشریح بمانی التوضیح		
۶۵	التیسیر شرح الجامع الصغیر	امام مناوی	۱۰۳۱ھ

☆☆☆

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۶۶	الجامع الصحیح	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ
۶۷	الجامع الصحیح	امام مسلم بن الحجاج	۲۶۱ھ
۶۸	الجامع الصغیر	امام عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۶۹	الجامع الکبیر	امام عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ
۷۰	الجامع لاحکام القرآن	امام ابوعبداللہ محمد القرطبی	۶۷۱ھ
۷۱	الجامع الصحیح	امام محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۷۲	الجواہر والدرر	امام عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۷۳	جامع البیان	امام محمد بن جریر الطبری	۳۱۰ھ
۷۴	جامع بیان العلم وفضلہ	امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر	۴۶۳ھ
۷۵	جمع النھایۃ فی بدء الخیر والغایۃ	امام عبداللہ الاندلسی	۶۹۹ھ
۷۶	الجواہر المنظم	امام ابن حجر المکی	۹۷۴ھ
۷۷	الحصن الحصین	امام محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳ھ

☆☆☆

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۷۸	حاشیہ شرح میرزاہد علی رسالہ قطبیہ	مولانا عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی	۱۲۲۵ھ
۷۹	حاشیہ علی شرح العقائد	احمد بن محمد حفید التفتازانی	۹۰۶ھ
۸۰	حاشیہ علی شرح المواقف	امام محمد شاہ بن علی الفناری	۹۲۹ھ
۸۱	حاشیہ الکشاف	امام التفتازانی	۷۹۲ھ
۸۲	حاشیہ فتح المبین		
۸۳	الحدیقۃ الندیۃ	امام عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳ھ
۸۴	حسام الحرمین	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ

٨٥	حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرۃ	امام السیوطی	٩١١ھ
٨٦	حفظ الایمان	اشرف علی تھانوی	١٣٦٢ھ
٨٧	حلیۃ الاولیاء	امام احمد بن عبداللہ الاصبہانی	٤٣٠ھ
٨٨	حواشی الکشاف	امام الشریف علی بن محمد الجرجانی	٨١٦ھ
٨٩	حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات	امام احمد رضا القادری البریلوی	١٣٤٠ھ

☆☆☆

٩٠	الخصائص الکبریٰ	امام السیوطی	٩١١ھ
٩١	خالص الاعتقاد	امام احمد رضا القادری البریلوی	١٣٤٠ھ
٩٢	خلاصۃ المفاخر	امام عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی	٧٦٨ھ
٩٣	الدر المختار	امام علاء الدین الحصکفی	١٠٨٨ھ
٩٤	الدر المکنون والجواہر المصون	شیخ محمد بن علی ابن العربی	٦٣٨ھ
٩٥	الدر المنثیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر	امام السیوطی	٩١١ھ
٩٦	دلائل النبوۃ	امام ابو نعیم	٤٣٠ھ
٩٧	دلائل النبوۃ	امام بیہقی	٤٥٨ھ
٩٨	در التاج	علامہ قطب الدین شیرازی	١٢٣٦ھ
٩٩	درۃ الغواص فی اوہام الخواص	امام ابو محمد القاسم الحریری	٥١٦ھ

☆☆☆

١٠٠	رد المحتار	امام محمد امین ابن عابدین الشامی	١٢٥٤ھ
١٠١	الرسالۃ القشیریۃ فی التصوف	امام عبدالکریم القشیری	٤٦٥ھ
١٠٢	روح البیان	امام اسماعیل حقی	١١٣٧ھ
١٠٣	روض الریاحین	امام یافعی الیمنی	٧٦٨ھ
١٠٤	الروض النضیر شرح الجامع الصغیر	المناوی	١٠٣١ھ
١٠٥	روضۃ الطالبین	امام یحییٰ بن شرف الدین النووی	٦٧٦ھ
١٠٦	روضۃ العلماء	امام حسین بن یحییٰ الاندوسی	٤٠٠ھ

☆☆☆

۱۰۷	زبدۃ الآثار	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۰۸	زبدۃ الاسرار	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۰۹	الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۱۱۰	الزھد	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۱۱	الزھد	امام عبد اللہ بن مبارک المروزی	۱۸۱ھ
۱۱۲	زوائد الزھد	امام عبد اللہ بن امام احمد	۲۹۰ھ
۱۱۳	سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۱۴	سبع سنابل	سید عبد الواحد بلگرامی	۱۱۳۴ھ
۱۱۵	السراج المنیر شرح الجامع الصغیر	امام علی بن محمد العزیزی	۱۰۷۰ھ
۱۱۶	سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۱۷	السنن الکبریٰ	امام بیہقی	۴۵۸ھ
۱۱۸	السنن النسائی	امام احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ
۱۱۹	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵ھ
۱۲۰	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور خراسانی	۲۷۳ھ
۱۲۱	السنن الدارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ
۱۲۲	سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ

☆☆☆

۱۲۳	شرح اربعین النووی	امام ابن حجر المکی	۹۷۳ھ
۱۲۴	شرح البردۃ	امام ابراہیم الباجوری	۱۲۷۶ھ
۱۲۵	شرح جمع الجوامع	امام جلال الدین المحلی الشافعی	۸۶۴ھ
۱۲۶	شرح ام البراہین	امام محمد بن یوسف السنوسی	۸۹۵ھ
۱۲۷	شرح الزرقانی علی المواہب	محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ
۱۲۸	شرح الشفاء	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۱۲۹	شرح الصدور	امام السیوطی	۹۱۱ھ
۱۳۰	شرح صحیح مسلم	امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ

۱۳۱	شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح	امام حسین بن محمد الطیبی	۷۴۳ھ
۱۳۲	شرح العقائد	امام سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۲ھ
۱۳۳	شرح المقاصد	امام سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۲ھ
۱۳۴	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶ھ
۱۳۵	شرح المھذب	ابو اسحاق ابراہیم بن منصور العراقی	۵۹۶ھ
۱۳۶	شرح الھمزیۃ	امام شیخ سلیمان الجمل	۱۲۰۴ھ
۱۳۷	شرح صلاۃ سیدی احمد البدوی	امام العشماوی	
۱۳۸	شرف النبی ﷺ	ابو سعید عبد الملک الواعظ الخرکوشی	۴۰۷ھ
۱۳۹	شعب الایمان	امام البیہقی	۴۵۸ھ
۱۴۰	الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ	امام قاضی عیاض بن موسیٰ	۵۴۴ھ
۱۴۱	شفاء السقام	امام علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶ھ
۱۴۲	شفاء الصدور	امام ابن السبع سلیمان السبتی	
۱۴۳	الضعفاء الکبیر	امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲ھ
۱۴۴	طبقات القراء	امام محمد بن محمد الجزری	۸۳۳ھ
۱۴۵	الطبقات الکبریٰ	امام عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۴۶	الطبقات الکبریٰ	امام محمد بن سعد الزہری	۲۳۰ھ
۱۴۷	طبقات المقرئین	امام محمد بن احمد الذھبی	۷۴۸ھ
۱۴۸	طوالع الانوار	امام عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۲ھ

☆☆☆

۱۴۹	العروس الاسماء الحسنیٰ	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۵۰	العقیدۃ الطحاویۃ	امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱ھ
۱۵۱	العلل الکبریٰ	امام محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ
۱۵۲	عمدۃ القاری	امام بدر الدین محمود بن احمد العینی	۸۵۵ھ
۱۵۳	العنایۃ	امام اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶ھ

۱۵۴	عنایۃ القاضی	امام احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹ھ
۱۵۵	غایۃ المامول	سید احمد الافندی البرزنجی	
۱۵۶	غرائب القرآن	امام نظام الدین حسن بن محمد النیشاپوری	۷۲۸ھ
۱۵۷	غمز عیون البصائر	امام احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸ھ

☆☆☆

۱۵۸	الفتاوی السراجیہ	علامہ سراج الدین علی ابن عثمان	۵۷۵ھ
۱۵۹	فتاوی حدیثیہ	امام احمد بن محمد ابن حجر الہیتمی	۹۷۴ھ
۱۶۰	فتاوی قاضی خان	امام حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲ھ
۱۶۱	الفتاوی الہندیہ	مجلس علماء تحت بادشاہ اورنگزیب	
۱۶۲	فتح الباری	امام ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ
۱۶۳	فتح العزیز	شاہ عبد العزیز محدث دہلوی	۱۰۰۴ھ
۱۶۴	فتح القدیر	امام ابن الھمام	۸۶۱ھ
۱۶۵	الفتوحات الالھیۃ	امام سلیمان الشافعی الجمل	۱۲۰۴ھ
۱۶۶	الفتوحات المکیۃ	امام محی الدین ابن العربی	۶۳۸ھ
۱۶۷	فتوحات معنوی	امام عبد العلی محمد بن نظام الدین لکھنوی	۱۲۲۵ھ
۱۶۸	فصول البدائع فی اصول الشرائع	امام محمد بن حمزۃ الفناری	۸۳۴ھ
۱۶۹	فضائل الصدیق	امام محمد بن احمد (محقق الدوانی)	۹۰۸ھ
۱۷۰	فضائل القرآن	امام محمد بن ضریس البجلی	۲۹۴ھ
۱۷۱	الفقہ الاکبر	امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰ھ
۱۷۲	فواتح الرحموت	امام عبد العلی محمد بن نظام الدین لکھنوی	۱۲۲۵ھ
۱۷۳	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ دہلوی	۱۱۷۶ھ

☆☆☆

۱۷۴	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب فیروز آبادی	۸۱۷ھ
۱۷۵	القرآن الکریم		

۱۷۶	قوت القلوب	امام محمد بن علی المکی	۳۸۶ھ
۱۷۷	القول البدیع	امام محمد بن عبد الرحمن السخاوی	۹۰۲ھ

☆☆☆

۱۷۸	الکامل	ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی	۳۶۵ھ
۱۷۹	الکبریت الاحمر	امام عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳ھ
۱۸۰	کتاب الام	امام محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴ھ
۱۸۱	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ
۱۸۲	کتاب البعث والنشور	امام البیہقی	۴۵۸ھ
۱۸۳	کتاب الذیل	امام السمعانی	۵۶۲ھ
۱۸۴	کتاب الروح	ابو عبد اللہ ابن قیم الجوزیۃ	۷۵۱ھ
۱۸۵	کتاب الفتن والملاحم	امام نعیم بن حماد الخزاعی	۲۲۸ھ
۱۸۶	کتاب اللہ	امام ابن نصر المروزی	۲۹۴ھ
۱۸۷	کشف الاسرار	امام علاء الدین بن عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰ھ
۱۸۸	کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبد اللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷ھ
۱۸۹	الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الالف	امام السیوطی	۹۱۱ھ
۱۹۰	الکشاف عن حقائق التنزیل	علامہ محمد بن عمر الزمخشری	۵۳۷ھ
۱۹۱	الکفایہ شرح الھدایہ	امام جلال الدین الخوارزمی	۷۶۷ھ
۱۹۲	الکواکب الدریہ	امام شرف الدین محمد بن سعید البجیری	۶۹۴ھ
۱۹۳	الکوکب الانور علی عقد الجوہر	امام جعفر بن اسماعیل البرزنجی	۱۳۱۷ھ

☆☆☆

۱۹۴	لباب التاویل فی معانی التنزیل	امام علی بن محمد البغدادی الخازن	۷۲۵ھ
۱۹۵	لمعات التنقیح	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
۱۹۶	اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ

☆☆☆

١٩٧	مالی الجیب بعلوم الغیب	امام احمد رضا القادری البریلوی	١٣٤٠ھ
١٩٨	مثنوی معنوی	مولانا جلال الدین محمد بن محمد الرومی	٧٢٢ھ
١٩٩	مجلی العروس ومراد النفوس	امام احمد رضا القادری البریلوی	١٣٤٠ھ
٢٠٠	مجمع بحار الانوار	امام محمد طاہر الفتنی الہندی	٩٨٦ھ
٢٠١	مجمع الزوائد	امام علی بن ابی بکر الہیثمی	٧٠٨ھ
٢٠٢	المختارة	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	٦٤٣ھ
٢٠٣	المختصر فی الفروع	امام ابویعقوب یوسف بن یحییٰ البویطی	٢٣١ھ
٢٠٤	مدارج النبوة	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	١٠٥٢ھ
٢٠٥	مدارک التنزیل	امام عبدالله بن احمد النسفی	٧١٠ھ
٢٠٦	المدخل	امام ابوعبدالله محمد بن الحاج	٧٣٧ھ
٢٠٧	مرقاة شرح المشکوٰة	ملا علی قاری	١٠١٤ھ
٢٠٨	مرقاة الوصول	شیخ محمد بن فراموز ملا خسرو	٨٨٥ھ
٢٠٩	مرآة الجنان	امام عبدالله بن اسعد الیافعی	٧٦٨ھ
٢١٠	المسایرة	امام محمد بن عبدالواحد ابن الہمام	٨٦١ھ
٢١١	المسامرة	محمد بن محمد بن ابی شریف الشافعی	٩٠٦ھ
٢١٢	المستدرک	امام ابوعبدالله محمد بن عبدالله الحاکم	٤٠٥ھ
٢١٣	مسند البزار	امام احمد بن عمرو البزار	٢٩٢ھ
٢١٤	مسند ابن حمید	امام ابوبکر عبدالله بن زبیر	٢١٩ھ
٢١٥	مسند ابی یعلی	امام ابویعلی احمد بن علی الموصلی	٣٠٧ھ
٢١٦	مسند امام ابی عبیده	امام ابوعبیده	
٢١٧	مسند امام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	٢٤١ھ
٢١٨	مسند ابن راہویہ	امام حافظ اسحاق بن راہویہ	٢٣٨ھ
٢١٩	مسند طیالسی	امام سلیمان بن داؤد الطیالسی	٢٠٤ھ
٢٢٠	مسند الفردوس	امام شہردار بن شیرویہ الدیلمی	٥٥٧ھ
٢٢١	المسند فی الحدیث	امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	١٥٠ھ

۲۲۲	المسند فی الحدیث	امام عمر بن احمد المشہیر بابن شاہین	۳۸۵ھ
۲۲۳	مشکوۃ المصابیح	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۲ھ
۲۲۴	المصاحف	امام محمد بن ابو محمد القاسم ابن الانباری	۳۲۸ھ
۲۲۵	المصنف	عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱ھ
۲۲۶	المصنف	امام ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبۃ	۲۳۵ھ
۲۲۷	المطالب الوفیۃ	عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی	۱۱۴۳ھ
۲۲۸	مطالع الانظار	امام محمود بن عبد الرحمن الاصبہانی	۷۴۹ھ
۲۲۹	مطالع المسرات	امام محمد بن المہدی احمد الفاسی	۱۰۵۲ھ
۲۳۰	معالم التنزیل	امام ابو محمد حسین بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ
۲۳۱	المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۲۳۲	المعجم الاوسط	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۳۳	المعجم الصغیر	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۳۴	المعجم الکبیر	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ
۲۳۵	معیار الاشعار	محمد بن محمد نصیر الدین الطوسی	۶۷۲ھ
۲۳۶	مغازی الرسول علیہ السلام	محمد بن اسحاق	۱۵۰ھ
۲۳۷	مفاتیح الغیب	امام فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
۲۳۸	مفردات الفاظ القرآن الکریم	امام ابو القاسم حسین بن محمد الاصبہانی	۵۰۲ھ
۲۳۹	مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید	امام احمد رضا القادری البریلوی	۱۳۴۰ھ
۲۴۰	المقاصد فی علم الکلام	علامہ تفتازانی	۷۹۲ھ
۲۴۱	مکاشفات الرضوی	شیخ محمد بن رضا بن محمد اکرم	۱۱۶۱ھ
۲۴۲	منح الروض الازہر	ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
۲۴۳	منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
۲۴۴	منتخب کنز العمال	علی بن حسام الدین المتقی	۹۷۵ھ
۲۴۵	المنۃ فی لتوفن بہ ولتنصرنہ	امام تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶ھ
۲۴۶	المواقف فی علم الکلام	امام عبد الرحمن بن رکن الدین	۷۵۶ھ

۲۴۷	المواھب اللدنیہ	امام احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳ھ
۲۴۸	الموطا	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹ھ
۲۴۹	میزان الاعتدال	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الذھبی	۷۴۸ھ
۲۵۰	میزان الشریعۃ الکبریٰ	امام عبدالوہاب شعرانی	۹۷۳ھ

☆☆☆

۲۵۱	ناسخ القرآن ومنسوخہ	امام سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۲۵۲	نسیم الریاض	امام احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹ھ
۲۵۳	نشر المحاسن	الامام الیافعی الیمنی	۷۶۸ھ
۲۵۴	نفحات الانس	ملا عبدالرحمن بن احمد الجامی	۸۹۸ھ
۲۵۵	نوادر الاصول	امام حکیم الترمذی	۲۵۵ھ
۲۵۶	نور الانوار	احمد بن عبداللہ ملاجیون	۱۱۳۰ھ
۲۵۷	النھایۃ	مبارک بن محمد ابن الاثیر	۶۰۶ھ

☆☆☆

۲۵۸	وفیات الاعیان	امام شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱ھ
۲۵۹	الھدایۃ	برھان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳ھ
۲۶۰	الیواقیت والجواھر فی عقائد الاکابر	امام عبدالوہاب شعرانی	۹۷۳ھ

●●●



الشفاء
فتوح الشام
الخصائص الکبریٰ
کتاب الآثار
تنبیہ المغترین
تاریخ اقوام عالم
تاریخ اسلام
مکتبہ اعلیٰ حضرت
داتا دربار مارکیٹ، لاہور
042-37247301
0300-8842540